حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے الہامی ترجمہ و تفسیر
جامع تاریخی و علمی تبصرہ
محاسن موضح قرآن
مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی
ذوالنورین اکادمی
بھیرہ ۰ ضلع سرگودھا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الہامی ترجمہ و تفسیر پر

جامع تاریخی و علمی تبصرہ

محاسنِ موضحِ قرآن

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

ذوالنورین رضی اللہ عنہ اکادمی

بھیرہ ○ ضلع سرگودھا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الہامی ترجمہ و تفسیر پر

جامع تاریخی و علمی تبصرہ

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

ذو النورین رضی اللہ عنہ اکادمی

بھیرہ ○ ضلع سرگودھا

۱۴۰۳ھ
۱۹۸۳ء
پاکستان میں پہلی بار !!

کتاب : محاسن موضح قرآن
مصنف : مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی
سرورق : سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ
کتابت : مولوی عبدالوحید صاحب، محمد افضل صاحب
صفحات : ۸۸۸
ھدیہ : 180/-
مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ، لاہور
ناشر : ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکادمی محلہ حاجی گلاب بھیرہ ضلع سرگودھا
۱۲، اے شاہ جمال، لاہور ۱۶

ملنے کا پتہ
مکتبہ رحمانیہ، مکتبہ مدنیہ، مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
پاک اکادمی دکان ۲۲ مسجد باب الاسلام آرام باغ کراچی
سُنّی پبلیکیشنز، چوک سنت نگر لاہور

فہرست

نمبر شمار	نام مضامین	صفحہ نمبر
۱۷۶	اللہ تعالیٰ اور حیلہ فقہی	۴۳۴
۱۷۷	بن یمین کا روکنا	۴۴۴
۱۷۸	ادب رسالت کا غلبہ	۴۵۳
۱۷۹	شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب	۴۵۸
۱۸۰	شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولنا عبدالماجدؒ	۴۶۱
۱۸۱	مشکل اور متروک الفاظ کے متعلق ضروری تشریح	۴۶۵
۱۸۲	ایسٹ انڈیا کمپنی کی توجہ	۴۶۷
۱۸۳	ہندی اور سنسکرت الفاظ	۴۷۲
۱۸۴	قدیم نسخوں پر کتابت کی غلطیاں	۴۷۹
۱۸۵	ایک نعبد کا ترجمہ	۴۷۹
۱۸۶	خبروں کا استعمال	۴۸۰
۱۸۷	ایک فاش غلطی	۴۸۲
۱۸۸	یَخْلُ لَکُمْ وَجْہُ اَبِیْکُمْ	۴۸۲
۱۸۹	کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ	۴۸۳
۱۹۰	عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ	۴۸۳
۱۹۱	تاج کمپنی کے نسخہ میں غلطیاں	۴۸۸
۱۹۲	ایک حرف کی کمی سے محاورہ بدل گیا	۴۸۸
۱۹۳	وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا	۴۹۲

س

ف

نمبر شمار	نام مضامین	صفحہ نمبر

نقشہ مسجد اکبرآبادی متعلقہ مضمون صفحہ ۲۸۴

سورة الناس لنا بالمدينة وقيل بمكة ثم سورة الاخلاص

آیاتها ٦ وکلماتها ٢٠ وحروفها ٨٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝

بگو پناه میگیرم به پروردگار مردمان پادشاه مردمان

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی

اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ

معبود مردمان از شر وسوسه اندازنده

لوگوں کے پوجے کی بدی سے اس کی جو سٹکا دے

الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ

چون ذکر گفته شد باز پس رونده آنکه وسوسه افگند در سینه مردمان

اور چھپ جاوے ف وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

از جنس جن باشد یا از جنس مردمان

جنوں میں اور آدمیوں میں ف

اس قلمی نسخہ میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ہے اور
دوسرا حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا۔
یہ نسخہ موضح قرآن کے اصلی پہلے ایڈیشن کے مطابق ہے۔
کتاب کا سن ۱۲۵۰ھ ہے

سلطان ٹیپو شہید کے خانوادہ کا لکھا ہوا قرآن مجید۔ بیت القرآن، لاہور۔

مرقع قرآن

فرمانِ والاشان حضرت سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) بنام منذر بن ساوی عبدی شاہِ بحرین

بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ

الی المنذر بن ساوی سلام علیک فانی احمد اللہ

نامۂ مبارک کی سند

ایک فرانسیسی سیاح نے ۱۸۶۳ء میں اطرافِ مصر کے ایک قبطی راہب سے حاصل کر کے سلطان المعظم امیر المومنین عبد الحمید خان ثانی کی خدمت میں پیش کیا۔ مرحوم سلطان نے قسطنطنیہ میں بجز دیگر تبرکاتِ نبوی محفوظ رکھا اور اس کا عکس متعدد حضرات کی وساطت سے ہندوستان میں پہنچا۔ نامۂ مبارک کی عبارت جدید عربی رسم الخط میں دی گئی ہے جو تاریخ سیرت کے صفحہ (۱۶۹) پر مع ترجمہ درج ہے۔

موضح قرآن

SURA I LAHAB.

Makke meṇ názil húí ; 5 áyat kí hai.

BISMI-L-LÁ HI-R-RAHMÁ NI-R-RAHÍM.

(1 *R.*) 1 Ṭúṭ gae háth Abí Lahab ke, aur ṭúṭ gayá wuh áp.
2 Na kám áyá us ko us ká mál, aur na jo kamáyá.
3 Ab paiṭhegá dhík mártí ág meṇ.
4 Aur us kí jorú sir par liye phirtí índhan.
5 Aur us kí gardan meṇ rassí hai múnj kí.

SURA I IKHLAS.

Makke meṇ názil húí ; 4 áyat kí hai.

BISMI-L-LÁ HI-R-RAHMÁ NI-R-RAHÍM.

(1 *R.*) 1 Tú kah, Wuh Alláh ek hai.
2 Alláh nirá dhár hai.
3 Na kisí ko janá, na kisí se janá.
4 Aur nahíṇ us ke joṛ ká koí.

SURA I FALAQ.

Makke meṇ názil húí ; 5 áyat kí hai.

BISMI-L-LÁ HI-R-RAHMÁ NI-R-RAHÍM.

(1 *R.*) 1 Tú kah, Maiṇ panáh meṇ áyá subh ke Rabb kí,
2 Har chíz kí badí se, jo us ne banáí ;
3 Aur badí se andhere kí, jab simaṭ áí ;
4 Aur badí se phúṇknewálí guratoṇ kí gireh-hoṇ meṇ ;
5 Aur badí se burá cháhnewále kí jab lage húsne.

یہ نمونہ اس رومن نسخہ کا ہے جسے عیسائی مشن نے ۱۸۷۰ء میں مشن
پریس لدھیانہ پنجاب میں طبع کرایا۔ اس کے مقدمہ میں بتایا
گیا ہے کہ یہ نسخہ اردو ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۴۴ء محمدی پریس
بمبئی کے مطابق ہے۔

تقدمہ

"محاسن موضح قرآن" پاکستان کے ارباب علم و دانش کے حضور پیش کرنے پر ہمارا سر اپنے رب کے آستانہ پر سجدہ ریز ہے جس کی مدد و توفیق سے یہ بیل منڈھے چڑھی۔

"دار العلوم دیوبند" کے گرامی قدر فضلاء میں سے مولانا اخلاق حسین قاسمی عروس البلاد دہلی کے باسی ہیں اور وہاں "مفسر قرآن" کے نام سے معروف ہیں۔ مولانا المحترم دیوبند کے فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر علمائے ہند کے جذبات حریت کے بھی صحیح معنوں میں وارث ہیں۔ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی قدس سرہ کے بعد دہلی میں ثقہ راویوں کے بقول مولانا موصوف کا درس بڑا مقبول ہے۔ اور لوگ اسے بڑی توجہ اور ذوق سے سنتے ہیں۔

قرآن عزیز کے خادم ہونے کے ناطے سے حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہ اور ان کے خاندان کی قرآنی خدمات موصوف کے ہمیشہ پیش نظر رہیں اور انہوں نے انہی اسلاف کی تفسیری خدمات کی روشنی میں کتاب اللہ کے اسرار و حکم کو سمجھا۔ اور آگے پھیلایا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا خاندان بلا شبہ برکبیر کا وہ عظیم خاندان ہے، جن کی کاوشوں کے نتیجہ میں یہاں کی بسنے والی امت قرآن و حدیث سے واقف و آگاہ ہوئی۔ .... مولانا قاسمی جس درس گاہ کے فیض یافتہ ہیں اس کا شجرۂ علمی ولی اللّٰہی سے ملتا ہے۔ اور مولانا کے اکابر و اساتذہ خاندان ولی اللّٰہی کے حدی خواں تھے، اس مناسبت اس خاندان عظیم کی کاوشوں سے ان کا متاثر ہونا

اور انہیں اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا قدرتی سی بات تھی .... پھر انہیں طالبعلمانہ زندگی سے فراغت کے بعد قطب البلاد لاہور کے زندہ حضرت علی ہجویری امام الاولیاؒ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا اور ان کے یہاں دورہ تفسیر کی کلاس میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مولانا لاہوری امام انقلاب عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے خاندانی اور علمی ہر دو نسبتوں کے سبب خاندانِ ولی اللّٰہی کے علوم و معارف کے کتنے بڑے ترجمان تھے۔ مولانا قاسمی کا یہ ذوق یہاں اور رچنۃ ہوا اور وہ ولی اللّٰہی خاندان کے قرآنی خدمات کے مبلغ و منادی بن گئے۔

انہوں نے جہاں درس قرآن کے سلسلہ میں ایک مخلوق کو مستفیض فرمایا۔ وہاں قلمی طور پر بھی اسطرف متوجہ ہوئے اور ان کی توجہات کا مرکز حضرت حکیم دہلوی کے صاحبزادے مولانا الشاہ عبد القادر قدس سرہ کا ترجمہ و تفسیر بن گئے ......
حضرت شاہ صاحبؒ نے خود تو ضرورت وقتی کے تحت فارسی زبان میں ترجمہ و تفسیر کی خدمت سر انجام دی جس کی بڑی قیمت آپ کو ادا کرنا پڑی (اور اس کا سبب اس عصر کے علماءِ سوء اور پیران تسمہ پا تھے) ان کے صاحبزادگان میں سے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اردو میں بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ "موضح قرآن" کے نام سے تفسیر بھی لکھی جو گو مختصر ہے، لیکن مستقبل پر لکھی جانے والی تمام تراجم و تفاسیر کی بنیاد یہی ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اپنے برادر حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ سے استفادہ کیا اور پھر دہلی کی اکبری مسجد میں اس کتاب الٰہی کی خدمت میں منہمک ہو گئے

اسی مسجد میں اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایماء پر امیر المؤمنین سید المجاہدین حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی آپ نے تربیت کی۔

برطانوی استعمار جسے اس خاندان اور اس خاندان کے فیض یافتہ علماءؒ وصلحاءؒ نے ایک دن بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، اس نے اس مسجد کو بھی مسمار کرا دیا۔ ان ملتقمانہ جذبات کا سبب قرآن کے بغض کے ساتھ ساتھ اس خاندان سے بھی بغض تھا...... بہر طور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ و تفسیر مکمل ہو جانے کے بعد چھپنا شروع ہو گیا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت بخشی اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا، بعد کے اکثر و بیشتر مترجم حضرات اور مفسرین نے اسی کو بنیاد بنا دیا اور خاص طور پر قافلہ حریت کے سپہ سالار اکبر حضرت شیخنا العالم مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو اسی ترجمہ کی بنیاد پر خدمت قرآنی سرانجام دی...... حضرت شیخ الہندؒ اس خاندان عالی وقار کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ تعالیٰ اسرارہم کے تراجم کو جو غور سے دیکھا تو یہ امر بے تامل معلوم ہو گیا کہ اگر مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدت ضرورت کے وقت ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا۔ علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لیے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتا اور ان وقتوں کے بعد بھی شاید ایسا ترجمہ نہ کر سکتے۔

(مقدمہ ترجمہ قرآن ص ۱ مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ)

پھر خاص حضرت شاہ عبدالقادرؒ قدس سرہ کے ترجمہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالٰی نے جو بامحاورہ ترجمہ کے بانی وامام ہیں۔ انہوں نے بامحاورہ ترجمہ کو اختیار فرمانے کی یہی وجہ بیان کی ہے (یعنی قرآن کا سمجھنا آسان ہو جائے) ایضاً۔

مزید فرماتے ہیں:۔

حضرت مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کمال ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم و ترتیب کلمات قرآن اور معانی لغویہ کو اس حد تک نبھایا ہے، کہ زیادہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز کام نہیں اور ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور ان اغراض اور اشارات کو جو ان کے سیدھے سیدھے مختصر الفاظ میں ہیں سمجھ جائیں تو ہم جیسوں کے فخر کے لیے یہ امر بھی کافی ہے

(مقدمہ صـ ۲۷۱)

اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے لوگوں کے بے پناہ اصرار پر نئے ترجمے کی ضرورت اور موجودہ تراجم وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ غور و احتیاط کے ساتھ الفاظِ متروکہ کی جگہ مستعملہ لے لیے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کھول دیا جائے

(تلخیص مقدمہ صـ ۲)

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

اب حق تعالٰی کو منظور ہے تو انہی احباب مکرمین کی خدمت میں (جنہوں نے اصرار کیا) اس ترجمہ کو پیش کر کے تفصیلی نظر کی درخواست کریں گے۔ اگر ہماری

یہ پیوندکاری ان حضرات کے نزدیک مفید ومناسب سمجھی گئی تو انشاء اللہ شائع بھی ہو جائے گا۔ ورنہ مجبوراً جہاں ہے وہیں رہیگا۔

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ـــــ ۲

میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اس صاف گوئی، صداقت شعاری اور عجز وانکسار نے ان کے ترجمہ کو اتنی مقبولیت بخشی کہ سبحان اللہ!

حضور اقدس۔ نبی مکرم۔ رسول محتشم قائدنا الاعظم الاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کا ارشاد گرامی کتنا سچا ہے۔ کہ

من تواضع للہ رفعہ اللہ علیہ

بہر حال اولیت کا شرف حضرت شاہ صاحب عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالےٰ کو حاصل تھا اور ہے لیکن اس ترجمہ وتفسیر کے بار بار چھپنے کے نتیجہ پر اغلاط راہ پانے لگیں اور اس کا سبب ناشر حضرات اور ارباب مطابع ہیں جو بالعموم خاطر خواہ توجہ نہیں کرتے۔

مولانا اخلاق حسین نے مطالعہ تفسیر اور قلمی خدمت کے نتیجہ پر اس قسم کی اغلاط محسوس کیں تو انہوں نے اس گراں قدر سرمایہ ملی کو اصلی شکل وصورت میں پیش کرنے کا عزم کیا اور اس میں مولانا سے اللہ تعالےٰ نے چند اور خدمات لیں مثلاً تاریخی تحقیق، تفسیری لطائف ومحاسن، قدیم الفاظ کی تشریح، کتابتی اغلاط کی تصحیح، اور حکیمانہ تفسیری فوائد۔

ابتداء مختلف علمی جرائد سے ہوئی اور مولانا نے مقالات ومضامین کا سلسلہ شروع کیا......... چند دن بعد "محاسن موضح قرآن" کے نام سے ایک عظیم

الشان کتاب سامنے آگئی

(مارچ ۱۹۷۰ء میں دہلی سے ادارہ رحمت عالم شیخ چاند)
(اسٹریٹ لال کنواں دہلی سے یہ کتاب شائع)
(ہوئی)

ان سطور کے راقم نے مولانا کے اس مسئلہ کے بعض جرائد
بالخصوص مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مجلہ علمی "دارالعلوم" میں پڑھے۔ اور پھر
اغلباً کسی دوست کے یہاں کتاب بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے اجتماع صدسالہ میں شرکت کی غرض سے
احقر ۴۰۰ صد کے قافلہ کے ایک فرد کی حیثیت سے دیوبند گیا تو کوشش کے
باوجود دیوبند میں مولانا سے ملاقات نہ ہوسکی۔ وہاں سے جب دہلی جانے کا اتفاق
ہوا تو شاہ جہانی مسجد سے متصل ایک گیسٹ ہاؤس میں رہائش قرار پائی۔
برادر مکرم مولانا حافظ محمد عزیز الرحمٰن خورشید (ناظم ذوالنورین اکادمی)
محب محترم مولٰنا حافظ عبدالرشید ارشد ناظم مکتبہ رشیدیہ لاہور وغیرہ کی معیت
حاصل تھی۔

جس روز ہم دہلی پہنچے اس سے اگلی صبح مولانا سے سر راہ ملاقات ہوئی۔
مغرب سے قبل وہ اپنی کتاب کے چند نسخے ہمارے لیے ہماری رہائش گاہ سے
متصل یونیورسٹی بکڈپو پر چھوڑ گئے اور بعد از عشاء وہ خود قیام گاہ پر تشریف لائے
اپنے دستخطوں سے کتابیں ہمارے سپرد کیں اور دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔
اس موقعہ پر احقر کے برادر محترم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ کتاب ہمارے
ہاتھوں پاکستان میں چھپے گی لیکن کچھ وقت کے بعد اللہ تعالٰی نے یہ خیال ذہن

میں ڈالا اور رفتہ رفتہ یہ خیال پختہ گیا۔

چنانچہ احقر نے مولانا سے خط و کتابت شروع کر دی۔ اس ضمن میں پہلا خط احقر نے جنوری ۱۹۸۱ء کے وسط میں مکرم و محترم ڈاکٹر محمد ایوب صاحب قادری صدر شعبہ اردو، اردو کالج کراچی کی وساطت سے بھیجا جو دہلی جا رہے تھے۔ یکم جنوری ۸۱ء کا لکھا ہوا مولانا کا گرامی نامہ ملا جس میں قادری صاحب سے ملاقات پر جہاں مسرت کا اظہار تھا وہاں کتاب کی اشاعت کی اجازت تھی۔ مولانا نے لکھا

> آپ کو اجازت ہے کہ آپ اس کو چھاپ دیں۔ محاسن موضح قرآن کی اشاعت کے بعد بھی میں نے کچھ مقالات دار العلوم میں شائع کیے تھے، اگر وہ بھی شامل کر دیے جائیں تو اچھا ہے کچھ مضامین مسودات کی صورت میں ہیں۔ راقم السطور فروری کے آخر میں لاہور آنے کا ارادہ کر رہا ہے وہ تمام مسودات انشاء اللہ تعالیٰ ساتھ لے آؤں گا۔

لیکن مولانا تشریف نہ لا سکے اور اس کا سبب اغلبا یہ تھا کہ یہاں (لاہور وکراچی) اپنے بعض عزیزوں کی جن تقریبات شادی کے سلسلہ پر وہ آنے والے تھے وہ ملتوی ہو گئیں۔ پھر اپریل کا پروگرام بنا جس کی اطلاع موصوف کے مکتوب محررہ ۲ر اپریل سے ہوئی لیکن پھر شادیوں کے التوا کے سبب بات نہ بن سکی۔ یہ خط میرے محسن محترم حاجی اشفاق الدین صاحب کی وساطت سے دستی آیا جو دہلی کے رہنے والے ہیں۔ انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد لاہور آ گئے۔ یہاں موتیوں کا کاروبار ہے میرے والد گرامی مولانا محمد رمضان صاحب زید مجدہم کے مخلص ترین دوست اور میرے بڑے مہربان ہیں۔ (حفظہ اللہ تعالیٰ۔)

محاسن موضح قرآن (نظر ثانی شدہ نسخہ) اور تمام جدید تحقیقی مضامین احقر نے تیار کر کے یکجا کر دیئے ہیں - اب آپ جب تیاری کر لیں تو مجھے لکھیں میں چند روز کے لیے صرف اسی مقصد کے تحت لاہور آنے کی کوشش کروں یا آپ کسی کو بھیجیں۔

اور آپ کو وہ سب کچھ دے دوں اور بتا دوں کہ اب وہ کس طرح چھپنی ہے - آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

اس کے یکم ستمبر کو مولانا کا گرامی نامہ آیا جس میں میرے اس عریضہ کی وصولی کی اطلاع تھی جو میں نے حضرت المخدوم مولانا عبید اللہ انور کے خادم حاجی بشیر احمد صاحب کی توسط سے ارسال کیا تھا۔ مولانا نے حاجی صاحب کی وساطت سے ہی تصحیح شدہ نسخہ اور جملہ مسودات مطبوعہ وغیر مطبوعہ ارسال کر دیئے

اس گرامی نامہ میں مولانا نے اپنی مسرتوں اور خوشیوں کا یوں اظہار کیا کہ

> دعا گو ہوں کہ اپنے اکابر کی قرآنی خدمات پر یہ ہدیہ دوبارہ صحیح ڈھنگ پر چھپ جائے۔ راقم نے پورے بے سروسامانی کے عالم میں اسے چھپایا تھا - نہ کتابت عمدہ نہ طباعت عمدہ ، اب امید ہے کہ آپ اسے اس کی شایانِ شان چھپوائیں گے - تصحیح کا انتظام معقول کیجئے گا۔ یہ کتاب نہ صرف ایک عام تفسیری کتاب ہے بلکہ اس میں تفسیر کے فنی مسائل بھی کافی آئیں گے

اس نسخہ کے پہنچنے کے بعد احقر نے کتاب کا اہتمام کیا۔ اپنے مخدوم جناب سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ کے توسط سے یہ انتظام ہوا جب کہ سرورق خود

موصوف نے لکھا۔ محترم مولوی عبدالوحید صاحب کاتب اس کے ذمہ دار قرار پائے
انہوں نے بڑی ہمت، محنت اور لگن سے کتابت کا کام کیا۔ جلد کے نقطۂ نظر سے
غیر مطبوعہ مضامین جو چند ایک تعداد میں تھے محترم شاہ صاحب کے ہی دوسرے
شاگرد محمد افضل صاحب آف مرید کے ان کے سپرد ہوئے۔ دوسرے کاتب صاحب
کو توجہ تو دلائی اور پہلے کاتب کا نمونہ بھی دکھلایا لیکن افسوس، کہ پھر بھی کافی فرق رہا
جس کا اہلِ ذوق ضرور اثر لیں گے لیکن ہم اس فروگزاشت پر معذرت ہی کر سکتے ہیں۔

ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ جلدی کام نبٹ جائے لیکن افسوس کہ بوجوہ دیر
بھی ہوگئی اور باذوق قارئین کے لیے گرانی کا ایک مسئلہ بھی پیدا ہوگیا۔ (اللہ تعالیٰ ہماری
اس فروگزاشت کو معاف فرمائے)

کتابت کے بعد تصحیح کا مرحلہ آیا تو اس سلسلے میں احقر نے اپنے عزیز بھائی
اور محترم دوست میاں ریاض الحق صاحب فاروق کو زحمت دی جو ایک سلجھے ہوئے
عالم، خطیب اور انتھک و جفاکش انسان ہیں۔ انہوں نے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ
تصحیح کا کام سر انجام دیا۔ (جزاہم اللہ تعالےٰ احسن الجزاء)

اس کے بعد احقر نے دہلی صورتِ حال کی اطلاع دی جس پر انہوں نے لکھا
کہ میں لاہور آ رہا ہوں (مولانا کے ایک بھائی احقر کی قیام گاہ مسجد دار الشفا شاہ جمال
کالونی کے قریب اچھرہ میں پلاسٹک کا کام کرتے ہیں اور بھی عزیز ہیں جو لاہور اور
کراچی قیام پذیر ہیں)

چنانچہ مولانا گزشتہ دنوں لاہور تشریف لائے اور آنے کے بعد پہلے کام
کے طور پر احقر کے پاس تشریف لائے۔ دو دن ٹھہر کر انہیں کراچی جانا تھا جہاں بعض
اعزہ کی شادیوں کا مسئلہ تھا۔ سوچا کہ اگر مسودہ مل جائے تو اس سفر میں مولانا دیکھ لیں

لیکن افسوس کہ کاتب صاحب اپنی اہلیہ کی بیماری کے سلسلہ میں لاہور سے باہر تھے۔
اس لیے ایسا نہ ہو سکا اور جب وہ آئے تو مولانا جا چکے تھے۔ احقر نے کتابت شدہ
مسودہ بذریعہ رجسٹرڈ پارسل کراچی ارسال کر دیا .... ستم یہ ہوا کہ پتہ میں گڑبڑ ہو
گئی۔ لیکن اللہ نے کرم کیا کہ وہ بحفاظت واپس آ گیا ورنہ کتنے بڑے حادثہ سے
دوچار ہونا پڑتا۔

بہرحال کراچی سے واپسی پر چند دن میں مولانا نے اسے التزام سے دیکھ لیا
میاں ریاض الحق صاحب نے محنت سے پروف ریڈنگ کی تھی پھر بھی بعض
مقامات پر مولانا کو تصحیح کرنا پڑی اس طرح دوبارہ تصحیح کا کام ہو گیا (اس کے باوجود
امکانِ خطا موجود ہے اور ہم اپنے باتوفیق ناظرین سے درخواست کریں گے کہ وہ
ہماری مجبوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ممکنہ اغلاط سے ہمیں آگاہ کریں کہ آئندہ اگر اشاعت
کی نوبت آئے، جس کی اللہ کے کرم سے جلد توقع ہے تو اس کی اصلاح ہو سکے گی)
تصحیح کے کام میں نظرِ ثانی کے بعد مولانا نے وہ مسودہ میرے سپرد کر دیا۔
سفرِ کراچی کے دوران مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ کے ایک مکتوب گرامی
کے سلسلہ میں ڈاکٹر ابوسلمان صاحب شاہجہان پوری (مرتب مکتوبات ابوالکلام)
سے گفتگو کے بعد جو تبصرہ سپردِ قلم کیا وہ بھی مجھے عنایت کر دیا (جو شاملِ کتاب ہے)
اور دہلی سے اکبرآبادی مسجد کا فوٹو (جس میں شاہ صاحب نے ترجمہ و تفسیر کا کام مکمل
کیا) اور بعض دوسری چیزوں کے ارسال کرنے کا وعدہ کر کے تشریف لے گئے۔
تصحیح کے دوران مولانا نے ایک بات محسوس کی کہ کاتب صاحب نے
انتہائی ادب و احترام کی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
نام کے ساتھ اکثر جگہ "سید" کا لفظ لکھ دیا ہے ...... جابجا اس کی تصحیح تو

کر دی اور احقر نے زبانی طور پر کاتب صاحب کو ہدایت بھی کر دی کیونکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "سید" نہ تھے (ان معنوں میں جن معنوں میں یہ لفظ ہمارے یہاں مستعمل ہے ورنہ ان سے بڑا "سید" (سردار) کون ہے) ؟

کاتب صاحب نے کوشش کر کے اس کی اصلاح تو کر دی تاہم پھر بھی کسی جگہ اس کا امکان ہے جس پر ناظرین حیرت زدہ ہو سکتے تھے اس لیے ہم نے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔

دہلی واپسی کے بعد مولانا نے دو مضمون اور ارسال فرمائے۔ جن میں سے ایک تو وحدت ادیان کے سلسلہ میں ہے تو دوسرا بشریت انبیاء سے متعلق، وہ دونوں بھی شامل کر لیے گئے ہیں...... ان مضامین کے ساتھ ۹ نومبر ۱۹۸۲ء کا مختصر خط دلچسپ ہے جس میں مولانا نے لکھا۔

"آپ فرمائیں گے کہ میں تو آپ کے پیچھے ہی پڑ گیا - ؟
معاف فرمائیے، یہ مرسلہ دو مضمون اور شامل کر دیں جو نہایت ضروری معلوم ہوتے ہیں...... جہاں سیر وہاں سوا سیر.....
خدا تعالے آپ کی محنت کو قبول فرمائیں"

اتنی تگ و دو کے بعد یہ "ہدیہ" ہم پیش کرنے کے قابل ہو سکے ہیں۔

اصل نگرانی برادر گرامی مولانا عزیز الرحمٰن خورشید ناظم اکادمی کی تھی اور دعائیں بالخصوص والد گرامی مولٰنا محمد رمضان علوی، مخدوم گرامی مولٰنا عبید اللہ انور اور مصنف علام مولانا قاسمی کی....... جس کے نتیجہ میں یہ معرکہ سر ہوا۔ (اللہ تعالے قبول فرمائے)

جن محبان گرامی کی توجہ سے فراہمی سرمایہ کا یہ مشکل ترین مرحلہ سر ہوا ان کی سخت ترین پابندی کے پیش نظر نام کا اخفاء ضروری ہے اور میں دعا کرتا ہوں، کہ

اللہ تعالےٰ انہیں اپنی رحمتِ کاملہ سے نوازے اور دارین کی سعادتوں اور کامرانیوں سے بہرہ ور فرمائے۔

ایک اخلاقی معاہدہ کے پیش نظر بالکل واجبی ہدیہ پر اس کتاب کو پیش کیا جائے گا تاکہ مقصدِ اصلی یعنی تبلیغ و نشر دین و علم دین کا کام برابر جاری رہ سکے۔

مقدمہ کی سطور میری توقع سے کہیں بڑھ گئیں لیکن سوچا کہ اپنا دل اپنے باتمکین ناظرین کے لیے نکال کر رکھدوں۔ اس طول بیانی میں ربط کا اہتمام بھی نہ کر سکا۔ اور رجنوں میں خدا معلوم کیا کیا کہہ گیا "تحت" سے پہلے دو باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک کا تعلق مصنف موصوف سے ہے۔ (اور اسے یہاں اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ محترم قارئین اتفاق کی شکل میں مصنف سے تقاضا کر سکیں۔) دوسری کا تعلق قارئین کرام سے ہے۔

جس بات کا تعلق مصنف علام سے ہے، وہ تو یہ ہے کہ موصوف نے کتاب کی کتابت کے بعد کچھ مضامین ارسال فرمائے (جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں) اور جو دوسرے کاتب صاحب کی کتابت کی وجہ سے آپ کو خود ہی ممتاز طور پر نظر آئیں گے ..... ان کی ابتداء "قَالُوٓا اِسْلَامًا" والے مضمون سے ہوتی ہے)

ان مضامین کا تعلق مختلف آیات سے ہے۔ ہم نے مناسب خیال کیا کہ قارئین کو اہم تفسیری نکات و لطائف کے استفادہ سے محروم نہ رکھیں .... گو اس طرح کتاب کی ضخامت بڑھ گئی اور ہمیں مزید بوجھ برداشت کرنا پڑا لیکن جس رب اکبر کے سہارے ہم نے یہ بیڑہ اٹھایا وہ تمام مشکلات کو دور کرنے والا ہے ....

ہمیں امید ہے کہ مؤلف موصوف اپنا تحقیقی مطالعہ جاری رکھیں گے اور موضح قرآن

میں ولی اللّٰہی ذوق و اجتہاد کے جو موتی بکھرے ہوئے ہیں وہ تفسیر قرآنِ کریم سے عشق و شیفتگی رکھنے والوں کے سامنے آتے رہیں گے۔

اور دوسری بات جس کا تعلق ناظرین کرام سے ہے وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بعض احباب کو مطالعہ مصنف علام کی یہ وسعتِ نظر، مداہنت اور کمزوری محسوس ہو لیکن ان احباب پر یہ بات واضح رہے کہ ہمیں اپنے اکابر دیوبند سے جو علمی دیانت اور دینی اخلاص ورثہ میں ملا ہے اس امر کا تقاضا یہی ہے کہ مخالفین کے معاندانہ رویہ کے جواب میں اپنی علمی اور روحانی سنجیدگی پر آنچ نہ آنے دی جائے۔

حضرت شیخ الحدیث مولٰنا محمد ذکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ...... "الاعتدال فی مراتب الرجال" .... میں اور مولٰنا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملفوظات حکیم الامتؒ میں اکابر دیوبند کا جو اخلاقی کردار پیش کیا ہے وہ بہر حال ہمارے لیے قابلِ تقلید ہے ...... فالحمد للہ علی ذالک۔

اسی ضمن میں یہ واقعہ کتنا عجیب ہے کہ مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ جو مودودی صاحب کے نظریات سے شدید اختلاف رکھتے تھے ان کا طرزِ عمل اختلاف کے باوجود یہ تھا کہ۔

بقول مولٰنا عبید اللہ انور، حضرت لاہوری جب بھی مولٰنا ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے (اور یہ ملاقات قومی امور و معاملات کے ضمن میں ہوتی) تو انہیں حضرت مولٰنا مودودی کہہ کر مخاطب کرتے۔

جہاں نما صہ ۱۵ ...... خدام الدین کا شیخ التفسیر نمبر ص ۶ حاشیہ)

ہم انہیں بزرگوں کے نام لیوا اور خوشہ چیں ہیں اور مختلف طبقات کے گمراہ کن نظریات کے مقابلہ پر الحمد للہ ہم کسی مداہنت کا شکار نہیں۔ اردو تراجم کے موازنہ کا ذکر کتاب میں ہے وہاں بعض حضرات کے متعلق کوئی جملہ پڑھ کر آپ ٹھٹھک نہ جائیں کیونکہ مؤلف موصوف نے فروعی اختلاف میں رائج الوقت تنگ نظری کو قریب نہیں آنے دیا اور اختلاف رائے کو اس علمی اور تحقیقی کام سے الگ رکھا ہے۔

ان گزارشات کے ساتھ ہم آپ کو کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں اور ملتجی ہیں کہ اللہ تعالےٰ کاروانِ ولی اللہی کے ایک ایک فرد بالخصوص صاحب ترجمہ و تفسیر حضرت شاہ عبدالقادرؒ قدس سرہ مؤلف کتاب مولانا قاسمی، راقم السطور اس کے مالی معاونین، اساتذہ بزرگوں اعزہ اور اس کتاب کے سلسلہ میں کسی قسم کا تعاون کرنے والے حضرات کو دعاؤں میں نہ بھولیں۔

ع   بر کریماں کارہا دشوار نیست

اللہ تعالےٰ نے موقع بخشا تو ترجمہ و تفسیر کا مستند نسخہ بھی چھاپنے کی سعی کی جائے گی

اللھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

محمد سعید الرحمٰن علوی

مسجد دارالشفاء ۱۲۔ اے شاہ جمال لاہور

۸ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء

شب یوم السبت قریب العشاء

مستند موضح قرآن اور محاسن موضح قرآن کے بارے میں

اکابر علماء کے گرامی قدر

تاثرات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

کے تاثرات اور دعائیں

---

۱۵ ر شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ کو راقم حضرت شیخ مدظلہ[۱] کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہوا اور موضح قرآن کے سلسلہ میں حضرت کی خدمت میں اپنا کام پیش کیا۔ اور محاسن موضح قرآن کے بعض تحقیقی مقامات حضرت کو پڑھ کر سنائے، حضرت نے بڑی حیرت سے موضح قرآن میں داخل ہونے والی نقل وکتابت کی غلطیوں اور ان کی تصحیح کو سماعت فرمایا اور اس بندۂ ناچیز کی تحقیق اور تصحیح سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"یہ تو بہت ضروری کام تھا جو تم نے کیا۔ خدا تعالیٰ قبول فرمائے، اور اہل خیر مسلمانوں کو اس دینی کام میں تمہارے ساتھ تعاون کی توفیق عطا فرمائے"۔

(اخلاق حسین قاسمی)

۱؎ افسوس! اب آپ کو رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھا جائے گا۔۔۔۔۔۔ (علوی)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رئیس دارالعلوم

دیوبند کے گراں قدر تاثرات

نحمدہ و نصلی

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی فاضل دیوبند نے تفسیری سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور زمانہ ترجمہ کی وضاحت اور تاجرانہ انداز پر چھپے ہوئے تراجم کی اغلاط کی اصلاح کے لیے انتہائی دلچسپی عرق ریزی اور کاوش کے ساتھ یہ کام بطور ایک مہم کے سرانجام دیا ہے اور اس ترجمہ کے راستہ سے درحقیقت قرآن حکیم کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یوم آغاز سے اب تک تسلسل کے ساتھ بلا انقطاع مقبولیت کی اعلیٰ سطح پر پہنچا ہوا ہے جس میں خاندان ولی اللہی کے فکر کی جھلکیاں غلبہ کے ساتھ صاف طور پر نمایاں ہیں۔ ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے باوجود معنی خیز اور قرآن کے حقیقی مفہوم کی پوری پوری ترجمانی پر مشتمل ہے۔ حضرت ممدوح ترجمہ میں کہیں بھی کوئی ایسا زائد لفظ استعمال نہیں فرماتے جو قرآن کے اصل مفہوم سے زائد یا کم ہو۔ مثلاً قرآنی کلمات الطیبات للطیبین کے ترجمہ میں بعض ترجمہ نگاروں نے الطیبات للطیبین کا ترجمہ اچھی چیزیں واسطے اچھے لوگوں کے یا اچھی عورتیں یا اچھی اشیاء وغیرہ کلمات سے کیا ہے۔

یہ ترجمہ خواہ غلط نہ ہو اور قرآنی مفہوم عام میں داخل بھی ہو، لیکن الفاظ قرآنی سے یقیناً زائد ہے جسے تفصیل یا توضیح کا درجہ دیا جا سکے گا مگر قرآن کا اصل مفہوم

نہیں کہا جا سکے گا۔

اس لیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظِ قرآنی کے حقیقی مفہوم عام کو بجنسہ باقی رکھتے ہوئے ترجمہ فرمایا کہ اچھیاں واسطے اچھوں کے اور بریاں واسطے بروں کے جس میں عورتیں، چیزیں اشیاء وغیرہ سب آجاتی ہیں جو حقیقی معنیٰ میں قرآن کا مفہوم عام ہے۔ اس ترجمہ کی وہ بلاغت ہے جس کے بارہ میں میں نے اپنے بزرگوں سے حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنا ہے

"کہ اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ کی ہیں۔"

گویا ان کے نزدیک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کو اردو میں پورا پورا منتقل کر دیا ہے۔ کہ وہ عین قرآن تو نہیں ہے مگر مثلِ مفہوم قرآن ضرور بن گیا ہے۔ گو قرآنی مفہوم جس انداز سے عربی میں ادا ہوا ہے اسی انداز سے وہ اردو میں بھی ادا ہو گیا ہے۔ جس سے حضرت شاہ صاحب کی قرآن فہمی بلاغت بیانی زبانوں کے فروق اور ایک زبان سے دوسری زبان میں مفہوم کو پورا پورا منتقل کر دینے کی قدرت نمایاں ہے۔

اس لیے میرے والدِ ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت شیخ الہندؒ سے ترجمہ قرآن تحریر فرمانے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہوتے ہوئے میرے نزدیک جدید ترجمہ کی ضرورت نہیں البتہ زبان کی قدامت کی وجہ سے کہیں کہیں قدیم الفاظ کی موجودہ زبان میں توضیح کافی ہوگی۔

بہر حال متقدم اور متاخر علماء تلامذہ خاندانِ ولی اللّٰہی کا تصور ترجمۂ قرآن کے

بارہ میں ان دو واقعوں سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس لیے مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے اس کاوش اور عرق ریزی کو جو انہوں نے اس ترجمہ کے حل مشکلات اور توضیح متعلقات کے سلسلہ میں کی ہے، احقر کے نزدیک شیخ الہند کے نقش قدم کی پیروی ہے جو انشاء اللہ مقبولیت پر مقبولیت کا نشان ہے اور انشاء اللہ ایک عظیم خدمت ہونے کے ساتھ ساتھ اقتفاء آثارِ سلف کی وجہ سے دوگنا مقبولیت کا ضامن ہے۔

مولانا قاسمی نے اپنی اس کاوش کو اردو زبان کی تدریجی ترقی کی تاریخ اور فقہ اللغت کے اصول پر بہترین انداز میں واضح فرمایا ہے اور محققانہ طریقہ پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قابلِ قدر مدافعت بھی فرمائی ہے جو ہم سب خدامِ شاہ صاحب کا فریضہ تھا، جسے مولانا موصوف نے پورے حلقہ کی طرف سے بطور فرض کفایہ ادا کیا ہے۔

پھر مستند موضح قرآن کی طباعت و کتابت کا نمونہ بھی دیدہ زیب اور دلکش ہے جس سے اس ترجمہ کے ظاہر و باطن کی عظمت "نورٌ علیٰ نور" ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور قرآنی خدمت کے صلہ میں انہیں اپنے سے وابستہ فرمائے۔ جب کہ قرآن بنصِ حدیث باطنِ حق سے نکلا ہوا ہے جس کا تعلق بھی باطنِ خداوندی سے ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تبرک بالقرآن فانہ کلام اللہ وخرج منہ۔ قرآن سے برکت حاصل کرو وہ اللہ کا کلام ہے اور اس سے نکلا ہے۔

اس لیے اس کا خادم بھی پرامید ہے کہ باطنِ حق سے ہی وابستہ ہوگا۔

تمنا ہے کہ اس قرآنی خدمت کی وجہ سے آخرت میں جو مولانا کی آؤ بھگت

ہو تو ہم گنہ گاروں کو بھی یاد رکھیں۔

محمد طیب رئیس دارالعلوم دیوبند
۲۹۔۱۲۔۹۹ ھ

مولانا سید ازہر شاہ قیصر سابق مدیر دارالعلوم دیوبند

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی کی زندگی گوناگوں خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طرف وہ سیاسی لیڈر ہیں، مدرسہ کے فاضل مدرس ہیں، قومی جلسوں کے ہنگامہ خیز مقرر ہیں اور دوسری طرف علمی اور دینی کتابوں کے کامیاب مصنف بھی ہیں۔ وہ تنہا اتنا کام کرتے ہیں کہ کسی ادارہ کے دو چار کارکن بھی مل کر اتنا کام نہیں کر سکتے۔

مولانا عرصے سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ و تفسیر "موضح قرآن" پر تحقیقی کام کر رہے تھے۔ اس ترجمہ کے متعلق ہر دور کے علماء نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ اپنے وقت کی زبان میں قرآن کریم کا ایک اعجازی اور الہامی ترجمہ ہے۔

شاہ صاحبؒ نے جس لفظ کا ترجمہ جہاں رکھ دیا ہے وہ اپنی مناسبت اور ضروریات کے لحاظ سے آخری ترجمہ ہے۔

محاسن موضح قرآن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ و تفسیر کی خوبیوں پر ایک جامع تبصرہ ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ سب سے پہلے کہاں چھپا۔ اس میں کوئی

تصرف ہوا یا نہیں ؟ خود شاہ صاحبؒ نے کتنی محنت سے ترجمہ کیا ؟ شاہ صاحب عربی مفہوم قرانی کو ادا کرنے کے لیے اردو کے کیسے کیسے لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ عربی صرف و نحو ، ادب اور بلاغت پر شاہ صاحبؒ کی کتنی دسترس ہے اور جب وہ اپنے پورے علم کو سامنے رکھ کر ترجمہ کرتے ہیں تو کلام الٰہی کی تفہیم کتنی شاندار اور معنی خیز ہو جاتی ہے ۔

حقیقت میں یہ کتاب ترجمہ قرآن کے اصولوں پر پہلی اور منفرد کتاب ہے مولانا قاسمیؒ نے اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ دوسرے اردو مترجمین نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے کتنی مدد لی ہے ۔ مولانا کی اس گراں قدر مفصل بحث سے اردو تراجم کے تقابلی مطالعہ کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور قرآن کریم کے عربی الفاظ ، عربی محاورات کی گہرائیوں کا علم حاصل ہوتا ہے ۔

ہمیں افسوس اور حسرت ہے کہ ایسے علمی اور تحقیقی کاموں کی اس زمانہ میں کھپت نہیں ۔ مولانا کی یہ کتاب اپنی تحقیق و محنت کے لحاظ سے یقیناً اس قابل ہے کہ کسی صوبہ کی اردو اکیڈمی اسے درجہ اول کی کتاب قرار دے کر اس پر مولنا کو انعام دے ۔

اور مسلمانوں کے مستطیع حضرات اس کے بہت سے نسخے خرید کر کم از کم اہلِ علم حضرات تک اسے پہنچا دیں ۔ تاکہ انہیں نہ صرف شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے اسرار و غموض پر اطلاع ہو بلکہ تفسیر قرآن کی راہِ بصیرت ان پر کھلے اور انہیں معارفِ قرآن سے خود دلچسپی اور اس دریائے ناپیدا کنار میں غواصی کا شوق ہو ۔

محاسن موضح قرآن زیادہ باد

حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید صاحب مجددی

سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر صاحب مجددی دہلی

۳۴ + ۱۲۰۵ + ۱۵۹
۱۳۹۸ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جناب محترم مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔

جس دن سے آپ نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ قدس سرہ کے ترجمہ قرآن مجید اور توضیحی فوائد، موسوم بہ موضح قرآن کی تصحیح کا کام شروع کیا ہے بے ساختہ آپ کے واسطے دعائے خیر نکلتی ہے آپ نے فروری ۱۹۶۶ئ میں رسالہ "محاسن موضحِ قرآن" لکھ کر اپنی مساعی سے واقف کیا اور پھر اگست ۱۹۷۷ء میں آپ نے "محاسنِ موضح قرآن" ۳۲۸ صفحات کی کتاب مع رسالہ "اغلاط کی تصحیح" ۸۸ صفحات کا رسالہ شائع کیا

اس کتاب اور رسالہ کو پڑھ کر دل بیحد خوش ہوا۔ جو تحقیق اور تفتیش آپ نے کی ہے یقیناً شایانِ صد خدمت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۲۰۵ھ میں یہ ترجمہ لکھا اور اس کا نام "موضح قرآن" تجویز فرمایا۔ اس نام سے تاریخ بھی ظاہر ہے آپ کا ترجمہ بعد

کے تمام تراجم کا مرجع اور اصل ہے اور ہندوستان کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ مبارک ترجمہ بلاشک بے نظیر ہے۔ مع ہذا پہلے ہی دن سے اس ترجمہ کے ساتھ جو زیادتی شروع ہوئی ہے وہ بھی حیران کن ہے۔ کسی نے اپنے تصرفات کے لیے اصلاح کی آڑ لے لی۔ کسی نے عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے اور آپ کے الفاظ کو بدلا ہے اور پھر اصحاب مطابع کی بے اعتنائی کی بدولت کاتبوں کی غلطیوں نے مزید خرابیاں پیدا کر دیں۔

اس دو سو سال کے عرصہ میں کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس مبارک ترجمہ کو صحیح شکل میں پیش کر دے۔ اس عظیم کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا انتخاب کیا۔ پروردگار جلت حکمتہ جب کسی بندہ سے کوئی کام لیتا ہے تو اس کی صلاحیت بھی اس کو عنایت کرتا ہے۔ چنانچہ یہ عاجز دیکھ رہا ہے کہ آپ نے موضح قرآن کے محاسن جس دقت اور خوبی سے بیان کیے ہیں وہ بجائے خود ایک بڑا کارنامہ ہے عاجز نے جب آپ کے بیان کردہ محاسن کو پڑھا۔ زباں پر آیا "محاسن موضح قرآن زیادہ باد"

آپ کے تجویز کردہ نام پر "زیادہ باد" کا دعائیہ لفظ اضافہ ہوا ہے اور اس سے ۱۳۹۶ھ کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا دل کہتا ہے۔ کیا عجب جو یہ گوہر مراد اس سال رواں میں حلیہ طباعت سے آراستہ ہو کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ جائے۔

آں گوہر مراد کہ می خواستم ز بخت

از سعی و اجتہاد شمارہ نمودہ است

جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ اصحاب ہمم اور اہل خیر حضرات کو توفیق دے کہ وہ اس عظیم کار خیر میں آپ کی مدد کریں اور یہ کام بوجہ

احسن اتمام تک پہنچے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

زید ابوالحسن فاروقی درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ۔
دہلی ۶ پنجشنبہ ۲۲ ماہ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ
مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۷۶ء

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مدیر ماہنامہ برہان دہلی

مستند موضح قرآن از مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی تقطیع کلاں،
کتابت و طباعت بہتر، ضخامت ۸۴ صفحات۔

پتہ: ادارہ رحمت عالم، شیخ چاند سٹریٹ
لال کنواں دہلی ۶

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ دہلی کا ترجمہ قرآن مجید جو موضح قرآن کے نام سے مشہور ہے، اب سے دو سو برس پہلے اس زمانے کی دلی کی ٹکسالی زبان میں کیا گیا تھا، پھر اس ترجمہ کے ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے رہے اور مختلف کاتبوں نے اسے لکھا اور مختلف مطابع میں اس کی طباعت ہوتی رہی اس بناء پر اس زمانہ میں جو شخص شاہ صاحبؒ کے ترجمہ سے فائدہ اٹھانا چاہے گا اسے دو مشکلوں سے سابقہ ضرور پڑے گا۔

ایک یہ کہ مطابع اور ان کے کاتبوں کی دراندازی کے باعث اس میں کتابت اور طباعت کی غلطیاں جابجا رہ گئیں اور ان کی وجہ سے آیت کا مطلب خبط ہو گیا۔
اور دوسرے یہ کہ اس ترجمہ میں کثرت سے ایسے الفاظ محاورات اور کہاوتیں

ہیں، جن کو عوام تو درکنار اردو زبان کے ادیب اور اہل قلم تک نہیں سمجھ سکتے۔ اس طرف بعض حضرات نے توجہ کی اور ترجمہ کے ساتھ حل لغات بھی شائع کیا ہے لیکن اللہ تعالٰے جزائے خیر عطا فرمائے مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی کو جو نامور عالم ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر و ترجمہ کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ اور ساتھ ہی داغ اور سائل کی زبان میں "دلّی والے" ہونے کے باوجود اس زبانِ ہفت رنگ کے مزاج شناس اور نکتہ داں بھی ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے ان دونوں ضرورتوں کی طرف مجموعی طور پر توجہ کی۔ چنانچہ شب و روز کی مسلسل برسوں کی محنت و کاوش و غور و فکر اور مطالعہ و تحقیق کے بعد انہوں نے تصحیح شدہ مستند موضح قرآن کا جدید ایڈیشن تیار کیا ہے جس میں مشکل اور متروک یا نامانوس الفاظ و محاورات کا حل بھی ہے اور اغلاط کی تصحیح بھی۔ بقول مولانا:-

"ایک فقیر بے نوا" جو کر سکتا تھا وہ اس نے کر دکھایا۔ اب اربابِ خیر کو چاہیئے کہ وہ اس کی طباعت کا انتظام کریں۔ اس کے صدقہ جاریہ ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ زیرِ تبصرہ کتاب اسی مستند موضح قرآن کا ایک حصہ ہے جو بطور نمونہ شائع کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کارنامہ علمی اور ادبی حیثیت سے کتنا وقیع اور قابل قدر ہے

(برہان ماہ اگست ۱۹۷۷ء)

مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم شعبہ دینیات علیگڑھ

مخلصم و مکرمم زید مجدکم:-

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔

آپ کا گراں قدر اور لائق صد احترام ہدیہ پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ شکریہ کا خط لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنے کلام کی خدمت کی جو توفیق عطا فرمائی ہے وہ محض عطیہ ربانی ہے ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ قبول فرمائے اور اجرِ عظیم سے نوازے (آمین) "محاسن موضح القرآن" لکھ کر آپ نے قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ یہ معمولی محنت کا کام نہ تھا اور سچی بات یہ ہے کہ آپ نے حق ادا کر دیا۔ اس کی داد قرآنِ حکیم سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص دینے پر مجبور ہے۔ مجھ عاجز کی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے (آمین) اپنے لیے بھی دعا کی درخواست ہے۔ خدا کرے مزاجِ گرامی بعافیت ہوں والسلام۔

محمد تقی امینی۔ علی گڑھ۔ ۵ا نومبر ۱۹۷۷ء

مولانا حفیظ الرحمن صاحب واصف خلف اکبر

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کے تاثرات اور اپیل

میں مولانا اخلاق حسین قاسمی سلمہ کی محنت کی داد دیتا ہوں۔ انہوں نے تحقیق و تلاش کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ مولانا

موصوف کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔
مولانا موصوف کو ... کا شرف حاصل ہے انہوں نے ایک بڑی خدمت انجام
دی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف مولانا موصوف کا بلکہ اس صدی کا شاہکار ہے ایک
مخلصانہ و عاجزانہ درخواست بھی کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مولانا موصوف اسی قدر
پر اکتفا نہ کریں بلکہ تحقیق و استقراء کو جاری رکھیں۔

(مولانا) حفیظ الرحمٰن واصف (۲۲ رجب
۱۳۹۷ھ)

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مقیم مدینہ منورہ
کے ارشادات عالیہ

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی کی تصنیف "محاسن موضح
قرآن" کو کئی جگہ سے سنا۔ ماشاء اللہ مصنف ممدوح نے حضرت شاہ عبدالقادر
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نادر و بے مثال ترجمہ اور تفسیری فوائد کے علمی اور ادبی
محاسن ادبی پر بڑی فاضلانہ بحث کی ہے اور خاندانِ ولی اللّٰہی کے علوم کا یہ بیش بہا
خزانہ پہلی مرتبہ اس وضاحت کے ساتھ اہل علم اور عام امت کے سامنے آیا ہے۔
فاضل مصنف کی یہ محنت قابل تعریف ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے بعد یہ دوسری
کوشش ہے جو اپنی جگہ کامیاب ہے۔ امید ہے کہ مصنف "محاسن موضح قرآن"
نے شاہ صاحب کے اصل ترجمہ کو جس وقت اور بصیرت سے ایڈٹ کیا ہے

اور ایک صحیح نسخہ مرتب کیا ہے۔ وہ جلد از جلد امت کے سامنے آجائے گا۔ اور قرآن کریم اس عظیم خدمت کے لیے مسلمانوں کا اہل خیر طبقہ مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی کے ساتھ تعاون کرے گا۔ "محاسن موضح قرآن" پر مولانا کا مزید تحقیقی کام جاری ہے۔ امید ہے کہ دوسری جلد بھی ہمارے سامنے جلد از جلد آجائے گی۔

(مولانا قاری) فتح محمد (پانی پتی) بقلم محمد عمر مقیم حال مدرسہ تجوید القرآن پل بنگش۔ دہلی / مورخہ ۲۵ / شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ

مولانا عبد السلام صاحب قدوائی مدیر معارف اعظم گڑھ کے

تاثرات

قرآن کریم کے ترجمے بہت ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ اور تفسیری فوائد کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہو سکی۔ ڈیڑھ سو برس میں اردو کا اسلوب بہت بدل گیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب کا ترجمہ اب بھی ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا ہے لیکن افسوس ہے، کہ اہل مطابع نے کتابت و طباعت کے طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی جس کی وجہ سے اغلاط میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس صورت حال پر سب کو ملال تھا مگر کسی کو اتنے بڑے کام پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مولانا اخلاق حسین صاحب کے دل میں یہ بات ڈالی کہ شاہ صاحب کے اس شاہکار کو بربادی سے بچائے۔ اس کام کے لیے جس ساز و سامان اور مال و دولت کی ضرورت ہے وہ ان کے پاس

نہیں ہے لیکن اپنی بے مائیگی اور تہی دستی کے باوجود اللہ کے بھروسے پر اس عظیم الشان کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ تحقیق و جستجو کے بہت سے مراحل طے کر چکے ہیں اور ایک نسخہ ایڈٹ کر کے شائع کرنے والے ہیں۔ امید ہے کہ صاحبانِ استطاعت اس کارِ خیر میں ان کی مدد فرمائیں گے اور دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں اجرِ عظیم حاصل کریں گے۔ معارف ۱۹۷۶ء فروری

امیر جماعت اسلامی ہند کے تاثرات

برادر محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں "محاسن موضح قرآن" ملا۔ جزاک اللہ! آپ کے اس پرخلوص ہدیہ پر دل سے شکر گزار ہوں۔ پورا پڑھنے کی فرصت تو ابھی نہیں مل سکی لیکن اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ضرور ہوا کہ آپ نے اس میں کافی محنت کی ہے اور بڑی دیدہ ریزی سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا جائزہ لیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰے آپ کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ دنیا و آخرت کی حسنات عطا فرمائے۔ عذابِ نار سے بچائے والسلام

اخوکم فی اللہ

محمد یوسف۔ ۱۵ امئی ۱۹۷۷ء

٭ ٭ ٭

٭

صدق جدید یادگار مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی کا تبصرہ

ادراپیل

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لے کر موضح قرآن کے مختلف ایڈیشنوں کو سامنے رکھ کر اس کا صحیح و مستند نسخہ تیار کر دیا ہے اور اس کے آخری دو پارے اس کی قسط اول کی حیثیت سے آفسٹ پر شائع ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ ترجمہ اپنی ساری خصوصیات کے ساتھ محفوظ ہو گیا ہے۔

قسط اول کے شروع میں شاہ صاحبؒ کی مختصر سوانح حیات کے ساتھ قدیم مشکل الفاظ کی فہرست مع ضروری تشریح کے پیش کی گئی ہے۔ پورے مسودہ کی اشاعت میں تیس ہزار روپے کے صرفہ کا اندازہ ہے۔ اہل خیر پیشگی ہدیہ پیش کر کے ایک ایک پارہ کی اشاعت کے مصارف اپنے ذمہ لے کر اس کار خیر کو جلد مکمل کرا سکتے ہیں۔

(صدق جدید ۵ر جنوری)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بسم اللہ کے ترجمہ میں شاہ صاحب کے ہاں بلاغت کا جو اعجاز نظر آ رہا ہے اس پر غور کیجئے۔

بسم اللہ سے پہلے فعل مقدر مانا جاتا ہے، شاہ صاحبؒ نے حاصل مصدر (شروع) مقدر مانا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ وغیرہ نے شروع کرتا — فعل کا ترجمہ کیا اس میں تلاوت کرنے والی عورتیں شامل نہیں ان کے لیے شروع کرتی ہوں، ہونا چاہیئے، اسی طرح — یہ ترجمہ واحد متکلم کیلئے جمع متکلم (ہم شروع کرتے ہیں شروع — میں یہ تمام صورتیں شامل ہیں۔

بڑے شاہ صاحب امام شاہ ولی اللہؒ نے — بنام خدائے بخشائندہ — لکھا، اسی ترجمہ کی پیروی مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کی اور لکھا — اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ — لیکن بنام خدا اور اللہ کے نام سے — والا ترجمہ پڑھنے والوں کو تلاوت کی طرف متوجہ نہیں کرتا۔ شروع کا لفظ متوجہ کر دیتا ہے کہ میں تلاوت قرآن شروع کر رہا ہوں۔

مولٰنا احمد رضا خاں صاحب کے پیرو مولانا مرحوم کے ترجمہ قرآن کو تمام اردو تراجم سے ممتاز اور بے نظیر ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ خاں صاحب نے بسم اللہ کا ترجمہ لکھا ہے "شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے"۔ بریلوی علماء نے

اس ترجمہ کو تمام تراجم پر فوقیت دیتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ کا اور جماعت دیوبند کے دوسرے تراجم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "نہایت رحم والا" کے الفاظ عقیدۂ اہلسنت کے مطابق کفر کو مستلزم ہے کیونکہ اس سے خداوند تعالیٰ کے رحم کی انتہا ثابت ہوتی ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کا رحم اور اس کی رحمت نہ ابتداء رکھتی ہے نہ انتہاء۔ خدا تعالیٰ کی تمام صفات اس کی ذات کی طرح ازلی اور ابدی ہیں۔

بریلوی صاحبان کے اس اعتراض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات اردو زبان سے واقفیت نہیں رکھتے۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کو سمجھنے کیلئے اردو زبان اور اس کے محاورات کو جاننا ضروری ہے۔

اردو میں عربی کا لفظ "نہایت" مخفف ہے۔ یہ "بے نہایت" تھا، کثرت استعمال کی وجہ سے مخفف کر لیا گیا جیسے فارسی کا "خود رفتہ"..... یہ مخفف ہے "از خود رفتہ" کا۔ اور "از حد مہربان" مخفف ہے "از حد زائد" کا

(دیکھو فرہنگ آصفیہ باب النون)

خاں صاحب نے شاہ صاحب کے ترجمہ میں صرف اتنی تبدیلی کی ہے کہ "نہایت رحم والا" کی جگہ "نہایت مہربان" کر دیا ہے، کیا رحم والا اور مہربان کے مفہوم میں فرق ہے؟ سوائے اس کے کہ ایک لفظ عربی ہے اور ایک لفظ فارسی ہے۔

پھر جو اعتراض نہایت رحم والا پر وارد ہوتا ہے وہ نہایت مہربان پر کیوں وارد نہیں ہوتا؟

خاں صاحب نے بسم اللہ کے ترجمہ میں تنوع سے کام لیا۔ یہاں کہیں

بڑا مہربان لکھا ہے، کہیں بہت مہربان اور کہیں نہایت مہربان۔ اکثر جگہ یہی آخری لفظ ملتا ہے۔

ایک موقعہ پر ایک مرادآبادی عالم صاحب سے اس پر زبانی گفتگو کا موقع ملا، ان کے خیال میں نہایت کا لفظ خاں صاحب کے ہاں اضافہ ہے، لوگوں نے (غالباً دیوبندی مراد ہوں گے) خاں صاحب کو بدنام کرنے کے لیے یہ تحریف کی ہے۔

یہ ایک اور مضحکہ خیز جواب ہے کہ جس سے خانصاحب کا سارا ترجمہ ہی مخدوش ہو کر رہ جاتا ہے، خانصاحب کے ترجمہ پہ زیادہ وقت نہیں گزرا۔ ان کے دور میں جو ایڈیشن چھپا ہے وہ بھی آسانی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ پھر تحریف کا کیا سوال۔؟

خاں صاحب نے "نہایت مہربان" کا لفظ مولانا عاشق الہٰی صاحب میرٹھی کے ترجمہ سے لیا ہے۔[۵]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآنِ پاک سے میرا تعلق

یہ صرف قرآنِ کریم کا کھلا معجزہ ہے کہ راقم کو عربی تعلیم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نہ میرا ماحول مولویانہ تھا اور نہ میرے خاندان میں کسی نے عربی تعلیم حاصل کی تھی۔ البتہ میرے ایک دادا حافظ صدر الدین[1] صاحب مرحوم ریاست مالیر کوٹلہ میں نواب صاحب کے مصاحبین میں شامل تھے اور ان کا مشغلہ ریاست میں صرف یہ تھا کہ اچھے حفاظ کو جمع کر کے ان کی حوصلہ افزائی کریں اور ریاست میں قرآن کریم کی تعلیم کو فروغ دیں۔

میرے والد شرف الدین[2] صاحب مرحوم کو اپنے نانا حافظ صاحب کے پاس کچھ دنوں قیام کا موقعہ ملا اور اس ماحول کا ان پر بڑا اثر پڑا اور وہیں سے یہ شوق ان کے دل میں پیدا ہوا کہ میں اپنے بچے کو قرآن حفظ کراؤں گا اور اسے مولوی بناؤں گا۔ حافظ صدر الدین صاحب کے ایک بھائی محمد ابراہیم خاں سرکاری ملازم

---

[1] حافظ صاحب کا مزار مالیر کوٹلہ میں حضرت شیخ صدر الدین کی درگاہ کے احاطہ میں واقع ہے جو حضرت امام ربانیؒ کے معاصر تھے۔

[2] شرف الدین صاحب میرے حقیقی والد عنایت حسین صاحب مرحوم کے ماموں تھے۔ لاولد ہونے کی وجہ سے انہوں نے مجھے گود لے لیا اور اولاد سے زیادہ محبت وشفقت کے ساتھ مجھے پالا پوسا اور پروان چڑھایا۔

تھے۔ جنہوں نے ملازمت سے ریٹائر ہو کر بڑھاپے میں عربی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور ایک طالبعلم کی طرح مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔

والد صاحب اپنے چچا ابا کے تعلیمی دور کے بڑے عجیب عجیب واقعات سنایا کرتے تھے۔ سارا خاندان حنفی المسلک تھا۔ ابراہیم خاں صاحب مرحوم اپنے استاد حضرت میاں صاحب کے مسلک سے متاثر ہو گئے تھے اور آمین و رفع یدین کرنے لگے تھے وہ دوران اختلافی مسائل کے لیے بڑا ہنگامی تھا۔ لوگ ان کے پیچھے پڑتے اور یہ بخاری شریف کھول کر ان کو سمجھاتے۔

بخاری شریف کپڑے میں بندھی ان کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ والد نے دینی شغف کا ایک رنگ یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اسی ماحول کے زیر اثر میرے مشفق مربی شرف الدین صاحب مرحوم نے مجھے سب سے پہلے قرآن شریف کی تعلیم پر لگایا۔

چنانچہ راقم نے دہلی کے مشہور سادہ کار حافظ ضیاء الدین صاحب مرحوم سے قرآن شریف کی تعلیم شروع کی۔ حافظ صاحب لاہوری برادری کے بڑے صاحب کردار اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔

پھر حفظِ قرآن کی تکمیل کے لیے راقم کو قاری فضل الدینؒ صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ قاری صاحب بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ دہلی میں ان کے فیض یافتگان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔

اس کے بعد مجھے مدرسہ عالیہ میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں میں نے چھ سال درس نظامی کی کتابیں مختلف قابل استادوں سے پڑھیں۔

یہ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء کا دور تھا جس میں دہلی کے اندر ترجمہ قرآن کی بڑی

بڑی مجلسیں قائم تھیں۔ اور دہلی کے دینی مدارس ہندوستان کے مشہور اکابر علم کی سرپرستی اور ان کے علمی فیض سے جاری تھے۔

اور اس وقت دہلی کو یہ حق حاصل تھا کہ اسے شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ صاحب کی دلی کہا جائے۔

ترجمہ قرآن کی صباحی مجلسوں کے لحاظ سے بھی دہلی کو ہندوستان کے دوسرے حصوں پر تفوق حاصل رہا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں میں وعظ و ترجمہ کی محفلوں میں شریک ہونے کا شوق شروع ہی سے تھا۔

راقم بھی اپنے نانا سید نواب علی جوہری کے ساتھ ان مجلسوں میں شریک ہوتا تھا دہلی کے اس ماحول میں مدرسہ عالیہ فتحپوری کے اندر چھ سال پورے کرنے کے بعد یہ فقیر پھر دارالعلوم دیوبند چلا گیا۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تھی جو دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔

دارالعلوم کے دو سالہ قیام میں آخری سال دورۂ حدیث کا تھا جس میں دوسرے اکابر کے علاوہ حضرت مدنیؒ سے راقم نے خصوصی استفادہ کیا۔

ولی اللّٰہی علوم اور علمائے دیوبند

علمائے دیوبند ولی اللّٰہی علوم کے صحیح وارث و امین ہیں۔ ان حضرات نے ولی اللّٰہی علوم کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب محدث دہلوی کے ترجمہ اور تفسیری فوائد بھی

ہمیشہ ان حضرات کی تحقیق اور غور وخوض کا موضوع رہے ہیں اور ان حضرات نے برابر اپنے تلامذہ اور متوسلین کو اس کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

دورۂ حدیث کے سال چند روز کے لیے دارالحدیث میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی نے تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا تھا اور دورۂ حدیث کی مصروفیت کے باوجود راقم اور مولانا سید انظار الدین صاحب دہلوی جو میرے رفیق تھے اس بیان میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مغرب کے بعد مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے تھے اس میں بھی ہم لوگ شریک ہوتے تھے۔

اور ان حضرات کے درس و بیان سے جو خاص چیز ملتی تھی وہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اجتہادی علوم کی چاشنی تھی۔

مولٰنا احمد علی صاحبؒ لاہوری سے استفادہ

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ برصغیر کے مشہور عالم دین، مجاہد جلیل اور شیخ طریقت تھے۔ مولانا نے عربی مدارس کے طلبہ کے لیے ترجمہ اور تفسیر کی تعلیم کا مختصر پروگرام بنا رکھا تھا جس میں طلبہ کے اندر قرآن کریم کو سمجھنے اور پھر دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔

دیوبند سے فارغ ہو کر راقم بھی اپنے دہلوی رفیق مولانا انظار الدین صاحب کے ساتھ مولانا کی خدمت میں پہنچا اور اس وقت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ اور فوائد باقاعدہ راقم کے غور وفکر کا موضوع بنے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۱ء کا ہے۔

حضرت لاہوری بھی خاندان ولی اللّٰہی کے اجتہادی علوم پر بڑا عبور رکھتے

تھے۔ رشتہ میں مولانا لاہوری حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ سندھی کے داماد تھے اور مولانا سندھیؒ شاہ ولی اللہؒ کے سب سے بڑے داعی اور شارح تھے۔

مولانا احمد علی صاحبؒ نے اپنے مختصر حواشی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کا موضح قرآن مع فوائد کے بڑے اہتمام و صحت کے ساتھ شائع بھی کیا تھا (بعد کے ایڈیشنوں میں مولانا نے اپنا مستقل ترجمہ شامل کر دیا۔

لاہور سے واپس آکر راقم کو دہلیؒ میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی سے ترجمہ اور تفسیر میں استفادہ کا موقعہ ملا۔

مولانا مرحوم نے اردو میں ترجمہ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور راقم کی درخواست پر اس کام میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمادی۔

مولانا ۱۹۴۲ء کی تحریک میں گرفتار ہو گئے اور ترجمہ کا کام موقوف ہو گیا۔ دہلی واپس آکر راقم نے صباحی ترجمہ بھی شروع کر دیا تھا۔ اور قرآن کریم پر غور و فکر کا جو طریقہ اور انداز اپنے ان بزرگوں سے سیکھا تھا اسی کے مطابق یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس سلسلہ[1] کو آج ۲۵ سال ہو رہے ہیں۔

اس عرصہ میں راقم کے سامنے دوسری تفاسیر کے ساتھ خاص طور پر حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ اور تشریحی فوائد رہے اور اس مطالعہ اور غور و خوض میں راقم نے

---

[1] راقم نے مسجد نواب قاسم جان (گلی قاسم جان) مسجد کوچہ استاد داغ چاندنی چوک لال مسجد لال کنواں، مسجد نواب دوجانہ ٹلیا محل میں صباحی اور شبانہ مجالس میں درسِ قرآن دیا اور حضرت مولانا عبد الشکور صاحب (دیوبندیؒ) کے تشریف لے جانے کے بعد سے مدرسہ حسین بخش جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ یہ سلسلہ الحمد للہ اس وقت تک جاری ہے۔

دو باتیں شدت سے محسوس کیں۔

(۱) ناشرین قرآن کی بے پرواہی سے شاہ صاحب کا ترجمہ اور فوائد میں برابر اغلاط داخل ہوتی جارہی ہیں۔ اگر ناشرین کا یہ طریقہ جاری رہا اور اہل علم نے اس بیش بہا تفسیری ذخیرہ کو ان تجارت پیشہ لوگوں کے رحم و کرم پر رکھا تو آگے چل کر یہ ترجمہ مشکوک و مشتبہ ہو جائے گا اور پھر اہل علم اسے متروک قرار دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اس لیے ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کی تصحیح کی جائے اور مختلف قدیم نسخوں کو سامنے رکھ کر صحیح ترجمہ مرتب کیا جائے اور اس کی اشاعت ہو۔

(۲) ترجمہ اور فوائد میں جو تفسیری محاسن اور بلاغت و معانی کے جو لطائف پوشیدہ ہیں ان کی تشریح کی جائے تاکہ تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اور ولی اللٰہی علوم کے دلدادہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اور یہ وہ کام ہو گا جس کی طرف حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے مقدمہ میں اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنے حواشی میں اشارہ کیا ہے اور علمائے تفسیر کو اس طرف دعوت دی ہے۔

راہ کی مشکلات

راقم خدا کے فضل و کرم سے جب یہ کام کرنے بیٹھا تو اس راہ میں غیر متوقع مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ولی اللٰہی بزرگوں اور خاص طور پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی روحانی توجہ نے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے اس کام کو راقم پر آسان فرما دیا۔

دفعہ ۱۵۳۔الف کے مقدمات

اسلاف کے ابتلاء کی داستانیں کتابوں میں پڑھی تھیں۔ وہ حضرات اصحاب استقامت تھے۔ باطل کے جبر و تشدد کے ہر جھٹکے کو خندہ پیشانی سے جھیل جاتے تھے۔ ہماری حالت دوسری ہے۔ نہ ایمان اس درجہ کا ہے اور نہ استقامت کا وہ رنگ ہے

۱۹۴۷ء کے بعد سے اب تک ہم ضعیف و ناتواں جن جن آزمائشوں سے گزر رہے ہیں ان آزمائشوں میں سے ایک ٹھنڈی اور جاں گسل آزمائش دفعہ ۱۵۳ الف کے مقدمات کی ہے

اس دفعہ کے تحت اہل حق میں سے ہر صاحب زبان و قلم کی آزمائش ہوئی اور راقم بھی چار مقدمات کی کھکیڑ برداشت کر رہا ہے

جرم صرف اتنا ہے کہ فرقہ وارانہ جارحیت کے خلاف آواز کیوں بلند کی گئی۔ اور اس کے لیے قلم کو کیوں حرکت دی گئی۔

ان مقدمات کو چلتے ہوئے آج ساڑھے پانچ برس ہو رہے ہیں اور نہ جانے ابھی چھٹکارا حاصل ہونے میں کتنا وقت اور لگے اور کتنی ذہنی اور جسمانی اذیت اور برداشت کرنی پڑے[1]

خداوند عالم حوصلہ قائم رکھے اور آنے والی نسلوں کو اسلام کے صراط مستقیم پر چلنے کی ہمت عطا فرمائے۔

---

[1] خداوند تعالےٰ کا شکر ہے کہ راقم کو عدالت نے ان مقدمات سے باعزت بری کر دیا۔
(۱۵ / نومبر ۱۹۸۰ء)۔

ے از فلک تنگ دل مشو مسعود　　گر فراواں ترا بیازارد
بد میندیش و سر چو سرو بر آر　　گر جہاں بر سرت فرو آرد

ان انفرادی اور اجتماعی آزمائشوں کے اس تاریخی دور میں اس اہم کام کے لیے کس طرح وقت نکالا گیا۔ کس طرح یکسوئی پیدا کی گئی۔؟

بس میں اسے خدا تعالیٰ کا خالص فضل سمجھتا ہوں کہ دل و دماغ کی شدید پیچیدگیوں کے باوجود یہ کام کسی نہ کسی حد تک مکمل ہو گیا۔

فالحمد للہ علی ذالک

اخلاق حسین قاسمی

۲۸ر جون ۱۹۷۶ء مطابق ۲۹ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ

ادارۂ رحمتِ عالم شیخ چاند اسٹریٹ

لال کنواں دہلی

خاندان ولی اللّٰہی کی اصلاحی تحریک

حضرت امام شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ ملت اسلامیہ کے عظیم مصلح و مجدد ہیں۔ جس سال اورنگ زیب عالمگیر کے تخت پران کا لڑکا محمد شاہ بیٹھا اسی سال دہلی کے مشہور عالم اور صوفی شاہ عبدالرحیم ابن وجیہہ الدین العمری (متوفی ۱۱۳۱ھ) کے (مدرسہ رحیمیہ) میں شاہ ولی اللہ نے اپنے والد کے مسند درس و تدریس کو رونق بخشی۔ یہ واقعہ ۱۷۱۹ء مطابق ۱۱۳۱ھ کا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ اور وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی۔ شاہ صاحب کی ولادت سے چار سال پہلے عالمگیرؒ خدا کو پیارے ہوئے۔

اِس لحاظ سے حضرت شاہ صاحب کو گیارہ مغل بادشاہوں کا عہد ملا۔

(۱) بہادر شاہ اول (۲) جہاندار شاہ (۳) فرخ سیر (۴) رفیع الدرجات (۵) رفیع الدولہ (۶) محمد شاہ (۷) نیکوسیر (۸) ابراہیم ابن رفیع الشان (۹) احمد شاہ (۱۰) عالمگیر ثانی (۱۱) شاہ عالم ثانی نابینا

تاریخ ہند کا ہر طالبعلم جانتا ہے کہ مسلم حکومت کا یہ دور زوال و پستی کا دور تھا اور ہر صاحب بصیرت انسان کو نظر آرہا تھا کہ ہندوستان میں مسلم حکومت "چراغ

سحری" بنتی جارہی ہے۔

اس دورِ زوال میں ہندوستان کے اندر شاہ ولی اللہؒ اور ان کے لائق صاحب زادوں کا پیدا ہونا، قدرت کا خاص عطیہ تھا۔

خداوندِ عالم نے مسلمان حکمرانوں پر اتمام حجت کرنے کی غرض سے اس خاندان کو کھڑا کیا، چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کے گرتے ہوئے سیاسی اقتدار اور اخلاقی وقار کو بحال کرنے کے لیے اصلاحی تحریک شروع فرمائی۔

چونکہ ایک ہمہ گیر اصلاحی تحریک کے لیے ضروری تھا کہ سب سے پہلے وحی الٰہی (قرآن کریم) کے سرچشمۂ ہدایت سے مسلمانوں کو قریب کرنے کی کوشش کی جائے اس لیے شاہ ولی اللہؒ اور ان کے جانشین صاحبزادوں نے سب سے زیادہ توجہ قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر پر مبذول کی۔

خاندان ولی اللّٰہی کا قرآن کریم کے ساتھ خاص تعلق

حدیث، فقہ، کلام وتصوف کے علوم کے ساتھ ساتھ خداوند عالم نے اس خاندان کو قرآن حکیم کا خصوصی علم عطا فرمایا تھا اور قرآنِ حکیم کی گہری بصیرت اس خاندان کے حصہ میں آئی تھی۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ کے قرآنِ کریم کے ساتھ خصوصی شغف وتعلق کے بارے میں لکھا ہے "اس فقیر پر بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ مجھے متعدد بار اپنے والد بزرگوار کے درسِ قرآن میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ قرآن کے معانی بڑے غور وتدبر کے ساتھ بیان فرماتے۔ آیات کے

شانِ نزول کی وضاحت اور حل طلب امور کے لیے تفسیروں کی طرف رجوع کیا جاتا۔ اس کی وجہ سے میرے سامنے فتح و کامیابی کا ایک میدان کھل گیا۔"

فتح الرحمٰن کی تدوین

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے والد کے مدرسہ میں بارہ[۱۲] سال تعلیم وارشاد کا کام انجام دینے اور علومِ اسلامی میں غور و خوض کرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا عزم کیا۔ حجازِ مقدس میں مشائخ سے استفادہ کیا۔ دربارِ نبوت سے فیوض حاصل کیے مکہ معظمہ میں ایک الہامی خواب دیکھا جس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ ہندوستان میں تمہارے ذریعہ اصلاح ہوگی۔ علم پھیلے گا، اور اسلامی ہدایت کے چراغ روشن ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحب جب سفرِ حجاز سے ۱۱۴۵ھ کو ہندوستان لوٹے تو اسی الہامی تحریک کی وجہ سے آپ نے اپنے اندر اصلاحِ امت کا زبردست جوش محسوس کیا اور آپ نے واپس آتے ہی اصلاح و دعوت کا کام شروع کر دیا[۱]۔

اس سلسلہ میں پہلا کام قرآن مجید کے فارسی ترجمہ و تشریح کا تھا جو آپ کے مبارک ہاتھوں سے ۱۱۵۰ھ میں مکمل ہوا[۲]۔

آپ کے فارسی ترجمہ کا نام "فتح الرحمن" ہے جس پر فارسی ہی میں مختصر حواشی ہیں۔ ترجمہ کی تکمیل کے بعد ۱۱۵۶ھ میں آپ نے اس کی تعلیم و تدریس شروع کر دی۔ ہندوستان میں عجمی زبان کے اندر قرآن کریم کا یہ پہلا ترجمہ تھا[۳]۔ اس سے عوام

---

[۱] شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک ص۳۴۔ [۲] ایضاً ص۴۶

[۳] فارسی وہ پہلی عجمی زبان ہے جس میں قرآن کریم کے ترجمہ کا سلسلہ عہد صحابہ ہی میں

میں کچھ ہلچل مچی۔ اس وقت دہلی میں نجف خاں کا تسلط تھا جو شیعی مذہب رکھتا تھا۔ اسے بھی یہ ناگوار ہوا کہ عام مسلمان براہِ راست قرآنِ کریم سے استفادہ کریں۔ اس لیے اس نے کچھ شرارت پسندوں کو بھیج کر شاہ صاحب کو پریشان کیا۔ شاہ صاحبؒ مسجد فتحپوری میں عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے شاہ صاحب کی شان میں گستاخی کی[1]

مولانا محمد میاں صاحبؒ نے لکھا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کا ترجمہ اس وقت کی دفتری زبان فارسی میں کیا تو مولوی نما جاہ پرست مشتعل ہو گئے کہ جب دفتروں کے محرر بھی قرآن شریف کا مطلب سمجھنے لگے گے تو علماء کا اقتدار کیسے قائم رہے گا۔

اسی غضب اور طیش میں انہوں نے حضرت شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کرایا۔ جس کی مدافعت قدرت کے اس غیبی ہاتھ نے کی جو تاریخ عالم میں عظمت پانے والوں کی حفاظت ہر ایسے موقعہ پر کیا کرتا ہے۔ (تحریک شیخ الہند ص۴۵)

امیر الروایات میں ہے کہ نجف خاں نے شاہ ولی اللہؒ کے پہنچے اتروا دیئے تاکہ ہاتھ بیکار ہو جائیں۔ اسی ظالم نے مرزا مظہر جانجاناںؒ کو جو شاہ صاحب کے ہمعصر تھے شہید کروایا اور شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ

شروع ہو چکا تھا۔ علامہ سرخسی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے فارس کے لوگوں کے لیے سورہ فاتحہ کا ترجمہ فارسی میں کیا (جائزہ بحوالہ المبسوط مطبوعہ مصر جلد اول ص۳۷)

ہندوستان میں سب سے پہلے شہاب الدین ہندی دولت آبادی نے بحرِ مواج کے نام سے فارسی ترجمہ و تفسیر لکھی۔ متوفی ۸۴۹ھ (یہ شیر شاہ سوری کے استاد

کو دہلی سے نکلوا دیا۔

ہندوستان سے فارسی زبان کا ترجمہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود حضرت شاہ صاحب کا فارسی ترجمہ زندہ ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے اردو ترجموں کے ساتھ ناشرین اسے شائع کرتے چلے آرہے ہیں۔

شاہ صاحب کے ترجمہ اور حواشی میں شاہ صاحب کی مجتہدانہ بصیرت صاف طور پر نظر آتی ہے۔ ترجمہ کی زبان نہایت شستہ اور معیاری ہے۔ اقبال پرنٹنگ پریس دہلی نے پانچ ترجموں والے قرآن کریم میں اس ترجمہ کو سید شریف جرجانی[له] کے ترجمہ فارسی کے نیچے شائع کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے اس فارسی ترجمہ کی حیثیت تمام اردو تراجم میں "استاد" کی ہے۔ اسی ترجمہ نے آپ کے صاحبزادوں کو ترجمہ قرآن کی راہ بتائی اور عجمی زبان (ہندی) میں کلام الٰہی کو سمجھانے کا حوصلہ بخشا۔

اور پھر یہ تینوں ترجمے دوسرے تراجم کے لیے سنگ بنیاد ثابت ہوئے

تھے) لیکن مقبولیت اور مقصدیت کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کو اولیت دی جاتی ہے۔ ایضاً صـ ۴۳

له مولانا عبدالحق حقانی مؤلف تفسیر حقانی نے اپنے مقدمہ "البیان" میں لکھا ہے کہ یہ ترجمہ سید شریف علی الجرجانی متوفی ۸۱۶ھ کا ہے۔ اسے ناشر اقبال پرنٹنگ پریس والے شیخ سعدی کی طرف منسوب کرکے غلطی کی ہے۔ (البیان صـ ۱۹۴) سید شریف تیمور لنگ کے عہد میں علم نحو و صرف کے امام ہوئے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کے اثرات

حضرت شاہ صاحبؒ نے ترجمہ قرآن کریم کی جو تحریک چلائی اسے آپ کے صاحبزادگان نے آگے بڑھایا۔

شاہ عبدالقادر صاحب اپنے اردو ترجمہ کا مسجد رشید آبادی میں باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔

شاہ صاحب کے بعد پھر جماعت ولی اللہی کے علماء نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا نظارۃ المعارف القرآنیہ

مولانا سندھیؒ نے دیوبند سے دہلی منتقل ہو کر "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ناظم اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری اس کے نائب ناظم تھے، مولانا سندھی اس ادارہ میں قرآنِ کریم کا درس دیتے تھے۔ مولانا کے درس کا خاص مقصد قرآن کریم کی تعلیم جہاد کو زندہ کرنا تھا

---

[۵۱] موجودہ مدرسہ عالیہ دلی کے بالائی کمروں پر قائم تھا۔ ان کا راستہ بازار کھاری باولی کی طرف تھا۔ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے انڈر گراونڈ چلے جانے کے بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے درسِ قرآن کی ذمہ داری سنبھالی۔

مولٰنا ابوالکلام آزادؒ اور دارالارشاد

ولی اللٰہی تحریک حریت کے اولین رہنماؤں میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کلکتہ میں "دارالارشاد" قائم کیا۔ یہ ادارہ مولانا سندھیؒ کی نظارۃ المعارف کے خطوط پر زیادہ زور دیا کرتے تھے۔

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی تقریروں کے چند مجموعے شائع ہوئے اور برطانوی حکومت نے انہیں ضبط کر لیا (ایضاً ۲۰)

مولٰنا حسین احمدؒ مدنی کا جیل میں درسِ قرآن

ولی اللٰہی تحریک کے مجاہد جلیل مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خاص تعلق علوم حدیث سے تھا۔ لیکن ۴۲ء کی تحریک آزادی میں مولانا گرفتار ہو کر مراد آباد جیل میں رونق افروز ہوئے جہاں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد میاں صاحب بھی پہنچ گئے۔ اس مبارک منزل میں مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے درس قرآن شروع فرمایا اور تقریباً ایک ماہ تک سورۃ الفاتحہ کی تفسیر بیان فرمائی۔

مولاناؒ کے یہ تفسیری افادات مولانا محمد میاں صاحب نے مرتب کر کے بنام "درس قرآن کی سات مجلسیں" شائع کیے ہیں

مولٰنا احمد علی صاحبؒ لاہوری

مولانا لاہوری مولانا سندھیؒ کے نظارۃ المعارف القرآنیہ کے رفقا میں سے

تھے۔ آپ نے اسی نقشہ پر انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور میں درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا۔ مولاناؒ نے عربی مدارس کے فارغ طلباء کے لیے تین مہینہ کا نصاب مقرر کیا تھا۔ اس مدت میں مولاناؒ نے طلباء عربی کو قرآن کریم کے معارف پر عبور حاصل کرا دیا کرتے تھے۔ اور قرآنی علوم پر اظہار خیال کی جرأت پیدا کر دیا کرتے تھے۔

ہند و پاکستان کے مشاہیر علماء نے حضرت لاہوری کے اس نصاب سے استفادہ کیا ہے۔ راقم نے بھی اپنے رفیق مولانا سید انظار الدین صاحب ساکن آرام باغ کراچی کے ساتھ مولانا کے درس ہی سے قرآن کریم کا صحیح ذوق حاصل کیا ہے۔

میاں نذیر حسینؒ محدث دہلوی

میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کی مجلس درس میں موضح القرآن کی باقاعدہ تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔ میاں صاحب حدیث کے سبق سے پہلے موضح القرآن کا ایک رکوع پڑھایا کرتے تھے اور سال بھر کے حدیث کی سند کے ساتھ ترجمۂ قرآن کی سند بھی عطا فرماتے تھے

نواب ضمیر مرزا صاحب آف لوہارو

نواب صاحب بڑے پرہیزگار عالم تھے۔ میاں صاحب کے شاگرد تھے آپ نے اپنی خاندانی مسجد، مسجد نواب قاسم جان بلی ماراں دلی میں صباحی ترجمہ شروع فرمایا۔ یہ ۱۸۵۷ء کے بعد کا قریبی دور تھا۔ انگریزوں کو شبہ ہوا کہ کہیں نواب صاحب حکومت کے خلاف بغاوت نہ پھیلا رہے ہوں۔ اس اندیشہ کی بنا پر نواب صاحب کو ترجمہ بیان کرنے سے روک دیا گیا۔

نواب صاحب کا تعلق حضرت شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال سے تھا۔

ان کے بھائی نواب لوہارو کے کہنے سے حکومت نے نواب صاحب پر ہاتھ ڈالنے سے گریز کیا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

حضرت شیخ الہند صاحب جب مالٹا کی قید سے واپس ہندوستان آئے تو علماء کرام سے فرمایا۔ میں نے مالٹا کی اسارت میں تنہائیوں کے اندر بہت غور کیا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان آپس کے اختلافات اور کتاب الٰہی سے دوری کے سبب برباد ہو رہے ہیں (مقالات مفتی محمد شفیع صاحب ص۴۶)

چنانچہ شیخ نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کیا اور مسلمانوں کی مذہبی قیادت کو متحد کرنے کے لیے "جمعیت علمائے ہند" کے پلیٹ فارم پر قدیم و جدید اہل علم حنفی، اہل حدیث اور ہر مکتب خیال کے علماء و مشائخ کو جمع ہونے کی دعوت دی۔

شیخ نے جدید ترجمہ کرنے کے بجائے موضح فرقان کے نام سے موضح القرآن کی زبان میں معمولی تبدیلی کرنے پر اکتفا فرمایا۔

مولانا محمد بشیر صاحب شہسوانی

آپ میاں صاحب کے شاگرد تھے مسجد حوض والی نئی سڑک میں ترجمہ بیان کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین صاحبؒ فقیر دہلوی کے صاحبزادے مولانا محمد ابراہیم صاحب اپنے شاگردوں کے ساتھ ان کی مجلس تفسیر میں شرکت کرتے تھے۔ مولانا مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے۔

مولنا عبدالرحمٰن صاحب راسخ

مولانا نواب گلی قاسم جان میں نواب صاحب کے علاوہ مولانا محمد حسین صاحب فقیر کے چھوٹے صاحبزادے مولانا راسخ صاحب نے بھی ترجمہ بیان کیا۔

مولانا راسخ صاحب اردو زبان کے بڑے اچھے شاعر بھی تھے۔ اس لیے مولانا کی تقریریں بڑی شگفتہ ہوتی تھیں

مولانا مظہرالدین صاحب شیرکوٹی

مولانا مظہرالدین صاحب شیدکوٹی نے بھی اس مسجد میں درس دیا ہے۔ مولانا اخبار الامان اور وحدت کے ایڈیٹر تھے۔

حکیم یعقوب الرحمٰن صاحب دہلوی

حکیم محمد یعقوب صاحب نے بھی اس جگہ درس دیا ہے حکیم صاحب بڑے عالم اور واعظ تھے۔ دہلی کے مشہور سماجی کارکن شیخ عنایت الرحمٰن صاحب ان کے بڑے صاحبزادے تھے۔ جن کی سماجی خدمات سے دہلی والے بخوبی واقف ہیں۔

حوادث کی ستم ظریفی مرحوم کو دلی سے کراچی کھینچ کر لے گئی اور وہاں کافی عرصہ ذہنی اذیتوں کا شکار رہ کر خدا کو پیارے ہو گئے۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی

آپ مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ تھے مفتی محمد کفایت اللہؒ کے خاص شاگرد

تھے۔ مسجد کٹرہ ہدو فراش خانہ میں ترجمہ بیان کرتے تھے۔ ایک ایک آیت پر کئی کئی دن روشنی ڈالتے۔ بہترین حافظ قرآن ہونے کی وجہ سے ہر آیت کے مشابہ دوسری آیت سے جوڑ خوب لگاتے۔ شاہ صاحب کے ترجمہ کی ادبی اور علمی خوبیاں اہل زبان ہونے کی وجہ سے مزے لے لے کر واضح کرتے تھے۔

مولانا نے کشف الرحمٰن کے نام سے اپنا مستقل ترجمہ بھی کیا ہے جو چھپ چکا ہے۔ مولانا کے مواعظ بھی قرآنی آیات اور قرآنی لطائف سے معمور ہوتے تھے اور اس قسم کا وعظ کہنا صرف مولانا کی خصوصیت تھی جو مولانا اپنے ساتھ لے گئے ورنہ عام طور پر وعظوں میں واقعات اور حکایات کی بھرمار ہوتی ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب اردو زبان کی سند تھے۔ تمام تراجم سنتے اور بے لاگ سب پر تبصرہ فرماتے۔ موضح القرآن کے ایک ایک لفظ کی تحقیق کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے اردو محاورات پر سر دھنتے تھے۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے ترجمہ تفہیم القرآن کا بڑا حصہ چھپ کر ۱۹۵۱ء میں آچکا تھا۔ مولانا کا ترجمہ ۱۹۵۷ء میں تیار ہوا۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ مگر فرماتے تھے محاورات کے استعمال میں بازاریت پر اتر آتے ہیں۔ یہ محسوس نہیں کرتے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ کا ترجمہ ڈپٹی صاحب نے "ہوکا ہے" کیا ہے۔ فرمایا۔ توبہ۔ توبہ۔ حضور کی شان میں "ہوکا" نہیں بلکہ انہیں محاورات ٹھونسنے کا ہیضہ ہے۔

مولانا تھانوی کے بیان القرآن سے بہت استفادہ کرتے کہیں کہیں فرماتے کہ قصباتی زبان ہے۔

مودودی صاحب کی تفہیم بڑے غور سے سنتے اور زبان کی سلاست اور تفسیری حواشی کی تعریف کرتے۔ داد دینے میں بخل سے کام نہ لیتے تھے۔

"كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" میں شان کا ترجمہ کسی نے کام اور کسی نے دھندہ کیا ہے۔ مودودی صاحب نے ترجمہ "ہر آن اس کی نئی شان ہے" کیا ہے۔ فرمایا "ظالم بازی لے گیا۔ شان کا ترجمہ تو کسی زبان میں ممکن ہی نہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی اس لفظ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

حضرت شیخ الہند نے شاہ صاحب کے ترجمہ میں جو تبدیلی کی ہے اس کو سراہتے مگر یہ بھی فرماتے۔ غیر ضروری تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں۔

مثقلة کا ترجمہ شاہ صاحب نے "بوجھوں مرتا" کیا ہے شیخ نے اسے "بوجھل" کر دیا۔ حالانکہ بوجھل وزنی چیز کو کہتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی مراد گناہوں کے بوجھ سے دبا ہوا گناہ گار مراد ہے۔

مولانا سلطان محمود صاحب گجراتی

آپ مدرسہ عالیہ فتحپوری کے صدر مدرس تھے۔ مسجد نئی سڑک میں ترجمہ بیان کرتے تھے۔ انداز بیان نہایت سادہ ہوتا تھا۔ ایک رکوع کی مختصر تفسیر روزانہ کا معمول تھا۔ دو سال میں ترجمہ ختم کر دیتے تھے۔

مولانا عبد الشکور صاحب دیوبندی

مدرسہ حسین بخش دہلی کے صدر مدرس خطیب و واعظ تھے۔ علم و فضل کے ساتھ بڑے روحانی بزرگ تھے۔ مولانا نور الحسن صاحب دیوبندی کے صاحبزادے تھے عقب کلاں مسجد میں ترجمہ بیان کرتے تھے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔

راقم السطور نے ۱۹۶۱ء میں بموقعہ حج بیت اللہ مولانا کی زیارت کی۔ روضۂ پاک کے عقب میں ایک چھوٹے سے مکان میں اپنی اہلیہ کے ساتھ مقیم تھے۔ سلف صالحین کا مکمل نمونہ مولانا کے اندر نظر آتا تھا۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب

مولٰنا عتیق الرحمن صاحب عثمانی

ان دونوں بزرگوں نے کلکتہ میں عرصۂ دراز تک قرآن کریم کی تفسیر بیان فرمائی مجاہد ملت کی خطابت اور مفتی صاحب کی مؤثر تفہیم اپنا اپنا الگ الگ رنگ رکھتی ہے۔ علم وفضل میں اکابر کے جانشین ہیں۔

ان حضرات نے مسجد کشن گنج کے اندر بھی ترجمہ بیان کیا ہے۔ مجاہد ملت ہم سے رخصت ہوگئے۔ حضرت مفتی صاحب الحمدللہ حیات ہیں اور ہم ان کی صحت وعافیت کے لیے دعاگو ہیں۔

مولانا نورالدین صاحب بہاری

آپ دارالعلوم کے فاضل تھے۔ جنگ آزادی کے مشہور مجاہد تھے قید وبند کی مصیبتوں کے ساتھ ساتھ مسجد جنگل والی باڑہ ہندو راؤ میں ترجمہ بیان کرتے تھے۔

سادہ مزاجی، قناعت اور خودداری مولانا کی وہ خصوصیات تھیں جو اس میدان کے لیڈروں میں کم ہوتی ہیں۔

مولٰنا عبدالحلیم صاحبؒ صدیقی

مولانا رحمۃ اللہ علیہ جمعیت علمائے ہند کے ابتدائی معماروں میں سے تھے تحریک آزادی کے مجاہد تھے۔ جید عالم دین اور عربی ادب کے ماہر تھے۔ حفظ قرآن میں مولانا کی ذات کو انفرادیت حاصل تھی۔ رمضان المبارک میں سنہری مسجد دلی کے اندر مولانا کی تراویح کا بڑا شہرہ رہتا تھا۔ اہل علم میں قرآن کریم کا اتنا جید اور کثیر التلاوۃ اور جلدی اور صاف پڑھنے والا حافظ شاید ہی ملے۔

مولانا احمد سعید صاحب اور مولوی حفظ الرحمٰن صاحبؒ مرحوم سے فرمایا کرتے تھے کہ آپ سامعین کو اتنی زحمت میں کیوں ڈالتے ہیں کہ ایک ایک رکعت میں دس دس پارہ پڑھ جاتے ہیں

اس کے جواب میں مرحوم فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا لمبا قیام فرماتے تھے کہ آپ کے قدموں پر سوجن چڑھ جاتی تھی میں اس کی پیروی کرتا ہوں کوئی تو اس سنت کو زندہ کرنے والا ہو۔

مرحوم نے مولانا نورالدین صاحب بہاری کی گرفتاری کے بعد مسجد جنگل والی میں قرآن کریم کا ترجمہ فرمایا۔ یہ ۴۲ء کی گرفتاری کا واقعہ ہے۔

مولانا احتشام الحق تھانوی

۴۷ء کے پہلے مولانا جامع مسجد نئی دہلی کے امام تھے اور مسجد خواجہ میر درد نئی دہلی میں صبح کو قرآن کریم کا ترجمہ بیان کرتے تھے۔

۴۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہاں سے پاکستان ریڈیو پر ترجمہ بیان کرتے رہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے بھانجے ہوتے تھے۔ دالعلوم کے اجلاس

صد سالہ (۲۱-۲۲-۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء) کے سلسلہ میں دہلی آئے اور مدراس میں اپنے احباب سے ملنے گئے۔ وہیں صبح کو وعظ بیان کرتے ہوئے خدا کو پیارے ہو گئے۔ وفات ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء۔

یہ چند علمائے حق ہیں جنہوں نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک "ترجمہ قرآن" کو قائم رکھا۔

ترجمہ قرآن کی تحریک روبہ زوال

اب ترجمہ قرآن کریم کی یہ تحریک روبہ زوال ہو رہی ہے اور جس تحریک نے مسلمانوں کے اندر عقائد حقہ پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا وہ سلسلہ تعلیم و تبلیغ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جماعت ولی اللہی کا ایک بڑا طبقہ اس تحریک سے دلچسپی لینے کے بجائے اس کی جگہ اردو کتابوں کے مذاکرہ کو اہمیت دے رہا ہے۔ اس طبقہ میں دینی مذاکروں اور دینی اجتماعات کے اندر "درس قرآن" کا کوئی پروگرام نہیں رکھا جاتا بلکہ اردو کتابوں کی تلاوت کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ امام مسجد نماز کے بعد قرآن شریف کی چند آیات پڑھ کر ان کا ترجمہ اور آسان مطلب بیان نہیں کرتا بلکہ فضائل اعمال کی چند حدیثوں کا اردو ترجمہ پڑھ کر دعا کرا دیتا ہے۔

دینداروں کی زبان پر قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر کا نام نہیں آتا۔ بلکہ چند مخصوص اردو کتابیں ہیں جن کا اٹھتے بیٹھتے ذکر خیر کیا جاتا ہے۔ آپ کو مساجد میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کی کتابیں کم نظر آئیں گی۔ فضائل کی اردو کتابیں زیادہ نظر آئیں گی۔

حالانکہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے پورے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ کی یہ برکت ہے۔

(۱) اس کے پڑھنے سے بچوں اور بچیوں اور کم علم لوگوں میں فطری سلامتی قائم رہتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہر انسان کو جو فطرت سلیم عطا فرمائی ہے وہ ماحول کے بُرے اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔

(۲) اور اگر ماحول کے برے اثرات مسلمان کو گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں تو پھر بھی اس ترجمہ کی برکت سے مسلمان کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

(نوٹ) مقدمہ فتح الرحمان کے مذکورہ بالا اقتباسات اس قلمی نسخہ سے لیے گیے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین کی دوسری کتابوں کے پڑھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل ہوتا ہے۔ بیشک دین کی ہر کتاب پڑھنے سے فائدہ پہنچتا ہے مگر جو بات کلام خداوندی اور اس کے ترجمہ و تشریح کے اندر ملتی ہے وہ دوسری جگہ کہاں؟

عارف باللہ مولنا مدنیؒ کی ہدایت

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے مرادآباد جیل کے اندر درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ حضرت مدنی نے اس مجلس میں کلام اللہ کے الفاظ کی روحانی تاثیر پر اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا تھا۔

"جو سلوک کلام اللہ کے ذریعہ ہو وہ قوی اور پائیدار ہوتا ہے مگر دیر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان قرآن حکیم کے دیگر عجائبات میں لگ جاتا ہے اور ذکر کے ذریعہ طبیعت جلد متوجہ ہوتی ہے۔ مگر وہ اسقدر پائیدار نہیں ہوتی۔" (سات مجلسیں صہ ۴۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر "عزیزی"

شاہ عبدالعزیز صاحب امام ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ان کی عمر صرف ۱۷ برس کی تھی تعلیم و تربیت سے فارغ ہوکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے والد کے چھوڑے ہوئے کام کو سنبھالا۔ شاہ صاحب کے مخصوص دینی اور اصلاحی فکر و نظر سے خواص و عوام کو آگاہ کیا اور اصلاحی جدوجہد کو اپنے دونوں بھائیوں کے تعاون و رفاقت سے جاری رکھا۔

عقلی مسائل کے لیے جس قدر تحقیق کی ضرورت ہوتی اسے شاہ رفیع الدینؒ پورا کرتے کشفی مسائل میں شاہ عبدالقادرؒ صاحب ممتاز تھے۔ تزکیہ و تربیت کا کام آپ انجام دیتے۔ منقولات کی تعلیم شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ اس وقت یہ تینوں بھائی دہلی میں اصحاب ثلٰثہ کے لقب سے مشہور تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے والد کی فارسی تفسیر فتح الرحمٰن کے اسرار و رموز سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے فارسی میں تفسیر عزیزیؔ لکھی جو شروع کے پاروں میں سورہ بقرہ تک ہے۔ اور آخر کے دو پاروں، پارہ تبٰرک الذی اور پارہ عمّ پر مشتمل ہے۔

اس کے علاوہ شاہ صاحب کے ایک شاگرد نے شاہ صاحب کے درس قرآن کو قلمبند کر کے سورہ مومنون سے سورہ یٰس تک تقریباً سوا پانچ پاروں کی تفسیر مرتب کی جو "پنج پاروں" کے نام سے مشہور رہوئی ہے۔

تفسیر عزیزی کے آخری دو پاروں کا ترجمہ اردو میں محمد حسن خاں رامپوری نے ۱۲۶۱ھ میں کیا جو برابر چھپتا رہتا ہے[1]

[1] جائزہ تراجم قرآنی صد ۱۰۲

اس تفسیر کے متعلق مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں بعض چیزیں فن حدیث کی رو سے غیر ثابت بھی آجاتی ہیں لیکن یہاں ان کا مطلب تنقید سکھانا نہیں بلکہ اپنے والد امام ولی اللہ کی حکمت کو عوام تک پہنچانا ہے۔[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات ۱۲۳۹ھ میں ہوئی

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کا اردو ترجمہ

ترتیب کے اعتبار سے شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کا ذکر شاہ عبدالقادر صاحب کے بعد آنا چاہیے تھا۔ کیونکہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تحت اللفظ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے اردو بامحاورہ ترجمہ کے چند سال بعد مکمل ہوا۔

لیکن حضرت شاہ صاحب رفیع الدین صاحبؒ چونکہ عمر کے لحاظ سے بڑے ہیں اس لیے ہم نے شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کا عنوان مقدم کر دیا ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے تحت اللفظ ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۴۰ء میں طبع ہوا۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب کو تعجب ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے بہترین ترجمہ کے چند سال بعد ہی شاہ رفیع الدین صاحبؒ کو تحت لفظی ترجمہ کی ضرورت کیوں پیش آئی

لیکن صاحب جائزہ نے تفسیر رفیعی مطبوعہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۵ء کے دیباچہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تحریر کردہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے شاگرد سید نجف علی نے اپنے محترم استاد شاہ رفیع الدین

---

[1] شاہ ولی اللہؒ کی سیاسی تحریک صہ ۷

صاحب سے خواہش کی کہ آپ مجھے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ پڑھادیں آپ نے قبول کر لیا۔
پھر انہوں نے شاہ صاحب سے سبقاً سبقاً بالکل لفظی ترجمہ پڑھا اور اسے قلمبند کرتے رہے۔ شاہ صاحب نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی اور اسے دیکھ کر اس کی اصلاح فرماتے رہے۔
اس طرح جب وہ ترجمہ مکمل ہو گیا تو اسے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شائع کر دیا۔ (جائزہ صد ۲۳)

تفسیر رفیعی

مؤلف جائزہ نے جس تفسیر رفیعی کا ذکر کیا ہے وہ تفسیر راقم نے مدرسہ خادم الاسلام جامع مسجد ہاپوڑ کے کتب خانہ میں دیکھی۔ یہ تفسیر ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اسی تفسیر کے شروع میں عبدالرزاق صاحب نے شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجمہ کا تذکرہ کر کے لکھا ہے۔
اسی صورت سے تفسیر سورہ بقرہ بطور فائدوں کے تمام وکمال مفصل شرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔ اس واسطے کہ نام مبارک ان کا بھی رفیع الدین ہے اس تفسیر کا نمونہ یہ ہے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ ۱۳۱) — جب کہا واسطے اس کے رب اس کے نے مطیع ہو، کہا مطیع ہوا میں واسطے پروردگار عالموں کے۔

(ف) معنی اسلام کے یہی نہیں ہیں نئے حکم سے اعراض نہ کیجئے بلکہ بسر وچشم قبول کر لیجئے اور حق تعالیٰ کو مقابل اور معبودات کے نہ سمجھیے بلکہ مالک اور خالق سب کا اس کو جانیے

اور اسباب پر اعتماد نہ کیجیے، خدا ہی کو سمجھیے اور ملت ابراہیمی کی خاصیت یہ ہے کہ قوائے بشر کو اپنے کاموں سے معطل نہ کیجیے۔ خدا کے کام میں لائیے۔ اور حکمتیں اس کی روشن لکھی ہیں کہ علماء سمجھیں اور جس کا حکم بیان نہیں ہوا اس کو ان حکمتوں سے نکال لے ویں اور جاری کریں۔

اس تفسیر کے حاشیہ پر مولانا محمد یعقوب غزنوی چرخی کی تفسیر چڑھی ہوئی ہے جس میں سورۂ فاتحہ اور پھر تبارک الذی سے سورۃ الناس تک تفسیر درج ہے۔

اس تفسیر کے آخر میں مولانا محمد حسین صاحب فقیر دہلوی کی تاریخ ہے۔

غنیمت ہے چھپی تفسیر مولانا رفیع الدین
رموز نظم قرآں کھل گئے ہم عاصیوں پر بھی
عجب تاریخ اس کی صنعت توشیخ میں ہے یہ
پڑے تا محنت استخراج میں ہم عامیوں پر بھی

شروع صفحہ پر۔ از اہتمام ۱۲۷۲ھ سید عبدالرزاق در مطبع نقشبندی۔ طبع گرفت لکھا ہوا ہے لیکن جگہ کا نام درج نہیں ہے۔

آخر میں ایک حاشیہ کاتب فقیر محمد ابراہیم کا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید نجف علی خاں عرف فوجدار کوئی بڑے شاہی عہدیدار تھے۔

اس تصریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب نے خود اس ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ سید نجف علی صاحب کی خواہش پر یہ ترجمہ وجود میں آیا۔

اس کے علاوہ اگر ہم اس بات کو سامنے رکھیں کہ شاہ ولی اللہ کے تمام بلند مرتبہ صاحب زادگان اپنے والد کے مشن کی تکمیل کے تحت ہر قدم اٹھاتے تھے اور اس اصلاحی اور دعوتی تحریک کی تکمیل ان تمام حضرات کا اولین فرض تھا تو پھر اس ترجمہ کی غرض ہماری

سمجھ میں آسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ بڑے بھائی کے سامنے قرآن کریم کی زبان عربی سے مسلمانوں کو قریب کرنا تھا اور چھوٹے بھائی کے سامنے قرآنی پیغام کو عوام کے دلوں میں اتارنا تھا۔

ظاہر ہے کہ پہلا مقصد تحت اللفظ ترجمہ سے حاصل ہو سکتا تھا اور دوسرا مقصد بامحاورہ اردو سے جسے اس وقت تک عام طور پر ہندی کہا جاتا تھا۔

مولانا سندھیؒ نے تفسیر قرآن سے متعلق شاہ رفیع الدین کی دو کتابوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ "ایک حملۃ العرش" اور ایک "آیت نور"

"حملۃ العرش" کا تذکرہ اور اس کا کچھ اقتباس تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز نے تفسیر سورہ الحاقہ آیت وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ کے تحت نقل کیا ہے اور اس میں اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ رفیع الدین کے متعلق بڑے بلند القاب تحریر فرمائے ہیں۔

کتاب کے آخر میں جو ضمیمہ جات شامل ہیں ان میں شیخ محسن کی "الیانع الجنی" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تفسیر آیت نور رسالہ سطعات از شاہ ولی اللہ میں موجود ہے شاہ رفیع الدین کا رسالہ اسی کی تکمیل ہے۔ (صـــ ۲۲۳)

اسی کتاب کے حاشیہ میں مولانا نورالحق علوی مرتب حواشی نے لکھا ہے کہ میں نے بعض پرانے ثقات سے سنا ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب نے صرف سورتوں کا ترجمہ کیا اور مولانا عبدالحی صاحب نے اسے پورا کیا۔ (صـــ ۸۳)

مولانا عبدالحی صاحب دہلوی مولانا نوراللہ صاحب کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے داماد تھے یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے فارسی زبان میں لغات القرآن لکھی۔

محشی صاحب نے لکھا ہے کہ ہمیں یہ کتاب اپنی طالب علمی کے زمانہ میں دیوبند میں

مفت تقسیم ہوکر ملی تھی۔ (ص ۸۳)

شاہ رفیع الدین صاحب کی وفات ۱۲۳۲ھ میں ہوئی

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کا بامحاورہ ترجمہ

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ دہلوی نے سب سے پہلے بامحاورہ ہندی میں قرآنِ کریم کا ترجمہ کیا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا خاندانی مدرسہ اس وقت کوچہ فولاد خاں میں قائم تھا جو کلاں محل دہلی کے قریب ہے۔ آج بھی اس گلی کا نام شاہ عبدالعزیزؒ اور مسجد شاہ عبدالعزیزؒ ہے۔

مدرسہ رحیمیہ جو شیخ نروز کے چھتہ (موجودہ قبرستان مہندیان) میں قائم تھا۔ اسے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ جب شاہ ولی اللہؒ کے علمی کمال کا شہرہ بڑھا اور طالبانِ دین کثرت سے رجوع ہونے لگے تو دہلی کے بادشاہ سلطان محمد شاہ صاحب نے شاہ صاحب کو بلاکر یہ جگہ عطا فرمائی اور یہاں ایک عالیشان دار الحدیث تعمیر کرایا۔

اس کے بعد مدرسہ رحیمیہ غیر آباد ہوگیا اور اسی جگہ (مدرسہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) میں عرصہ دراز تک شاہ صاحب کی اولاد اور آپ کے شاگردوں نے تعلیم وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔

اس مدرسہ میں شاہ ولی اللہؒ اور ان کے لڑکوں کی نرینہ اولاد قابض رہی اور انہی لوگوں نے اس کو آگے چل کر فروخت کر دیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے نواسوں، شاہ محمد اسحٰق اور شاہ محمد یعقوب کے لیے علیحدہ مکان خرید کر وہاں انہیں آباد کیا۔ یہ جگہ مدرسہ شاہ اسحٰق صاحب کے نام سے مشہور ہوئی جو آج کھیر والا پھاٹک کہلاتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے علمی جانشین یہی حضرات تھے جو ہندوستان سے ہجرت کر گئے تھے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے لیے مسجد اکبر آبادی کو منتخب فرمایا اور یہیں تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا سندھیؒ نے اس مسجد کے متعلق لکھا ہے۔

حضرت سید احمد بریلویؒ نے عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد اسحٰق اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید سے پڑھیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور حدیث مولانا عبدالقادر صاحب کے درس میں سنتے رہے۔ اور انہی کی صحبت میں سلوک کی تکمیل کی۔

سید احمد شہیدؒ کے متعلق سرسید احمد دہلوی اپنی کتاب "آثار الصنادید ص۹۲ میں لکھتے ہیں۔

سید احمد بریلویؒ اوائل حال میں شوق طالب علمی میں وارد شاہ جہاں آباد ہو کر مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہوئے اور صرف و نحو میں فی الجملہ سواد حاصل کیا اکثر خدمت مسجد اور اس مقام کے واردوں خصوصاً درویشان پاک طینت کی جو تحصیل علم باطنی کے شوق میں جناب مولانا عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ خاطر داری اور سرانجام مہمام میں ایسے سرگرم ہوئے گویا اس امر کو اہم مہام سمجھے ہوئے تھے۔ (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ص۹۲)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ۶۳ سال کی عمر پائی اور ۱۲۳۰ھ میں وصال فرمایا۔

شاہ صاحب کے ذاتی حالات کہیں ایک جگہ نہیں ملتے۔ مختلف حضرات نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت

آپ کی عمر ۱۳ سال کے قریب تھی اور اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز صاحب کی کفالت اور تربیت میں پروان چڑھے۔ شاہ صاحب ہی سے تعلیم حاصل کی اور شاہ صاحب ہی آخر وقت تک اپنے گوشہ نشین بھائی کی سرپرستی فرماتے رہے۔

شاہ صاحب سال بھر میں دو جوڑے کپڑے اور دونوں وقت کھانا مسجد اکبرآبادی میں بھیجا کرتے تھے۔ اور یہی اس درویش عالم کی کل کائنات تھی۔

شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی فرمایا کرتے تھے کہ شاہ ولی اللہؒ کی ساری اولاد علم و فضل میں یگانہ تھی ان میں صاحب نسبت صرف شاہ عبدالقادرؒ صاحب تھے صاحب نسبت کے متعلق فرمایا "صاحب نسبت وہ ہے کہ جس بات کا ارادہ کرے خدا تعالیٰ اسے پورا فرمائے۔ (مقالات پروفیسر خلیق نظامی)

مولانا شاہ ابوالحسن صاحب زید فاروقی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مقامات خیر میں حضرت شاہ احمد سعید صاحب خلف اکبر مولانا شاہ غلام علی صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے۔

آپ شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے کبھی زیارت کے لیے اور کبھی برائے استفادہ۔

آپ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں بھائی علم کے سمندر تھے اور تفسیر کلام الٰہی میں شاہ عبدالعزیز اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھے تینوں بھائی صاحب نسبت و کشف صحیح تھے اور شاہ عبدالقادر کا کشف نہایت عمدہ تھا انہوں نے بارہ سال تک مجاہدہ کیا اور اس طریقہ کے بعض خلفاء سے استفادہ کیا تھا۔ وہ سیری تکریم کیا کرتے تھے۔

آپ نے حدیث شریف کی اجازت حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ (ص ۸۴)

امیر الروایات میں حضرت شاہ صاحب کی روحانی اور کشفی کرامات سے متعلق بہت سے واقعات نقل کیے گیے ہیں۔

خواجہ میر دردؒ اور شاہ عبدالقادرؒ

کسی مستند تاریخ میں یہ بات ہماری نظر سے نہیں گزری کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اردو زبان کی تحصیل میں خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ یہ انکشاف صرف ناصر نذیر صاحب فراق نے اپنی کتاب لال قلعہ کی ایک جھلک میں ان لفظوں میں کیا ہے۔

> کون نہیں جانتا کہ حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی اکبر شاہ ثانی اور ابوظفر بہادر شاہ اور شیخ ابراہیم ذوق کے استاد تھے جب شاہ نصیر صاحب کا ذوق سے دل کھٹا ہوگیا اور اصلاح موقوف ہوگئی تو ذوق ہر جمعہ کو مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں جانے لگے اور وعظ بہت غور سے سننے لگے۔ کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوق نے کہا۔ استاد مجھ گنہگار سے ناخوش ہو گئے۔ شعر و سخن میں اصلاح ملتی نہیں، اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر صاحب سے کسی طرح کم نہیں ان کے بیان اور گفتگو کو سنتا ہوں اور اردو کے محاورے روزمرہ یاد کرتا ہوں اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد کے حکم کے بموجب اردو زبان سیکھنے کے لیے خواجہ میر درد صاحب کی خدمت میں بچپن میں حاضر ہوتے تھے۔ اور

چپ چاپ بیٹھے ہوئے آپ کی تقریر سنا کرتے تھے۔ اور محاورات
کو دل ہی دل میں چنا کرتے تھے۔ مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ
علیہ اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے جس طرح اصولِ حدیث اور اصولِ
فقہ فن ہے اسی طرح حصولِ زبان بھی فن ہے اور اردو زبان کے موجد
و مجتہد خواجہ میر دردؔ صاحب ہیں ان کی صحبت اس فن کے واسطے
غنیمت سمجھو کیونکہ خواجہ صاحب پکے پان ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر میر درد صاحب کے شاگرد تھے[۱]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں دہلی کی شاعری کی عظمت
جن ستونوں میرؔ، سوداؔ، دردؔ، میر حسنؔ پر قائم تھی ان میں حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ
کو کئی اعتبار سے امتیازی شان حاصل ہے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۴ صفر
۱۱۹۹ھ میں ہوئی۔

خواجہ صاحب اس دور کے عظیم علماء و صوفیا میں سے تھے۔ دلی کے بڑے علمی اور
دینی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور اس مناسبت سے ولی اللہی خاندان کے بزرگوں کا
خواجہ صاحب سے گہرا تعلق ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زبان کے معاملہ میں ان بزرگوں نے خواجہ
صاحب سے کچھ استفادہ بھی کیا ہو۔ لیکن استادی اور شاگردی کا تعلق ایسا معمولی تعلق نہیں
کہ اس دور کی تاریخیں اس سے خاموشی اختیار کرتیں۔

اس کے علاوہ خواجہ صاحب کی زبان میں جو متروک الفاظ ملتے ہیں۔ شاہ صاحب
کی زبان ان سے بالکل محفوظ ہے۔

[۱] مطالعہ مومن ص ۲۳۷ بحوالہ کتاب مذکور ص ۶۲

دونوں بزرگوں کے عہد میں کافی فرق ضرور واقع ہو گیا تھا اور زبان برابر ترقی کر رہی تھی۔ لیکن استاد کی زبان کا اثر پھر بھی کچھ نہ کچھ شاگرد کی زبان پر پڑنا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر ظہیر صاحب صدیقی نے لکھا ہے۔ میر درد کے عہد کو تقریباً ڈھائی سو سال گزرے اس لیے زبان میں کہیں کہیں الفاظ غریب کا پایا جانا تعجب کی بات نہیں ہے اس کی ایک وجہ تو وہی قدامت ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کا شمار اہل حال میں ہے نہ کہ اہل قلم میں۔ اس لیے طبعاً اُن کو الفاظ کی ظاہری تراش خراش کی فرصت نہ تھی ضرورت[1]

اسی طرح شاہ عبدالقادر صاحب بھی اپنے وقت کے بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے عظیم روحانی مصلح اور شیخ تھے۔ مگر اس کے باوجود موضح القرآن میں استعمال کی گئی زبان کی نوک پلک کی درستگی کا شاہ صاحب کے ہاں پورا پورا اہتمام ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب خدا تعالیٰ کے کلام مبین کو اردوئے مبین کے قالب میں ڈھال رہے تھے اور آپ یہ ضروری سمجھتے تھے، کہ خدا تعالیٰ کے بلیغ کلام کا ترجمہ بھی اردو کے بلیغ اسلوب میں کیا جائے۔

خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں پائے جانے والے متروک الفاظ یہ ہیں

بجھے شعلے بھی کتنے کتنی ہی موجیں مٹیں یا رب
کبھو دل کی بھی ہوگا ہم آخر اضطرابی کا

کبھو استعمال کیا ہے۔

مدت سے وے تپاک تو موقوف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

[1] دیوان خواجہ میر درد ص۱

وے اور کبھو کا استعمال شاہ صاحبؒ کے ہاں نہیں ہے۔

زور عاشق مزاج ہے کوئی

دردؔ کو قصہ مختصر دیکھا

زور بمعنی بہت لایا گیا ہے۔ شاہ صاحب کے ہاں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں

حال مجھ غمزدے کا جس تس نے

جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا ؟

پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد

غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

لوہو بمعنی خون۔ شاہ صاحب نے لہو اور خون استعمال کیا ہے۔

میں خدا جانے یہ کیا دیکھا ہوں

آپ کچھ جی میں نہ بھرمائیے گا

بھرمانا بمعنی شبہ کرنا۔ کیا دیکھا ہوں بمعنی کیا دیکھا ہے۔

اے بے خبر تو آپ سے غافل نہ بیٹھ رہ

جوں شعلہ یاں سفر ہے ہمیشہ وطن کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا وگرنہ یاں

یوسف چھپا ہے آن کے ہر پیرہن کے بیچ

بیچ بمعنی درمیان، شاہ رفیع الدین صاحب نے استعمال کیا ہے مگر شاہ صاحب

کے ہاں یہ لفظ نہیں ملتا۔

پر یکھا دردؔ کچھ مت رکھ ترقی و تنزل کا

کہ اپنے ذہن میں یاں تو گدا بھی شاہ ہوتے ہیں

مثال کے طور پر یہ چند اشعار نقل کر دیئے ہیں ورنہ خواجہ صاحب کے اشعار میں جو الفاظ کثرت سے ملتے ہیں اور وہ غریب یا نامانوس ہو گئے ہیں۔ وہ شاہ صاحبؒ کے موضح قرآن میں نظر نہیں آتے۔

شاہ عبدالقادر صاحب اور حکیم مومن خاں

اس دور کے مشہور شاعر حکیم مومن خاں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ عرش گیاوی نے لکھا ہے: "تعلیم ان کی اسی مدرسہ (مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ) میں ہوئی۔ کچھ کتابیں تبرکاً شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے اور بقیہ علامہ شاہ عبدالقادر صاحب سے پڑھیں۔ اور یہیں عربی، فارسی، حدیث، فقہ، منطق، معانی وغیرہ کی تکمیل ہوئی۔"[1]

مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ ان کے ہم سبق رہے۔ اس لیے اگر مومن ان کے ہم خیال تھے تو تعجب کی بات نہیں۔ تاہم ان کی طرح متشدد نہ تھے۔ مومن خاں نے جوانی ہی میں حضرت سید احمد بریلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

اسی تعلق کا اثر تھا کہ مومن خاں نے آخر عمر میں شعر و شاعری اور لہو و لعب سے توبہ کر لی تھی اور نماز روزہ کے پابند ہو گئے تھے۔

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی جو فلسفے کے امام مانے جاتے ہیں حدیث میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے شاگرد تھے انہوں نے مختلف علوم کی تکمیل اپنے والد مولانا فضل امام صاحب سے کی تھی۔

---

[1] مطالعہ مومن صـ۲۲

مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے دلی میں بدعات کے خلاف جو تحریک شروع کی اُس کے طریقہ کار سے اختلاف کرنے والوں میں مولانا فضل حق صاحب اور مولانا رشید الدین خان صدر مدرس مدرسہ دہلی تھے اور مولانا صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی ان دونوں حضرات کے پس پردہ حامی تھے۔

یہ دونوں بزرگ خاندان ولی اللٰہی کے شاگرد تھے مگر مولانا شہید اور مولانا عبدالحیؒ کی تحریک اصلاح کے طریقہ کار سے انہیں اتفاق نہ تھا۔ اس سے اس وقت کی مذہبی کشیدگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ فریقین باوجود آپس میں یگانگت اور دوستی کے دو طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔"

موضح قرآن کی اہمیت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ علمی، ادبی اور قبولِ عام کے لحاظ سے اردو ترجموں میں کیا درجہ رکھتا ہے۔؟ اس کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اہل علم اور اربابِ طریقت دونوں اس ترجمہ کو "الہامی" ترجمہ قرار دیتے ہیں۔

کیونکہ شاہ صاحب نے جس دَور (عہد شاہ عالم ثانی) میں یہ ترجمہ تحریر فرمایا اس وقت موصوف کے سامنے عجمی زبان کے ترجموں میں فارسی ترجموں کے سوا کوئی مکمل اردو، ہندی ترجمہ موجود نہیں تھا جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ شاہ صاحب نے اس سے استفادہ

لہ آگے "اردو نثر کی ترقی میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حصہ" کے عنوان سے اس پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

کر کے اپنا ترجمہ مکمل فرمایا۔ البتہ شاہ صاحب کے سامنے اپنے والد کا ترجمہ فارسی ضرور رہا ہو گا اور اس ترجمہ کا تذکرہ شاہ صاحب نے مقدمہ میں خود بھی کیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب کے ترجمہ اور تشریحی فوائد پر تحقیقی نظر رکھنے والے علماء اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ شاہ صاحب اپنے ترجمہ میں "فتح الرحمٰن" کے مقلد نظر نہیں آتے بلکہ ترجمہ کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ شاہ صاحب کی مجتہدانہ بصیرت کا پتہ دیتا ہے اور موصوف کا تخلیقی کمال ایک ایک جملہ کے اندر منہ سے بولتا ہے۔

موضح قرآن کا مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی شکر تیرے احسان کا ادا کروں کس زبان سے کہ ہماری زبان کو گویائی دی اپنے نام کر اور دل کو روشنی دی اپنے کلام کر اور امت میں کیا اپنے رسول مقبول کے جو اشرف انبیاء اور نبی الرحمت جس کی شفاعت سے امیدوار ہیں کہ پاویں دو جہاں کی نعمت۔

الٰہی اس نبی امت پرور کو اپنی رحمت سے درجات اعلیٰ نصیب کر جو مد نہو کسی مخلوق کی اور اپنی عنایت اس پر ہمیشہ افزوں رکھ دنیا و آخرت میں اور اس کے آل اطہار پر اور اصحاب کبار پر اور اس کی امت کے علمائے مقتدا پر اور اولیائے باصفا پر اور غرباء و ضعفاء پر اسب پر، آمین یا الٰہ العالمین۔

بعد ازیں سنا چاہیے کہ مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کے صفات جانے اور اس کے حکم معلوم کرے اور مرضی اور نامرضی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی نہیں اور جو بندگی نہ لائے وہ بندہ نہیں اور اللہ سبحانہ کی پہچان آدے بتانے سے آدمی پیدا ہوتا ہے محض نادان سب چیز سیکھتا ہے بتانے سے اور بتانے والے ہر چند

تقریر کریں اس برابر نہیں جو اللہ تعالےٰ نے آپ بتایا۔ اس کے کلام میں جو ہدایت ہے دوسرے میں نہیں۔

پر کلام پاک اس کا عربی زبان ہے اور ہندوستانی کو اس کا ادراک محال۔ اس واسطے اس بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہؒ ابن عبدالرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی کر گئے ہیں سہل اور آسان، اب ہندی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کرے۔

الحمدللہ کہ سن بارہ سو پانچ ۱۲۰۵ میں میسر ہوا۔

اب کئی باتیں معلوم رکھیئے۔

اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بہ لفظ ضرور نہیں کیونکہ ترکیب ہندی ترکیب عربی سے بہت بعید ہے۔ اگر بعینہٖ وہ ترکیب رہے تو معنی مفہوم نہ ہوں۔

دوسرے یہ کہ اس میں زبان ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو۔

تیسرے یہ کہ ہر چند ہندوستانیوں کو معنی قرآن اس سے آسان ہوئے لیکن ابی (ابھی) استاد سے سند کرنا لازم ہے۔ اول معنی قرآن بغیر سند معتبر نہیں، دوسرے ربط کلام ماقبل و مابعد پہچاننا اور قطع کلام سے بچنا بغیر استاد نہیں آتا۔ چنانچہ قرآن زبان عربی ہے اور عرب بی بھی محتاج استاد تھے۔ چوتھے یہ کہ اول فقط قرآن ترجمہ ہوا تھا۔ بعد اس کے لوگوں نے خواہش کی تو بعضے فوائد بی (بھی) متعلق تفسیر داخل کیئے اس فائدے کے امتیاز کو صرف ف نشان رکھا۔

اگر کوئی مختصر چاہے صرف ترجمہ لکھے۔ اگر مفصل چاہے فوائد ابی (بھی) داخل کرے۔

باقی قواعد خط ہندی کہنے میں طول ہے۔ استاد سے معلوم ہوں گے۔ البتہ ہندی میں بعضی چیز لکھتے ہیں کہ فارسی میں نہیں۔ اس سبب سے فارسی خواں اول الکتاب سے دو جز دیکھے تو ماہر ہو جاوے۔

اور اس کتاب کا نام "موضح قرآن" ہے یہی اس کی صفت ہے اور یہی اس کی تاریخ ہے ۱۲۰۵ھ

الٰہی وسیدی ومولائی تیری عنایت ہے اور تو ہی قبول کر اپنے فضل سے

یارؤف یارحیم یامالک الملک یاذوالجلال والاکرام،

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، میں پناہ

میں آیا اللہ کی شیطان مردود سے

موضح قرآن کی سند اجازت

علمی حلقوں میں موضح قرآن کو جو اہمیت حاصل رہی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اساتذہ باقاعدہ اپنے تلامذہ کو اس کی روایت کی اجازت دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی[1] صاحب ندوی نے اپنے والد مولانا سید عبدالحی صاحب کی زندگی (حیات عبدالحی) میں لکھا ہے۔ مولانا سید عبدالحی صاحب کی نانی سیدہ حمیراء

---

[1] ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تعلیمی اجلاس (۳۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء) کے موقعہ پر جو تعلیمی نمائش لگائی گئی اس میں ہندوستان کی نادر اور نایاب دینی کتابوں کی فہرست میں شاہ صاحب کے موضح قرآن کو شامل کیا گیا اور اس طرح موضح قرآن پر علماء ہند کو غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی، مولانا علی میاں مدظلہٗ ندوۃ العلماء کے ناظم اور روح رواں ہیں۔

کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی صاحبزادی (جن سے غالباً سفرِ حج میں ملاقات ہوئی ہوگی) شاہ صاحب کی مقبولِ عام تفسیر موضح قرآن کی روایت واجازت تھی اور ان کے توسل سے مولانا سید عبدالحی صاحب کو انہی سے روایت واجازت حاصل ہوئی۔

حیات عبدالحی صـ۱۳۱ بحوالہ نزہتہ الخواطر، صـ۲۹۶

مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے متعلق بھی یہ آتا ہے کہ وہ درسِ حدیث سے پہلے دو رکوع موضح قرآن کے طلبا کو پڑھایا کرتے تھے اس کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ (مقالات خلیق نظامی)

اردو کے قدیم تراجم

اردو کے قدیم تراجم پر ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا جامع تبصرہ شائع ہو چکا ہے اس کا کچھ اقتباس قرآن نمبر لاہور مطبوعہ ۱۹۶۹ء میں دیا گیا ہے۔ دیوبند سے "جائزہ قرآنی تراجم" کے نام سے ۱۸۶ صفحات کی ایک کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔

ان تبصروں سے یہ پتہ چلتا ہے شاہ عالم بادشاہ کا عہد ۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۱ء تا ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء۔ قرآن مجید کے ترجموں کے لحاظ سے بہت مبارک و ممتاز تھا۔ مؤلف جائزہ تراجم اور بابائے اردو

ڈاکٹر صاحب نے اس عہد کے کئی ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

۱:۔ ترجمہ حکیم محمد شریف خاں دہلوی (وفات ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء) جو مکمل تھا مگر طبع نہ ہو سکا۔

۲:۔ تفسیر حقانی از سید شاہ حقانی مارہروی ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ء تاریخ نثر اردو

مؤلفہ مولوی احسن مارہروی کے حوالے سے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس ترجمہ کو بھی زیور طبع سے آراستہ ہونے کا موقع نہیں ملا۔"

۳:- توضیح مجید از سید علی مجتہد لکھنوی ۱۲۵۴ھ، ۱۸۳۹ء بعہد امجد علی شاہ والیٔ اودھ۔

۴:- چراغ ابدی "ترجمہ پارہ عم از عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آبادی ۱۲۲۱ھ

۵:- تفسیر مرادیہ، پارۂ عم از شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی ۱۱۸۴ھ، ۱۷۷۰ء

اس ترجمہ اور مختصر تفسیر کو اردو تراجم میں تاریخی ترتیب کے اعتبار سے اولیت کا شرف حاصل ہے۔ (اگلے صفحات پر اس کے متعلق وضاحت کی گئی ہے۔)

۶:- ایک ترجمہ شاہ عالم کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی سرپرستی میں کیا گیا، اس نے یہاں ایک دارالترجمہ قائم کیا تھا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کام پر مامور تھی۔ اس کی تکمیل ۱۲۱۹ھ، ۱۸۰۴ء میں ہوئی

یہ ترجمہ بھی طبع نہیں ہو سکا۔ اس کے دو قلمی نسخے آج بھی موجود ہیں۔ ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے اور دوسرا نواب سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں ہے

راقم نے ایشیاٹک سوسائٹی والا نسخہ وہاں جا کر دیکھا ہے۔ ترجمہ کے آخر میں اس ترجمہ کے متعلق کچھ تفصیلات دی ہیں اور لکھا ہے "شروع ترجمہ میں خلقت نے اس بات میں بہت شورش کی تھی کہ بناء اس ترجمہ کی ہوئی ہے۔ نہایت دین و آئین کے برخلاف کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی زبان میں ہوتا ہے۔"

آخرش جو اہل فہم اور فراست تھے انہوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے؟

غرض کہ فضل الٰہی سے وہ آغاز انجام کو پہنچا۔

یہ ترجمہ اِن علماء کی رفاقت سے مکمل ہوا۔

مولوی امانت اللہ، امیر بہادر علی حسینی، مولوی فضل علی، حافظ غوث علی، کاظم علی جوان، جو فورٹ ولیم کالج کے مترجمین میں تھے۔ اِس قلمی نسخہ کے کاتب اور ناقل بھی ہیں۔

اِس کی زبان کا نمونہ یہ ہے۔

خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا، نعمت دینے ہارا ہے۔

ہر ایک حمد خدا کی ہے کہ وہ مالک سب کا بخشنے ہارا۔

روزی دینے والا، خداوند روز قیامت کا ہے۔

اس قدیم ترجمہ کے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱)۔ یہ وہ قدیم ترجمہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی تکمیل ۱۲۰۵ھ کے ۱۴ سال بعد شروع ہوا۔ اور ایک ہی سال میں مکمل ہو گیا۔

۲:۔ ایک بڑی جماعت نے بڑی محنت کے ساتھ مرتب کیا۔ زبان اور محاورات کو درست کرنے کا بڑا اہتمام کیا گیا۔

۳:۔ اس دور کا یہی ایک مکمل ترجمہ آج بھی قلمی صورت میں موجود ہے۔ جس کی زبان کا مقابلہ شاہ صاحب کی زبان سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ شاہ صاحب مسجد اکبر آبادی دلی کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر تن تنہا اپنا ترجمہ لکھ رہے تھے اور دوسری طرف ایک بڑی جماعت اس کام میں مصروف تھی اور سرکار انگلشیہ اس کی سرپرستی کر رہی تھی۔

راقم نے اس مشترکہ کوشش سے وجود میں آنے والے ترجمہ کا جگہ جگہ سے "موضح قرآن" کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھا۔ تو اِس بات کا اندازہ ہوا کہ شاہ صاحب نے مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر موضح قرآن میں زبان و بیان کا جو نمونہ پیش کیا ہے اور ساتھ ہی

جو علمی لطائف اس میں پوشیدہ فرمائے ہیں اس کی عظمت اس وقت بھی مسلم تھی اور آج بھی مُسَلَّم ہے۔

یہ جماعت علماء مل کر بھی صرف زبان و بیان کی لطافت پیدا نہ کر سکی جو اس اکیلے درویش صفت انسان نے اپنے اس ترجمہ میں پیدا کر دی۔

علمی نکات اور تفسیری لطائف کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اردو تراجم کے ان تبصرہ نگاروں نے اس عہد کے اور بھی اردو تراجم کا ذکر کیا ہے جو طبع نہ ہو سکے اور صرف نوادرات کی زینت بن کر رہ گئے۔

ڈپٹی نذیر احمدؒ کی رائے

قدیم اردو ترجموں کی بحث میں ہمارے نزدیک ہی کیا تمام اہل علم کے نزدیک حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کو اردو تراجم میں جو مقام حاصل ہے وہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے الفاظ میں یہ ہے۔

ڈپٹی صاحب نے آج سے ۸۲ سال پہلے ۱۳۱۴ھ ہجری میں قرآن کریم کا ترجمہ[1]

---

[1] اہل زبان نے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کو اردو کا بہترین ترجمہ قرار دیا ہے۔ اور بعد والوں نے اس ترجمہ سے بہت استفادہ کیا ہے۔ عربی لغت اعربی محاورات کی رعایت کے ساتھ اردو زبان کی روانی، محاورات کا استعمال ڈپٹی صاحب کی دونوں زبانوں میں قدرت کا واضح ثبوت ہے۔ اگر ڈپٹی صاحب اردو محاورات کے استعمال میں زیادہ بے باک نہ ہو گئے ہوتے تو یہ ترجمہ اس عہد کا بہترین ترجمہ قرار پاتا۔ سید شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجموں کے بعد اردو میں ڈپٹی صاحب کا پہلا ترجمہ ہے۔ سرسید مرحوم نے اس دور میں ترجمہ تفسیر لکھی اور غالباً ڈپٹی صاحب سے کچھ پہلے لکھی مگر وہ ایک تو نامکمل ہے دوسرے خلاف جمہور تصورات کی حامل ہے۔

لکھا۔ جس کے مقدمہ میں ڈپٹی صاحب لکھتے ہیں۔

جب ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے ایک فارسی مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا اکٹھے دو دو اردو، ایک شاہ عبدالقادر صاحب کا اور ایک شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تو اب ہر ایک کو ترجمہ کا حوصلہ ہو گیا مگر خاندان شاہ ولی اللہ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعوٰی نہیں کر سکتا۔

وہ ہرگز مترجم نہیں بلکہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ انہیں ترجموں میں اس نے رد و بدل تقدیم و تاخیر کر کے جدید ترجمہ کا نام کر دیا ہے۔ (مقدمہ ص۹)

شاہ صاحبؒ نے ہندی کے الفاظ کیوں استعمال کیے

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے اردو ترجمہ میں ہندی اور سنسکرت کے خاص خاص الفاظ استعمال کیے۔ حالانکہ اس دور کی اردو نظم و نثر کے نمونے یہ بتلاتے ہیں کہ ہندی الفاظ کا استعمال اس وقت اتنا عام نہ تھا۔ صرف ہندو طبقہ میں ان لفظوں کا رواج ہوگا۔ لیکن شاہ صاحب کہیں کہیں چھانٹ چھانٹ کر اونچے اور مشکل ہندی الفاظ کے ذریعہ قرآن کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

اور اس کا مقصد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم طبقہ قرآن کے پیغام سے قریب ہو۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے والد محترم اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ بیان کر چکے تھے کہ "کسی غیر مسلم قوم پر دینِ حق کی تبلیغ اتمامِ حجت کی حد تک کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قوم کی زبان میں اسلامی اصول پیش کیے جائیں تاکہ وہ سمجھیں۔

اگر اس درجہ ابلاغ دین نہ ہوگا تو وہ قوم "اصحاب الاعراف" کی حیثیت میں ہوگی۔ (حجۃ اللہ البالغہ باب طبقات الامت۔ جلد اول مصری ص۱۱۷)

بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے فتاویٰ میں بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ "مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر قوم کو اس کی زبان میں خدا کا پیغام سمجھائیں اور زبانی اور تحریری افہام و تفہیم کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق حسنہ کو بطور دلیل کے ان کے سامنے پیش کریں اور اس طرح کفر و اسلام کے درمیان امتیاز قائم کر کے دکھائیں۔

اور اگر کسی قوم پر اس طرح اتمام حجت نہ ہوگا تو وہ قوم "اصحاب فترت" کہلائے گی۔ حکم او حکم اہل فترت بود علی اختلاف المذاہب (فتاویٰ عزیزی ص۱۲۱)

اس مقصد تبلیغ کے تحت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ میں کہیں کہیں ٹھیٹھ ہندی اور کسی جگہ سنسکرت[1] کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

عام ترجمہ کتنی آسان اور ہلکی پھلکی ہندی زبان میں کرتے ہیں کیسے کیسے عام فہم

---

[1] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کی علمی اور تصنیفی زبان عربی اور فارسی تھی لیکن ہندی زبان کی ماہرانہ واقفیت سے بھی یہ خاندان محروم نہ تھا حضرت شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کے چند ہندی اشعار نقل فرمائے ہیں جن میں ماہرانہ پختگی ملتی ہے۔ ان میں ایک شعر یہ ہے۔

جب جیو تھا تب پیو نہ تھا — اب پیو ہے جیو ناتھ
رحیم پیاسوں یوں ملی — جوں بوند سمندر ناتھ

(انفاس العارفین ص۸۱)

محاورے لاتے ہیں اور ساتھ ہی نرا دھار، پیلٹھ، گہہ۔ گھو، گھاسنکارے، چکوتی۔ پوچ۔
جیسے خاص خاص ہندی اور سنسکرت الفاظ ترجمہ میں داخل کرتے ہیں۔

اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم ان الفاظ کی جگہ دوسرے ہلکے اور آسان
الفاظ لا سکتا ہے لیکن وہ یہاں اس قسم کے خاص ہندی الفاظ قصداً تحریر کر رہا ہے۔ اور
یہ ایک خاص مقصد ہی کے تحت تھا۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے مقابلہ میں ان کے بڑے بھائی شاہ رفیع الدینؒ صاحبؒ
کے سامنے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی زبان سے لوگ قریب ہوں اور اس مقصد کے
لیے تحت اللفظی ترجمہ کی ضرورت تھی۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے چند سال بعد ہی اپنا
ترجمہ لکھا ہے۔ زمانہ ایک ہی ہے لیکن شاہ رفیع الدین صاحب کے ہاں تمام الفاظ آسان اور
عام فہم ہیں۔ کہیں کوئی لفظ مشکل ہندی اور سنسکرت کا نظر نہیں پڑتا۔ تحت اللفظ ہونے
کی وجہ سے عبارت ثقیل ضرور ہے مگر الفاظ میں ثقالت اور گرانی نہیں ہے۔

یہاں تک کہ شاہ رفیع الدین صاحب کے ہاں ہندی کی خاص ضمیر جمع غائب
"وے" بھی کہیں استعمال نہیں کی گئی۔

سن طباعت کے متعلق مختلف اقوال

انجمن ترقی اردو پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں قاموس الکتب اردو شائع کی تھی۔
جس کی جلد اول میں شاہ صاحب کے ترجمہ کے متعلق لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالحق نے ماہنامہ
اردو اشاعت جنوری ۱۹۳۷ء ص ۱۷ پر شاہ صاحب نے ترجمہ کے بارے میں یہ تحریر کیا ہے
کہ شاہ صاحب کا ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں مطبع احمدی دلی کے اندر طبع ہوا۔ جس کے صفحات

(۶۴۴) ہیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ ترجمہ ٹھیٹھ اردو میں ہے اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کے لیے ہندی یا اردو کے ایسے برجستہ اور برمحل الفاظ ڈھونڈ کر نکالے ہیں کہ ان سے بہتر ملنا ممکن نہیں اس کے ساتھ اس کا نمونہ بھی دیا گیا ہے۔

دوسری بات صاحب قاموس نے شاہ صاحب کی نسبت سے یہ لکھی ہے کہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کی فہرست جلد ۴ صہ ۲۲۱ پر ایک تفسیر قرآن قلمی نصف اول کا اندراج ہے جو شاہ صاحب کی نظر سے گزری ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰ء میں ترجمہ کی تکمیل فرمائی ڈاکٹر صاحب کا مذکورہ حوالہ یہ بتاتا ہے کہ اسی سال یہ ترجمہ دلی میں طبع ہو گیا۔[1]

موضح قرآن کے سن طباعت کا تعین

اگرچہ شاہ صاحب کی وفات سے ۲ سال پہلے اردو کی سب سے پہلی کتاب خلاصۃ الحساب کا فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی طرف سے ۱۸۱۲ء میں چھپنا ثابت ہے۔ لیکن اردو ٹائپ پریس اپنے بالکل ابتدائی عہد میں قرآن کریم جیسی بڑی کتاب کے ترجمہ کو چھاپنے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے دارالترجمہ کی تالیف (ترجمہ قرآن) جو ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء میں مکمل ہو چکا تھا کلکتہ کے اندر نہیں چھپ سکا اور پھر ڈاکٹر گل

---

[1] ڈاکٹر صاحب کو مغالطہ ہوا ہے۔ یہ سن ترجمہ کی تکمیل کا ہے۔ طباعت کا نہیں ہے اور مطبع احمدی دلی میں نہیں کلکتہ میں تھا۔

کہ بسٹ کے ولایت چلے جانے کی وجہ سے قلمی کتاب کی شکل میں رہ گیا۔
البتہ جب اردو سرکاری (عدالتی) زبان بن گئی تو اردو پریس کا انتظام وسیع پیمانے پر ہونا شروع ہوا ۔۔۔۔ اور یہ دور ہے ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء کا۔ یعنی شاہ صاحب کی وفات کے ۲۱ سال بعد کا۔

موضح قرآن میں اصلاح و ترمیم کی پہلی ناکام کوشش

حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کا پہلا مطبوعہ ایڈیشن باوجود کوشش کے ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے اگر پہلا ایڈیشن حاصل ہو جاتا تو پھر یہ بحث ہی ختم ہو جاتی کہ موضح قرآن کا سن طباعت کیا ہے۔

شاہ صاحب کا پہلا ایڈیشن سید عبداللہ لاہوری والا موجود ہے جسے ہم جزوی طور پر اصلاح شدہ قرار دیتے ہیں یہ ۱۲۴۵ھ میں طبع ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصلی غیر اصلاح شدہ ترجمہ جو سید احمد علی صاحب کے پاس تھا وہ اس کے بعد چند سال کے اندر ہی طبع ہوا۔

کیونکہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کا پہلا ایڈیشن جو ۱۲۵۲ھ میں کلکتہ کے اندر طبع ہوا وہ بھی آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں نظر سے گزرا جس پر شاہ صاحب کے فوائد درج ہیں۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ موضح قرآن مع فوائد کے اس وقت چھپا ہوا موجود تھا جس سے فوائد نقل کر کے انہیں شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا گیا۔

یہی وہ دور ہے جب اردو زبان ہندوستان کی عدالتی زبان قرار پائی اور اس کی وجہ سے اردو کی طباعت کا ہندوستان کے بڑے شہروں میں وسیع طور پر

انتظام ہونا شروع ہوا۔ جیسا کہ اوپر اس کی پوری وضاحت کی جا چکی ہے۔

اس وقت تک موضح قرآن کے جو قدیم سے قدیم نسخے ہمیں دستیاب ہوئے ہیں اور جن کی فہرست آخر میں دی گئی ہے ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عبداللہ والے نسخے کو عام طور پر اہل علم نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ سید احمد علی صاحب والے مسودہ کو چھپوا کر شائع کرایا گیا۔ اور پھر اسی کے مطابق دوسرے ایڈیشن چھپنے شروع ہوئے۔

ہاں کچھ لوگوں کے پاس سید عبداللہ والا نسخہ پہنچا۔ اور انہوں نے لاعلمی میں اس کے مطابق شاہ صاحب کا ترجمہ چھاپا۔ لیکن شاہ صاحب کے بیش قیمت فوائد پر اس میں جو اضافہ کیا گیا تھا اسے بالکل تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور اس اضافہ کو حذف کر دیا گیا۔

سیّد عبداللہ والے ایڈیشن کی حقیقت

سید عبداللہ لاہوری ثم سوانی والے قدیم نسخہ کی حقیقت یہ ہے۔ شروع میں وہ لکھتے ہیں۔ ہزار ہزار شکر اس پروردگار کا جس نے محض اپنے فضل و کرم سے جمادی الاول کی ستائیسویں تاریخ ہجری نبوی کے بارہ سو پنتالیس سن میں اس قرآن شریف کو مطبع احمدی[1] کے بیچ اتمام کو پہنچایا۔

اس قرآن کی طباعت ٹائپ حروف سے ہے۔ حاشیہ پر شاہ صاحب کے فوائد ہیں اور بین السطور ترجمہ ہے۔ کل صفحات ۸۵۰ ہیں۔ پھر تین صفحہ کا خاتمہ اور

---

[1] مطبع احمدی کا پتہ درج نہیں کیا۔ یہ مطبع کلکتہ میں تھا۔ اردو ٹائپ کا کام اسی میں ہوتا تھا۔ عام طور پر اسی ایڈیشن کو موضح قرآن کا پہلا مطبوعہ ایڈیشن کہا گیا ہے۔

ٹھیٹھ ہندی لفظوں کی فرہنگ ہے اور پھر غلط نامہ ہے۔ یہ سید عبداللہ صاحب خاتمہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔ "میں نے اپنے پیر و مرشد (سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) کی معیت میں حج کیا۔ اس سفر میں سید احمد علی صاحب خواہر زادہ حضرت سید احمد بریلوی بھی ساتھ تھے۔ ان کے پاس حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ہندی ترجمہ قرآن مجید کا تھا۔

سید عبداللہ صاحب نے اس سفر حج میں اس کو نقل کیا اور وہاں سے واپسی پر مولانا عبدالحی صاحب داماد شاہ عبدالعزیز صاحب اور نبیرہ و جانشین حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے ایماء و استصلاح سے اسے شائع کرایا۔ کچھ لوگوں نے اردو ترجمہ کی طباعت پر طعن کیا۔ مگر سید صاحب لے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد اسے انجام کو پہنچایا۔

اصلاح کے وقت انہوں نے اپنے سامنے تفسیر عزیزی، تفسیر حسینی اور اپنے والد سید علی بہادر کا اردو ترجمہ رکھا۔[1]

سید عبداللہ کا نسخہ راقم کے پاس کرم خوردہ حالت میں ہے اور مولانا حضرت شاہ ابوالحسن صاحب فاروقی مجددی کے کتب خانہ میں بالکل صحیح حالت میں موجود ہے۔ اس نسخہ کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱:۔ تمام مؤرخین ادب اردو نے اسی نسخہ کو موضح قرآن کا پہلا مطبوعہ

---

[1] قدیم اردو تراجم کے تذکرہ میں سید بہادر علی صاحب کے اردو ترجمہ کا کہیں نام نہیں ملتا البتہ فورٹ ولیم کلکتہ والے اردو ترجمہ کرنے والوں میں ان کا نام شامل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی مسودہ کو سامنے رکھا ہو۔

ایڈیشن قرار دیا ہے۔ اور مجموعی حیثیت سے بلاشبہ یہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موضح قرآن ہے۔

۱۲: اس نسخہ میں دس گیارہ جگہ ترجمہ کے اندر لفظی ردو بدل کیا گیا ہے۔ کہیں محاورہ بدلا گیا ہے اور کہیں ہندی الفاظ کو عربی فارسی میں تبدیل کیا گیا ہے۔ اور حاشیہ پر شاہ صاحب کے مکمل فوائد کے ساتھ کہیں کہیں کچھ تشریحی عبارتیں بدلی ہوئی ہیں۔ مثلاً سورۂ فصلت کو سورۂ اقوات لکھا گیا ہے۔ اور آیت وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ کے حاشیہ پر لکھا گیا ہے۔

اردو ترجمہ دوسرے مترجم نے یوں کیا ہے۔" اور تم ایسے نہ تھے کہ چھپو اس سے کہ تم پر تمہارے کان گواہی دیں اور تمہاری آنکھیں اور چمڑے"۔

سید عبداللہ صاحب نے دوسرے مترجم سے اشارہ اپنے والد ہی کی طرف کیا ہوگا۔ ادب کے طور پر شاہ صاحب کے مقابلہ میں ان کے نام کی تصریح نہیں کی۔

۱۳: ترجمہ اور حواشی پر جو اصلاحات اور اضافے کیے گئے ہیں وہ لفظی ردو بدل اور الفاظ کی تشریح کی حد تک ہیں۔ البتہ سورۃ الحاقہ کی ابتدائی آیتوں صفحہ (۷۹۶) پر ایک حاشیہ درج ہے جس میں اہل بیت نبوت کی فضیلت کے سلسلہ میں نہایت کمزور اور بے سند باتیں تحریر کی گئی ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو "یعسوب المومنین" لکھا گیا ہے اور آخر میں تفسیر عزیزی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ حاشیہ جو دونوں طرف لکھا ہوا ہے اسے بعد میں چسپاں کیا گیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ الحاق ہے۔ بعض بزرگوں سے سنا تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں شیعہ فرقہ کی طرف سے الحاق و اضافہ کیا گیا ہے۔ تاکہ شاہ صاحب کو بدنام کیا جائے۔ لیکن شیعہ

فرقہ کا الحاق آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

۴:۔ سید عبداللہ صاحب نے جمع غائب کی ضمیر کے ترجمہ میں لفظ "وے" کا استعمال کیا ہے۔ جب کہ شاہ صاحب کے تمام قدیم مطبوعہ نسخوں میں (وہ) لکھا ہوا ملتا ہے۔ سید عبداللہ صاحب نے یہ اصلاح فرمائی ہے۔ کیونکہ ہندی قاعدہ کے مطابق جمع کے لیے "وے" اور واحد کے لیے "وہ" آتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ہی ان کے بڑے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ لکھا گیا ہے جو لفظی ترجمہ ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے (وے) کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ پھر شاہ عبدالقادر صاحب اپنے با محاورہ اور سلیس ترجمہ میں (وے) کیسے استعمال کر سکتے تھے۔

سید عبداللہ صاحب کی اصلاحات پر تبصرہ

حاصل شدہ قدیم و جدید نسخوں کو سامنے رکھ کر ہم نے سید عبداللہ والے نسخہ کا جائزہ لیا اور جن محاوروں اور جن الفاظ کو عبداللہ صاحب نے جزوی طور پر بدلا ہے شاہ صاحب کے اصلی الفاظ و محاورات سے ان کا موازنہ کیا۔

اس موازنہ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ ان سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سید عبداللہ صاحب کا یہ ترجمہ جو شاہ صاحب کے ترجمہ میں اصلاح کی پہلی کوشش ہے کس حد تک کامیاب رہی ہے۔ اور اس اصلاح شدہ ترجمہ میں شاہ صاحب کے الفاظ کی جگہ جو الفاظ رکھے گئے ہیں وہ عربی الفاظ کی ترجمانی اور اردو محاورہ کے لحاظ سے اپنے اندر کتنی موزونیت رکھتے ہیں۔

سورۂ توبہ آیت نمبر ۵۷ میں منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا وَھُمْ

یَجْمَحُوْنَ اس کا ترجمہ سید عبد اللہ کے ترجمہ میں اس طرح ہے۔ "باگیں تڑاتے"۔ شاہ صاحب کے اصلی ترجمہ میں ہے "رسیاں تڑاتے" عربی میں الفرس الجموح کہلاتا ہے یعنی سرکش اور تیز رفتار گھوڑا۔ قرآن کریم کی مراد ہے کہ منافقین جہاد کے موقعہ سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح تیز رفتار گھوڑا رسیاں تڑا کر بھاگتا ہے۔ عربی کے اس محاورہ کی رعایت سے اردو محاورہ وہی ہے جو شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ اصلاح کنندہ بزرگ نے "باگیں تڑاتے" لکھ کر شاہ صاحب کے ترجمہ کی جگہ ایک غیر موزوں لفظ رکھ دیا ہے"۔

دوسری مثال سورۃ السبا کی ہے۔ حق کی فتمندی دکھاتے ہوئے قرآن کریم نے کہا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ (آیت نمبر ۴۹) آیا سچا دین اور جھوٹ کو نہ پہلا اور نہ دوسرا۔

یہ شاہ صاحب کا اصلی ترجمہ ہے۔ سید عبد اللہ صاحب نے اصلاح فرمائی اور دوسرے جملے کا ترجمہ اس طرح کیا۔ "اور جھوٹ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا اور نہ پھیرتا"۔ شاید عبد اللہ صاحب کی سمجھ میں حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ نہیں آیا اسی لیے انہوں نے لفظی ترجمہ کر کے اصلی ترجمہ کی جگہ اسے رکھ دیا۔

ڈپٹی نذیر احمد مرحوم عربی اور اردو دونوں زبانوں کے ادیب تھے۔ مرحوم نے اس آیت کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ الخ عربی محاورہ ہے اور جن معنوں میں بولا جاتا ہے وہ ہم نے ترجمہ میں اختیار کر لیے ہیں۔ مرحوم کا ترجمہ یہ ہے "کہو کہ دین حق آپہنچا۔ اور دین غلط سے نہ تو ابھی کچھ (کشود کار) ہوتا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس محاورہ کا ترجمہ محاورہ ہی سے کیا ہے

یعنی جھوٹ اور باطل کو نہ ابتداء میں کامیابی نہ انتہا میں۔ باطل کا ہر وار اور ہر حربہ ناکام رہتا ہے۔

قرآن کریم نے بار بار اس حقیقت کو مختلف پیرایوں سے بیان کیا ہے۔ کہ باطل کو وقتی طور پر جو کامیابی حاصل ہوجاتی ہے۔ وہ ایک قسم کی آزمائش ہوتی ہے۔ اسے کامیابی سمجھنا غلط ہے۔

تیسری مثال یہ ہے کہ شاہ صاحب کے اصلی ترجمہ میں سورۂ انعام فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا میں لکھا ہے۔ "جب دیکھا چاند چمکتا"۔ اور آگے فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ "جب دیکھا سورج جھلکتا"۔

اور سید عبداللہ کے مطبوعہ قرآن میں دونوں جگہ "چلکتا" لکھا ہے اور آخر میں فرہنگ کے اندر چلکتا کا ترجمہ لکھا ہے "چمکتا"۔

بھلا شاہ صاحب کے دونوں عام فہم لفظوں میں کونسی خرابی تھی کہ ان کی جگہ یہ لفظ رکھا گیا۔ جو آج بالکل متروک ہوچکا ہے۔

یہ تین مثالیں متن کے اندر ترمیم کی ہیں اب دو مثالیں حاشیہ پر اصلاح کی ملاحظہ ہوں۔

اسی سورۂ میں ہے فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ اس کا ترجمہ شاہ صاحب کرتے ہیں "پس کیسا ہوا بگاڑ میرا" اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ دوسرے مترجم کا ترجمہ "پس میرا انکار کیونکر ہوا"؟ (السباء آیت نمبر ۴۵)

النحل میں شہد کی مکھی کو خطاب کرکے فرمایا فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (آیت نمبر ۶۹)

اس کا ترجمہ شاہ صاحب کرتے ہیں "پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف

پڑی ہیں"۔ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں۔ دوسرے مترجم کا ترجمہ"۔ اپنے رب کی فرمانبردار ہو کر"۔ یہی حال دوسری اصلاحات کا ہے۔

مسجد اکبرآبادی

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس مسجد میں بیٹھ کر قرآن کریم کا ترجمہ لکھا اور جہاں سے علوم دین کا سرچشمہ جاری کیا وہ مسجد اکبرآبادی ہے۔ اردو مصدر نامہ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

اس مسجد کے اندر ایک عظیم الشان مدرسہ تھا۔ اور مسجد بھی نہایت شاندار خوبصورت تھی شاہجہاں بادشاہ کی بیگم اعزالنساء عرف اکبرآبادی نے بنوائی تھی۔ اس مسجد کی خوبصورتی اور شان و شوکت کا بیان نیز اس کی تصویر آثار الصنادید میں دیکھو صفحہ ۱۵۔

اس مسجد کے محل وقوع کے متعلق خان بہادر حاجی بشیر الدین نے واقعات دارالحکومت میں لکھا ہے۔"جو لوگ انقلابات زمانہ سے متاثر ہوکر ناامیدی کا شکار ہونے لگتے ہیں وہ مؤلف کے الفاظ پر غور کریں کہ جب قوموں کی شکست و ریخت مصالح قدرت کے تحت ضروری ہوتی ہے۔ تو ان قوموں کے عمارتی آثار بھی پیوند خاک ہو جاتے ہیں۔

یہ پریڈ گراونڈ اور ایڈورڈ پارک کا وسیع میدان نہ صرف شرفائے دلی کا مسکن (خانم کا بازار) تھا۔ بلکہ بڑے بڑے علمائے حق اس علاقہ میں مقیم تھے جنہوں نے اپنی مقدس زندگیاں اس علاقہ میں علم و اخلاق کی خدمت میں صرف کر دیں۔ اور اس جگہ ان حضرات کے دم سے آسمانی انوار اور خداوندی تجلیات کا نزول ہوتا رہا۔

لیکن دنیا کی بے ثباتی کا عبرتناک سبق دینے کے لیے جب قدرت نے انقلاب برپا کر دیا تو نہ دہلوی شرافت کا کوئی نشان باقی رہا نہ روحانی اور اخلاقی عظمت کی کوئی ظاہری علامت صفحہ زمین پر قائم رہی۔

مصنف لکھتا ہے فیض بازار میں ہی یہ مسجد تھی۔ جو غدر کے بعد ڈھائی ڈھوئی کی نذر ہو گئی۔ محل وقوع اس کا موجودہ ایڈورڈ پارک ہے۔ جس وقت اس کے لیے زمین ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جوں کی توں مثل گنج نہاں کے زمین میں مدفون تھیں ویسے ہی ڈھک دی گئیں۔ اور ہمیشہ کے لیے یہ بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہو گئی۔ ص ۱۶

واصف صاحب نے اس مسجد کے محل وقوع کے بارے میں لکھا ہے نقشہ میں مسجد اکبر آبادی عین اس جگہ دکھائی گئی ہے۔ جہاں یہ چوک ہے۔ کشادہ واقع ہے (یعنی دریا گنج اور پاٹودی ہاوس کا وہ چوراہا جہاں پل بنا دیا گیا ہے) اس چوک کا شمالی ضلع سڑک کی وجہ سے کٹ گیا ہے۔ مسجد اکبر آبادی کے پاس کشمیری کٹڑہ تھا۔ مرزا غالب نے اسی مناسبت سے اس کو کشمیری کٹڑہ کی مسجد لکھا ہے (ص ۱۷)

اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسجد ایڈورڈ پارک سے دریا گنج کے چوراہے تک وسیع تھی۔

بہر حال اس تاریخی مسجد میں حضرت شاہ صاحب نے چالیس سال معتکف رہ کر اپنا ترجمہ قرآن مکمل کیا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن کے مقدمہ میں چالیس سال کا تذکرہ کیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا فرمانا ہے کہ بلاشبہ یہ ترجمہ الہامی ہے۔

آثار الصنادید اور شاہ صاحب

سرسید علیہ الرحمۃ نے آثار الصنادید جس محنت و جانکاہی سے مرتب کی ہے
اس میں کون کلام کر سکتا ہے۔ آثار قدیمہ کے ایک ایک کتبہ کو اوپر چڑھ کر پڑھنا اور
ہر شاہی عمارت اور مسجد و خانقاہ کی تاریخ لکھ کر اسے تاریخ کے صفحوں پر محفوظ کرنا سرسید
کا غیر فانی کارنامہ ہے۔

مؤلف نے اس تاریخی کتاب میں مشہور شخصیتوں کے سلسلہ میں حضرت شاہ
عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں کیا ہے اور آخری سطروں
میں لکھا ہے۔

"از بسکہ ترک حضرت کے مزاج میں بہت تھا۔ تمام عمر اکبر آبادی مسجد کے
ایک حجرہ میں بسر کی۔ آپ کا کچھ کلام نظم و نثر سے راقم کو دستیاب نہیں ہوا۔ غالب یہ
ہے کہ جو آپ کی اوقات منزہ تھی اس سے کہ اپنی طبع اقدس کو ان امور کی طرف متوجہ
فرماتے۔ ادھر ملتفت نہیں ہوئے ہوں گے۔"

تیس پنتیس برس سے زیادہ گزرتے ہیں کہ حضرت نے جہانِ فانی سے رخت
سفر عالم نورانی جاودانی کی طرف باندھ کر رحمت الٰہی میں آسائش کی۔ (مطبوعہ نول کشور
لکھنؤ باب ۴ ص ۵۵)

مؤلف نے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ان کی مشہور
کتاب تحفہ اثنا عشریہ کا ذکر کیا ہے اور شاہ صاحبؒ کے کلام، قصائد و خطوط کے
نمونے بھی دکھائے ہیں (ص ۴۱)

اسی طرح شاہ رفیع الدینؒ کے کلام عربی و فارسی کا تذکرہ بھی کیا ہے (ص ۵۲)

آثار الصنادید کا پہلا ایڈیشن ۱۲۶۳ھ، ۱۸۴۷ء میں بعہد سراج الدین ظفر بادشاہ شائع ہوا اور مؤلف نے شاہ صاحبؒ کے بارے میں جو تذکرہ مرتب کیا۔ اس کا سن تحریر ۱۲۶۰ھ، ۱۸۴۴ء بنتا ہے۔ جیسا کہ مؤلف کی عبارت مندرجہ بالا سے ظاہر ہے۔

اخبارِ دلی میں موضح قرآن کا اشتہار

۱۸۳۶ء مطابق ۱۲۵۲ھ کے لگ بھگ اردو ہندوستان کی سرکاری عدالتی زبان مقرر کی گئی۔ ابھی تک فارسی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا۔

اس عہد کے اردو اخبار "اخبار دہلی" کی اشاعت ۲ر فروری ۱۸۴۰ء میں اس اخبار کے پریس کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں شاہ صاحب کے مطبوعہ ترجمہ کے متعلق لکھا گیا کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کے نسخے بہت کم رہ گئے ہیں مبلغ دس روپے فی نسخے کی قیمت ہے۔ شائقین کو توجہ کرنی چاہیے۔

(تاریخ صحافت اردو از مولانا امداد صابری بحوالہ کتاب اخبار دلی ص۹ شائع شدہ شعبہ اردو دلی یونیورسٹی)

یہ اخبار دلی سنہ ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا۔

اس اشتہار سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے ۵ سال بعد آپ کا ترجمہ اخبار دلی کے پریس میں چھپا اور شائع ہوا۔

اور جس وقت سرسید شاہ صاحب کے متعلق تذکرہ لکھنے بیٹھے۔ تو اس وقت شاہ صاحب کے ترجمہ کی طباعت کو چار سال ہو چکے تھے۔

کوکب دری میں حوالہ

مولانا کرامت علی صاحب جونپوری نے "کوکب دری" میں شاہ صاحب کے ترجمہ کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے۔ کوکب دری قرآن کریم کے لغات پر سب سے پہلی اردو کتاب ہے جو مولانا نے ۱۲۵۳ھ میں تصنیف کی ہے۔

اس وقت شاہ صاحب کی وفات کو صرف (۲۰) سال ہوئے تھے۔

یہ کتاب اردو ٹائپ میں ہے۔ سائز ۲۲x۱۸ صفحات ۲۳۲، مطبوعہ مولوی عبدالعزیز ابن مولوی بدر۔ مطبع کا نام مذکور نہیں ہے۔

مولانا سید عبدالحی صاحب نے نزہتہ الخواطر ج ۷، ص۳۹۴ پر مولانا کرامت علیؒ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ ان کی ولادت ۱۲۱۵ھ اور وفات ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔

مولانا مرحوم حضرت سید احمد بریلویؒ کی تحریک جہاد کے عظیم رکن تھے اور ان کی ساری زندگی مشرقی بنگال میں تبلیغ و اصلاح کرتے ہوئے گزری۔

مصنف نے مولانا کی تصنیفات میں الکوکب الدری کا بھی ذکر کیا ہے

مولانا کا انتقال رنگپور میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

اس تفصیل کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب اردو ٹائپ میں کلکتہ کے اندر چھپی ہو اور مولوی عبدالعزیز اس مطبع کے مالک ہوں یا ناشر ہوں۔

کوکب دری کا ایک نسخہ مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف کے پاس موجود ہے۔

اس کتاب "کوکب دری" کے دیکھنے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی نے قاموس القرآن کے مقدمہ میں جس لغات القرآن کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کیا ہے غالباً وہ لغات القرآن یہی ہے۔

مطبع مجتبائی دلی نے ۱۲۹۸ھ میں اس لغات القرآن کو شاہ صاحب کے

ترجمہ کے ساتھ حاشیہ پر چھاپ دیا ہوگا۔ اسی سے یہ مغالطہ ہوا کہ یہ لغات القرآن بھی شاہ صاحب کی تصنیف کردہ ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی تصنیفات کے متعلق کہیں یہ بات نہیں لکھی گئی کہ موصوف نے لغات القرآن بھی تصنیف فرمائی تھی۔

مولانا جونپوری صفحہ (۱۰۱) پر لکھتے ہیں

عَلٰی حَرْدٍ۔ اوپر قصد بخل کے۔ اَلْحَرْدُ قصد کرنا (ف ک) اسی معنی بموجب مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ ہندی میں لکھا ہے۔ حرد کے معنی لپکتے کیونکہ جانے میں قصد کرنا، اسی کو لپکنا کہتے ہیں اور صراح میں لکھا ہے کہ بعضوں نے حرد کے معنی منع یعنی نہ دینے کے لکھا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ نے اپنے ترجمہ اور تفسیر میں اسی معنی کو لکھا ہے۔

صفحہ (۱۳۱) پر لکھتے ہیں "تشتکی" شکایت کرتی ہے گلہ کرتی ہے جھینکتی ہے

(سورہ مجادلہ)

"یجمحون" باگیں تڑاتے، سرکشی کرتے۔ دوڑتے۔ الجموح والجماح باگ توڑانا اور گھوڑے کا سرکشی کرنا۔ (سورۂ توبہ)

ان حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کرامت علی صاحب جونپوری کے سامنے شاہ صاحب کے ترجمہ کا وہ نسخہ تھا جو سید عبد اللہ صاحب نے چھپوایا تھا۔ اور جو اس وقت تک کلکتہ بنگال میں چھپ چکا تھا۔

اگر مولانا کے سامنے اصلی نسخہ ہوتا تو یجمحون کے ترجمہ میں رسیاں تڑاتے لکھتے۔ باگیں تڑاتے نہ لکھتے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو موازنہ سید عبد اللہ اور ترجمہ اصلی)

ﷺ ﷺ ﷺ

حضرت شیخ الہندؒ اور شاہ صاحبؒ کا موضح قرآن

اکابر علماء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلی بار حضرت شاہ صاحب کے موضح قرآن کی علمی اور ادبی جلالت شان، حکمت قرآن کے پوشیدہ اشارات اور تفسیری لطائف پر اصول تفسیر کی روشنی میں تبصرہ فرمایا۔ اور اہل علم کو ولی اللٰہی علوم کے اس پوشیدہ خزانہ پر غور کرنے کی دعوت دی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۳۳۶ھ آج سے ۵۸ سال پہلے "موضح فرقان" کے نام سے قرآن کریم کا ترجمہ تحریر فرمایا۔

اسی کے مقدمہ میں حضرت شیخ کا یہ گرانقدر تحقیقی مضمون شامل ہے۔

موضح فرقان حضرت شیخ الہندؒ کی قلمی اور علمی کاوش کا بہترین ثمرہ ہے لیکن کیا ہم اسے شاہ صاحب کے ترجمہ میں "اصلاح" قرار دیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے مقدمہ میں صفائی کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ "موضح فرقان" شاہ صاحب کے ترجمہ میں اصلاح نہیں ہے۔ بلکہ تیسیر و تسہیل ہے۔

بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ قدیم اسلوب کے لحاظ سے اردوئے معلی کا بہترین نمونہ ہے اور آج دو سو برس بعد بھی وہ سدابہار پھولوں کی طرح شگفتہ و ترو تازہ ہے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ناقابل انکار ہے۔ کہ شاہ صاحب کے ترجمہ اور فوائد میں جو تفسیری نکات اور لطائف پوشیدہ ہیں اہل علم ان سے بڑے غور و فکر کے بعد ہی

آگاہ ہوتے ہیں۔ پھر جب اہل علم سرسری مطالعہ سے شاہ صاحب کے علمی حقائق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تو پھر عام مسلمان ان تفسیری حقائق کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت شیخؒ نے اسی خیال سے موضح قرآن کو آسان کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھنے والے ہمیشہ حضرت شیخ کے شکر گزار رہیں گے کہ حضرت شیخ صاحب نے شاہ صاحب کے ترجمہ کے ابتدائی دور کوع کے ترجمہ کا تجزیہ کر کے شاہ صاحب کے "اسلوب ترجمہ" کی وضاحت فرما دی اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے راستہ کھول دیا۔

حضرت شیخ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا نہایت عمیق مطالعہ فرمایا۔ اور قرآن کی زبان (عربی) اور قرآن کی تشریح (سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک ماہرانہ نظر رکھنے والا عالم جو ساتھ ہی روحانی دنیا کا شیخ بھی ہو صاحب کشف و کرامت اور صاحب عزم و جہاد، دونوں مقام رکھتا ہو اور اسارت مالٹا کے زمانے میں وہ خدمت قرآن کے لیے بیٹھا ہو تو ایسے عالم دین اور مجاہد حق کے قلب پر شاہ صاحب کے رموز و نکات کا انکشاف کیسے نہ ہوتا۔؟

ایک صوفی صافی گوشۂ عبادت میں جن معارف الٰہی سے مستفیض ہوتا ہے وہ معارف حق ایک صاحب استقامت مجاہد کے لیے میدان ابتلاء میں تسکین و تسلی کا سر و سامان بنتے ہیں۔

حضرت شیخؒ نے مقدمہ القرآن میں شاہ صاحب کے اسلوب کی تشریح کرتے ہوئے چند باتیں واضح فرمائی ہیں۔

۱:۔ شاہ صاحب قرآنی ترتیب کا کس حد تک لحاظ رکھتے ہیں اور با محاورہ اردو میں ترجمہ کرنے کے باوجود قرآن کریم کی اصلی ترتیب کو کس کمال کے ساتھ باقی رکھتے

ہیں۔

فعل، فاعل، مفعول، متعلقات فعل، صفت اموصوف حال وتمیز، مفعول مطلق تاکیدات وغیرہ کے تراجم میں جگہ جگہ شاہ صاحب کیسی ندرت اور تنوع کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

۲:۔ حروف جار اور حروف ربط کے ترجمہ میں موقعہ ومحل کی رعایت سے ترجمہ کو اردو کے قالب میں کس حسن لطافت کے ساتھ ڈھالتے ہیں۔ اس سے شاہ صاحب کے علم وادب کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

۳:۔ شاہ صاحب ایجاز واختصار کا کس قدر لحاظ رکھتے ہیں۔ متن کے الفاظ سے ترجمہ کو زیادہ بڑھنے نہیں دیتے۔ کہیں لغوی ترجمہ کرتے ہیں کہیں اسی لفظ کے مرادی معنی ظاہر کرتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو ہندی کے فصیح سے فصیح تر الفاظ اور محاورات شاہ صاحب کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں اور شاہ صاحب جس محاورہ کو مناسب سمجھتے ہیں وہاں رکھ دیتے ہیں۔

۴:۔ شاہ صاحب بڑے بڑے تفسیری مسائل کو ترجمہ کے الفاظ میں سمو دیتے ہیں۔ ایک ہی لفظ کے اندر بڑی بڑی تشریحات نظر آتی ہیں۔

بہرحال شاہ صاحب کے ترجمہ سے متعلق جو غلط فہمی سید عبداللہ صاحب کے اصلاحی ترجمہ سے پھیلی اور بعض ناشرین نے اسے موضح قرآن سمجھ کر شائع کرنا شروع کر دیا وہ غلط فہمی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ سے نہیں پھیل سکتی۔ یہ ایک مستقل ترجمہ ہے۔ اور لوگ اس سے ایک مستقل ترجمہ کی حیثیت سے ہی استفادہ کرتے ہیں۔

مولانا عثمانی کے فوائد

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے ساتھ جو تفسیری فوائد ہیں۔ بقرہ کے علاوہ وہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے جس طرح شاہ صاحب کے ترجمہ کی بہت سی مشکلات کو واضح کر دیا ہے اور بعض مشکل الفاظ کی تشریح جگہ جگہ حاشیہ پر کر دی ہے اسی طرح مولانا عثمانیؒ نے اکثر جگہ حضرت شاہ صاحب کے فوائد کو اپنی عبارت میں نقل کر دیا ہے۔ اور ان کی تشریح بڑے اچھے انداز سے فرما دی ہے

البتہ جہاں مولانا موضح قرآن کا حوالہ دے دیتے ہیں وہاں قاری کو آسانی ہوتی ہے اور وہ شاہ صاحبؒ کے پورے فوائد پر غور کرنے کے لیے اصل کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔ اور جہاں بلکہ اکثر مولانا حوالہ دیئے بغیر شاہ صاحب کی عبارت کو اپنی عبارت میں سمو لیتے ہیں وہاں پتہ نہیں چلتا کہ یہ حکیمانہ تفسیر شاہ صاحب سے لی گئی ہے یا دوسرے کسی بزرگ سے منقول ہے۔

بہرنوع حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا عثمانیؒ کے فوائد دراصل علمائے کرام کے لیے ایک دعوت ہیں کہ شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کو تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اپنے غور و فکر کا موضوع بنائیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے فاضل شاگردوں میں سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے متعلق ان کے ایک شاگرد پروفیسر جناب عبدالکریم لاہوری کا بیان ہے کہ شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا "میں نے ایک بار رمضان المبارک کا پورا مہینہ شاہ صاحب کے موضح قرآن پر غور و فکر میں گزارا۔"

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے پروفیسر صاحب کی کتاب "جزاء الاحسان"

کے حوالہ سے مجھے یہ بات بتائی۔ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی شاہ صاحب کے ترجمہ سے والہانہ عشق رکھتے تھے۔

مولانا کا صباحی ترجمہ شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے ایک ایک لفظ کی تشریح، دلی کے ایک ایک محاورہ کی وضاحت دوسرے تراجم سے اس کا مقابلہ، شاہ صاحبؒ کے منفردات کی تلاش و تحقیق تابعین کے اقوال اور تفسیری تشریحات کی روشنی میں ان کی راجحیت اور برتری پر فاضلانہ بحث۔

یہ تمام باتیں مولانا احمد سعید صاحبؒ کے ہاں ملتی تھیں اور پھر مولانا کے عوامی وعظ بھی ان لطائف سے معمور ہوتے تھے۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ کو واقعی شاہ صاحبؒ کے لطائف قرآنی پر بڑا عبور حاصل تھا۔ اور اس میں مولانا منفرد تھے۔ کیونکہ ایک طرف تو مولانا مرحوم قرآن کے بہترین حافظ تھے۔ ایک ایک متشابہ مولانا کے حافظہ میں محفوظ تھا۔ اس کے علاوہ قلعہ معلی اور دلی کے کارخانہ داروں کی اردو مولانا کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ کیونکہ مولانا نے عمر کا بڑا حصہ اپنے والد کے ساتھ تارکشی کے کام میں گزارا تھا۔ اس ماحول نے مولانا کی زبان کو "اردوے مبین" بنا دیا تھا۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا کی بیماری نے مولانا کو اس عظیم علمی کام سے روک دیا۔ جسے وہ لے کر بیٹھے تھے۔

مولانا دراصل شاہ صاحبؒ کے تفسیری حقائق کی تشریح کرنا چاہتے تھے۔ اور شاہ صاحبؒ کی زبان کو باقی رکھتے ہوئے اس کو آج کی اردو میں سمجھانا چاہتے تھے۔

میں نے چھ مہینے مولانا کے ساتھ ترجمہ قرآن کے کام میں شریک رہ کر مولانا کے ارادے کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ لیکن مولانا جب اس کام کے دوران گرفتار ہوئے اور چھ مہینے کی سزا کاٹ کر اعظم گڑھ سے واپس تشریف لائے اور قلب کے مسلسل

دوروں نے مرحوم کو پریشان کر دیا تو پھر مولانا نے قرآن کریم کا ایک مستقل اردو ترجمہ کرنا شروع کر دیا اور کوشش کی کہ ایک مستقل ترجمہ مولانا کے ہاتھوں مکمل ہو جائے۔

اور اس طرح حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ کی تشریح کا کام پھر باقی رہ گیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے عشق تھا۔ مولانا نے شاہ صاحب کے قدیم تراجم جمع کیے تھے۔ اور مولانا کی خواہش تھی کہ موضح قرآن کو قدیم نسخوں سے ملا کر بالکل صحیح شکل و صورت میں شائع کیا جائے۔ لیکن مولانا کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے مترجم قرآن کے مقدمہ میں مولینا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے جو الفاظ منقول ہیں وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب موضح قرآن لکھ چکے تو فارسی کا یہ شعر تھوڑے تصرف کے ساتھ پڑھتے تھے۔

روز قیامت ہر کسے با خویش دارد نامۂ
من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآں در بغل

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ شاگردوں کو ہمیشہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ترجمہ دیکھو اور بعض مسائل جو تفسیر سے حاصل نہیں ہوتے وہ اس ترجمہ سے حل ہو جاتے ہیں۔

دیوبند میں ایک بزرگ امیر شاہ خان سے سنا ہے کہ حضرت شاہ صاحب

نے چالیس سال مسلسل مسجد میں اعتکاف فرما کر اس کا ترجمہ اور موضح قرآن کو لکھا ہے۔ جس دیوار کے ساتھ آپ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے اس پر بھی نشان پڑ گیا تھا اور خانصاحب حضرت شاہ صاحبؒ دہلوی کی یہ دو کرامتیں بیان فرمایا کرتے تھے۔

۱:- اگر کوئی شخص آپ کو سلام کرتا تو زبانی کے ساتھ شیعہ صاحبان کو بائیں ہاتھ سے اور سنی صاحبان کو دائیں ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ کئی ایک شیعہ صاحبان آزمائش ہی پر اپنے عقیدہ سے توبہ کر گئے۔

۲:- رمضان المبارک میں آپ خود تراویح میں قرآن شریف سنایا کرتے تھے۔ اگر رمضان المبارک کی پہلی شب کو آپ دو پارے تراویح میں پڑھتے تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ جو آپ کے بڑے بھائی تھے فرمایا کرتے تھے کہ رمضان المبارک کے ۲۹ دن ہوں گے اور اگر آپ ایک پارہ پڑھتے تو فرماتے رمضان کے پورے تیس دن ہوں گے۔ باقی جو شریعت حکم دے (مقدمہ صنا)

شاہ صاحبؒ کے ہاں تذکیر و تانیث

تذکیر و تانیث کے لحاظ سے بھی شاہ صاحبؒ کی زبان پونے دو سو برس پرانی ہونے کے باوجود دہلوی اردو کا بہترین نمونہ ہے۔ چند الفاظ کے سوا شاہ صاحبؒ نے جس لفظ کو اس وقت مذکر لکھا ہے وہ آج بھی مذکر بولا جاتا ہے اور جسے مونث لکھا ہے وہ آج بھی مونث استعمال ہوتا ہے۔

البتہ قوم، امت، فرقہ جیسے عربی الفاظ جو معنوی اعتبار سے جمع ہیں اور لفظاً واحد ہیں قرآن نے ان لفظوں کو بطور جمع استعمال کیا ہے۔ اور ان الفاظ کو اپنے ترجمہ میں شاہ صاحبؒ کسی جگہ اردو محاورہ کی رعایت سے واحد استعمال کرتے ہیں اور کسی جگہ

عربی استعمال کے لحاظ سے جمع لکھتے ہیں۔

ولتکن منکم امۃ یدعون ...... میں یہ ترجمہ کرتے ہیں اور "چاہیے کہ رہے تم میں سے ایک جماعت بلاتی نیک کام کی طرف"

قرآن کریم نے "یدعون" جمع کا صیغہ لفظ امت کے لیے استعمال کیا ہے۔ مگر شاہ صاحبؒ نے اردو محاورہ کی رعایت سے "یدعون" کا ترجمہ "بلاتی" کیا جو واحد کا صیغہ ہے

یلیت قومی یعلمون .... میں ترجمہ فرماتے ہیں "کسی طرح میری قوم معلوم کریں" یہاں "یعلمون" جمع کے صیغہ کا جمع ہی کے لفظ معلوم کریں سے ترجمہ کیا ہے یہ لفظی ترجمہ ہے۔

ناپ تول کو شاہ صاحب نے مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ الانعام۔ (۱۵۲) میں مونث اور ہود رکوع ۷ میں مذکر۔ اور مولانا آزادؒ نے ترجمان القرآن میں مذکر ہی لکھا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزادؒ جدید اردو کے صاحب طرز ادیب ہیں اور مولانا نے اپنے آپ کو المکی الدہلوی لکھا ہے۔ مگر مولانا کی زبان پوری طرح دہلوی نہیں ہے۔

ظاہر ہے مولانا کی تمام زندگی بنگال میں گزری۔ پھر مولانا کی زبان دہلوی کیسے ہو سکتی تھی۔ یہ بات الگ ہے کہ مولانا اپنے آپ کو اردو زبان کا مجتہد سمجھتے تھے اور جو کچھ مولانا کی قلم سے نکل جاتا تھا اسی کو سند قرار دیتے تھے۔

حبیب احمد صاحب صدیقی نے مولانا کے ترجمان القرآن سے نامانوس ترکیبوں اور تذکیر و تانیث کے فرق کی کچھ مثالیں جمع کر کے شائع کی ہیں۔ ہم ان میں سے چند مثالیں

ماہنامہ تحریک دلی ۱۹۷۶ء سے نقل کرتے ہیں۔

ان مثالوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی زبان پونے دوسو برس گزر جانے کے بعد بھی دلی کی موجودہ اردو سے کتنی قریب ہے اور مولانا آزادؒ کی زبان اسی دور کی زبان ہوتے ہوئے بعض ترکیبوں اور تذکیر و تانیث کے لحاظ سے دلی کی اردو سے کتنی مختلف ہے۔

ایک غریب ترکیب

۱:۔ "اگر تم ایک پرندکو کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھ کر ایسا تربیت یافتہ بنا لے سکتے ہو کہ تمہاری آواز سنتا اور تمہارے بلانے پر آجا سکتا ہے تو کیا گمراہ اور متوحش انسان دعوت حق کی تعلیم و تربیت سے اس درجہ اثر پذیر نہیں ہو جا سکتے کہ تمہاری صدائیں سنیں"۔
سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۰ پر مولانا کا حاشیہ۔

۲:۔ جو تمام تر حسنیٰ ہیں یعنی حسن و خوبی کی صفتیں ہیں اور جنہیں ہم کائنات ہستی کے اور ایک ایک ذرے کے منہ سے سن لے سکتے ہیں
سورہ نحل حاشیہ ۱۲۔

۳:۔ ہر ذہن اسے پوچھ لے سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کر لے سکتا ہے۔ ہر روح اس پر مطمئن ہو جا سکتی ہے۔ سورہ حجر حاشیہ ۱۔

۴:۔ نظام شمسی کے تمام کرشمے اس چیز میں ہم دیکھ لے سکتے ہیں۔ سورج کا طلوع عروج، زوال، غروب۔ ساری حالتیں ہم اس آئینے میں دیکھ لے سکتے ہیں۔۔۔۔۔ سورۂ نحل حاشیہ ۱۳۔

۵:۔ دنیا کے وسائل زندگی کسی خاص انسان کی حقیقی ملکیت نہیں ہو جا سکتے۔ یہاں

جو کچھ ہے تمام نوع کے لیے ہے۔ پس اگر ایک فرد نے زیادہ کما لیا تو کما لے سکتا ہے سورۂ نحل حاشیہ ۱۹۔

۶:۔ اپنے حسن عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر دے سکتے ہو۔ سورۂ یوسف حاشیہ ۲۳۔

۷:۔ "سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پائے لیکن جھوٹا ہو جا سکتا ہے۔ سورۂ یوسف حاشیہ ۲۳۔

۸:۔ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اس کی ہدایت و اصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہو جا سکتی۔ سورۂ توبہ حاشیہ ۱۴۔

۹:۔ حالانکہ ظن کا بھروسہ انسان کو یقین سے مستغنی نہیں کر دے سکتا۔ سورۂ یونس حاشیہ ۴۶۔

۱۰:۔ تمہارے پیدا کیے ہوئے اختلاف سے حقیقت مختلف نہیں ہو جا سکتی۔ سورۂ حج حاشیہ ۱۲۵۔

۱۱:۔ ان دو آیتوں سے ہم سب کچھ معلوم کر لے سکتے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ حاشیہ ۲۳۔

۱۲:۔ کوئی کسی کو دیواروں میں چن نہیں دے سکتا۔ سورۂ انبیاء حاشیہ ۲۵۔

اس قسم کی مثالیں سینکڑوں کی تعداد میں دی جا سکتی ہیں۔ ترجمان القرآن کی دونوں جلدیں اس سے بھری پڑی ہیں۔

مولانا کے اجتہاد کا سلسلہ کر لے سکتے، کر دے سکتے، ہو جا سکتے وغیرہ ہی پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ تذکیر و تانیث اور محاورہ روزمرہ تک میں جاری نظر آتا ہے۔

۱۳:۔ دلی میں نوک پلک مونث بولا جاتا ہے۔

داغ کہتے ہیں۔ ؎

دل میں عاشق کے تصور سے کھٹک ہوتی ہے

ان حسینوں کی غضب نوک پلک ہوتی ہے

(داغ)

مولانا نے سورۂ مومنون کے آخری حاشیہ صفحہ ۲۷۴ پر اسے مذکر لکھا ہے۔

اس کے بعد فطرت کی نقاشی سے زیادہ دقیق قسم کے امتیازات کا نوک پلک درست کرنے لگتی ہے۔

۱۴:- باران اور باران رحمت مذکر ہیں۔

ستھرائی دی نسیم نے میرے مزار پر

بارانِ رحمت آن کے پانی چھڑک گیا (رند)

مولانا نے تفسیر سورۂ فاتحہ صفحہ ۲۴۔ اور سورۂ انعام کی آیت ۹۹ کے حاشیے میں اسے مونث لکھا ہے۔

۱:- اس کا قانون ہے کہ بارانِ رحمت نمودار ہوتی ہے۔

۲:- کھیت لہلہا رہے ہیں اور آسمان سے بارانِ رحمت برس رہی ہے۔

۱۵:- دلی میں رویا کا لفظ مذکر بولا جاتا ہے۔

۴:- رویا مذکر ہے۔ مولانا نے سورۂ بنی اسرائیل کے حاشیہ ۱۹ میں اور اسی سورت کی آیت ۶۰ میں اسے مونث لکھا ہے

۱:- "جن مفسرین نے یہاں رویا سے مراد کوئی دوسری رویا لی ہے۔ مثلاً فتح مکہ کی رویا وہ قابل اعتنا نہیں۔"

۲:- اور رویا جو ہم نے تجھے دکھائی تو اسی لیے دکھائی کہ لوگوں کے لیے آزمائش ہو۔

۱۶:- ترازو مونث ہے۔

نکلتے ہیں برابر اشک میری دونوں آنکھوں سے
متاعِ درد تلنے کی ترازو ہو تو ایسی ہو! (نسیمؔ)

مولانا کے یہاں یہ لفظ اکثر آیا ہے اور اسے ہر جگہ مذکر لکھا ہے۔

۱:- گویا مٹی کے ایک ایک ذرے میں ایک ایک ترازو رکھ دیا ہے۔ سورۂ حجر حاشیہ ۸

۲:- دنیا میں اشیاء کے موازنے کے لیے ترازو کام دیا کرتا ہے۔ سورۂ اعراف حاشیہ ۶۔

۳:- ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو کھڑا کریں گے۔ سورۂ انبیاء آیت ۸۔

۱۷:- میزان مؤنث ہے۔

اللہ رے قدر میرے گناہوں کی روزِ حشر
تعظیم کو کھڑی ہوئی میزانِ حساب کی (امیرؔ)

مولانا نے سورۂ اعراف کے حاشیہ ۶ میں اسے مذکر لکھا ہے "اسی طرح موازنے کے لیے قدرت نے ایک میزان مقرر کر دیا ہے"۔

۱۸:- کارگاہ مونث ہے۔ مولانا نے اسے مذکر لکھا ہے۔ گویا یہ تمام کارگاہِ عالم صرف اسی لیے بنا ہے کہ ہمیں فائدہ پہنچائے۔ تفسیر سورۂ فاتحہ صفحہ ۴۲۔

۱۹:- درگزر مونث ہے۔

مزہ ہو حشر میں سن کر مرے جرم
کہے وہ، جاؤ ہم نے درگزر کی (تسلیمؔ)

مولانا نے یہ لفظ مذکر استعمال کیا ہے۔

لیکن جس کسی نے درگزر کیا اور معاملہ کو بگاڑنے کی جگہ سنوار لیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ تفسیر سورۂ فاتحہ صفحہ ۸۴

۲۰:۔ کھوٹ مونث ہے۔

یہ مصحفی ہے نصیبوں کی کھوٹ شکوہ نہ کر
کوئی نہیں جو تیرا قدرداں زمانے میں (مصحفی)

مولانا کے یہاں یہ لفظ اکثر آیا ہے اور انہوں نے ہر جگہ اسے مذکر لکھا ہے مثلاً

۱:۔ تم سونا کٹھالی میں ڈال کر آگ پر رکھتے ہو۔ کھوٹ جل جاتا ہے۔ تفسیر سورۂ فاتحہ صفحہ ۵۴

۲:۔ اور اللہ نافرمانوں (کے دلوں کے کھوٹ) سے ناواقف نہیں۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۴۷۔

۳:۔ اللہ ہی نے نہ چاہا کہ آزمائش میں پڑے (اور اس کا کھوٹ کھل جائے) سورۂ مائدہ آیت ۹۵۔

۴:۔ کسی طرح کی دھات آگ پر تپاتے ہو۔ تو کھوٹ الگ ہو جاتا ہے۔ سورۂ رعد حاشیہ ۱۰۔

۵:۔ ان لوگوں کے دلوں کا کھوٹ اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ سورۂ آل عمران آیت ۵۶

۶:۔ پس نہ تمہارے دلوں کا کھوٹ اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ سورۂ بقرہ ۲۴۵

❊ ❊ ❊
❊

مولانا کی زبان کے ناقد حبیب احمد صاحب صدیقی نے بعض تنقیدوں میں مولانا پر زیادتی بھی کی ہے، مثال کے طور پر لفظ "چھوٹ" ہے اسے مولانا نے بکثرت استعمال کیا ہے۔

ازدواجی زندگی کی اہمیت سے لوگ بے پرواہ تھے اور زبانیں چھوٹ ہو گئی تھیں۔

(حاشیہ بقرہ۔ آیت: ۲۲۴)

ایک گروہ ظلم و فساد میں چھوٹ ہو جاتا ہے تو.... حاشیہ بقرہ ۲۵۲

صدیقی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ لفظ دلی کی بول چال کے خلاف ہے اور لغت میں یہ لفظ اس مفہوم میں نہیں بولا جاتا، جس میں مولانا نے اسے استعمال کیا ہے لیکن ناقد نے یہ بات تحقیق کے بغیر ہی لکھ دی ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا

شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں....

"کافر لوگ چھٹا گنتے ہیں، ایک برس اور ادب کا کہتے ہیں۔" چھٹا چھوٹ بمعنی آزادی سے بنایا گیا ہے، مطلب یہ کہ کفارِ قریش ایک سال کے لیے لڑائی کو حلال کر دیتے ہیں اور ایک سال کو حرام.....

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھٹا بمعنی حلال اور کھلا استعمال کیا ہے۔

دہلی میں آج بھی بولا جاتا ہے، اسے ہر قسم کی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ وہ چھٹا پھر رہا ہے یعنی آزاد پھر رہا ہے۔

شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کی خصوصیت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح قرآن کریم کے اردو ترجمہ میں اختصار کے باوجود کلام خداوندی کی لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی نکات و لطائف کا اظہار کیا ہے ۔ اسی طرح شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری فوائد بھی نہایت عجیب و غریب حکیمانہ نقطوں پر مشتمل ہیں ۔

فقہی مسائل کی تشریح میں تو شاہ صاحبؒ اپنے حنفی فقہی مسلک کی پابندی فرماتے ہیں ۔ لیکن عقائد کلام کے مسائل میں شاہ صاحبؒ کے ہاں جو اجتہادی شان نظر آتی ہے ۔ وہ تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں میں نظر نہیں آتی ۔

زمانہ حال کے بڑے بڑے صاحب طرز ادیب مفسر جس بات کو بڑی بڑی طویل تشریحی عبارتوں سے قارئین کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ حضرت شاہ صاحبؒ اسے نہایت سیدھے سادھے چند موثر جملوں میں پڑھنے والے کے دل و دماغ میں اتار دیتے ہیں اور قاری اس سے مطمئن ہو جاتا ہے ۔

بلاشبہ ہم اسے حضرت شاہ صاحبؒ کی روحانیت کا اثر ہی کہہ سکتے ہیں ۔ شاہ صاحب کی یہ اجتہادی شان اور قوت استدلال اس وقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب بڑے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی فوائد (فتح الرحمٰن) بھی قاری کے سامنے ہوتے

ہیں اور شاہ صاحب کسی مقام پر اپنے والد محترم شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے الگ راہ اختیار کرتے ہیں۔

حضرت امام ولی اللہؒ الدہلوی کے فارسی فوائد کی مثال بھی کوزے میں سمندر کی ہے۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں علم و حکمت کے موتی بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک تو شاہ صاحبؒ نے فارسی فوائد میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ہاں نہایت بلیغ انداز میں ہر اہم مسئلہ کی تشریح ملتی ہے اور وہ تشریح بڑی بڑی طویل تفسیروں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

راقم نے مستند موضح قرآن کے حاشیہ پر شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے اردو فوائد کے ساتھ ساتھ فتح الرحمٰن کے خاص خاص فارسی فوائد بھی نقل کر دیئے ہیں۔ تاکہ قارئین دونوں بزرگوں کی قرآنی بصیرت سے استفادہ کر سکیں۔

تفسیری لطائف و محاسن

حروف تاکید، حرف قصر اور مفعول مطلق کا ترجمہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حروف تاکید اور حصر
کے ترجمے میں بڑا موثر اسلوب اختیار فرماتے ہیں۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ
وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا (التوبہ نمبر ۴۰) کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔

اس جملہ کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے۔ اور بات اللہ کی وہی ہے بلند۔ (شاہ رفیع الدین ؒ)

شاہ عبدالقادر صاحب ؒ نے اس جملہ میں دوام کے معنی پیدا کر دیئے جو اس جملہ کی حقیقی مراد ہے۔ "وہی بلند ہے" میں ہمیشگی کے معنی نہیں ہیں۔

ڈپٹی صاحب محاورہ میں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔

اور کافروں کی بات کو ہیٹا کر دیا اور (سدا) اللہ ہی کا بول بالا ہے۔

حضرت تھانوی صاحب ؒ نے ڈپٹی صاحب ہی کا محاورہ اختیار کیا۔ "اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔" مگر شاہ صاحب ؒ کے ہاں جو ہمیشگی کا مفہوم ہے اس کی رعایت ڈپٹی صاحب نے رکھی ہے۔

یہ حصر کی مثال ہے۔

حرفِ تاکید کی مثال سورہ الحجر میں یہ ہے۔

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (آیت نمبر ۴۹) — خبر سنا دے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان۔

لفظی ترجمہ اس طرح ہے۔

خبر دے بندوں میرے کو یہ کہ تحقیق میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان۔ (شاہ رفیع الدین)

حرف تاکید "اِنّی" کا ترجمہ اصل کرکے آیت کے ترجمہ کو شاہ صاحب نے کتنا بلند اور فصیح کر دیا۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرہ ۱۲۹) — تو ہی ہے اصل زبردست حکمت والا

حرف تاکید اور حصر کا ترجمہ کتنا عمدہ کیا۔

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا (البقرہ ۱۶۵) — زور سارا اللہ کو ہے۔

حرف تاکید اَنَّ اور لفظ تاکید جَمِیْعًا کا ترجمہ کتنا اچھا کیا۔ ایجاز بھی قائم رہا۔ اور محاورہ میں برجستگی بھی پیدا ہو گئی۔

لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرہ ۲۷۹) — نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ کوئی تم پر۔

اختصار و ایجاز کا کتنا اچھا نمونہ ہے۔

اِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا (البقرہ ۶۲) — یوں ہے جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ الخ

"ان" تاکید کا ترجمہ بالکل انوکھا کیا۔ "یوں ہے"

مفعول مطلق سے کتنا اچھا کام لیا۔

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (احزاب نمبر ۵۶) — رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو اسلام کہہ کر۔ یعنی زبان سے السلام علیک ایہا النبی کہا کرو۔

فائدہ میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

یہ حکم ادا ہوتا ہے۔ نماز میں السلام علیک اور اللھم صلّ علی محمدؐ سے" سلام پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم کسی جانے والے سے کہیں۔ ہمارا سلام پہنچا دیجئے گا۔ لیکن شاہ صاحبؒ کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات کافی نہیں۔ زبان سے سلام کہنا ضروری ہے۔

"مبالغہ کا ترجمہ"

شاہ صاحبؒ عربی مبالغہ کا ترجمہ بھی موقع محل کے لحاظ سے نہایت موزوں فرماتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ مجھے ایسی سلطنت عطا کردے جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ پھر کہتے ہیں

اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (ص نمبر ۳۷) بے شک تو ہے سب بخشنے والا۔

پھر فوائد میں لکھتے ہیں

"یعنی کسی کا حوصلہ نہ ہو کہ وہ لے سکے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء کا جو مفہوم ہے اس کی رعایت سے "وہاب" کا کتنا عمدہ ترجمہ فرمایا ہے۔

"مفعول مطلق کا ترجمہ"

مفعول مطلق تاکید فعل کے لیے آتا ہے۔ مگر اس کے ترجمے میں بڑا عجیب تنوع پیدا کرتے ہیں۔ مریم کی آیت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی تونے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں۔
الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّھُمْ اَزًّا (نمبر ۸۳) شیطان منکروں پر اچھالتے ہیں ان کو ابھار کر رکاتے ہیں ان کو بدکاکر (شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ)

وہ ان کو خوب ابھارتے ہیں (تھانویؒ) وہ ان کو اکساتے رہتے ہیں۔ (ڈپٹی صاحب)
"اَزًّا" کا ترجمہ انہوں نے چھوڑ دیا۔
فارسی والوں کے ہاں یہ لفظ ملتا ہے "لے جنبانیدند ایشاں را جنبانیدنی"
شاہ صاحب نے فعل کا ترجمہ کیا۔ اچھالتے ہیں" اور مصدر کا ترجمہ کیا "ابھار
کر" تاکید ہے مگر تنوع کے ساتھ۔
دوسری مثال سورۃ طٰہٰ میں ہے۔
لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔ (آیت نمبر ۹۷) ہم اس کو جلا دیں گے پھر بکھیر دیں گے دریا میں اوڑا کر۔
یہ حضرت موسیٰؑ کا قول ہے جو انہوں نے سامری سے اس کے دیوتا کے متعلق کہا
لفظی ترجمہ یہ ہے۔ ہم اس کو اڑا دیں گے دریا میں اڑا دینا کر (شاہ رفیع الدینؒ)
فارسی میں یوں ہو گا۔ "پس پراگندہ سازیم آں را در دریا براگندہ ساختم۔"
شاہ صاحبؒ نے فعل اور مصدر کا الگ الگ ترجمہ کیا جو ایک دوسرے کی تاکید
کر رہا ہے۔
تیسری مثال سورۂ نبأ میں ہے۔
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا (النبأ نمبر ۲۸) اور جھٹلائیں ہماری آیتیں مکرا کر۔
لفظی ترجمہ دیکھو۔ جھٹلاتے تھے نشانیوں ہماری کو جھٹلا کر (شاہ رفیع الدینؒ)
اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے۔ (تھانوی)
شاہ صاحبؒ نے تکذیب کا ترجمہ جھٹلانا اور کذاب کا ترجمہ مکرنا کیا، تاکید بھی
کی ہے اور جدت معانی بھی۔
چوتھی مثال الصافات میں ہے۔

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ (الصافات ۱۰) مگر جو اچک لایا جھپ سے۔

ابلیس آسمانی خبریں اچک لاتا ہے۔ اس کا بیان ہے:

لفظی ترجمہ یہ ہے: "مگر جو کوئی اچک لے گیا۔ ایک بار اچک لے جانا۔ (شاہ رفیع الدین)۔ شاہ صاحب اچکنے اور جھپ سے دو لفظوں سے ترجمہ کر رہے ہیں۔

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا اور زیادہ کیا ان کو اپنے بنائے ہوئے تَفْضِيلًا (بنی اسرائیل ۷۰) بہت شخصوں پر بڑھتی دے کر

تفضیلا مفعول مطلق ہے اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ "اور بزرگی دی ہم نے ان کو اوپر بہتوں کے ان لوگوں سے کہ پیدا کیے ہم نے بزرگی دینا (شاہ رفیع الدین)

شاہ صاحبؒ نے تنوع اور جدت پیدا کی اور کہا "بڑھتی دے کر"۔ یعنی آدم کو دوسری مخلوق پر بزرگی اور برتری بخشی۔ اس طرح کہ اسے دوسروں سے کچھ بڑھتی دیا اور زیادہ دیا۔ یعنی عقل و شعور اور اختیار کی طاقت دوسری مخلوق سے زیادہ چیز ہے جو اسے ملی ہے۔

تنوع کے ساتھ کیسی معنوی گہرائی پیدا کر دی گئی ہے۔

وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا (بنی اسرائیل ۱۰۶) اور اس کو ہم نے اتارتے اتارا۔

قرآن کریم کو بتدریج اتارا گیا اسی مفہوم کو تنزیلاً مفعول مطلق کے ترجمہ میں ادا کیا نفی کے بعد اثبات اور اثبات کے بعد نفی۔ دونوں صورتوں میں قصر کے معنی پیدا کرنے مقصود ہوتے ہیں۔ اسی لئے شاہ صاحبؒ ایسے جملوں میں لفظی معنی پیدا کرنے کے بجائے مرادی مفہوم قصر کا اظہار ترجمہ میں فرماتے ہیں

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ نہیں یہ مگر نصیحت واسطے عالموں کے۔

(الانعام رکوع ۱۰)

"اِن" نافیہ کے بعد "الا" حرفِ استثناء سے قصر کے معنی پیدا کیے ہیں۔ اوپر کا ترجمہ لفظی ہے۔ شاہ صاحبؒ مرادی مفہوم ادا کرتے ہیں۔ "یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کو" ضمیر فصل کا مقصد بھی قصر اور تاکید کا مفہوم پیدا کرنا ہوتا ہے۔

ذَالِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ (لقمان رکوع ۳) — اللہ وہی ٹھیک ہے اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔

اور شاہ صاحبؒ ترجمہ میں وہی معنی پیدا کرتے ہیں۔

إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ أَمِيْنٌ (یوسف ۵۴) — سچ تو نے آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر۔

"اِنَّ" تاکید کا ترجمہ بالکل نئے انداز سے (سچ) کے ساتھ کیا ہے۔

بعض آیات میں شاہ صاحبؒ مفعول مطلق کے ترجمہ میں تنوع پیدا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ یا کوئی ایسا لفظ شاہ صاحبؒ کو اردو کی تنگ دامانی کی وجہ سے نہیں ملتا جو فعل سابق کے مفہوم سے مطابقت بھی رکھتا ہو اور ایک نیا مفہوم بھی اس کے اندر موجود ہو حاصل یہ کہ تنوع معانی پیدا کرنے کے لیے شاہ صاحب زبردستی سے کام نہیں لیتے

۱۔ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل ۴) — اور چڑھ جاؤ گے بڑی طرح چڑھنا۔

۲۔ وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (ایضاً) — اور خراب کریں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی۔

اور تنوع کی مثال جیسے

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ — مت اڑا بکھیر کر

اپنی فضول خرچی میں اپنی دولت کو نہ اڑا اور اسے نہ بکھیر کر۔

حروف جار کے ترجمہ میں اسلوب

عربی میں حروف جار علیٰ۔ الی۔ من۔ ب۔ فی کا استعمال عام ہے۔ شاہ صاحبؒ ان حرفوں سے بڑا کام لیتے ہیں اور ترجمہ کو اردو محاورہ میں ڈھالنے کے لیے ان حرفوں کو مختلف معانی میں استعمال کرتے ہیں۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ — ان کے ہاتھ نہیں پسند (القصص رکوع ۶)

"لہم" کے لام تملیک کا ترجمہ محاورہ کے لحاظ سے کیا۔ ان کے ہاتھ نہیں یعنی ان ان کے قبضہ میں نہیں۔

وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ — اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے۔ (ایضاً)

لہٗ کے لام کا ترجمہ اور ہے اور الیہ کے لام کا ترجمہ اور ہے۔

وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (القدر رکوع ۶) اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے۔

یہاں واپس آنے اور لوٹنے سے آخرت میں خدا کے سامنے پیش ہونا مراد ہے بعض حضرات "بسوئے ما" اور "ہماری طرف" ترجمہ کرتے ہیں۔ لیکن "ہمارے پاس" کا ترجمہ مقصد سے زیادہ قریب ہے۔

بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ — کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو مشرق مغرب کا سا۔ (زخرف رکوع ۴)

"بین" کا ترجمہ "درمیان تیرے" چھوڑ دیا کیوں کہ صرف "میں" سے ترجمہ فصیح ہو گیا۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ سو تو مضبوط رہ اسی پر جو تجھ کو حکم آیا۔
(زخرف رکوع ۴)

(با) کا ترجمہ (پر) کیا، علیٰ کے معنی میں لیا۔ مضبوط رہ کی رعایت کی۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (الذاریات رکوع ۳) سو بھاگو اللہ کی طرف

اللہ کی طرف سے مراد دین اسلام کی طرف آنا ہے۔ آخرت میں جمع ہونا مراد نہیں ہے۔ اس لیے "اِلیٰ" کا ترجمہ طرف کر دیا۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ کیا اس کے ہاں بیٹیاں اور تمہارے
(طور رکوع ۲) یہاں بیٹے۔

لام کا ترجمہ اس کے یہاں محاورہ کے مطابق ترجمہ کرنے کی غرض سے کیا۔
دوسرے حضرات ترجمہ کرتے ہیں۔ کیا اس کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے۔ یہ اردو محاورہ میں نہیں بولا جاتا۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اسی کو ملتا ہے جو کمایا اور اسی پر پڑتا
(البقرہ رکوع ۴۰) ہے جو کیا۔

لام اور علیٰ کے ترجمہ نے آیت کے مفہوم کو کس ایجاز کے ساتھ واضح کیا۔ اس کی مثال دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔

علیٰ کا ترجمہ

علیٰ کے خاص مفہوم سے شاہ صاحب نے کیا کام لیا ہے دیکھئے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ پھر اگر مونہہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے
(النور ۵۴) جو بوجھ اس پر رکھا

حرف استفہام کا خاص ترجمہ

کتنا عمدہ کیا...... اَتَصْبِرُوْنَ ؟ ۔ دیکھیں ثابت رہتے ہو (الفرقان[۲۰])

حروف ترجی اور تمنی کا ترجمہ!

جو چیز ممکن ہو اور اس کے حاصل ہونے کی توقع بھی ہو تو اس کی آرزو کرنے کا نام تمنی ہے۔

اور جس چیز کے حاصل ہونے کی بہت زیادہ توقع ہو اس کی آرزو کرنے کا نام ترجی ہے۔

عربی میں لیت تمنی کے لیے آتا ہے اور اس کا ترجمہ "کاش" کیا جاتا ہے۔

اور لعل ترجی کے لیے آتا ہے اور اس کے معنی "شاید" اور "ہو سکتا ہے" کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں لعل کا لفظ کثرت سے استعمال کیا گیا ہے اور جہاں یہ لفظ ارشاد خداوندی میں واقع ہوا ہے وہاں اس کے معنی میں بڑی بحث پیدا ہو گئی ہے۔

علماء معانی و بلاغت نے لکھا ہے کہ اظہار تمنا اور اظہار امید میں احتمال شک اور احتیاج کے معنی نکلتے ہیں اور خدا تعالیٰ ان تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔

امید اور آرزو وہ کرتا ہے جو مستقبل کی طرف سے بے خبر ہوتا ہے اور اپنی پسندیدہ چیز پر اسے قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ غیب و شہادت کا عالم ہے اور ہر شے پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ پھر اس کی طرف سے اظہار تمنا کے کیا معنی۔

(الزمخشری فی الکشافات ج ا ص ۱۷۵)

علماء تفسیر و معانی نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں اور مختلف توجیہات

۱۰۔ لعل کا لفظ خدا تعالیٰ کے اقوال میں مجازی معنی کے اندر استعمال ہوا ہے یعنی تحقیق کے لیے، نہ ترجی و احتمال کے لیے۔

تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ لعل کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے اس کا حاصل ہونا اور ملنا یقینی ہے اس میں شک و احتمال نہیں ہے۔ اور یہ مجازی معنی صرف ان آیات میں جاری ہوتے ہیں جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رحم، فلاح اور رشد یہ ہدایت کا وعدہ دیا ہے۔

ان وعدوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ترجی اور امید کے الفاظ کیوں استعمال کیے گیے۔؟ خدا تعالیٰ نے سیدھا سادھا وعدہ کا اسلوب کیوں اختیار نہ فرمایا۔ جیسے بعض دوسری آیات میں ...... سنؤتیهم اجراً عظیماً۔ (النساء ۱۶۲) ہم انہیں ضرور اجرِ عظیم عطا کریں گے۔

اس کا جواب علماء بلاغت نے یہ دیا ہے کہ

یہ بلاغت کا ایک اسلوب ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا سے شانِ بے نیازی کے ساتھ جب یہ کہتا ہے کہ ہماری طرف سے فلاں عنایت و مہربانی کی امید رکھو تو اس بادشاہ کا یہ کہنا اس بات کے لیے کافی ہوتا ہے کہ رعایا اپنے گھر خوشی کے شادیانے بجائے اور امید کے الفاظ کو یقین و اعتماد کے الفاظ کی طرح اپنے دل و دماغ میں بٹھلائے۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے اس مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت فرمادی ہے۔ لکھتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ توقع اور امید ہے کہ تم متقی ہو جاؤ تو اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں شاید اور توقع اور امید کے الفاظ کیوں ہیں؟ وہ تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اول تو یہ بات کہ کلام الٰہی میں وہی محاورے اور بول چال کا وہی طریقہ استعمال کیا ہے جو عام طور سے انسان بولتے اور سمجھتے ہیں۔ نیز یہ کہ بادشاہوں کے کلام میں

اس قسم کے الفاظ وعدہ کے مطابق بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں عسیٰ اور لعلّ سے مراد وہ وعدہ ہی ہوتا ہے اور یہی ایک کریم کی شان ہے کہ جب وہ کہتا ہے اچھا دیکھا جائے گا۔ یا یوں کہے۔ اچھا دیکھو شاید ہو جائے یا یوں کہے کہ امید ہے کہ ایسا ہو جائے تو ان سب کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ وعدہ مکمل ہو گیا۔ (کشف الرحمٰن ضمیمہ پ۱ صہ)

حاصل یہ کہ انسانوں کے کلام میں آرزو و امید کا اظہار حصول مقصود کی طرف سے احتمال۔ شک اور بے یقینی ظاہر کرتا ہے لیکن خداوند عالم کے کلام میں ترجی اور امید کے الفاظ اس کی شاہانہ جلالت ظاہر کرتے ہیں۔

لعل تحقیق کے لیے

قرآنِ کریم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے لعل کے ساتھ رحم و فلاح کے وعدہ کی آیات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ ۳۵) تمام قرآن میں یہ فقرہ گیارہ مقام پر آیا ہے

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تمہارا بھلا ہو۔

۲۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف ۵۷) یہ فقرہ آٹھ مقام پر آیا ہے۔

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تم پر رحم ہو

۳۔ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرہ ۱۸۶) یہ فقرہ صرف ایک مقام پر آیا ہے۔

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید نیک راہ پر آویں۔

۴۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (البقرہ ۵۳) یہ فقرہ ۷ مقام پر آیا ہے۔

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تم راہ پاؤ

۵۔ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (الانبیاء ۳۱) یہ فقرہ ۳ جگہ آیا ہے۔

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ راہ پاویں۔ ان آیات میں لعلّ کے لیے تحقیق ہے۔

لعلّ ترجّی بطور تہدید

قرآن کریم میں لعل ترجی کے ساتھ انسانوں کو غور و فکر اور تقویٰ کی ہدایت و تلقین کی آیات حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرۃ ۱۷۹) یہ آیت، قرآن کریم میں ۶ جگہ آئی ہے۔
شاہ صاحبؒ کا ترجمہ شاید تم بچتے رہو۔

۲:۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (البقرہ ۱۸۷) یہ فقرہ پانچ جگہ آیا ہے۔
ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ بچتے رہیں۔

۳:۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (البقرہ ۱۵۰) یہ فقرہ ۷ جگہ آیا ہے
ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تم راہ پاؤ۔

۴:۔ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (الانبیاء ۳۱) یہ فقرہ ۵ مقام پر آیا ہے۔
ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ راہ پاویں۔

۵:۔ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (البقرہ ۲۶۶) یہ فقرہ صرف دو جگہ آیا ہے
ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تم دھیان کرو

۶:۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الاعراف ۱۷۶) صرف ایک جگہ آیا ہے۔
ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ دھیان کریں۔

۷:۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (البقرہ ۲۴۲) آٹھ مقام پر آیا ہے۔
ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تم بوجھ رکھو۔

۸۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاعراف ۱۶۸) یہ آیت دس جگہ آئی ہے۔

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ پھر آویں۔

۹۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الاعراف ۵۷) ۵ جگہ آیا ہے

۱۰۔ ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تم دھیان کرو

۱۱۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (الاعراف ۲۶) ۴ جگہ آیا ہے

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ لوگ دھیان کریں۔

۱۱۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (البقرہ ۲۲۱)

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ چوکس ہو جائیں۔

۱۲۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ ۵۲) ۱۴ جگہ آیا ہے۔

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید تم احسان مانو۔

۱۳۔ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (البقرہ ۱۸۵) ایک مقام پر آیا ہے۔

ترجمہ شاہ صاحبؒ شاید وہ احسان مانیں

ان تمام آیات میں لعل تحقیق کے معنی میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہاں ترجی اور امید کے معنی ہی بن سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء صاحب جلالین وغیرہ نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں لعل تحقیق کے لیے ہے۔ ترجی کے لیے نہیں لیکن اس کو بطور کلیہ کے امام کرخی نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے اسی قسم کی آیات تھیں۔ (جلالین صلا)

اب سوال یہ ہے کہ ان آیات میں لعل ترجی کے لیے ہے تو پھر اس کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کس معنی میں کی جا سکتی ہے؟ ہمارے خیال میں سورۂ ہود کی آیت ذیل کے تحت امام رازی نے جو تاویل پیش کی ہے وہ بہت مناسب ہے اور ان آیات

میں لعل کے استعمال کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے۔

سورۂ ہود میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ ۔ الخ نمبر

سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی ہے تیری طرف اور خفا ہوگا اس سے تیرا جی اس پر کہ وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اترا اس پر خزانہ۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں وضاحت کی ہے کہ لعل کلمۂ شک ہے۔ پھر اس جگہ خدا تعالیٰ کی کیا مراد ہے ؟ پھر جواب دیا ہے کہ اس سے مراد تنبیہہ اور تہدید (ڈرانا) ہے عرب جب کسی کام سے مخاطب کو دور رکھنا چاہتے تھے تو کہتے تھے۔

لَعَلَّكَ تَقْدِرُ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا — شاید تو یہ کام کرے گا۔

یعنی تجھے اس کام سے دور رہنا چاہیئے۔ عرب اپنے لڑکوں سے کہتے تھے۔

لَعَلَّكَ تُقَصِّرُ فِيمَا أَمَرْتُكَ بِهِ — شاید تو میرے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرے گا

یعنی کوتاہی نہ کرنی چاہیئے۔ (حاشیہ جلالین صفحہ ۱۸۰)

مذکورہ آیت کے سلسلہ میں امام رازی کی یہ تاویل بتاتی ہے کہ حضور کو اس انداز سے یہ تلقین کی گئی کہ آپ وحی الہی کا کوئی حصہ ترک نہ فرمائیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ترک کرنے والے تھے بلکہ یہ محض دوسروں کو سنانے کے لیے ایک قسم کی حاکمانہ تنبیہہ تھی۔

لیکن ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ترجمہ میں جو اشارہ کیا وہ دوسرا ہے اور اس میں رسالت کی عصمت کا پورا پورا لحاظ موجود ہے۔

اس آیت میں خطاب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس لیے شاہ صاحبؒ

نے تمام مترجمین سے الگ یہاں لعل کا ترجمہ استفہامیہ کیا ہے یعنی استفہام انکاری۔ سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا۔ یعنی ہرگز نہیں چھوڑے گا، وحی کا کوئی حصہ بھی۔

اب رسالت کا لحاظ شاہ صاحب کے ہاں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تمام حضرات "شاید" کر رہے ہیں اور شاہ صاحبؒ اپنے لفظ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ شاید میں شک و احتمال کا مفہوم ہے اور نبی کے حق میں وحی الٰہی کے کسی حصہ کو چھوڑ دینے کا کوئی احتمال موجود نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اسی نزاکت کی وجہ سے شاہ صاحبؒ کے اس ترجمہ کو باقی رکھا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی استفہام کے معنی کیے ہیں۔ تو کیا جو وحی تمہاری طرف ہوتی ہے اس میں سے کچھ تم چھوڑ دو گے۔ اس میں شاہ صاحبؒ ہی کا اتباع ہے۔ صرف ترجمہ کا انداز بدل دیا گیا ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تشریح میں لکھتے ہیں، کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ خدا نے جو چیزیں آپ کو سکھلائی ہیں۔ اس کے بعض حصے کو تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں۔ جب یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو تنگ دل ہونے سے کیا فائدہ؟ (حمائل ص۲۸۸)

مولانا احمد سعید صاحب لکھتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کفار کی باتوں سے تنگ ہو کر احکام الٰہی کے کچھ حصہ کو ترک کر دیں یہ تو آپ نہیں سکتے (کشف الرحمٰن ص۲۱۰/۲)

اس تشریح کے بعد اب حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور دوسرے فارسی اور اردو مترجمین کے تراجم پر غور کیجئے۔

لعلّ برائے تعلیل!

مترجمین فارسی میں شیخ شریف جرجانی، شاہ ولی اللہؒ اردو والوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ شیخ الہندؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے پابندی کے ساتھ لعل کے معنی تعلیل کے لیے ہیں اور "تا" "تو کہ" "تاکہ" ترجمہ کیا ہے۔

تعلیل کا مطلب یہ ہے کہ لعل سے اوپر کا مضمون بعد والے مضمون کے لیے علت اور سبب کے درجہ میں ہے۔ لوگو! خدا کی عبادت کرو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ یعنی عبادت کے نتیجے میں تم پرہیزگار بن جاؤ گے۔ عبادت سبب بن جائے گی۔ تمہارے تقویٰ کی۔

ان حضرات کے علاوہ دوسرے مترجمین نے کسی جگہ تعلیل کے معنی کیے ہیں اور کسی جگہ ترجی کے معنی۔

تراجم کے نمونے درج ذیل ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ ہے جو اس طرح ہے۔

۱:۔ عجب نہیں تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (البقرہ ۲۱) ترجی اور امید کا مفہوم
۲:۔ شاید تم شکر کرو (" ۵۶) ترجی اور امید کا مفہوم
۳:۔ تاکہ تم ہدایت پاؤ (" ۵۳) تعلیل کا مفہوم
۴:۔ تاکہ تم گناہوں سے بچو (" ۱۷۹) تعلیل کا مفہوم

ڈپٹی صاحب نے تمام قرآن میں انہی الفاظ کو ہیر پھیر کر استعمال کیا ہے۔

ڈپٹی صاحب کے بعد حضرت تھانویؒ کے ترجمہ کا نمبر ہے۔ مولانا کے ہاں یہ الفاظ ہیں

۱:۔ عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ (" ۱۷۹) ترجی اور امید

۲:۔ اس توقع پر کہ تم احسان مانو (البقرہ ۱۸۵) ترجی اور امید

۳:۔ امید ہے کہ تم رحم لیے جاؤ گے (آل عمران ۱۳۲) ترجی اور امید

۴:۔ تاکہ تم پورے کامیاب ہو (〃 ۲۰۰) تعلیل

مولانا نے آخر تک انہی الفاظ کو الٹ پلٹ کر استعمال کیا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ کے تراجم

۱:۔ اس امید پر کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ (البقرہ۔۱۸۳) امید و ترجی

۲:۔ اور تاکہ تم شکر بجا لاؤ (〃 ۱۸۵) تعلیل

۳:۔ عجب نہیں کہ تم محفوظ رہو (〃 ۲۱) امید

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم

۱:۔ تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ (البقرہ ۲۱)

توقع و امید۔

شاید کہ اس احسان کے بعد تم شکر گزار بن جاؤ۔ (البقرۃ ۵۶)

امید و ترجی۔

۳:۔ اور اس توقع پر کہ میرے اس حکم کی پیروی سے اس طرح فلاح کا

راستہ پاؤ گے۔ (البقرہ ۱۵۰)

۴:۔ ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان عطا کی تاکہ تم اس کے ذریعہ سے

سیدھا راستہ پاؤ گے۔ (البقرہ رکوع ۶) تعلیل۔

مودودی صاحب کے ہاں عام طور پر ترجی امید اور توقع کے معنی ملتے ہیں

تعلیل کے معنی بہت کم نظر آتے ہیں۔۔۔۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ۔

۱:۔ کہ کہیں تم احسان مانو۔ (البقرہ رکوع ٦)

۲:۔ کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے (" " ۲۳)

۳:۔ اس امید پر کہ فلاح پاؤ (" " ۴۴)

۴:۔ شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے۔ (الطلاق رکوع ۱)

۵:۔ شاید تم سے پوچھنا ہو۔ (الانبیاء " ۲)

خاں صاحب کے سارے ترجمہ میں یہ چار لفظ ہی آگے پیچھے نظر آتے ہیں۔ "کہیں" کا لفظ خاں صاحب نے کثرت سے لکھا ہے اور یہ لفظ انہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں سے ملا ہے جو شاہ صاحبؒ نے سورۂ ہود میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب والی آیت کے ترجمہ میں اختیار کیا ہے اور ادبِ رسالت کو ملحوظ رکھا ہے۔ خاں صاحب نے اس لفظ کو ہر موقعہ پر لگا دیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اسلوب،

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے لعل کے ترجمہ میں "نہایت پابندی کے ساتھ "شاید" کا لفظ لکھا ہے۔ حالانکہ شاہ صاحبؒ کی عادت یہ ہے کہ ترجمہ میں تنوع اور رنگارنگی پیدا کرتے ہیں۔ یہاں شاہ صاحبؒ اس کے برعکس ایک ہی لفظ "شاید" پر اصرار فرما رہے ہیں۔ جو بے سبب نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ لعل کے ترجمہ میں لعل جیسا ایک جامع لفظ لانا چاہتے ہیں اور وہ فارسی کا شاید ہے۔

شاید کے معنی فارسی لغت میں، مناسب، لائق اور ممکن کے ہیں۔ یہ شائستن سے مشتق ہے۔ ...... شاید تم پر رحم ہو.... میں "شاید" مناسب اور سزاوار کے معنی میں لیا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر تم عبادت کرو گے تو رحم کے مستحق ہو جاؤ گے۔ یہ لعل برائے

تحقیق کی مثال ہوگی اور تعلیل کی مثال بھی بن سکتی ہے۔
شاید تم احسان مانو۔۔۔ میں "شاید" ممکن ہو سکتا ہے کہ معنی میں لیا جا سکتا ہے
یعنی ہم نے تم کو نجات دی۔ امید ہے کہ تم احسان مانو۔ یہ لعل ترجی کے لیے ہوگا۔
حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے اسلاف کی طرح لعل کو تعلیل کے لیے کیوں
متعین نہیں کیا۔؟ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تعلیل کے مفہوم سے یہ ذہن بنتا ہے
کہ رحم و فلاح نتیجہ ہوتا ہے، عبادت و اطاعت کا۔۔۔۔ حالانکہ رحم و کرم، خدا تعالےٰ
کی خالص رضاء اور خوشنودی کا ثمرہ ہے، اطاعت و عبادت کا لازم ثمرہ نہیں۔
اطاعت تو بندہ کا فرض منصبی ہے، وہ بندہ ادا کرتا ہے۔ رحم و فضل خدا
تعالیٰ اپنی خوشنودی کے تحت فرماتا ہے، کسی عمل کا لازمی نتیجہ نہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم
یہی ذہن بناتی ہے، اور شاہ صاحبؒ اسی ذہن کی آبیاری فرما رہے ہیں۔

لعل زجر و توبیخ کے لیے ایک مثال

سورۂ انبیاء میں خدا تعالیٰ نے ہلاک شدہ قوموں کے متعلق کہا کہ جب
ان پر عذاب نازل ہو گیا۔ اور ان کی بستیاں تباہ ہو گئیں تو تنبیہ اور تہدید کے
طور پر ان کو خطاب کیا گیا۔

لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ۔ (۱۷ کوع ۲)

ایڑ مت کرو۔ (بھاگو نہیں) اور پھر جاؤ جہاں تم کو عیش ملا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تم کو پوچھے۔

اے ظالمو! اب کہاں بھاگتے ہو، اپنی آرام دہ بستیوں اور سامان عیش
کی طرف لوٹ کر جاؤ، شاید وہاں اب بھی کوئی آدمی پوچھے کوئی منہ لگائے۔ کوئی

تمہاری حالت پر رحم کرے۔

یہ طنزیہ کلام ہے۔ یہاں "لعل" کا ترجمہ شاید سے بہتر دوسرا نہیں ہو سکتا"۔ "تاکہ اور "تا" لگا کر دیکھو۔ کلام کا سارا زور ختم ہو جائے گا۔

اب چند مختلف آیتوں میں حضرت شاہ صاحبؒ کی باریک بینی ملاحظہ کیجئے۔ فرعون نے کہا کہ مجھے ایک بلند محل تعمیر کر دو تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو اس پر چڑھ کر دیکھ سکوں۔

فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰى اِلٰهِ مُوْسٰى (القصص ۳۸)	بنا میرے واسطے ایک محل، شاید میں جھانک دیکھوں موسیٰ کا رب۔

شاہ رفیع الدینؒ "تو کہ" شاہ ولی اللہ "کہ من" مولانا تھانوی "تاکہ" ترجمہ فرما رہے ہیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ شاید لکھ رہے ہیں تعلیل، تاکہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کو یقین تھا کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں گا۔ لیکن شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یہ بتا رہا ہے کہ فرعون کو یقین نہ تھا۔ صرف عام لوگوں کو دکھانے اور دھوکہ دینے کے لیے وہ یہ ساری کارروائی کر رہا تھا۔

اور قرآن کریم کی دوسری آیت شاہ صاحبؒ کی تائید کر رہی ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا	ان کی زبانوں پر انکار تھا، ظلم و تکبیر کی وجہ سے اور ان کے دل تو یقین کر رہے تھے

یعنی فرعون کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی صداقت، خدا اور نبوت کا یقین موجود تھا لیکن ان لوگوں کی زبانیں انکار کر رہی تھیں۔

اوپر والی آیت میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے عام اسلوب کے مطابق اور شاہ ولی اللہؒ کی پیروی میں شاہ صاحب کے "شاید" کو "تاکہ" سے بدل دیا۔ اور ترجمہ

کے مفہوم میں جو نزاکت پوشیدہ تھی ...... وہ ختم ہوگئی۔

مولانا احمد رضا صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے الفاظ کو اس کی روح کے ساتھ نقل کر دیا۔ لکھا ..... ایک محل بنا کہ شاید میں موسیٰ کے رب کو جھانک آؤں۔

شاہ مصر کا ساقی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل خانہ گیا۔ اور بادشاہ کے خواب کی تعبیر دریافت کی تو کہا۔

لَّعَلِّیٓ اَرۡجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ (یوسف) کہ میں لے جاؤں لوگوں پاس شاید ان کو معلوم ہو۔

شاہ صاحبؒ نے پہلے لعل کو "تاکہ" کے معنی میں لیا اور دوسرے کو "شاید" کے معنی میں، یعنی تم خواب کی تعبیر بتا دو تاکہ میں وہ تعبیر لوگوں کے پاس لے کر جاؤں شاید وہ تمہاری قدر و منزلت کو پہچانیں۔ یعنی یہ بات یقینی نہیں کہ وہ غفلت شعار مصری جنہوں نے تم جیسے نیک آدمی کو جیل خانہ میں ڈالدیا۔ وہ اس تعبیر کو سن کر تمہارے مرتبہ کو جانیں، صرف امید کی جاسکتی ہے۔

شاہ صاحبؒ یہی بات کہنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ شاہ ولی اللہؒ اور شاہ رفیع الدینؒ اور مولانا تھانویؒ دوسرے لعلّ کا ترجمہ "تاکہ" اور "تو کہ" فرما رہے ہیں۔ اور اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں یہ تعبیر لوگوں کے پاس لے کر جاؤں گا تاکہ وہ یہ تعبیر جان لیں۔ مگر شاہ صاحبؒ کے جواب میں جو اشارہ ہے وہ بڑی لطافت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس جگہ شاہ صاحبؒ کے "شاید" کو قائم رکھا ہے۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنے تفسیری حاشیہ میں دونوں اشاروں

کو اس طرح بیان کیا ہے۔

لکھتے ہیں" یعنی خواب کی تعبیر اور اس کے ذریعہ سے آپ کی قدر و منزلت ہو" اس مقام پر مولانا احمد رضا خاں صاحب نے آیت کے مفہوم کی نزاکت کو ختم کر دیا اور اس طرح ترجمہ کیا۔ شاید میں لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں۔ شاید وہ آگاہ ہوں۔ مولانا نے دونوں فقروں میں" شاید" کا لفظ لکھ کر لطافت کو ختم کر دیا۔

کیا اس ساقی کو لوگوں کے پاس پہنچنے میں شک تھا؟

لیت حرف تمنی کا ترجمہ

تمنی کی مثال میں حسب ذیل آیات پر غور کرو۔

۱:۔ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا (نبا ۴۰) اور کہے منکر کسی طرح میں مٹی ہوتا۔ یعنی مٹی نہی رہتا۔ آدمی نہ بنتا۔ فوائد"

۲:۔ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوْتِيَ قَارُوْنُ (القصص ۷۹) اے کسی طرح ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے۔ قارون کو۔

اس لفظ کا ترجمہ فارسی اور اردو والے مترجم عام طور پر" کاش" کے لفظ سے کرتے ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ ہندی لفظوں میں (کسی طرح ایسا ہوتا ہے) کرتے ہیں۔ کہیں کہیں فارسی کا لفظ کاش بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ لفظ ۱۴ مقام پر آیا ہے۔ مگر کسی جگہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت نہیں ہے۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کی طرف سے اسے نقل کیا ہے۔

۱:۔ اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو بڑی مراد پاتا۔ (النساء)

مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے" کیا خوب ہوتا کہ میں بھی ان کا شریک حال ہوتا

۲:- کسی طرح ہم نے کہا مانا ہوتا- اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا۔(الاحزاب ۶۶)

۳:- يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا- (الفرقان ۲۸) اے خرابی میری! کہیں نہ پکڑی ہوتی میں نے فلانے کی دوستی۔

مولانا تھانویؒ ۔ کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔

مولانا احمد رضا خاں۔ "وائے خرابی میری، ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

اسم اشارہ کے ترجمہ میں بلاغت کی رعایت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسم اشارہ کے ترجمہ میں قرآنی بلاغت کی پوری پوری رعایت فرماتے ہیں۔

علماء معانی نے لکھا ہے کہ عربی زبان میں اشارہ قریب اور بعید کے لیے الگ الگ الفاظ وضع کیے گئے ہیں۔ مگر کبھی اہل زبان اشارہ بعید "ذالک" کو اشارہ قریب "ہذا" کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے اور اس سے موقع و محل کے لحاظ سے کلام میں بلاغت پیدا کی جاتی ہے۔

مثلاً جب کلام میں مشار الیہ کی عظمت شان کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو اس کے لیے اشارہ بعید ذالک لایا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ مشار الیہ قریب ہوتا ہے۔ عظمت رتبی کو بعد مکانی کا قائم مقام بنا دیا جاتا ہے۔ علماء معانی نے اس کی مثال دی ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں۔

ذالك ای هذا الکتاب الذی یقرأ محمد صلی اللہ علیہ و سلم - والاشارۃ للتعظیم (جلالین ص۴)

یعنی مشار الیہ وہ قرآن ہے جس کی تلاوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ سامنے موجود ہے ۔ مگر مشار الیہ (قرآن) کی عظمت کا اظہار کرنے کی غرض سے اشارہ بعید (ذالك) لایا گیا۔

تفسیر کا یہ راجح قول ہے ۔ ایک مرجوح قول یہ ہے کہ الکتاب سے مراد وہ کتاب جس کا تذکرہ توراۃ وانجیل میں، یا لوح محفوظ میں ہے ۔ اس لحاظ سے الکتاب قریب نہیں بعید ہے ..... لیکن اس قول کو حافظ ابن کثیرؒ نے مرجوح قرار دیا ہے۔
ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید ابن جبیرؒ، سدیؒ، مقاتلؒ وغیرہ تابعین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ذالك هذا کے معنی میں ہے ۔ عربی زبان میں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام اکثر آتے ہیں ۔ اس کے بعد اوپر والا قول نقل کیا ہے پھر اسے مرجوح قرار دیا ہے ۔ (ابن کثیر ج ۱ ص۳۵)

عام مترجمین نے اسی قول راجح پر ذالك کا ترجمہ هذا کیا ہے ۔ یعنی "وہ" کے بجائے "یہ" کیا ہے ۔ علمائے معانی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ کبھی اسم اشارہ صرف تنبیہ اور توجہ دلانے کے لیے لایا جاتا ہے ۔ اور اس سے قرب یا بعد کا اظہار مقصود نہیں ہوتا چاہیے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (البقرۃ ۱۶)

وہی ہیں جنہوں نے خریدی راہ کے بدلے گمراہی۔

اولئک اشارہ بعید سے سننے والوں کو مشار الیہ کی صفات کی طرف توجہ دلانی ہے تاکہ وہ غور کریں ۔ اور لاپرواہی کے ساتھ نہ سنیں۔

قرآنی بلاغت کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ جب مشارالیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے) نظر سے دور ہوتا ہے اور مشاہدہ میں نہیں ہوتا تو اس بعد نظری کی حیثیت دے کر اس کے لیے اشارہ بعید لایا جاتا ہے جیسے۔

ذَالِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (الکہف ۸۲) — یہ پھیر ہے ان چیزوں کا جن پر تو ٹھیر نہ سکا۔

یہ حضرت خضر علیہ السلام کا قول ہے۔ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا۔ یہ اس راز کی توجیہ و تشریح ہے جسے دیکھ کر اے موسیٰ تم سے صبر نہ ہو سکا۔ علم معانی میں قرب کی بھی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ کبھی قرب تعظیمی ہوتا ہے اور کبھی قرب تحقیری ہوتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ (بنی اسرائیل ۹) — یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ یعنی یہ قرآنی عظمت والا، یہ قرب تعظیمی ہے۔

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ — نہیں ہے یہ مگر تمہیں جیسا ایک انسان

مخالفین نے اللہ کے رسول کی معاذ اللہ تحقیر کرتے ہوئے یہ اشارہ کیا۔ یہ قرب تحقیری ہے۔

قرآن حکیم بلاغت کلام کے ان تمام پہلوؤں کی رعایت کرتا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ اپنے ترجمہ میں اس رعایت کا اظہار فرماتے ہیں۔ ان آیات میں ذالک بمعنی ہٰذا آیا ہے۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (۳۲) — اور کوئی ان میں ہے کہ آگے بڑھ گیا۔ لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے

بڑی بزرگی۔

سبقت بالخیرات مشار الیہ ہے جو قریب ہے مگر اس کے لیے ذالک اشارہ بعید لائے، صرف اس لیے کہ مشار الیہ آگے بڑھنا درجہ کے اعتبار سے اپنے اندر عظمت رکھتا ہے۔

شاہ صاحبؒ اور دوسرے مترجمین نے اسی لیے یہاں ذالک کو ہذا کے معنی میں کیا اور "یہ" ترجمہ کیا، کیونکہ عبارت میں مشار الیہ قریب ہے۔

الاحزاب میں دونوں مثالیں موجود ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (۱۹)	وہ لوگ یقین نہیں لائے۔ پھر اکارت کر ڈالے۔ اللہ نے ان کے کیے اور یہ ہے اللہ پر آسان۔

اولٰئک، اس آیت میں تنبیہہ و توجہ کے لیے لایا گیا ہے۔ تاکہ مخاطب بعد میں آنے والے اوصاف کو غور سے سنے

اس لیے جن مترجمین نے موقعہ و محل کے لحاظ سے اولئک کو تنبیہہ کے مفہوم میں لیا انہوں نے اس کا ترجمہ اشارہ بعید "وہ" ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ عبارت میں مشار الیہ قریب ہے اور جنہوں نے مشار الیہ قریب کو سامنے رکھا۔ انہوں نے اس کو اشارہ قریب کے معنی میں لے کر "یہ" ترجمہ کیا۔

چنانچہ، "شیخ شریفؒ" "آن گروہ" "شاہ ولی اللہؒ" "این جماعۃ" "شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ" "یہ لوگ" "شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ" "وہ لوگ" "مولانا تھانویؒ" "یہ لوگ" ترجمہ کر رہے ہیں۔

اگلے جملہ میں ذالک بعید کا ترجمہ تمام حضرات، ہذا کے معنی میں "یہ" کر رہے ہیں

این بر خدا...... این کار بر خدا...... اور ہے اوپر اللہ کے ...... اور یہ ہے۔ اللہ پر...... اور یہ بات اللہ کے نزدیک ...... یہاں اشارہ بعید صرف مشار الیہ کی عظمت کے اظہار کے طور پر آیا ہے۔ ورنہ مشار الیہ (حبط اعمال) عبارت میں قریب موجود ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے اعمال کو برباد کرنا، یہ بڑا اور اہم کام اللہ کے نزدیک آسان ہے۔ تنبیہہ کے موقعہ کی ایک مثال یہ ہے۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔ (النحل ۱۰۵)	جھوٹ بناتے وہ ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

اولٰئک، اشارہ بعید اس جگہ تنبیہہ مخاطب کے لیے لایا گیا ہے۔ ورنہ عبارت میں مشار الیہ قریب ہے۔ اس لیے شاہ صاحب اشارہ بعید کا لفظ "وہی لوگ" لائے ہیں۔ شاہ رفیع الدینؒ اور مولانا تھانویؒ نے "یہ لوگ" لکھا ہے۔ ان حضرات نے مشار الیہ بعید کی مثال جیسے۔

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ (هود ۱۰۳)	وہ دن ہے جس میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ دن ہے دیکھنے کا۔

یوم آخرت دور ہے اس لیے ذالک اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوگا۔ شاہ صاحبؒ نے یہی کہا ہے۔ لیکن سورۂ معارج میں ذالک یوم آخرت کے لیے آیا ہے اور شاہ صاحبؒ اس کا ترجمہ "یہ" فرما رہے ہیں:

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ (۴۴)	یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ ہے۔

چونکہ آخرت کے دن خدا تعالیٰ یہ قول ارشاد فرمائے گا اس لیے اسے "یہ دن" کہا جائے گا جو لوگوں کے سامنے موجود ہوگا۔

مولانا تھانویؒ کا ترجمہ یہ ہے ...... یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (جواب واقع ہوا۔)

المومن میں تنبیہی اشارہ کی ایک مثال یہ ہے۔

فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ سو وہ لوگ جاویں گے بہشت میں۔
فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (۴۰) روزی پاویں گے وہاں بے شمار۔

عبارت میں مشار الیہ اوپر مذکور ہے جو قریب ہے۔ مگر یہاں مخاطب کو اہل ایمان کے حسن انجام پر متوجہ کرنا ہے اس لیے اشارہ بعید لایا گیا اور شاہ صاحبؒ نے بلاغت کے اس اسلوب کی رعایت کر کے "وہ لوگ" ترجمہ کیا۔

شاہ صاحبؒ کے ترجمہ پر اعتراض!

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ قرآن "کنز الایمان" کے محاسن پر پاکستان میں "محاسنِ کنز الایمان" کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف نے مولانا بریلوی کے ترجمہ کو برتری ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ذالک" اشارہ قریب نہیں۔ بعید کا ہے، مگر افسوس ہے مترجمین اس کا ترجمہ "یہ" کرتے ہیں۔ (ص۲۹)

پھر مولانا بریلوی کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

وہ بلند مرتبہ قرآن کوئی شک کی جگہ نہیں۔

شاہ صاحبؒ اور جمہور نے ذالک کا ترجمہ ہٰذا کے معنی میں "یہ" کیوں کیا ہے؟
اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔ معترض کو کلام عربی کی بلاغت و فصاحت کے اسلوب

کا علم نہیں ورنہ وہ کبھی یہ اعتراض نہ کرتے۔

بریلوی صاحب کا ترجمہ اچھا ہے۔ مگر قرآنی بلاغت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ مولانا نے "بلند مرتبہ" لکھ کر اشارہ بعید کے لانے کا مقصد ظاہر کر دیا اور پھر بھی اس کا ترجمہ "وہ" کیا۔ فارسی والوں میں شیخ شریف جرجانی نے مشار الیہ (قرآن) کی عظمت کا لفظوں میں اظہار کیا۔ مگر ذالک کو ہذا کے معنی میں لیا ...... یعنی ایں کتابیست روشن۔

اس میں اقتضائے بلاغت کی پوری رعایت موجود ہے۔

پھر بریلوی ترجمہ میں "فیہ" کا ترجمہ نہیں ہے۔ یہ ترجمہ کا نقص ہے۔

فاران[1] کراچی کے مبصر نے اپنے تبصرہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے ترجمہ کی برتری ثابت کرتے ہوئے لکھا۔

مولانا مودودی کا ترجمہ ...... یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں یہ ترجمہ دونوں معنوی پہلوؤں پر محیط ہے۔ یہ کہ اس کتاب کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

فاران کے مبصر صاحب نے غور نہیں کیا۔ یہ دونوں معنوی پہلو شاہ صاحب کے ترجمہ میں بھی موجود ہیں۔ صرف مودودی صاحب ہی کا ترجمہ یہ جامعیت نہیں رکھتا۔ اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔ یعنی اس کتاب میں بحیثیت کتاب الٰہی ہونے کے بھی کچھ شک نہیں۔ کیونکہ اس کی تمام باتیں حقائق و صداقت پر مبنی ہے۔

---

[1] فاران کراچی ماہ مارچ ۱۹۷۶ء

ایجاز و اختصار کی رعایت شاہ صاحبؒ کے ہاں

مختصر سے مختصر لفظوں اور چھوٹی سے چھوٹی عبارت میں بڑی سے بڑی بات کہنا۔ ایجاز کہلاتا ہے۔

شاہ صاحبؒ اپنے ترجمہ میں بھی کلام الٰہی کی بلاغت کا یہ رنگ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اختصار باقی رکھنے کے باوجود کلامِ الٰہی کی مراد صاف صاف بیان کر دیتے ہیں۔

علمائے معانی نے کلام کی تین قسمیں کی ہیں۔ ایجاز۔ مساوات۔ اطناب۔

۱۔ کم لفظوں میں زیادہ معانی بیان کیے جائیں۔ یہ ایجاز ہے۔

۲۔ جتنے معانی ہوں اتنے ہی الفاظ ہوں۔ یہ مساوات ہے۔

۳۔ معانی کے مقابلہ میں الفاظ زیادہ ہوں۔ یہ اطناب ہے۔

قرآن کریم میں کلام کی یہ تینوں قسمیں موجود ہیں اور جس مقام پر قرآن نے کلام کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ موقع محل کی نزاکت و ضرورت کے لحاظ سے اپنے اندر حسنِ بلاغت رکھتا ہے۔ لیکن جہاں تک قرآنِ حکیم کے ترجمہ کا تعلق ہے۔ اس میں قرآنی ایجاز کا لحاظ رکھنا بڑا مشکل کام ہے اور یہ مشکل کام صرف شاہ صاحبؒ کے ہاں آسان نظر آتا ہے۔

قرآن کریم جو بات مساوات یا اطناب کے انداز میں بیان کرتا ہے۔ عجمی زبان کے مترجموں کے لیے وہاں ادائے مطلب میں آسانی ہوتی ہے اور جہاں قرآن اپنی شان ایجاز دکھاتا ہے وہاں مترجموں کو بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے لفظی ترجمہ کے نقص پر روشنی ڈالتے

ہوئے لکھا ہے :۔

"پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمہ پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانی عبارت، زور بیان، بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے۔ قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی روح وجد میں آتی ہے۔ نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں"...... آگے لکھتے ہیں۔

رہی ادب کی وہ تیز و تند اسپرٹ جو قرآن کی اصلی عبارت میں بھری ہوئی ہے اس کا کوئی حصہ ترجمے میں شامل نہیں ہونے پاتا۔ (مقدمہ تفہیم ص۷)

اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مودودی صاحب نے ترجمہ کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس میں قرآن کی عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم موصوف کی سمجھ میں آتا ہے اسے وہ اپنی زبان میں منتقل کر دیتے ہیں اور اسے عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں قرار دیتے ہیں۔ ص۱۰

اصولی طور پر قرآن کریم کا ہر طالب علم اور قرآن کریم کی مختلف لسانی ادبی اور دستوری خصوصیات پر نظر رکھنے والا انسان متذکرہ بالا خیالات سے اتفاق کرے گا لیکن اسی کے ساتھ اس بات کا بھی اعتراف کرے گا کہ شاہ صاحبؒ کا بامحاورہ اردو ترجمہ بڑی حد تک لفظی ترجموں کی اس کمی سے پاک ہے۔ اور موجودہ اردو تراجم میں قدیم اردو زبان رکھتے ہوئے یہ ترجمہ اپنے اندر خصوصیت کے ساتھ قرآنی ایجاز کی شان رکھتا ہے۔

علمائے معانی نے ایجاز کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

ایک ایجاز اعلیٰ :۔

وہ ایجاز جس میں عبارت کے اندر کوئی لفظ یا حرف حذف نہ کیا گیا

ہو اور وہ کلام فی نفسہ نہایت مختصر ہو اور اس مختصر کلام کے معنی بہت وسیع ہوں اس کی مثال یہ ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (۱۷۹) اور تم کو قصاص میں زندگی ہے۔

اصل کلام میں جو ایجاز ہے وہی ترجمہ کے اندر بھی قائم ہے۔ لفظ قصاص کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے اوپر والی آیت میں اس کا ترجمہ فرما چکے ہیں۔ یہاں اس اصطلاحی لفظ کو باقی رکھا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (البقرہ) حکم ہوا تم پر بدلا برابر۔

بعض مترجموں نے قصاص سے مراد قانون قصاص لیا ہے اور ایک لفظ محذوف مانا گیا ہے۔

اے ایمان والو! تم پر قانون قصاص فرض کیا جاتا ہے، الخ .... اور اے لوگو! اس قانون قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ (تھانوی صاحبؒ)

شاہ صاحبؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ فی نفسہ قانون قصاص بھی بہت بڑی چیز ہے۔ لیکن اصل زندگی اس پر عمل کرنے میں ہے، اچھے سے اچھا قانون عمل میں نہ آئے۔ اس سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ فوائد میں لکھتے ہیں۔

حاکموں کو چاہیئے کہ قصاص دلانے میں قصور نہ کریں۔ تاکہ آئندہ خون بند ہو۔

اس حکمت کے علاوہ ایک لفظ محذوف ماننے سے اس بلیغ فقرہ کی شانِ ایجاز میں فرق پڑ جائے گا۔ ..... علماء معانی نے لکھا ہے کہ فصحائے عرب کے ہاں پہلے یہ فقرہ مشہور تھا۔

قَتْلُ الْبَعْضِ اَحْيَاءٌ لِلْجَمْعِ بعض کا قتل کرنا سب کی زندگی ہے۔

پھر اس کے بعد ایک دوسرا فقرہ وضع کیا گیا جو اس سے زیادہ فصیح و

بلیغ ہے۔

اَکْثِرُوا الْقَتْلَ لِیَقِلَّ الْقَتْلُ　　　قتل زیادہ کرو۔ تاکہ قتل کم ہو جائے۔

لیکن فصحائے قریش نے پھر اس سے بھی زیادہ فصیح ایک فقرہ وضع کیا۔

اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ　　　قتل کو سب سے زیادہ روکنے والی چیز قتل ہے۔

بلاشبہ یہ فقرہ پہلے تمام فقروں سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ لیکن ان سب میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ القتل میں حق و ناحق دونوں قسم کا قتل داخل رہتا ہے حالانکہ اصلی مراد وہ قتل ہے جو خونِ ناحق کے بدلہ میں سزائے موت کے طور پر دیا جاتا ہے۔

فصحائے عرب میں یہ بحث چل رہی تھی اور کوشش کے باوجود آخری فقرہ سے زیادہ بلیغ فقرہ ایجاد نہ ہو سکا تھا۔ کہ قرآن کریم نازل ہونا شروع ہو گیا اور اس میں یہ فقرہ نازل ہوا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

اس ایک مختصر جامع اور بلاغت و فصاحت کی تمام ظاہری اور معنوی، خوبیوں سے آراستہ فقرہ نے تمام فصحاءِ عرب کو حیرت میں ڈال دیا۔ اہل کمال نے ہتھیار ڈال دیئے اور ایمان دار مخالفین نے تسلیم کر لیا کہ قرآن کی بلاغت ہماری طاقت سے باہر ہے۔

۱:۔　وَلَكُمْ ...... اور تمہارے لیے جار مجرور کو مقدم کیا۔ اس میں خطاب ہے۔ عموم کے ساتھ تمام نوعِ انسانی مخاطب ہے۔ خطاب سے اہمیت پیدا ہو گئی ہے۔

پھر یہ اشارہ ہو گیا کہ اس حکم میں حاکم مطلق خدا کا کوئی فائدہ نہیں۔ خود لوگوں کا تمدنی اور سماجی فائدہ ہے۔

۲:۔ فی القصاص ..... کو مقدم کیا۔ تاکید کلام کے لیے، یعنی انسانی زندگی صرف قصاص ہی کی بدولت قائم رہے گی۔ ورنہ خونریزی کی وباء، سماج کا سارا نظام درہم برہم کر دے گی۔

۳:۔ قصاص کے معنی خونِ ناحق کا بدلہ لینا ہے۔ یہ مفہوم قتل کے لفظ میں موجود نہیں۔

پھر قصاص میں وسعت ہے۔ ناک کا بدلہ ناک سے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ سے بھی اس میں داخل ہے۔

بہر حال اس قرآنی فقرہ میں ایک ایک لفظ فصیح ہے، پورا کلام بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ بدیع کی تمام صنعتیں اس میں موجود ہیں۔ شوکتِ بیان اور معنوی جامعیت میں اس کی عظمت کا کوئی جواب نہیں۔

قانونِ فوجداری کی اہمیت بیان کرنے والی بڑی بڑی عبارتوں کے مقابلے میں یہ قانونی فقرہ، مختصر اور چھوٹا سا، اپنا جواب نہیں رکھتا۔

ایجاز کی دوسری قسم "ایجاز حذف" ہے اس میں کوئی لفظ یا حرف عبارت سے محذوف ہوتا ہے اور کلام کے مدعی اور مقصد میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں اس کی مثالیں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ (آل عمران ۳) میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے۔

یہاں فَاِنِ اتَّبِعُوْنِیْ کا جملہ شرط محذوف ہے۔ یعنی اگر تم میری راہ چلو گے تو اللہ تمہیں چاہے گا۔ جواب شرط۔ قرینہ بن رہا ہے۔ اس لیے اس جملہ کے حذف

کرنے سے کلام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ (الحج ۷۸) اور محنت کرو اللہ کے واسطے۔

شاہ صاحبؒ نے "فی" کو "ل" کے معنی میں لے کر حذف سے آیت کو بچا لیا۔

دوسرے حضرات نے "سبیل" کا لفظ محذوف مانا۔ یعنی خدا کی راہ میں جہاد کرو۔

البقرہ کے آخر میں قرآنی ایجاز کا ایک بہترین نمونہ یہ آیت ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲۸۶) اسی کو ملتا ہے جو کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو کیا۔

مولانا تھانویؒ کا ترجمہ یہ ہے۔

اس کو ثواب بھی اس کا ملے گا اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ کرے

شیخ الہندؒ نے صرف فعل کَسَبَتْ کی ضمیر ظاہر کر کے ترجمہ کو ذرا واضح کر دیا۔

اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔

شاہ صاحبؒ نے ایجاز کی خاطر فعل کی ضمیر کو ظاہر نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود

شاہ صاحبؒ کا ترجمہ نہایت چست اور صاف و دلنشین ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ میں طوالت آگئی مگر پھر بھی بلاغت کا

حسن پیدا نہ ہو سکا۔ "اس کا فائدہ ہے۔ جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی

مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ نے ترجمہ کو طویل ضرور کیا۔ مگر اس کے اندر

روانی اور شستگی پیدا کر دی۔ "اس کی کمائی کا نفع بھی اسی کے لیے ہے اور اس کے کیے

کا وبال بھی اسی پر ہے۔"

ڈپٹی صاحب کا ترجمہ یہ ہے

جس نے اچھے کام کیے تو ان کا نفع بھی اسی کے لیے ہے اور جس نے

برے کام کیے ان کا وبال بھی اسی پر ہے"

مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا ترجمہ یہ ہے "نیکی کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا اور برائی کی زد بھی اسی پر پڑے گی"

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب کا آزاد ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمانی کے الفاظ یہ ہیں:

ہر جان کے لیے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہے۔ جو کچھ اسے پانا ہے، وہ بھی اس کی کمائی ہے اور جس کے لیے اسے جوابدہ ہونا ہے۔ وہ بھی اس کی کمائی ہے

ان تمام ترجموں اور ترجمانیوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجیے کہ شاہ صاحب نے قرآنی بلاغت کی بھرپور رعایت کرتے ہوئے آیت کا مفہوم کتنی خوبی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔

البقرہ نمبر ۱۴۱ کی آیت بھی اسی کی کے ساتھ دیکھو:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ۔ وہ ایک جماعت تھی گزر گئی ان کا ہے جو کما گئے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ۔

آیت نمبر ۱۳۴ میں پہلے جملہ کا ترجمہ کچھ بدل دیا اور لکھا۔ ان کا ہوا جو کمایا۔

عربی میں "ل" اور "علیٰ" دونوں حرف جار ہیں۔ ل نفع کے موقعہ پر اور علیٰ نقصان کے موقعہ پر لایا جاتا ہے۔ انہی دو حرفوں سے قرآن نے نفع و نقصان اور برائی اور بھلائی کا مفہوم پیدا کیا اور شاہ صاحب نے اس کے ترجمہ میں اپنی زبان دانی کا کمال دکھایا کہ ملتا ہے اور پڑتا ہے۔ دو لفظوں سے قرآن کا مفہوم واضح کر دیا۔

نہ کوئی لفظ محذوف مانا اور نہ کوئی اضافہ کیا۔

آلِ عمران میں آیت نمبر (۶۸) کا ترجمہ شاہ صاحبؒ کے ہاں کس قدر ایجاز اور جامعیت رکھتا ہے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ	لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے
اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ	ان کو تھی جو ساتھ تھے اس کے اور اس
اٰمَنُوْا، وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ	نبی کو اور ایمان والوں کو اور اللہ والی
	ہے مسلمانوں کا۔

پہلے جملہ کا ترجمہ کتنا سلیس اور سہل ہے اس کے مقابلے میں ڈپٹی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"ابراہیم کے ساتھ خصوصیت کے بڑے حقدار تو وہ لوگ تھے۔ الخ"

مولانا مودودی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حق دار وہ تھے۔ الخ"

یہ اپنے دور کے بڑے فصیح تراجم کہلاتے ہیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ کے پرانے ترجمہ کی سادگی، فصاحت اور جامعیت میں اس وقت تک کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔

البقرہ میں قرآن کریم کا یہ فقرہ کتنا جامع ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ	اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان پر
بِالْمَعْرُوْفِ (۲۲۸)	حق ہے موافق دستور کے۔

متنِ قرآن میں جو ایجاز موجود ہے وہی ترجمہ کے اندر نظر آرہا ہے اور مفہوم قرآن واضح ہے۔

اب اس دور کی جدید اردو کے ترجمے ملاحظہ ہوں۔

۱:۔ عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ (مودودی صاحب)

۲:۔ اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق۔ (بریلوی)

۳:۔ عورتوں کے لیے بھی اس طرح کے حقوق مردوں پر ہیں جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ (مولانا آزادؒ)

ایجاز حذف کی پہلی مثال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ...... اس کا ترجمہ فارسی والوں نے خوب کیا۔ یعنی۔ بنام خدائے بخشائندہ مہربان۔ اصل کلام میں فعل محذوف ہے۔ ترجمہ کے اندر بھی محذوف ہے۔ اردو والے فعل محذوف کو ظاہر کرتے ہیں۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (شاہ صاحبؒ)

قرآن نے فعل (متعلق بہ) کو حذف کر کے کلام میں عمومیت اور وسعت پیدا کی ہے۔ یہی ایجاز کا ایک بڑا مقصد ہوتا ہے

شروع کرتا ہوں۔ کھاتا ہوں۔ پیتا ہوں۔ لکھتا ہوں (وغیرہ) اللہ کے نام سے ہر فعل اس میں داخل ہوسکتا ہے۔

پھر شروع کرتا ہوں میں شروع کرتا ہے وہ، یا شروع کرتے ہو تم متکلم۔ مخاطب۔ غائب اور حاضر سب کے لیے یہ جملہ لایا جاسکتا ہے۔

جس کلام میں ایجاز ہوتا ہے اس کا یاد رکھنا آسان ہوتا ہے اور اس میں فہم وادراک کے لیے ایک خاص قسم کی کشش ہوتی ہے۔

الزخرف کی پہلی آیت ہے۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ...... قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے
قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ، رب یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے۔

یہ ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس آیت میں ایجاز قرآنی کا کمال نظر آرہا ہے۔ وَقِيْلِهٖ ایک لفظ ہے۔ بہت مختصر۔ مگر ترکیب نحوی کے لحاظ سے اس میں کئی پہلو ہیں۔ مفسرین نے آٹھ دس نحوی ترکیبیں بیان کی ہیں۔ (دیکھو حاشیہ جلالین صفحہ ۴۱۰)

مترجمین میں شیخ شریفؒ لکھتے ہیں۔

مے داند خدا قول پیغمبر را، خدا تعالیٰ اپنے رسول کے اس قول کو جانتا ہے کہ یہ لوگ الخ۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں .... و بسا .... دعائے پیغمبر کہ اے پروردگار۔

اسی کو شاہ رفیع الدینؒ نے اختیار کیا۔ اور بہت کہا کرتے تھے۔ پیغمبر کہ اے میرے رب تحقیق یہ قوم ہیں

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں .... اور اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ"

حضرت شاہ صاحبؒ نے "واؤ" کو قسم کے لیے لیا ہے اور بغیر کسی فعل یا اسم کو محذوف مانے آیت پاک کا نہایت عمدہ مفہوم بیان کر دیا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب اکثر جگہ یوں تو شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کا نام لیئے بغیر ان کا مفہوم اختیار کرتے ہیں۔ مگر اس موقعہ پر ان کا قلم شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی تحسین

وتعریف کے اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے۔

لکھتے ہیں ...... یہ قرآن مجید کی نہایت مشکل آیات میں سے ہے جس میں نحو کا یہ پیچیدہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وَقِیْلِہٖ میں واؤ کیا ہے؟ اور اس لفظ کا تعلق اوپر کے سلسلہ کلام میں کس چیز کے ساتھ ہے؟ مفسرین نے اس پر بہت کلام کیا ہے۔ مگر کوئی تشفی بخش بات مجھے ان کے ہاں نہیں ملی۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح بات یہی ہے۔ جو شاہ عبدالقادر صاحب کے

یعنی اس میں واؤ عطف کا نہیں بلکہ قسمیہ ہے اور اس کا تعلق فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ سے ہے اور قیلہٖ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ جس پر یَا رَبِّ اِنَّ الخ کا فقرہ صریح دلالت کر رہا ہے (تفہیم ج ۴ ص ۵۴۴)

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ آیت کے دونوں معنوی پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یعنی نبی کا یہ کہنا بھی اللہ کو معلوم ہے اور اس کی اس مخلصانہ التجاء اور درد بھری آواز کی اللہ کی قسم کھاتا ہے کہ وہ اس کی ضرور مدد کرے گا اور اپنی رحمت سے اس کو غالب و منصور کرے گا۔ (حمائل ص ۶۴۳)

مطلب یہ کہ قرآن کریم جس ایجاز و اختصار کے ساتھ بات کہہ رہا ہے۔ اسی ایجاز کے ساتھ شاہ صاحبؒ اس کا ترجمہ فرما رہے ہیں۔

کمال ایجاز کی ایک آیت

سورۂ ہود کی حسب ذیل آیات کو قرآنی ایجاز کا درجہ کمال حاصل ہے قوم نوح کے طوفان اور اس کی ہلاکت کے بارے میں فرمایا۔

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۴۴)

اور حکم آیا! اے زمین! نگل جا پانی اپنا اور اے آسمان تھم جا، اور سکھا دیا پانی اور ہو چکا کام، اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔ اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف۔

یہ کل ۱۶ لفظ ہیں۔ جن میں طوفانِ نوح کی پوری داستان بیان کر دی گئی ہے علمائے معانی نے لکھا ہے۔ کہ اس آیت میں بلاغت اور بدیع کے ۱۵۰ لفظی اور معنوی محاسن پوشیدہ ہیں۔

علم معانی کے مشہور امام علامہ ابو یعقوب یوسف سکاکی نے مفتاح العلوم مصری ص۱۷۶ تا ص۱۷۸ میں اس آیت پاک کے معارف و محاسن پر ایک مفصل تقریر کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ قِيْلَ۔ اس میں مجاز ہے اور مراد مشیت الٰہی ہے جو اس قول کا سبب ہے۔

۲۔ زمین و آسمان سے خطاب بطور استعارہ ہے۔ اس میں جمادات، کو ارباب عقول سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۳۔ اِبْلَعِيْ..... نگل جا..... میں استعارہ بالکنایہ ہے۔ پانی کو غذاء سے تشبیہ دے کر بَلَعَ نگل جانے کا لفظ استعمال کیا گیا۔ مراد ہے جذب کرنا۔ پانی کا انسانوں، حیوانوں اور درختوں اور کھیتوں کے لیے غذا اور قوت ہونا ظاہر ہے۔

۴۔ مَآءَكِ..... میں اضافت بطورِ مجاز ہے زمین کو مالک سے تشبیہ

دی گئی ہے۔ مراد ہے وہ پانی جو زمین کی سطح پر ہے۔

۵:۔ مجہول کے صیغے استعمال کیے گیے۔ کون حکم دینے والا ہے۔

۔کون پانی خشک کرنے والا اور کام تمام کرنے والا ہے۔؟

اس کا نام نہیں لیا گیا، اس میں کنایہ ہے کہ وہ ذات بالاتر ایک ہی ہو سکتی ہے۔ کوئی نام لے یا نہ لے اتنے عظیم کاموں کو انجام دینے والی ذات خداوند عالم کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔

۶:۔ حروف ندا میں "یا" استعمال کی گئی جو منادیٰ بعید کے لیے لائی جاتی ہے۔ حالانکہ زمین و آسمان خدا کے سامنے حاضر ہیں۔

اس میں منادیٰ کی پستی اور لاچارگی اور ندا دینے والے (منادیٰ) کی عظمت اور قہاری کا اظہار مقصود ہے۔

۷:۔ اِبْلَعِیْ کا مفعول مَاءَکِ ..... ظاہر کر دیا، ورنہ زمین پر جو کچھ ہے۔ پہاڑ درخت اور دریا، تمام شامل ہو جاتے اور زمین سب کو اپنے اندر جذب کر لیتی۔

۸:۔ وَاسْتَوَتْ ..... معروف کا صیغہ لایا گیا۔ کیوں کہ اوپر کشتی کا ذکر موجود ہے۔ جو فاعل ہے۔ پھر صیغہ مجہول لاکر کلام کی لطافت کو کیوں کم کیا جاتا۔

۹:۔ بُعْدًا نکرہ ہے اور یہ تنکیر عظمت کی ہے۔ یعنی بہت بڑی دوری، اور لعنت۔

۱۰:۔ لِلْقَوْمِ ..... میں لام جار، لام استحقاق و ملکیت کا ہے۔ یعنی یہ قوم اس لعنت کی مستحق ہو چکی تھی۔

۱۱:۔ منادیٰ (ارض و سماء) کی امر پر تقدیم اس لیے ہے کہ منادی اور مامور متنبہ ہو جائیں اور اس امر کی اہمیت ان کے ذہن میں جاگزین ہو جائے۔

۱۲۔ زمین کو آسمان سے مقدم کیا۔ کیونکہ طوفانِ نوح زمین ہی سے شروع ہوا تھا۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ ... تنور سے پانی ابلا ..... کہا گیا ہے۔

۱۳۔ بلاغت کے تمام محاسن کے علاوہ اس آیت کے ایک ایک لفظ میں لفظی اور معنوی فصاحت موجود ہے۔ ہر لفظ سہل ہے۔ ہر لفظ کے معنی واضح ہیں۔ مثلاً اِسْتَوَتْ لایا گیا۔ حالانکہ اِسْتَقَرَّتْ بھی بولا جا سکتا تھا۔ مگر اِسْتَوَتْ برابر لگ گئی، کا فعل لایا گیا۔ کیونکہ یہ لفظ معنی مقصود سے زیادہ قریب ہے۔ اسی لحاظ سے اس فقرہ کا جو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے کیا ہے۔ وہ زیادہ قریب الفہم ہے۔ یعنی ... "اور لگی وہ کشتی اوپر پہاڑ کے" .... حالانکہ تمام مترجمین۔ قرار گرفت اور ٹھہری، آٹھہری کے الفاظ لکھ رہے ہیں۔ صورت واقعہ بھی یہی ہو سکتی تھی کہ کشتی نوح جودی پہاڑ کے برابر لگ گئی ہوگی تاکہ لوگ آسانی سے اتر جائیں جس طرح کشتیاں ساحل کے پلیٹ فارم کے برابر لگا دی جاتی ہیں۔

اس آیت میں بلاغت، بدیع اور فصاحت کے جو چند پہلو تھے انہیں اوپر بیان کر دیا گیا ہے ورنہ علامہ سکاکی نے تین صفحات پر اس آیت کے محاسن و معارف کی تشریح بیان کی ہے۔

آیت مذکورہ میں فصاحت اور بلاغت کے جو پہلو پوشیدہ ہیں انہیں سامنے رکھ کر دیکھو کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ میں ان تمام پہلوؤں کی کس قدر رعایت کی ہے۔

ایجاز مخل .... ایجاز مخل وہ ہے جس سے کلام میں خلل واقع ہو جائے۔ بلا ضرورت عبارت میں کوئی لفظ یا جملہ گرا دیا جائے اور اس حذف کی وجہ سے عبارت بگڑ جائے۔

قرآن کریم میں اس کی ایک ادنیٰ مثال بھی موجود نہیں ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا الخ (البقرہ ۲۲۴) اور نہ ٹھہراؤ اللہ کو ہتھکنڈا اپنی قسمیں کھانے کا کہ سلوک نہ کرو۔ الخ۔

فائدہ میں لکھتے ہیں۔ یعنی خدا کی قسم اچھا کام چھوڑنے پر نہ کھائے مثلاً ماں باپ سے نہ بولوں گا۔ یا اس فقیر کو نہ دوں گا۔ اور اگر کھا بیٹھے تو قسم توڑے اور کفارہ دے

عربی لغت میں عُرْضَةٌ بروزن فُعْلَةٌ بمعنی معروضہ ہے۔ عَرَضَ يَعْرِضُ پیش آنا، واقع ہونا ظاہر کرنا کے معنی میں آتا ہے۔ اسی سے عُرْضَةٌ ہے جس کے کئی معنی آتے ہیں۔ نشانہ کا ہدف، قوت، ہمت، کشتی کا داؤ پیچ۔ (تسہیل العربیہ ص۴۹۹)

مختلف حضرات کے تراجم اس طرح ہیں۔

۱:۔ ونگردانید نام خدارا بہانہ برائے سوگندان خود۔ (شیخ شریفؒ)

۲:۔ ونکنید نام خدارا دستمال برائے الخ

۳:۔ اور مت کرو اللہ کو نشانہ

۴:۔ اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ۔ (تھانوی صاحبؒ)

۵:۔ اور اپنی قسموں (کے حیلے) سے خدا کو (یعنی) اس کے نام کو لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے اور پرہیزگاری رکھنے اور لوگوں میں ملاپ کرانے کا مانع اور مزاحم نہ ٹھیراؤ۔ (ڈپٹی صاحب)

۶:۔ اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنالو (بریلوی صاحب)

۷:۔ اور اپنی قسموں کے ذریعے اللہ کو آڑ نہ بناؤ (مولانا احمد سعیدؒ)

۸:۔ اللہ کے نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لیے استعمال نہ کرو جن سے مقصود

نیکی اور تقویٰ اور بندگانِ خدا کی بھلائی کے کاموں سے باز رہنا ہو۔ مودودی صاحب

۹:۔ اور لوگو! نہ بنالو اللہ کو مانع اپنی قسموں کے سبب (مولانا عاشق الٰہی)

۱۰:۔ اور ایسا نہ کرو کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے ...... کے خلاف قسمیں کھا کر اللہ کے نام کو نیکی سے بچ نکلنے کا بہانہ بناؤ۔ (مولانا آزادؒ)

۱۱:۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس آیت میں شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کو بالکل بدل دیا ہے۔

اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لیے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ۔

یہ گیارہ ترجمے آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں بعض ترجمے ترجمانی اور تشریح کے دائرہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور اتنی طوالت کے بعد بھی ایک عام قاری کا ذہن الجھتا ہے بعض ترجمے مختصر ضرور ہیں مگر ان کا مطلب تشریح کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے عرضۃ کے معنی ہتھکنڈا، داؤ اور چال کیے اور لائے نہی کو "تبروا" سے پہلے مقدر مانا اور آیت کے مفہوم کو اختصار اور ایجاز کے اندر رکھتے ہوئے قریب الفہم کر دیا۔

اکثر مفسرین لائے نہی کو مقدر نہیں مانتے۔ اور تقدیر "لا" کی تاویل سے اپنی تاویل کو احسن و اجود قرار دیتے ہیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ نے بعض مفسرین ہی کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ بعض کا قول زیادہ احسن و اجود ہے (حاشیہ جلالین ص۳۲)

❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖

اطناب و مساوات کی مثالیں

علم معانی میں اطناب کا مطلب یہ ہے کہ متکلم اپنی گفتگو میں مختصر مطلب کے لیے طویل عبارت اختیار کرے

اس طوالت کلام میں اگر اقتضائے حال کی رعایت ہے۔ مثلاً مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور اس کی رحمت کو مائل کرنا مقصود ہے تو وہ طوالت اور اطناب مستحسن ہے۔ اس سے کلام، بلاغت کے معیار سے نہیں گرتا۔

ہاں اگر متکلم بے فائدہ اپنی بات کو لمبا کر رہا ہے تو وہ عوامی کلام کہلائے گا اس کی بلاغت ختم ہو جائے گی۔

مساوات کا مطلب یہ ہے کہ مقصود مدعیٰ جتنا ہو اس کے برابر ہی عبارت ہو، نہ کم نہ زیادہ۔

اطناب کی بہترین مثال

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا فرمائی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا (مریم،۴)

اے رب میرے! بوڑھی ہو گئیں ہڈیاں میری اور ڈیک نکلی سر سے بوڑھاپے کی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو صرف اتنی بات اپنے خدا سے کہنی ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اس بات کو کتنا لمبا کر کے پیش کیا ہے۔ صرف اس غرض سے کہ

خدا تعالیٰ کو ان پر ترس آجائے اور وہ رحم کھا کر اولاد عطا فرمادے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے پوچھا

مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى — موسیٰ! تیرے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى — بولا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر ٹیکتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں۔ اس سے اپنی بکریوں پر، اور میرے اس میں کتنے کام ہیں اور،

حضرت موسیٰؑ نے اپنے جواب کو سوال سے زیادہ لمبا کر دیا۔ مگر یہ اقتضائے حال کے مطابق تھا۔ بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہو رہا تھا اس کے اندر شوق ہونا چاہیئے تھا کہ یہ ہم کلامی دراز تر ہو جائے۔ اگر یہاں اختصار ہوتا تو یہ کلام بلاغت سے خالی ہو جاتا۔

تکرار کلام ...... عبارت میں تکرار سے اطناب پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے تاکید مقصود ہوتی ہے۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ، ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ — کوئی نہیں۔ آگے جان لوگے۔ پھر بھی کوئی نہیں، آگے جان لوگے۔

یہاں تاکید سے ترہیب (ڈرانا) پیدا ہوئی ہے۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ — بعض تمہاری جوروں اور اولاد دشمن ہیں تمہاری۔ سو ان سے بچتے رہو۔ اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو تو اللہ ہے

رَّحِیْمٌ (تغابن ۱۴) بخشنے والا مہربان۔

یہاں تکرار سے تاکید اور تاکید سے عفو درگزر کی ترغیب پیدا ہوئی ہے۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ ۲۳۸) خبردار رہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے

یہاں عام کے بعد خاص کا ذکر کیا۔ تاکہ فضیلت کا اظہار ہو۔

ان صورتوں کے علاوہ کلام کو طویل کرنے کی اور بھی شکلیں ہیں اور ان تمام شکلوں میں کوئی نہ کوئی خاص غرض ہوتی ہے۔ بے مقصد طوالت خدا کے کلام میں کسی جگہ نہیں۔

مساوات کلام کی مثال۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (المزمل ۲۰) اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔

یہی بات قرآن نے ایجاز و اختصار میں کہنی چاہی تو دو جملوں میں بیان کر دی

لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اور تمہارا ہے جو تم کماؤ۔

وہی بات تفصیل سے اس طرح بیان کر دی۔

بعض علماء معانی (صاحب جواہر البلاغۃ) نے مساوات کو عوام الناس کی روزمرہ بات چیت کا درجہ دیا ہے اور اسے فصحائے زبان کی گفتگو سے کم درجہ کا کلام قرار دیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی شان بالکل الگ ہے اس کا کلام کسی قسم کا ہو بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

قرآن یہ دیکھتا ہے کہ مخاطب اس وقت کس قسم کے لوگ ہیں اور وہ کس ذہن سے بات سن رہے ہیں۔ مخاطب اگر ذہین ہے تو مختصر لفظوں میں بات سمجھ لے گا اور

اگر مخاطب تفصیل چاہتا ہے تو اس موقعہ پر تفصیل سے بات کہنی ضروری ہوتی ہے۔
تاکہ اچھی طرح اس کے ذہن و دماغ میں بات اتر جائے۔

اسی طرح تعریف و توصیف کے موقعہ پر بھی کلام کا مفصل ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ تعریف کرنے والے کی عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو۔

صنعت مشاکلت اور شاہ صاحب کا اسلوب

مشاکلت، بدیع کی ایک صنعت ہے۔ علم بدیع وہ علم ہے جس میں کلام کو ظاہری حسن و خوبی سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔
بدیع کے مختلف اسلوبوں میں سے ایک اسلوب مشاکلت بھی ہے۔

صنعت مشاکلت یہ ہے کہ ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی مصدر و مادہ کے دو لفظ ساتھ ساتھ بولے جائیں۔ اور دونوں لفظوں سے الگ الگ معنی و مفہوم مراد ہوں۔

عرب میں گفتگو و کلام کو ظاہری اور خارجی حسن سے مزین کرنے کے لیے صنعت مشاکلت کا استعمال عام تھا۔

قرآن کریم بھی انہی عربوں کی عام بول چال کے مطابق اترا ہے۔ عربوں کے محاورات اور ان کے مقبول عام اسلوب خداوند عالم نے اپنے مقدس کلام میں استعمال کیے ہیں۔

ایک عام پڑھنے والا جب کلام خداوندی میں عربوں کے عوامی محاورات اور بول چال کے عوامی طریقوں کو دیکھتا ہے تو اسے الجھن پیش آجاتی ہے۔

البتہ قرآنِ کریم کی زبان (عربی) کا جاننے والا ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔
صنعت مشاکلت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ قرآن کریم کی جن آیات
میں مشاکلت کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ انہیں محض لغت عربی کی مدد سے نہیں
سمجھا جا سکتا، بلکہ عربی زبان کے محاورات کی روشنی میں ان کا مفہوم ذہن میں بیٹھ
سکتا ہے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (آل عمران رکوع ۶) اور فریب کیا ان کافروں نے۔ اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

متکلم کہتا ہے اس نے ہمیں فریب دیا۔ اور ہم بھی انہیں فریب دیں گے۔
ہم ان سے کمزور نہیں ہیں۔
متکلم اپنی طاقت اور اپنے زور کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنی گفتگو میں جو الفاظ
اپنے مخالف کی طرف منسوب کرتا ہے وہی اپنی طرف کرتا ہے۔ حالانکہ ان کا مطلب
دوسرا ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں اردو میں ان موقعوں پر دوسرا انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ کوئی کہتا
ہے اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہم اسے سمجھیں گے... کوئی کہتا ہے ..... وہ بڑا چالاک بنتا
ہے۔ ہم بھی اس سے کم نہیں ہیں۔

ہر زبان اور ہر بولی میں الگ الگ اسلوب ہوتا ہے
اس آیت میں معاملہ خداوندِ عالم کا ہے اور اس کی طرف مکر و فریب جیسے
الفاظ کی نسبت خلاف ادب ہے۔ مکر و فریب کمزور انسان کرتا ہے۔ طاقتور ہستی کو
مکر و فریب کی کیا ضرورت۔ وہ جس طرح چاہے غلط کاروں کو سزا دے سکتا ہے

دشمنوں کی سازشوں کو جس طرح چاہے ناکام بنا سکتا ہے۔

پھر وہ اپنی طرف مکر و فریب کے الفاظ صرف محاورہ کے مطابق منسوب کر رہا ہے اور جو قوم اس کی مخاطب ہے انسی کی بول چال میں اسے جواب دے رہا ہے۔

حاصل یہ کہ..... انہوں نے مکر کیا، اور اللہ نے بھی مکر کیا۔ اس کا مطلب طاقت کا اظہار ہے۔ دشمنوں کو یہ بتانا ہے کہ وہ خدا کو عاجز اور مغلوب نہ سمجھیں اس کے پاس جبر و قہر کی طاقت بھی بھرپور ہے اور اس کے پاس رحم و کرم کے خزانے بھی بے حساب و بے شمار ہیں۔

قرآن کریم میں مکر، کید، دغا اور فریب و استہزاء کی جتنی آیات آئی ہیں ان میں دشمنانِ حق کی سازشوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہی سازشی اور چالاک دشمن ان آیات کے مخاطب ہیں اور انہی کو خدا تعالیٰ تنبیہہ کر رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک چالاک دشمن کو اس کی چالاکیوں سے آگاہ کرتے اور اسے باز رکھنے کے لیے یہی انداز بیان مؤثر ہو سکتا تھا۔

اور ہر زبان میں اس طرح کے اسلوب مستعمل ہوتے ہیں ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے البقرہ نمبر ۱۵ کے حاشیہ پر صنعت مشاکلت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے لکھتے ہیں "کچھ عربی کی خصوصیت نہیں شاید سب زبانوں میں یہی قاعدہ ہے کہ ایک فعل مذموم کے بدلے میں سزا یا انتقام کے طور پر جو فعل کیا جاتا ہے اگرچہ فی نفسہٖ وہ مذموم نہیں ہوتا مگر بولنے میں اس کو لفظ مذموم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تاکہ جیسا کہ فعلاً انتقام لیا گیا۔ قولاً (زبان سے) بھی انتقام کا لینا ظاہر ہو۔"

مثلاً فارسی میں کہتے ہیں "بدی را بدی سہل باشد جزا" ہندی میں گویا اسی

کا ترجمہ ہے۔

نیکی کا بدلہ نیک ہے ‏ ‏ بد کر بدی کو ساتھ لے
کانٹے لگا کانٹے پھلیں ‏ ‏ پھل پات بو پھل پات لے
کل جگ نہیں کرجگ ہے یہ ‏ ‏ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے ‏ ‏ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

یا "ہر جیسے کو تیسا" کہ جیسا تیسا دونوں کنایہ ہیں صفاتِ مذموم سے، لیکن جس طرح بدی کے بدلے میں جو فعل کیا جائے صرف کہنے کو بدی ہے اسی طرح جیسے کے بدلہ میں تیسا گالی نہیں،

اسی قبیل سے ہے وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ اور اسی قبیل سے ہے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (ص ۵)

غور کیجئے عربی زبان کے ایک عالم کو اس قسم کی آیات میں کیا الجھن پیش آسکتی ہے۔ اسی طرح جب اس طرح کی آیات کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو مترجم حضرات کو بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر گناہ کی شکل و صورت اس گناہ کے مماثل اور اس جیسی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر نیکی کا بدلہ بھی اس نیکی کے ہم شکل ہوتا ہے۔

مکر کی آیات پر ایک نظر

جن آیات میں خدا تعالےٰ نے اپنی طرف مکر کے فعل کو منسوب کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں

۱۔ آل عمران کی آیت نمبر ۵۴ اوپر گزری، جس کا ترجمہ شیخ شریف نے

مکر کی سزا دیتا ہے۔

اور مکاروں کو بہترین سزا دینے والا ہے"۔ کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے خفیہ تدبیر فرمائی لکھا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے "داؤ کیا" لکھا ہے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ نے "اللہ تعالیٰ ان کے توڑ کے لیے دوسری چال چلا" لکھا ہے، مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نے لکھا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے"۔ مولانا آزادؒ نے لکھا۔ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کے خلاف مکر کیا (یعنی مخفی اور باریک طریقے مخالفت کے کام میں لائے) اور خدا بھی ویسے ہی طریقے کام میں لیا"۔ یعنی مسیح علیہ السلام کی حفاظت کے پوشیدہ اسباب و ذرائع پیدا کر دیئے۔ اور مخفی طریقوں سے کام لینے والوں میں اس سے بہتر کوئی نہیں"۔ مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے بھی "خفیہ تدبیر" کے الفاظ استعمال کیے، اور خفیہ تدبیر اور اچھی تدبیر کے الفاظ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی لکھے۔

یہ لفظ سب سے پہلے حضرت تھانویؒ کے ہاں ملتا ہے۔ بعد والوں نے انہی کا یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں تبدیلی کر کے یوں کہہ دیا "اور تدبیر خفیہ طور پر کی"۔

ان حضرات کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ شاہ رفیع الدینؒ نے مکر کا ترجمہ مکر کیا دونوں جملوں میں اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جملوں میں "فریب کیا" ترجمہ کیا۔

---

[1] مولانا احمد سعید صاحب نے لکھا ہے کہ اس قسم کی تمام آیات کے ترجمے حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہؒ کے ارشاد فرمودہ ہیں۔

۲:۔ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (انفال ۳۰)

جزائے مکر مے دہد (شیخ) بدسگالی مے کرد (شاہ ولی اللہؒ) مکر کرتا تھا۔ (شاہ رفیع الدینؒ) اللہ بھی فریب کرتا تھا۔ (شاہ عبدالقادرؒ) اللہ میاں تدبیر کر رہے تھے۔ (تھانوی صاحبؒ)

مولانا احمد سعید صاحبؒ نے پہلا ترجمہ کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے پہلا ترجمہ داؤ کیا لکھا ہے۔ ..... مولانا احمد علی صاحبؒ لکھتے ہیں۔ تدبیر کر رہا تھا۔ وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا۔ (خاں صاحب) شیخ الہندؒ نے اس جگہ ڈپٹی صاحب کے الفاظ رکھے ..... "وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا۔"

۳:۔ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا۔ بگو خدائے زود تر است در رسانیدن جزائے مکر (شیخ) (یونس ۲۱)

خدائے زود تر است در بداندیشی (شاہ ولی اللہؒ)۔ اللہ بہت جلد کرنے والا ہے مکر (شاہ رفیعؒ) اسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں تو کہہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے (شاہ عبدالقادر صاحبؒ) تو ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا۔ (تھانوی صاحبؒ) شیخ الہندؒ نے شاہ عبدالقادرؒ صاحب کا ترجمہ باقی رکھا ہے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کے الفاظ رکھے ہیں مولانا احمد علی صاحبؒ نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے الفاظ اختیار کیے ہیں۔ ڈپٹی صاحب نے بالکل نیا لفظ لکھا۔ ہماری آیتوں کی مخالفت میں کارسازیاں کر چلتے ہیں کہو! تمہاری کارسازیوں سے اللہ کی کارسازی زیادہ چلتی ہوئی ہے۔ فارسی میں

کارسازی کا مفہوم اور ہے۔ اور اردو میں کارسازی چالاکی اور داؤ کے مفہوم میں بھی بولا جاتا ہے۔

اس قسم کی آیات، الرعد نمبر ۴۲، الفاطر ۴۳، ابراہیم نمبر ۴۶، النمل نمبر ۵۰ بھی ہیں اور ان میں مترجم حضرات نے اوپر والے الفاظ ہی الٹ پلٹ کے لکھے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ابراہیم میں (داؤ) لکھا ہے، النمل نمبر ۵۰ میں قریب الفاطر کے اندر بھی داؤ" لکھا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ نے النمل میں ایک نیا لفظ "خفیہ سازش" استعمال کیا ہے۔

۴۔ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (الاعراف ۹۹) کیا نڈر ہوئے اللہ کے داؤ سے سو نڈر نہیں اللہ کے داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہوں گے۔

اس آیت میں شاہ ولی اللہؒ، شاہ رفیع الدینؒ نے مکر کا ترجمہ مکر ہی کیا ہے شیخ شریف نے گرفت خدائے (خدا کی پکڑ) ترجمہ کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ نے اسی لفظ کو اختیار کیا ہے۔

کید کا استعمال قرآن میں

کید کے لفظ کو قرآن مجید میں چند مقامات پر خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

القلم میں کہا۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ اور ان کو ڈھیل دیتا ہوں بے شک

(نمبر۵۴) میرا داؤ پکا ہے۔

یہی آیت الاعراف کے اندر بھی ہے۔

الطارق میں کہا۔

اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَّاَكِيدُ كَيْدًا (نمبر۱۶) — البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں

حضرت یوسفؑ کے متعلق کہا۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ (نمبر۷۶) — یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسفؑ کو۔

الفال میں فرمایا

وَاَنَّ اللّٰهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ (نمبر۱۸) — اور جان رکھو کہ اللہ سست کرے گا تدبیر کافروں کی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تمام آیات میں بلا تکلف کید کا ترجمہ داؤ کیا ہے۔ کیونکہ اصل کلام میں صنعت مشاکلت کا جو زور بیان موجود ہے وہی ترجمہ کے اندر بھی برقرار رکھا ہے۔

مطلب یہ کہ داؤ پیچ جو یہ شرارت پسند خدا کے دین کو اور خدا کے رسول کو پریشان کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ان سے خداوند قادر کے ہاتھ بھی خالی نہیں ہیں۔

اس انداز بیان میں مخالفین کو دہشت زدہ کرنا ہے، برائیوں سے باز رکھنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحبؒ نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول میں کید کا ترجمہ "علاج" کیا ہے۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ   اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے
الانبیاء ۵۷   بتوں کا۔

یہاں کید کا لفظ مقابلہ میں نہیں آیا۔ صرف ایک محترم نبی کی زبان پہ جاری ہوا ہے۔ اس لیے شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ "علاج" کیا ہے۔ ایک رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ یکطرفہ طور پر اپنی طرف سے داؤپیچ کا اعلان کرے۔

خداعؔ کا لفظ قرآن میں

یہ لفظ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر صرف ایک جگہ آیا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ   منافق جو ہیں دغا بازی کرتے ہیں اللہ
وَهُوَ خَادِعُهُمْ۔ (النساء ۱۴۲)   سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔

یہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ ہیں۔ شیخ شریفؒ (مکر مے کنند و خدا جزائے مکر دہندہ) کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ (فریب مے کنند و خدا نیز فریب مے کند) لکھتے ہیں۔ شاہ رفیع الدینؒ صاحب بھی (فریب) ترجمہ کرتے ہیں۔ تھانوی صاحبؒ نے (چالبازی کرتے ہیں اور خدا اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں۔) ترجمہ کیا ہے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ (اللہ تعالیٰ ان کو دھوکہ کی سزا دینے والا ہے۔) مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں۔ منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی ان کو غافل کر کے مارے گا۔

یہ تاویل بعید ہے جو الفاظ قرآن سے کوئی جوڑ نہیں کھاتی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کو باقی رکھا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے دھوکہ کے الفاظ دونوں جملوں میں رکھے ہیں۔ مولانا احمد علیؒ صاحب صرف

(فریب) کا لفظ رکھا ہے۔ خواجہ حسن نظامی کے ہاں بھی یہی لفظ ہے۔

استہزاء کا استعمال

یہ لفظ خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کے ساتھ البقرہ نمبر ۱۵ میں آیا ہے۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ الخ — اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے اور بڑھاتا ہے ان کو ان کی شرارت میں الخ

منافقین کہتے تھے۔

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ — ہم مسلمانوں کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں

اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے کہا.... اللہ ان کے ساتھ ہنسی کرتا ہے۔

اس جواب کا مطلب وہ ہے جسے سورۃ الحجر نمبر ۹۵ میں اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ — ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو۔

ہنسی مذاق سے خدا تعالیٰ پاک ہے جس طرح مکر و فریب کے عمل سے پاک ہے لیکن وہ دشمنوں کے لفظوں میں ہی ان کا جواب دے رہا ہے اور غرض اس جواب کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان ہنسی مذاق کرنے والوں سے کسی طرح کم نہیں ہے وہ بھرپور قدرت و طاقت والا ہے۔ ان کے کرتوتوں کی سزا ضرور ان کو دے گا۔

مختلف حضرات کے تراجم حسب ذیل ہیں۔

خدا جزائے استہزاء مے دہد (شیخ) خدا تمسخر مے کند (شاہ ولی اللہ)

اللہ ٹھٹھا کرتا ہے ان سے (شاہ رفیع الدینؒ) اللہ تعالیٰ بھی استہزاء کر رہے ہیں

(حضرت تھانویؒ) اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مذاق کا بدلہ دیتا ہے۔ (مولانا احمد سعیدؒ) ہم تو صرف مسلمانوں کو بناتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کو کیا بنائیں گے۔ اللہ ان کو بناتا ہے۔ اور ان کو ڈھیل دیتا ہے۔ یہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب ہیں۔

نسیان اور ذاتِ حق تعالیٰ

نسیان بھول کی نسبت بھی خدا تعالیٰ کی طرف حقیقی معنی میں نہیں کی جا سکتی

لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى (طٰہٰ رکوع ۲) نہ بہکتا ہے۔ میرا رب اور نہ بھولتا ہے

یہ شان ہے حق تعالیٰ جل مجدہ کی، مگر خود حضرت حق نے تقریباً چار جگہ اس لفظ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

اعراف نمبر ۱۵ میں فرمایا

فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے جیسے وہ بھولے اپنے اس دن کا ملنا۔

یہ حضرت شاہ صاحبؒ ہیں۔

اسی طرح التوبہ نمبر ۶۷، المجادلہ نمبر ۶، الجاثیہ نمبر ۳۵ میں بھی حضرت حق تعالیٰ نے نسیان کو اپنے لیے استعمال فرمایا ہے

تمام حضرات اعراف والی آیت میں فروگزاریم، فراموش کنیم، بھول جاویں گے۔ بھلا دیں گے۔ ترجمہ کر رہے ہیں، جو عربی لغت کے اعتبار سے حقیقی ترجمہ ہے لیکن حضرت تھانویؒ۔ (سو ہم بھی آج ان کا نام نہ لیں گے) مولانا احمد سعیدؒ (ہم بھی آج ان سے بھول جانے والوں کا سا معاملہ کریں گے) تحریر فرما رہے ہیں۔ (تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے۔ جیسا انہوں نے ان دنوں کے ملنے کا خیال چھوڑ اتھا

یہ مولانا بریلوی ہیں۔

فارسی اور اردو کے اہم تراجم آپ کے سامنے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب ہی حضرات اپنے اپنے ترجموں کو اعتراض اور شبہات سے بچانے کی کوشش فرما رہے ہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ہاں قرآن کے الفاظ کا وہی ترجمہ نظر آتا ہے جو لغت عربی کے لحاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ حضرات مجازی معنی اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے الجاثیہ نمبر ۳۴ کے حاشیہ پر ایک جگہ یہ ضرور وضاحت کی ہے "بھلا دیں گے یعنی تم پر مہربانی نہ کریں گے"۔

یہ دونوں بزرگ مکر، خدع، نسیان اور استہزاء کے الفاظ کا حقیقی مفہوم تحریر فرما کر اصل کلام میں صنعت مشاکلت کا جو رنگ ہے وہ قائم رکھنا چاہتے ہیں اور عربی محاورہ کے مطابق دشمنوں کو جواب دیتے ہوئے خدا تعالیٰ نے جس غصہ اور قہر کا اظہار کیا ہے وہ لفظوں کی صورت میں بھی باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہی حاصل ہے مشاکلت کا۔

قرآن کریم کے اسلوب پر اعتراض

محض اردو ترجمہ کی مدد سے قرآن کریم کو سمجھنے کا دعوے کرنے والے بڑی بھول میں ہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موضح قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

ہر چند ہندوستانیوں کو معنی قرآن اس ترجمہ اردو سے آسان ہوئے۔ لیکن ابھی استاد سے سند کرنا لازم ہے اول معنی قرآن بغیر سند معتبر نہیں دوسرے

ربطِ کلام ما قبل و ما بعد پہچاننا اور قطع کلام سے بچنا بغیر استاد نہیں آتا۔ چنانچہ قرآن زبان عربی ہے اور عرب بھی محتاج استاد تھے۔

علامہ سید رشید رضا مصری نے اصولِ تفسیر میں لکھا ہے۔

قرآن فہمی کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھ جائے اور نفس کے اندر نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہو جائے یہ ہر شخص کے لیے آسان ہے اور اس آیت کا یہی مطلب ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سورہ قمر رکوع ۱) اور ہم نے آسان کیا قرآن، سمجھنے کو، پھر ہے کوئی سوچنے والا۔

قرآن کو سمجھنے کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کلام الٰہی کے احکام، قصص، امثال و عبرتوں میں جو گہرے معانی، گہرے مطالب و لطائف پوشیدہ ہیں ان کا علم حاصل ہو۔ یہ درجہ اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو قرآنی الفاظ کے لغوی معانی کے ساتھ اصطلاحی مفہوم، قرآنی زبان کے اسلوب اور طرزِ ادا کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔

بریلوی فاضل کا اعتراض شاہ صاحب پر

مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ کنز الایمان کے محاسن پر ایک پاکستانی عالم نے تبصرہ کیا[1] ہے اور اس تبصرہ میں انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کو نشانہ بنایا ہے۔

---

[1] ناران کراچی ماہ مارچ ۱۹۷۶ء ملک شیر محمد خاں اعوان کی کتاب محاسن کنز الایمان پر تبصرہ۔

نشانہ بظاہر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کا نام لے کر ان کے ترجمہ پر اعتراض کرنے کی مؤلف کو کیسے جرأت ہو سکتی تھی۔ لیکن چونکہ شیخ الہندؒ کا ترجمہ اصل میں شاہ صاحبؒ ہی کا ترجمہ ہے اس لیے ملک صاحب کے سارے اعتراضات کی زد شاہ صاحبؒ ہی کے ترجمہ پر پڑتی ہے۔ مؤلف کی عبارت یہ ہے۔

"دغا" کا لفظ کس قدر رکیک ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اور جب اس لفظ کو خدا کی ذات اقدس و اعظم سے منسوب کیا جائے تو اعدائے دین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جائے"۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"بھول جانے کے الفاظ خدا سے منسوب کیے ہیں جن سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند تعالیٰ کو بھی نسیان لاحق ہو سکتا ہے"۔

اس اعتراض کا جواب اوپر تفصیل سے دیا جا چکا ہے۔ نیک نیتی کے ساتھ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اس جواب سے غیر مطمئن نہیں رہ سکتے البتہ شرارت پسند جس کا مقصد ہی قرآن کریم پر "لے دے" کرنا ہو اس کے لیے قدم قدم پر اعتراض کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

کیا مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ اس طبقہ کو مطمئن کر دے گا؟

مولانا بریلوی نے دوسرے حضرات کی طرح اس قسم کی آیتوں میں مجازی معنی کر کے آیات کو اعتراض سے بچانے کی کوشش ضرور کی ہے۔ لیکن "اعدائے دین" کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقعہ مولانا کے ترجمہ سے مل ہی نہیں سکتا۔ اسے کوئی پڑھا لکھا آدمی تسلیم نہیں کرے گا۔

مثال کے طور پر چند آیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱:۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ — اور وہ ان کو غافل کر کے مارے گا (النساء ۱۴۲)

۲:۔ فَنَسِيَهُمْ — تو اللہ نے اسے چھوڑ دیا۔ (التوبہ ۶۷)

۳:۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا — اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے (البقرہ ۲۶)

۴:۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ — اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (" ")

۵:۔ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا — کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض (الحدید ۱۱)

۶:۔ اُولٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ — یہ ہیں وہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی (محمد ۱۶)

۷:۔ اُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ — یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ (محمد ۲۳)

۱:۔ خدا تعالیٰ کا بندوں کو غفلت میں ڈال کر مارنا کیا کوئی اچھی بات ہے۔ اگر دغا دینا خدا کے لیے اچھا نہیں ہے تو غفلت میں ڈال کر مارنا بھی کونسی تعریف کی بات ہے۔

اگر ترجمہ کو تفسیر و ترجمانی بنانا ہے تو پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر کسی کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ مولانا نے لکھا ہے "خدا اس چال کی سزاء ان کو دینے والے ہیں" مفسرین نے یہی تفسیر بیان کی ہے صاحب جلالین لکھتے ہیں۔

مجازیھم علیٰ خداعھم — یعنی ان کے خداع کا بدلہ انہیں دے گا۔ جنوری

۲:۔ نسیان کا ترجمہ مولانا بریلوی نے "چھوڑ دیا" کیا ہے۔ مؤلف بہ

نے اس ترجمہ کی بڑی تعریف کی ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ "بھول گیا" پر گرفت کی ہے لیکن "چھوڑ دینے" کے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف کیا بہت اچھے معلوم ہو رہے ہیں؟

اردو زبان جاننے والے سمجھ سکتے ہیں کہ "دوست نے دوست کو چھوڑ دیا ...... خاوند نے بیوی کو چھوڑ دیا" "اس نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا" بولا جاتا ہے یہی چھوڑ دیا۔ بریلوی ترجمہ کے مصنف نے اپنے ترجمہ میں رکھ دیا ہے۔

التوبہ آیت ۶۷ میں ہے نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ ..... مفسرین نے لکھا ہے، نسوا اللہ ای ترکوا اطاعتہ فنسیھم ای ترکھم من لطفہ (جلالین ص۱۶۲)

یہاں دونوں جگہ نسیان کے مجازی معنی اختیار کیے گیے ہیں۔ کیونکہ بھول جانے پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہے پھر یہ وعید کیوں ہے۔؟

جواب دیا گیا ہے کہ نسیان اور بھول کے لازمی معنی مراد ہیں۔ جس چیز کو آدمی بھول جاتا ہے وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اسی لیے الجاثیہ نمبر ۳۴ کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ "بھلا دیں گے یعنی تم پر مہربانی نہ کریں گے۔"

مولانا بریلوی نے تفسیر کے اسی لفظ (ترک) کا ترجمہ اردو میں کر دیا ہے۔ لیکن جو ترجمہ کیا ہے وہ فصاحت نہیں رکھتا۔ اس سے بہتر ترجمہ اس طرح ہو سکتا تھا۔

تو اللہ نے ان کو محروم کر دیا۔ الاعراف ۵۱ میں حضرت تھانویؒ کا ترجمہ کتنا اچھا ہے۔ سو آج ہم بھی ان کا نام نہ لیں گے۔" التوبہ آیت نمبر ۶۷ کا ترجمہ بھی کتنا بھلا لگتا ہے۔ "انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا۔ پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا۔"

اردو میں خیال نہ رکھنا یا "نام نہ لینا" محروم کر دینے کے مفہوم میں بولا جاتا

ہے۔ بعد والی آیات میں خدا تعالیٰ کا استہزا، فرمانا، بندوں سے قرض مانگنا دلوں پر مہر کر دینا۔ بندوں کی آنکھیں پھوڑ دینا۔ کیا اعدائے دین کے لیے قابلِ اعتراض الفاظ نہیں ہیں؟

اور آنکھیں پھوڑ دینے میں تو مولانا بریلوی نے بازاری اردو کا پورا زور صرف کر دیا ہے۔ اس سے ہلکا لفظ "اندھا کر دیا" ہو سکتا تھا جو دوسرے حضرات نے اختیار کیا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب قرآن کے ترجمہ میں بازاری محاورے استعمال کرنے میں بڑی شہرت رکھتے ہیں مگر انہوں نے اس آیت میں بریلوی ترجمہ کے بھونڈے لفظ سے گریز کر کے یہ ترجمہ کیا ہے۔ "اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔"

❊ ❊ ❊

❊ ❊ ❊ ❊

❊

اردو محاورات کا اِستعمال

حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ اردو محاورات کو برمحل استعمال کرنے میں بڑی مہارت اور بڑی قدرت رکھتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے بعد دوسرے حضرات نے بھی اردو محاورات کا استعمال کیا ہے مگر ان کے ہاں بعض مقامات پر صاف نظر آتا ہے کہ یہ مترجم کلامِ خداوندی کے ترجمہ میں ٹھونسا ٹھانسی کر رہا ہے۔

اردو کا محاورہ عربی عبارت خاص کر کلامِ الٰہی کے ترجمہ میں لانا کوئی آسان کام نہیں۔ عربی الفاظ کا مفہوم نہ چھوٹے، کلامِ الٰہی کے پردقار انداز بیان میں کوئی فرق نہ پڑے۔ اور پھر ترجمہ کو عام فہم اور موثر بنانے کے لیے اردو کا محاورہ استعمال کیا جائے یہ بات حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں ملتی ہے۔

پھر متعدد محاورات میں سے ایک محاورہ کا انتخاب شاہ صاحب اس طرح کرتے ہیں کہ دو سو برس گزر جانے کے بعد بھی نہ اس محاورہ کا کوئی بدل آج تک کسی کو مل سکا ہے اور نہ آئندہ امید کی جا سکتی ہے۔

کوئی بزرگ اگر شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کے محاورہ کی جگہ کوئی دوسرا محاورہ لے آتے ہیں تو اس تبدیلی سے عبارت کے حسن یا زورِ قوت میں کمی تو پیدا ہو گئی ہے

ترجمہ میں کوئی نیا حسن یا تاثیر میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا ہے۔

ذیل میں مختلف مثالیں دی جا رہی ہیں۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ

اے ایمان والو! داخل ہو مسلمانی میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

(البقرہ ۲۰۸)

اس آیت کی نحوی ترکیب میں مفسرین کے دو قول ہیں۔

۱:- "کافۃ" حال ہے داخلین سے یعنی ادخلوا کی ضمیر خطاب سے، مترجمین میں فارسی کے دونوں حضرات نے اسی ترکیب پر ترجمہ کیا ہے۔ شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں۔ "اے آنانکہ گرویدید در آئید دراسلام ہمہ یک بار"۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا...... اے کسانیکہ ایمان آوردید۔ درآئید باسلام ہمہ یکجا۔ یعنی اے ایمان والو! تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ اور سب مل کر اسلام کی پیروی کرو۔ یہ وہی بات ہے جو آیت آل عمران ۱۰۳ میں کہی گئی ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر

۲:- دوسری ترکیب یہ بیان کی گئی ہے کہ "کافۃ" حال ہے "السلم" سے حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے اور اس کا مطلب

یہ ہے کہ مسلمانوں کو شریعت اسلام کے تمام احکام، اور مکمل نظام زندگی قبول کرنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔

صحابہؓ اور تابعینؒ میں حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، طاؤسؒ، ضحاکؒ، عکرمہؒ اور قتادہؒ اور سدیؒ سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے۔ اعملوا بجمیع الاعمال ووجوہ البرّ۔

عکرمہ سے ایک تفسیر یہ منقول ہے کہ اس آیت کا خطاب ان نومسلم یہودیوں سے ہے جنمیں حضرت عبداللہ ابن سلامؓ داخل ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ ہمیں ہفتہ کا احترام کرنے اور رات کے وقت تورٰۃ کے احکام پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔

ابن کثیر کہتے ہیں، یہ قول ضعیف ہے۔ عبداللہ ابن سلامؓ ایک محقق عالم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام نے ہفتہ کے احترام کے سابق حکم کو منسوخ کردیا ہے۔ اور اس کی جگہ جمعہ کو مسلمانوں کی عید مقرر کردیا ہے۔ پھر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس قسم کی اجازت کیسے مانگ سکتے تھے۔ (ابن کثیر جلد اول صفحہ ۱۴۸)

اس کا حاصل یہ کہ اس آیت کا خطاب مسلمانوں سے ہے اور انہیں اسلام کی مکمل اطاعت کا حکم دیا جارہا ہے۔ اور مترجمین میں شاہ رفیع الدینؒ نے حسب ذیل ترجمہ کیا۔

"اے لوگو کہ ایمان لائے ہو داخل ہو بیچ اسلام کے سارے"۔ یہ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اختیار کردہ مفہوم کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تم سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ سے دونوں مفہوم نکل رہے ہیں۔ "داخل

ہو مسلمانی میں پورے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے اس ترجمہ میں قرآن کریم کے اصل متن کی شانِ جامعیت کو برقرار رکھا ہے۔ قرآنِ کریم نے لفظی ترکیب میں دونوں احتمال رکھے اور شاہ صاحبؒ کے ہاں بھی دونوں احتمال موجود ہیں۔

۱:۔ مسلم کا ترجمہ اسلام بمعنی فرمانبرداری نہیں کیا بلکہ مسلمانی بمعنی اسلامی زندگی ترجمہ کیا۔ اس میں "السلم کافہ" والی ترکیب کا مفہوم نکلتا ہے یعنی صرف فرائض وارکان کی تعمیل کافی نہیں بلکہ پوری اسلامی زندگی جس میں معاشرتی آداب وطریقے بھی شامل ہیں، اختیار کرنا ضروری ہے۔

۲:۔ "پورے" کا لفظ لاکر شاہ صاحبؒ نے "ادخلوا کافہ" کا مفہوم ادا کیا ہے۔ یعنی تم پورے اور سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

اردو کے دوسرے تراجم میں یہ شانِ جامعیت نظر نہیں آتی۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدینؒ صاحب کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ ہے وہ لکھتے ہیں "مسلمانوں اسلام میں پورے پورے آجاؤ۔ مولانا تھانویؒ نے ترجمہ کیا۔" اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے لکھا ہے۔" اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو" مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا۔ اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ پھر تشریحی نوٹ لکھا۔ یعنی کسی استثناء اور تحفظ کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ سے مسلمانی کا لفظ ہٹا کر اس طرح ترجمہ کیا۔ اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے۔

اس پر مولانا شبیر احمد صاحبؒ کا تشریحی نوٹ یہ ہے ..... یعنی ظاہر و باطن اور عقیدہ و عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو۔ یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کر لو یا کوئی عمل کرنے لگو۔ سو اس سے بدعت کا قلع قمع مقصود ہے۔ کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کو کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں شمار کر لیا جائے۔ (حمائل ص۱۱)

مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے اس آیت کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ عبداللہ ابن سلامؓ اور ان کے اصحاب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد شریعت موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے۔ ہفتہ کی تعظیم کرتے اور اونٹ کا گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے۔ (کنز الایمان ص۳)

مراد آبادی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بے سند ہے۔ مفسرین نے اجازت مانگنے کی روایت تک کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اور مراد آبادی صاحب قائم رہنے اور عمل کرنے کی بات لکھ رہے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کی تحقیقی رائے اوپر گزر چکی ہے۔

حاصل یہ کہ ان تمام حضرات نے "کافۃ" کو السلم سے حال قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب علویؒ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا دونوں قولوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم سب پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ مولانا کا یہ ترجمہ، حقیقت یہ ہے کہ تمام اردو تراجم میں امتیاز رکھتا ہے۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کا ترجمہ یہ ہے۔ اے ایمان والو اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ۔ یہ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

کے ترجمہ کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ جس میں "کافۃ" کو "ادخلوا" کی ضمیر خطاب سے حال بنایا گیا ہے۔

اسلام کا ترجمہ شاہ صاحبؒ کے ہاں

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے اسلام کا ترجمہ مسلمانی کر کے پوری اسلامی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسلام کے لغوی معنی اختیار نہیں کیے جیسا کہ دوسری آیات میں کیے ہیں۔ آل عمران آیت ۸۵ میں ترجمہ یہ کیا ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ — اور جو کوئی چاہے سوا حکم برداری کے کوئی اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

یہاں اسلام کے لغوی معنی اختیار کیے۔

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ ۳) — اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی۔

منافقین نبی کی مجلس سے سٹک جاتے ہیں

منافقین دکھاوے کے لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شریک تو ہو جاتے تھے۔ مگر حضورؐ کا وعظ و نصیحت کرنا گراں گزرتا تھا اور وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر مجلس سے کھسکنے لگتے تھے اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی صحابی اپنی کسی ضرورت سے کھڑے ہوتے تو یہ ان کی آڑ میں چھپ کر باہر چلے جاتے۔ قرآن کریم نے اسی بات کو سورۃ النور میں اس طرح بیان کیا ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ — اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے

مِنْكُمْ لِوَاذًا نمبر ۶۳ جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر

آیت میں دو لفظ ہیں۔

۱:۔ ایک تَسَلَّلَ، سَلَّ۔ سَلًّا سے تلوار سونتنا، کسی کا آہستہ سے جلدی نکل جانا کھسک جانا۔

۲:۔ لِوَاذًا، لَاذَ یَلُوْذُ کسی کی پناہ میں آنا اور چھپ کر نکل جانا۔

فارسی والوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

۱:۔ اندک اندک مے روند از شما در حالت پناہ۔ (شیخ شریف) ایک ایک دو دو کر کے اٹھ جاتے ہیں۔ کسی کی آڑ میں، "لِوَاذًا" کو مُلَاذِ ذِیْنَ کے معنی میں لے کر حال بنا دیا ہے۔

۲:۔ بسبکی بیروں مے روند از شما پناہ جوبان۔ (شاہ ولی اللہؒ)۔ پناہ تلاش کر کے نکل جاتے ہیں۔

۳:۔ چھپ کر نکل جاتے ہیں تم میں سے نظر بچا کر (شاہ رفیع الدینؒ) محاورہ میں "نظر بچا کر" اور "آنکھ بچا کر" دونوں طرح بولا جاتا ہے۔

۴:۔ جو تم میں سے چھپ کر سٹک جاتے ہیں۔ ڈپٹی صاحب انہوں نے "سٹک جاتے ہیں" شاہ صاحبؒ کا محاورہ اختیار کیا ہے۔ اور "لِوَاذًا" کو شاہ صاحبؒ کی طرح دوسرے معنی میں لیا ہے۔

۵:۔ جو آڑ میں ہو کر تم میں سے کھسک جاتے ہیں۔ تھانوی صاحبؒ مولانا احمد سعید صاحبؒ نے متعدد الفاظ جمع کر دیئے ہیں۔ "جو تم میں سے کسی کی آڑ میں ہو کر چپکے سے بلا اجازت کھسک جایا کرتے ہیں"۔ .... حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے الفاظ ہی کو برقرار رکھا ہے۔ کیونکہ جو ایجاز اور روانی

شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں ہے پھر دونوں لفظوں کا بامحاورہ ترجمہ بھی ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

سٹک جانا سانپ کے نکل جانے سے بنا ہے۔ سٹک چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں جو نہایت پھرتی سے کھسک جاتا ہے........ تلوار کو بھی اتنی ہی جلدی میان سے باہر کیا جاتا ہے۔ اس محاورہ میں کھسک جانے سے زیادہ مبالغہ ہے، جرأت نے اس محاورہ کو باندھا ہے۔

مرگ شکستہ پا نہ بغیر اس کے آئی اور
صبر گریز پا تو کبھی کا سٹک گیا

مومن خاں نے کھسکنے کا محاورہ لکھا ہے۔

وہ چلا جان چلی، دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پاؤں پڑوں کس کس کے

حضرت موسیٰؑ کا عصا چھوٹا سانپ پھر اژدہا

حضرت حق ذوالجلال والاکرام نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب فرمایا۔

اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ کَاَنَّھَا جَانٌّ القصص نمبر ۳۱	میں ہوں اللہ جہاں کا رب، اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی، پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی بٹک ہے۔

عربی میں اِھْتَزَّ کے معنی حرکت کرنے اور ہلنے کے آتے ہیں اور اسی وجہ

سے عام مترجمین لہراتے اور حرکت کرتے کے الفاظ اختیار کر رہے ہیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ سانپ کی حرکت کے لیے اردو میں جو لفظ ہے اسے استعمال فرما رہے ہیں یعنی پھنپھنانا۔

شاہ صاحبؒ نے سانپ کی سٹک کہہ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا زمین پر گرتے ہی پہلے تو معمولی سانپ ہوتا تھا۔ اور جب فرعون کے پاس پہنچتا تھا تو وہ بڑا اژدہا بن جاتا تھا۔

سٹک اردو میں پتلے اور چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں۔ پتلا سانپ تیز رفتار بھی ہوتا ہے۔ اس لیے سٹک جانا، سانپ کی طرح چپکے سے جلدی چلے جانے کے معنی میں آتا ہے۔ سٹک حقے کی نرم اور لمبی نے کو بھی کہتے ہیں۔ جو سانپ ہی جیسی معلوم ہوتی ہے۔

قرآن نے بعض آیات میں فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ..... اعراف)
کہا ہے یعنی ..... "اسی وقت وہ ہوا اژدہا صریح"۔ شاہ صاحبؒ نے اس ظاہری لفظی اختلاف کو دور کرنے کے لیے النمل آیت نمبر ۱ کے فوائد میں لکھا ہے ..... "اول سٹک سی بن گئی تھی۔ جب فرعون کے آگے ڈالی تو ناگ ہوگئی۔ بڑھ کر اژدہا۔

شاہ صاحبؒ کے ہاں اصولِ محاورہ کی پابندی

اظہار ندامت کے لیے عربی کا محاورہ

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔ (اعراف ۱۴۹)	اور جب پچتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے کہنے لگے۔ اگر نہ رحم کرے گا ہم کو رب ہمارا۔ اور نہ بخشے تو بے شک ہم خراب ہوں گے۔

سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ ...... کا لفظی ترجمہ ہے "جب وہ گرا دیئے گئے اپنے ہاتھوں میں ......" لیکن یہ جملہ دراصل ایک عربی محاورہ ہے جو ندامت اور افسوس کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ (کشاف ج ۱ ص۱۰۵)

امام رازی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ عرب سقوط فی الید کو ندامت کے معنی میں کیوں استعمال کرتے تھے۔ اور اس کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ عرب میں جب کوئی شخص کسی بات پر نادم اور متاسف ہوتا تو اپنا ہاتھ کاٹتا اور پھر اپنے ہاتھ سے اپنی رانوں کو پیٹتا۔ اس طرح اس کے ہاتھ اوپر سے نیچے گرتے تھے۔ اس لیے ان لفظوں سے عرب ندامت اور افسوس سے کنایہ کرتے تھے۔ (حاشیہ جلالین ص۱۴۱)

پس حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اس جملہ کا سیدھا سادھا "نادم شدند" اور "جب پچتاوے" ترجمہ کیا، اور

حضرت تھانویؒ نے بھی جب نادم ہوئے لکھا۔

ان حضراتؒ کے علاوہ متقدمین اور متاخرین میں سے بعض حضرات نے کچھ لفظی اور کچھ نے محاورے کا ترجمہ کیا۔ شیخ شریف نے لکھا "افگندہ شد پشیمانی در پیش آنہا"۔ یعنی ان کے سامنے پشیمانی ڈالی گئی ..... ایدیھم کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے "و چوں افگندہ شد در دستہای شان"۔ یعنی جب ڈالا گیا ان کے ہاتھوں میں۔ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے" اور جب پشیمان ہوئے بیچ ہاتھوں اپنے کے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بالکل الگ ترجمہ کیا۔ "اور جب ان کا کیا ان کے آگے آیا"۔ اس پر ایک حاشیہ لکھتے ہیں۔

"سقط فی ایدیھم" عربی کا ایک خاص محاورہ ہے اور ندامت، پشیمانی اور افسوس اور پچتانے کے محل پر استعمال کیا جاتا ہے، لفظی معنی ہیں۔ "ان کے ہاتھوں میں گرادیا گیا"۔

آگے لکھتے ہیں۔ "ہم نے اصل خیال کو پیش نظر رکھ کر کسی قدر لفظوں سے ملتا ترجمہ کر دیا ہے۔ اگر لفظوں کا خیال نہ کرتے تو نادم ہوئے یا پشیمان ہوئے یا پچتائے ترجمہ کرتے" (ص ۲۲۳)

بلاشبہ ڈپٹی صاحب نے لفظی ترجمہ کی حد تک اس جملہ کا اچھا ترجمہ کیا۔ کہ جب ان کے سامنے ان کا فعل ڈال دیا گیا اور انہوں نے گئو سالہ پرستی کی برائی کو اپنے سامنے دیکھ لیا تو اب سمجھے کہ وہ بڑی گمراہی میں پڑ گئے۔ لیکن ڈپٹی صاحب اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ جملہ ایک عربی محاورہ ہے تو پھر لسانیات کے ایک عالم کی حیثیت سے ڈپٹی صاحب کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ محاورہ کا لفظی ترجمہ نہیں

کیا جانا۔

واصف صاحب مصدر نامہ میں محاورہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں
"واضح ہو کہ مفرد الفاظ جب محاورہ میں ترکیب پاتے ہیں تو ترکیب کی وجہ سے
مرکب میں ایک نئے مرادی معنی پیدا ہو جاتے ہیں جو پورے مرکب ہی میں دائر
سائر رہتے ہیں یا یوں کہو کہ محاورہ میں الفاظ و معانی کی انفرادیت کا اعتبار نہیں
رہتا۔ دیکھو ایک محاورہ ہے مکھیاں مارنا یعنی بیکاری میں وقت گزارنا۔ لغت
کی رو سے بیکاری کے معنی نہ مارنا میں ہیں نہ مکھیاں میں۔ لیکن مرکب ہو کر نئے مرادی
معنی پیدا ہو گئے۔ یہ مرادی معنی بحالت ترکیب بھی محاورہ کے اجزاء میں سے
کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے ، (ص۳۱۵)

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد اردو محاورات میں اکثر ڈپٹی صاحب کے
ساتھ چلتے ہیں۔ مگر اس مقام پر مولانا نے عجیب ترجمہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ پھر
جب ایسا ہوا کہ (افسوس و ندامت سے) ہاتھ ملنے لگے۔ (ترجمان ج ۲ ص۳۵)

افسوس و ندامت کا مفہوم پورے جملہ سے نکلتا ہے اور سقوط اور
ایدیہم دونوں مل کر یہ معنی دیتے ہیں۔ پھر ایدیہم کے لفظ کا الگ ترجمہ کرنے کی قاعدہ
کی رو سے کیا ضرورت باقی رہتی ہے ؟۔ اور پھر سقوط گرنے سے ملنے کے معنی
کس طرح پیدا ہو گئے۔ ؟

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہیں قرآن کے لفظی معنی
کا لحاظ کرتے ہیں۔ لیکن اس جگہ صرف محاورہ کے معنی تحریر فرما رہے ہیں۔ کیونکہ
محاورہ کے مرادی معنی اور اس جملہ کے دونوں لفظوں کے لغوی معنی کے درمیان
کوئی جوڑ نہیں لگ سکتا اور یہ بات لسانیات کے قاعدہ کے بھی خلاف ہے

باغ والا، باغ کی تباہی پر ہاتھ نچاتا رہ گیا

سورۂ الکہف آیات (۴۰ تا ۴۲) میں ایک متکبر اور سرکش باغ والے کی تمثیل بیان کی گئی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ ایک دولتمند باغ والے سے اس کے مومن و غریب دوست نے کہا کہ اس پروردگار کی خدائی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پیدا کیا پہلے مٹی سے، پھر نطفہ سے پھر تمہیں ایک تندرست و توانا انسان بنا دیا۔

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوتا ہے تو اس پروردگار کے انعامات کا شکر کیوں ادا نہیں کرتا۔

اور تو ایک غریب کی باتوں کو اگر ٹال دے گا تو مجھے امید ہے کہ وہ مالک مجھے تیرے باغ سے زیادہ اچھا باغ عطا فرما دے گا اور تیرے باغ کو کوئی آسمانی آفت برباد کر دے گی۔

اس مغرور باغ والے نے اس خیر خواہ ناصح کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی اور خدا تعالیٰ نے اس باغ کو ایک آفت سے برباد کر دیا۔

اس بربادی کی داستان قرآن کریم نے ایک فقرہ میں اس طرح بیان فرمائی "یعنی اس باغ والے کے پھلوں کو آفت نے گھیر لیا اور وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔"

یہ اس فقرہ کا لفظی ترجمہ ہے؟

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس آیت پاک کے ترجمہ میں الفاظ قرآنی کے مفہوم کو نہایت سادہ انداز بیان میں اردو کے محاورہ کی چاشنی کے ساتھ

ادا کیا ہے اور لکھا ہے۔

اور سمیٹ لیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا۔

اب دوسرے فارسی اور اردو مترجمین کے ترجمے دیکھئے۔

۱:۔ کف بر کف مے زد (شیخ شریف جرجانی)

۲:۔ مے مالید دو دست خود را (شاہ ولی اللہؒ)

۳:۔ ملتا تھا ہتھیلیاں اپنی (شاہ رفیع الدینؒ)

۴:۔ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا (حضرت تھانویؒ)

۵:۔ اس کی پیداوار عذاب کے پھیر میں آ گئی۔ تو وہ اس لاگت پر اپنے دونوں ہاتھ ملتا رہ گیا۔ (ڈپٹی نذیر احمدؒ)

ہاتھ ملتا رہ گیا۔ یہ ٹھیٹھ اردو کا محاورہ سب سے پہلے ڈپٹی صاحب نے استعمال کیا پھر بعد والوں میں سے مولانا تھانویؒ، مولانا احمد سعیدؒ مولانا آزادؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اسی محاورہ کو اختیار کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد اردو زبان کے شہنشاہ ہیں۔ ان کا پورا ترجمہ یہ ہے

"اور پھر (دیکھو) ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت بربادی کے گھیرے میں آگئی اور وہ ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستگی پر میں نے جو کچھ خرچ کیا تھا وہ سب برباد ہو گیا۔"

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے الفاق کا ترجمہ بھی اردو محاورہ کے مطابق لاگت کیا۔ یعنی جو لاگت باغ پر لگائی تھی وہ برباد ہو گئی۔ پھر احاطہ کا ترجمہ (پھیر میں آ گئی)۔ اس میں لغت و محاورہ دونوں کی رعایت کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈپٹی صاحب جہاں سنجیدہ محاورہ بندی کی کوشش

کرتے ہیں وہاں وہ اپنے بعد والوں کے لیے اپنی پیروی کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ اب ہمارے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ پر غور کرو۔

۱۔ احاطہ کا ترجمہ (سمیٹ لیا) کتنا اچھا ہے۔ چونکہ آگے (ثمر) پھل کا ذکر ہے۔ اس لیے اس کی رعایت سے گھیر لیا۔ گھیرے میں لے گیا یا پھیر کے مقابلے میں (سمیٹ لیا) سب سے زیادہ قریب المراد معلوم ہوتا ہے۔

پھر ہاتھ ملتا رہ گیا کی جگہ (رہ گیا ہاتھ نچاتا) کا محاورہ الفاظ قرآنی سے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ صورت حال کی بہترین وضاحت کر رہا ہے۔

قرآنی الفاظ (قلب کفین) ہتھیلیوں کا الٹنا پلٹنا ہے۔ اس کی رعایت ہاتھ نچانے والے محاورہ میں زیادہ ہے۔ پھر اس محاورہ میں اظہار افسوس کے ساتھ ساتھ اظہار تعجب بھی ہوتا ہے۔

کسی انسان کا جب کوئی نقصان ہوتا ہے تو فطری طور پر وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر نچاتا ہے۔ ہائے یہ کیا ہو گیا۔ اور اتفاقی حادثہ پر تعجب کا اظہار بھی کرتا ہے۔ افسوس کے موقع پر دونوں ہاتھ ملنے کا محاورہ بھی درست ہے۔ لیکن دونوں ہاتھوں کو الٹنا پلٹنا حیرت اور افسوس دونوں کے اظہار کے لیے ایک فطری حرکت ہے۔ اور الفاظ قرآن کے لغوی معنی سے بھی یہ محاورہ قریب ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحبؒ کے اس محاورہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور اسی ترجمہ کو اپنے ہاں باقی رکھا۔

اس باغ پر جو آفت آئی۔ قرآن نے اسے (حسبان) کہا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حسبان جمع ہے حسبانۃ کی جس کے معنی صاعقہ ہیں (جلالین بحوالہ زمخشری ص ۲۴۵) صاعقہ کے معنی ہیں بجلی کی کڑک (شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ)

آواز ہولناک (شیخ شریف) آواز ہائے پرہول (شاہ ولی اللہؒ) (البقرہ نمبر ۱۹) الکہف میں حسبان کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ عذاب سخت (شیخ شریف) عذابے از آسمان (شاہ ولی اللہ) تقدیری آفت (حضرت تھانویؒ) اندازہ کی ہوئی بات اتار دے۔ (مولانا آزادؒ)

حضرت شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کیا ہے۔ بھیج دے اس پر ایک بھبوکا۔ بھبوکا اردو میں کئی معنی رکھتا ہے۔ شعلہ، گرم ہوا کا جھونکا، استعارہ کے طور پر گہرے سرخ رنگ والے کو بھی بھبوکا کہتے ہیں۔

موقع و محل کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ نے اس آسمانی آفت کو بھبوکا کہا ہے ظاہر ہے کہ وہ آفت کوئی گرم ہوا یا آگ کا کوئی شعلہ ہو گا جس نے ہرے بھرے باغ کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔

محاورہ کی تبدیلی

سید عبداللہ لاہوری کی اصلاحات پر تبصرہ کے دوران اجمالی طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت سید شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محاورات کی جگہ بعض مقامات پر دوسرے محاورات رکھنے کی کوشش بھی کی گئی لیکن وہ کامیاب نہیں رہی۔ اس کی تفصیل یہ ہے

سورۂ التوبہ نمبر ۵ میں منافقین کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ وہ جہاد سے بھاگتے ہیں۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ۔ اگر پاویں کہیں بچاؤ یا کوئی گڑھی یا سر گھسانے کی جگہ تو الٹے بھاگیں اسی طرف

رسیاں تڑاتے

یہ ترجمہ بعض قدیم نسخوں سے لیا گیا ہے اور ہمارے خیال میں شاہ صاحبؒ کے اصلی الفاظ یہی ہے۔ سید عبداللہ نے اس محاورہ کی جگہ "باگیں تڑاتے" کا محاورہ لکھا ہے۔ اور کچھ نسخوں میں وہ نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ رومن انگریزی والے نسخہ نے بھی یہی محاورہ نقل کیا ہے۔ (began Turate صفحہ ۱۹۷)

عربی میں جَمَحَ، یَجْمَحُ، جَمْحًا وَجُمُوحًا کے معنی گھوڑے کا منہ زور اور سرکش ہونا آتے ہیں۔ الفرس الجموح۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو لگام سے قابو میں نہ آسکے۔ باگیں تڑا کر بھاگ جائے۔

سید عبداللہ صاحب اور ان کے اصلاح کنندگان رفیقوں نے عربی لغت کی رعایت سے حضرت شاہ صاحبؒ کا محاورہ ہٹا کر باگیں تڑانے کا ترجمہ کر دیا۔ لیکن جب ہم اس لفظ کا ترجمہ اردو محاورہ میں ادا کریں گے تو محاورہ وہی بولا جائے گا جو حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

اردو میں باگیں تڑانے کا محاورہ نہیں بولا جاتا۔ رسیاں تڑانے کا محاورہ آتا ہے۔

چنانچہ شاہ صاحبؒ کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس قرآنی فقرہ کا ترجمہ تبدیلی کے ساتھ شاہ صاحبؒ والے محاورہ سے ہی کیا۔ "تو رسیاں تڑا تڑا کر اس کی طرف دوڑ پڑیں"۔ ڈپٹی صاحب نے محاورہ میں تصرف کرکے اسے ذرا ثقیل کر دیا۔ لیکن اسے تبدیل نہیں کیا کیونکہ وہ اہل زبان تھے اور اس نکتہ کو سمجھتے تھے کہ اس موقعہ کے لیئے یہی محاورہ موزوں ہے۔[1]

---

[1] دلی میں رسیاں توڑ تاڑ کر بولا جاتا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے اپنے اطراف کی بول چال

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی شاہ صاحبؒ کے محاورہ کو استعمال کیا اور لکھا "تو رسیاں تڑاتے ادھر پھر جائیں گے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ زبان کے شہنشاہ ہیں۔ مگر مولانا نے اس محاورہ کو کچھ فرق کے ساتھ لکھا ہے۔

"ان منافقین کے دلوں کے خوف و نفرت کا یہ حال ہے کہ اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غار یا کوئی چھپ بیٹھنے کا سوراخ تو تم دیکھو کہ یہ فوراً اس کا رخ کریں۔ اور حالت یہ ہو کہ گویا رسی توڑ کر بھاگے جا رہے ہیں۔

یہ اصل محاورہ میں تصرف ہے اور محاورہ میں تصرف کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ چونکہ عربی لغت میں یہ لفظ گھوڑے کی سرکشی سے مطلق سرکشی اور دوڑنے کے معنی میں بولا جانے لگا۔ اس لیے دوسرے اردو مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ "سرکشی کرتے ہوئے گیا (شاہ رفیع الدینؒ") شتاب کناں (شاہ ولی اللہؒ) تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل دیتے (حضرت تھانویؒ) تو یہ ضرور دوڑتے ہوئے جلدی سے اس طرف چلے جائیں۔ (مولانا احمد سعیدؒ)

حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے محاورہ کی لذت کو محسوس کیا۔ اور اپنی جگہ برقرار رکھا۔ البتہ حاشیہ پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے ایک اچھا لفظ لکھا

غرض حکومت اسلامی کا خوف ایسا ہے تو سب دعوئی چھوڑ کر بے تحاشا اسی طرف بھاگنے لگیں۔ چونکہ نہ اسلامی حکومت کے مقابلہ کی طاقت ہے نہ کوئی پناہ کی جگہ ملتی ہے۔ اس لیے قسمیں کھا کھا کر جھوٹی باتیں بناتے ہیں (حمائل شریف ص۲۵۳)

کا محاورہ لکھا ہوگا۔ ڈپٹی صاحب کا اصل وطن بجنور تھا۔

بتوں کا جھپیٹا

حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق ان کی گمراہ قوم نے کہا۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (ہود ۵۴) ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں نے بری طرح۔

اس آیت کا صحیح لفظی ترجمہ حضرت سید شاہ ولی اللہؒ نے اس طرح کہا ہے۔

"نمی گویند الا آنکہ رسانیدہ اند بتو بعض معبودان ضررے"۔

یعنی ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ تجھ کو ہمارے بعض دیوتاؤں نے نقصان و تکلیف پہنچائی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان گمراہوں نے کس بات کو "سوء" برائی اور تکلیف سے تعبیر کیا ہے۔؟

حضرت ہودؑ بلکہ ہر نبی و رسول ہر قسم کے جسمانی عیب اور نقصان سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ عارضی طور پر بھی حضرت ہود علیہ السلام کسی بیماری میں مبتلا نہیں تھے۔ پھر ان کی قوم انہیں کس ضرر کا طعنہ دے رہی ہے۔

علماء تفسیر لکھتے ہیں کہ حضرت ہودؑ کے خیالات کو ان کی قوم نے خبط اور پاگل پنا قرار دیا اور اسے اپنے خداؤں کا غصہ بتایا۔ مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی لکھتے ہیں۔

یعنی تم جو بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور سارے جہاں کو بے وقوف بتلا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسیب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے۔ ...... کیوں کہ تم ان کی شان میں گستاخی

کرتے ہو۔

یہ بات ان کی قوم بہت سنجیدگی اور ہمدردی سے کہتی ہوگی۔ کیونکہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ ہمارے ہی جیسا ایک انسان چند باتوں کی خاطر ساری دنیا کو اپنا مخالف کیسے بنا سکتا ہے۔ یہ صرف، دیوتاؤں کو برا کہنے کی سزا ہی ہوسکتی ہے کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا۔ (معاذاللہ)

یہ لوگ اگر نبوت کی حقیقت کو جان لیتے تو یہ بات منہ سے نہ نکالتے۔ آیت کی اسی تفسیر کو سامنے رکھ کر عام مترجم حضرات نے آیت کا ترجمہ کیا ہے یشیخ شریف نے فارسی میں آسیب ترجمہ کیا ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ اردو میں بھی "آسیب پہنچایا ہے تجھ کو" ترجمہ کر رہے ہیں۔ یہی ترجمہ شیخ الہندؒ نے اختیار کیا ہے۔

ڈپٹی صاحب نے لکھا ہے "تجھ پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے"۔ مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی (مثل جنون وغیرہ) میں مبتلا کر دیا ہے۔ مولانا نے حاشیہ میں سب حضرات کے الفاظ جمع کرکے لکھا ہے۔ تجھ کو بری طرح جھپٹ لیا ہے اور کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ عربی لغت میں.... عَرَا۔ یَعْرُوْ۔ عَرْوًا وَاعْتِرَاءً کے معنی واقع ہوجانا، پیش آجانا۔ پہنچنا۔ آتا ہے۔ یہ لازمی ہے۔ مگر آیت میں ب کے ساتھ متعدی معنی میں بولا گیا ہے۔

اس وضاحت کے بعد غور کیجئے کہ قرآن کریم کے مرادمعنی کو اردو محاورے میں کونسا ترجمہ ادا کر رہا ہے؟۔

اردو میں "جھپٹنا" مصدر ہے اس کے معنی آتے ہیں۔ حملہ کرنے کے لیے کسی کی طرف تیزی سے لپکنا۔ ہاتھ مار کر کوئی چیز چھیننا۔ تیزی سے روانہ ہونا۔

داغ کا شعر ہے۔ ؎

نکلا جدھر وہ شوخ ہوا شور دیکھنا
دل کو جھپٹ کے کوئی ادھر سے نکل گیا

اسی مصدر سے جھپٹنا اور جھپیٹ کے الفاظ بنے ہیں۔ تیزی سے چلنے والی سواری یا کسی چیز کی زد میں آجانے کو جھپیٹ کہتے ہیں اور جن بھوت (عوام کے خیال کے مطابق) کی زد میں آجانے کو جھپیٹا کہتے ہیں۔ اور اچانک حملہ کو جھپٹ کہتے ہیں

پس شاہ صاحبؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کی قوم نے حضرت ہود سے کہا کہ تجھے ہمارے کچھ دیوتاؤں نے جھپٹ لیا ہے یعنی تو ہمارے دیوتاؤں کی جھپیٹ میں آگیا ہے۔ تب ہی تو تیری عقل خراب ہوگئی ہے۔

بعض کا لفظ کہہ کر یہ لوگ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تمام دیوتا تجھ سے ناراض ہوجاتے تو خدا جانے تیرا کیا حال ہوتا۔ چند دیوتاؤں کے بگڑنے سے تیری عقل جاتی رہی۔

شاہ صاحبؒ نے بِسُوْءٍ کو فعل سے متعلق بنایا ہے اور اس کا ترجمہ بُری طرح کر کے ترجمہ میں جان ڈال دی ہے۔ جبکہ شاہ ولی اللہؒ اور دوسرے حضرات اسے مفعول ثانی بنا رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے شاہ صاحبؒ کا لفظ جھپٹ استعمال کیا ہے۔ مگر جو انداز اختیار کیا ہے اس نے ترجمہ کو محاورہ سے گرا دیا ہے لکھتے ہیں

ہمارے کسی خدا کی تمہیں جھپیٹ پہنچی۔

اردو میں "جھپیٹ پہنچی" کا محاورہ نہیں۔ "جھپٹ لینا" کا محاورہ ہے۔ جھپٹ کے معنی اچانک حملہ کے ہیں۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے۔ کہ

اچانک ان پر بتوں کا حملہ ہو گیا۔ اور یہ مفہوم اس جگہ مراد نہیں[1] ہے۔ اوپر کہا گیا ہے کہ قوم ہودؑ کا یہ قول جاہلوں کے خیال کے مطابق تھا۔ ورنہ شریعت اسلامی بھوت پریت کے اثر کو اور جھپیٹے اور اوپری کے خیالات کو مہمل خیالات قرار دیتی ہے۔ (خدا محفوظ رکھے۔)

میدانِ جہاد سے پیٹھ نہ پھیرو

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ جہاد کے حکم سے کبھی منہ نہ موڑنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں کبھی پیٹھ نہ دکھانا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۔ (انفال ۱۵)	اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدانِ جنگ میں تو مت دو ان کو پیٹھ۔

پیٹھ دینا اور پیٹھ دکھانا اردو کا محاورہ ہے اس سے بزدلی دکھانا مراد ہوتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بھی شاہ صاحبؒ والے محاورہ کو استعمال کیا۔ اور لکھا "تو ان کو پیٹھ نہ دینا لفظی ترجمہ اس فقرہ کا یہ ہے۔ پس مت پھیرو ان سے پیٹھ کو۔" (شاہ رفیع الدینؒ) مولانا تھانویؒ نے اسے یوں کر دیا "تو ان سے

---

[1] حضرت تھانوی صاحبؒ نے قوم ہود کے جاہلانہ قول کا بطلان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ہودؑ کی قوم کے اس قول میں "دور لازم" آتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ شرک سے روکنا اعتراض کی وجہ سے ہے۔ اور یہ اعتراض شرک کی وجہ سے ہے۔ یہ دور نہیں تو کیا ہے۔؟ (بیان القرآن سورہ ہود)

پشت مت پھیرنا۔"

محاورہ کو چھوڑ دیا

کہیں کہیں شاہ صاحبؒ کی نظروں سے بڑے موقعہ کا محاورہ رہ بھی گیا ہے آخر انسان ہی تو ہیں۔ انسانی کمال خدائی کمال کے برابر کب ہوسکتا ہے یہ عظمت صرف کلام خداوندی کو حاصل ہے کہ زبان وادب کی کوئی خوبی اور معنی و مطلب کی کوئی برتری ایسی نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔..... لیکن اس کا ترجمہ اصل کے برابر کیسے ہوسکتا ہے ؟۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (الانفال ۲۶)

اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو۔ پھر نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری باؤ اور ٹھہرے رہو اللہ ساتھ ہے ٹھہرنے والوں کے۔

شاہ صاحبؒ نے تذہب ریحکم کا ترجمہ لفظی کیا ہے۔ حالانکہ یہاں اردو کا ایک بڑا اچھا محاورہ استعمال ہوسکتا تھا۔ ممکن ہے کہ شاہ صاحبؒ کے دور میں یہ محاورہ نہ بولا جاتا ہو۔ لیکن یہ محاورہ اردو کا بہت قدیم عوامی محاورہ ہے جیسے ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں" اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" مولانا تھانویؒ نے ڈپٹی صاحب کا یہ محاورہ قبول کرکے استعمال کیا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب دل کے اس محاورہ کی لذت سے واقف نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے اطراف کا محاورہ لانے کی کوشش کی۔ اب اس

ہیں وہ کتنے کامیاب ہیں۔ اس کا فیصلہ اربابِ ذوق ہی کر سکتے ہیں۔ مولانا بریلوی لکھتے ہیں۔ اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی۔

بزدلی کرنا اور ہوا کا جاتا رہنا۔ بہت کمزور اردو ہے۔

شاہ صاحبؒ کے محاورہ کا کوئی بدل نہیں

(النحل ۷) میں کہا گیا ہے۔ ...... لَمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ..... تم پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر۔

یعنی وہ جانور تمہارا سامان ان مقامات پر پہنچاتے ہیں۔ جہاں اگر تم خود پہنچانا چاہتے تو تمہیں جان توڑ کوشش کرنی پڑتی۔ ..... لیکن وہ اسے آسانی کے ساتھ پہنچا دیتے ہیں۔

اس فقرہ کے مختلف تراجم دیکھئے۔

۱:۔ مگر بمشقت جانہا۔(شاہ ولی اللہ)(۲) مگر ساتھ آدھی جان کے۔ (۳) بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے (تھانوی صاحبؒ)(۴) تم بے جان کاہی نہیں پہنچ سکتے۔(ڈپٹی صاحب)(۵) اپنی جان کو مشقت میں ڈالے بغیر (مولانا احمد سعیدؒ)(۶) مگر جان مار کر (شیخ الہندؒ) نے یہ محاورہ شاہ صاحبؒ کے محاورہ کی جگہ استعمال کیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے۔ ..... شِقّ ..... ش کے زبر اور زیر کے ساتھ مشقت اور محنت اور شِقّ کے معنی آدھا حصہ (حاشیہ جلالین ص۲۱۶) اور شَقّ مصدر کے معنی پھاڑنا آتے ہیں۔

مذکورہ تراجم میں تین ترجمے اردو محاورہ کے مطابق ہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ (آدھی جان) عربی لغت اور اردو محاورہ دونوں کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ (جان توڑ کر) بھی (شق کے مصدری معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے اردو محاورہ کی بہترین مثال ہے۔ تیسرے ترجمہ میں اردو کا محاورہ (جان مار کر) لایا گیا ہے۔ جو بہت اچھا ہے۔ مگر عربی لغت کی رعایت پہلے دو ترجموں میں بالکل واضح ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس عربی فقرہ کا ترجمہ اردو محاورہ میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں "تم اس تک نہ پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر"۔ خاں صاحب بریلوی نے ایک چوتھا محاورہ بہت اچھا ڈھونڈ نکالا۔ مگر یہ محاورہ بھی (شق الانفس) کے لغوی معنی سے اتنا ہی دور ہے جتنا تیسرا ترجمہ۔

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۔ (بنی اسرائیل ۳۰) تیرا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور کستا ہے۔

کسی نے لکھا، تنگ کرتا ہے۔ کسی نے، بند کر لیتا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے لکھا۔ نپی تلی کر دیتا ہے۔ لیکن شاہ صاحبؒ کے "کستا ہے"۔ کا جواب نہیں ہو سکتا۔"

مولانا احمد رضا خاں صاحب کو شاہ صاحبؒ کے اس لفظ کو قبول کرنا پڑا اور لکھا۔

"تمہارا رب جسے چاہے رزق کشادہ دیتا ہے اور کستا ہے۔"

اردو میں کشادہ کرنا آتا ہے، کشادہ دینا فصیح نہیں ہے۔ مولانا نے شاہ صاحبؒ کے پہلے لفظ کو بدل کر اپنے ترجمہ کو کمزور کر دیا۔

بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُهُمْ ہار گری ان کی دریافت

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ (نمل آیت نمبر ۶۶) بلکہ ان کو دھوکا ہے اس میں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

معنی کے لحاظ سے یہ بڑی پیچیدہ آیت ہے، حضرات قراء میں ابی عمر اور ابن کثیر اس لفظ کو اَدْرَكَ پڑھتے ہیں۔ باقی اکثر قراء ادّٰرَكَ پڑھتے ہیں۔ جو ہمارے ہاں مشہور و متداول ہے۔

لغت میں اَدْرَكَ کے معنی "پہنچا"۔ ادراک پہنچنا۔ باب تفاعل میں اکر تدارک ہوا اور پھر صرف کے مشہور قاعدۂ ادغام کے بعد ادراک رہ گیا۔ ادّراک کے معنی پے در پے اور مسلسل پہنچا۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں۔ ...."ای بلغ الحق ادرک" کے معنی اور تتابع و تلاحق، ادّارک کے معنی (ص ۳۲۳)

حضرت تھانوی ؒ نے بیان القرآن کے حاشیہ پر لکھا۔

لغت میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں مگر مجازاً یہ لفظ اضمحلال اور فناء کے مفہوم میں بھی بولا جاتا ہے۔ یہ لازم معنی کے اعتبار سے ہے۔ (ج ۸ ص ۵)

مطلب یہ ہے کہ جو چیز مسلسل اور پے در پے پہنچتی ہے۔ وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ادّارک کے معنی کمال کو پہنچنا اور فنا ہو جانا، دونوں آتے ہیں۔ اور یہ معنی لازم ہیں یعنی ملزوم بول کر لازم مراد لیا جاتا ہے۔

اب حضرات تابعین کے تفسیری اقوال ملاحظہ ہوں۔

قتادہ کہتے ہیں۔ لَمْ يَنْفَدْ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ۔ ان کا علم آخرت کے

بارے میں حقیقت تک پہنچا ہی نہیں۔ یعنی فنا ہوگیا۔ عطاء خراسانی اور مجاہد کہتے ہیں..... یُدَارَكَ وَیکمل یوم القیٰمۃ حیث لا ینفعھم..... ان کا علم قیامت کے دن مکمل ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ قیامت کی حقیقت آنکھوں سے دیکھ لیں گے مگر ان کے حق میں یہ علم سودمند نہیں ہوگا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ ”اضمحل علیھم فی الدنیا حین عاینوا الآخرۃ“۔ جب وہ دنیا میں بوقت موت آخرت کے آثار کا معاینہ کریں گے۔ تو ان کا علم، (کہ آخرت نہیں آتی) شکست کھا جائے گا (ابن کثیر ص۳۷۳)

صاحب جلالین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ أَادَّرَكَ پڑھتے تھے۔ اور بل کو استفہامیہ قرار دیتے تھے۔ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں ”کیا ان کا علم قیامت کے وقوع تک پہنچ گیا۔ یعنی انہیں معلوم ہوگیا اور یقین آ گیا کہ قیامت آئے گی۔ جو یہ لوگ اس کے وقت کا سوال کر رہے ہیں؟ (ص۳۲۳)

اب فارسی اور اردو مترجمین کے تراجم ملاحظہ فرمائیے:۔

۱:۔ بلکہ نہ رسید دانش اینہا در آخرت (شیخ شریف جرجانیؒ)

یہ امام قتادہ کے قول کی طرف گئے۔

۲:۔ بلکہ پے در پے متوجہ شد علم ایشاں در باب آخرت (شاہ ولی اللہؒ)

انہوں نے لغت کے حقیقی معنی اختیار کئے۔

۳:۔ بلکہ بکمال رسید علم ایشان در آخرت۔ یہ ترجمہ ایران کے شیعی علماء کا ہے۔ (مطبوعہ ایران)

انہوں نے امام مجاہد کے قول کو ترجیح دی ہے۔

۴:۔ بلکہ مختلف ہوا ہے علم ان کا بیچ آخرت کے (شاہ رفیع الدینؒ)

۵:- ان کے علم کا خاتمہ ہی ہوگیا۔ (ڈپٹی نذیر احمدؒ)

قتادہؒ کے قول کے مطابق ہے

۶:- آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست ہوگیا (حضرت تھانویؒ)

یہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

۷:- کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت جاننے تک پہنچ گیا (مولانا احمد رضا خان صاحب)

انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اختیار کیا ہے۔

۸:- اصل بات یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں ان منکروں کا علم تھک کر رہ گیا (مولانا احمد سعیدؒ)

۹:- بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارے میں (شیخ الہندؒ)

ان تمام ترجموں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو صاف صاف محسوس ہوتا ہے کہ شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ترجمہ اپنے اندر بڑا زور رکھتا ہے۔ ایک "ہار" دوسرے "گری" پھر علم کا ترجمہ دریافت ..... شاہ صاحب رحمۃ اللہ وبرکاتہ کا مطلب یہ ہے کہ ان منکرین کی، دریافت آخرت کے بارے میں شکست کھا گئی۔ کیونکہ یہ لوگ وحی الہی کی روشنی کے بغیر آخرت کی حقیقت کو پانا چاہتے تھے۔ مگر نہ پا سکے۔ اور نہ پا سکتے تھے۔

شاہ صاحبؒ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ عقل دوڑا کر تھک گئے۔ آخرت کی حقیقت نہ پائی، کبھی شک کرتے ہیں۔ کبھی منکر ہوتے ہیں۔

تھکنے کا لفظ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کے اندر ..... داخل نہیں کیا۔ بعد میں جب فوائد لکھے تو عوام کو سمجھانے کے لیے حاشیہ پر یہ لفظ لکھ دیا۔ ترجمہ کے اندر "ہار گری" ہی اختیار کیا، کیوں کہ تھکنے میں وہ بات کہاں

جو ہار کر گرنے میں ہے۔ ہارنے کے لفظ میں ذلت و تحقیر ہے۔ جو قرآن کی حقیقی مراد ہے کہ یہ منکر لوگ وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخرت کو جاننے کے معاملہ میں ہار گئے۔ ان کا علم و فکر شکست کھا گیا۔ یہ زبان سے مانیں یا نہ مانیں۔۔۔۔۔ ہار گرا۔۔۔۔ شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں اس مرکب لفظ کا استعمال ہو گا۔ یہ ہارنے اور گرنے کا مرکب ہے۔ آج کل یہ لفظ مستعمل نہیں۔

اردو مصدر نامے کے مصنف نے لکھا ہے کہ گرنا، کمزور اور ناتواں ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے اور ہارنے کے معنی میں بھی۔ (مصدر نامہ ص ۳۰۳)

اسی طرح ہرانا مصدر کے متعلق لکھتے ہیں کہ ہرانا، تھکانا اور کمزور کرنا کے معنی میں آتا ہے۔ (ص ۳۷۶)

انہی دونوں مصدروں سے یہ مرکب لفظ بنا ہے جس کا استعمال شاہ صاحبؒ کے بعد ختم ہو گیا۔ اور اب تھکا ہارا، بولا جاتا ہے، شاہ صاحب نے تھکا کا لفظ فوائد میں استعمال کیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اسی وجہ سے اشاہ صاحبؒ کے لفظ میں ترمیم کر کے اسے اس طرح کر دیا۔۔۔۔ تھک کر گر گیا۔۔۔ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ نے جدید محاورہ کے مطابق اس طرح کر دیا۔ تھک کر رہ گیا۔۔۔۔۔ اعراف میں دوزخی قوموں کے متعلق کہا گیا کہ جب سب قومیں دوزخ میں گر کر ایک جگہ جمع ہو جائیں گی تو پھر ایک قوم دوسری قوم کو مطعون کرے گی اور اسے لعنت ملامت کرے گی۔

حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَکُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا (۳۸) جب تک گر چکے اس میں سارے۔

دوسرے حضرات "ادارکوا" کے معنی پہنچ جائیں گے۔ مل جائیں گے، جمع ہو جائیں گے۔ کر رہے ہیں۔ مگر شاہ صاحب "گر چکے" لکھ رہے ہیں۔ جو لغت عرب

اور اصل واقعہ کے بالکل مطابق ہے۔

القلم میں بھی تدارک کا لفظ آیا ہے۔

لَوْلَا اَنْ تَدَارَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاۤءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ (نمبر ۵۰)	اگر نہ سنبھالتا اس کو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر۔

یہ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یونس علیہ السلام پر خدا کا فضل و کرم نہ ہوتا تو وہ مچھلی کے پیٹ سے نکل کر اسی چٹیل میدان میں برے حالوں پڑے رہتے۔ لیکن خدا تعالےٰ کی رحمت نے ان کو سنبھالا۔ کھڑا کیا۔ اور پیغمبرانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کے مشن پر واپس کیا۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (نمبر ۵۱)	پھر نوازا اس کو اس کے رب نے پھر کر دیا اس کو نیکوں میں۔

شاہ صاحبؒ نے اس آیت میں تَدَارَكَ کے لغوی معنی کی جگہ مرادی معنی اختیار کیئے۔ اس کے لغوی معنی پہنچا اور لاحق ہوا" ہیں۔ یعنی اس کے رب کا احسان اس کے پاس پہنچا۔ چونکہ جس کے پاس خدا کا فضل و احسان پہنچتا ہے۔ تو وہ اس کو سنبھالتا ہے۔ اس کی دستگیری کرتا ہے۔ اسے مصائب سے نکالتا ہے اس لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لازم معنی اختیار کیے اور موقعہ کے لحاظ سے اس کا ترجمہ" سنبھالتا"، کیا کیونکہ آگے پھینکنے کا ذکر آیا ہے اس کی مناسبت سے سنبھالتا کا ترجمہ ہی موزوں تھا۔

فارسی والے حضرات لغوی ترجمہ" مے یافتی اور دریافت اورا" کر رہے ہیں۔ شاہ رفیع الدینؒ" پالیا اس کو" لکھ رہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اردو کا سب سے پہلا ترجمہ ڈپٹی صاحب کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اگر پروردگار کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا تو برے حالوں چٹیل میدان میں پھینکے پڑے رہتے"۔

مولانا تھانویؒ اور مولانا احمد سعید صاحب نے ڈپٹی صاحب کا لفظ دستگیری ہی اختیار کیا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے لکھا۔ اگر اس کے رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی ...... "تدارک" کا لغوی ترجمہ کیا۔ شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ ہی کا ترجمہ باقی رکھا۔ صرف (ہی) کا لفظ پھینکا گیا کے بعد بڑھا دیا۔

فَاجْتَبٰهُ کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے "نوازا" کیا۔ "چنا یا منتخب کیا"۔ نہیں لکھا۔ اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ حضرت یونسؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس واقعہ کے وقت نبی تھے۔ خدا تعالیٰ نے اس امتحان کے بعد مزید نوازا اور ان پر مزید فضل و کرم فرمایا۔

دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ حضرت یونس اب تک نبی نہیں تھے۔ خدا تعالیٰ نے اس موقعہ پر انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ شاہ صاحبؒ کے ترجمہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

شاہ صاحبؒ کے ہاں اِجْتَبٰی کے معنی

شاہ صاحبؒ عام طور پر "اجتبٰی" کے معنی "چن لیا" کرتے ہیں۔ النحل میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا گیا۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ (نمبر ۱۲۱) اس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی

راہ پر۔

یہاں اشارہ یہ کیا ہے کہ اس موقعہ پر خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق طٰہٰ میں آیا ہے۔

وَعَصَیٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَیٰ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَیٰ — اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا۔ پھر نوازا اس کو اس کے رب نے، پھر متوجہ ہوا۔ اور راہ پر لایا۔

یہاں بھی شاہ صاحبؒ نے "اجتبا" کا ترجمہ "نوازنا" کیا اور یہ ترجمہ کر کے مفسرین کے دو قولوں میں سے ایک قول کو ترجیح دی۔

حضرت آدم علیہ السلام لغزش کے وقت نبی تھے، یا بعد میں آپ کو نبوت عطا کی گئی؟ ۔ مفسرین کے دونوں قول ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی۔ یہی لفظ سورۂ الحج میں بھی آیا ہے اور وہاں شاہ صاحبؒ نے مناسب حال ترجمہ فرمایا۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (نمبر آیت ۸۰) — اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔

دوسرے مقام پر امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بہترین امت اُمَّةً وَسَطًا کہا گیا ہے۔ اسی کے مطابق اس جگہ بھی شاہ صاحبؒ نے "پسند کیا" ترجمہ فرمایا۔ یعنی تم پسندیدہ امت ہو۔

بوجھوں مرتا گناہگار

سورۂ فاطر آیت نمبر ۱۸ میں فرمایا۔

اور نہ بوجھ اٹھاوے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا..... اور اگر پکارے کوئی بوجھوں مرتا اپنا بوجھ بٹانے کو۔ کوئی نہ بوجھ اٹھاوے اس میں سے اگرچہ ہو ناتے والا۔

آیت پاک کا متن اسطرح ہے۔

وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ (الفاطر ۱۸)

اس قرآنی جملہ کا جو ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا ہے وہ شاہ صاحبؒ کی زبان دانی کا بہترین نمونہ ہے۔ دو سو برس پرانے ان دو محاوروں کا ابھی تک کوئی بدل وجود میں نہیں آیا۔ حالانکہ اردو کو اپنی ترقی پر بڑا ناز ہے اور یہ ناز بجا ہے۔ غور کرو۔

اور اگر پکارے کوئی بوجھوں مرتا اپنا بوجھ بٹانے کو

فارسی کے مترجم حضرات کے پاس صرف ایک لفظ ہے ... گراں بار یا گراں بار شدہ..... شاہ رفیع الدینؒ صاحب تحت اللفظ ترجمہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ...... "بوجھ والا"۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب محاورہ بندی کے استاد ہیں مگر ان کے پاس بھی شاہ صاحبؒ کے محاورہ سے بہتر کوئی لفظ موجود نہیں تھا۔ انہوں نے شاہ صاحبؒ کی تقلید سے احتراز کیا اور لفظی ترجمے پر اکتفا کیا۔ لکھتے ہیں "اور کسی پر بھاری بوجھ ہو"۔

حضرت تھانویؒ نے اس طرح ترجمہ کیا۔ اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے"۔ یہ لفظی ترجمہ ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہ ترجمہ فرمایا۔ اور اگر پکارے کوئی بوجھل اپنا بوجھ

بٹانے کو"۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ نے فارسی والوں کا لفظ "گراں بار" اختیار کیا ہے انہیں بھی اردو کا اس سے بہتر لفظ نہ مل سکا اور فارسی لفظ کا سہارا لینا پڑا۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے شاہ رفیع الدینؒ کا لفظ "بوجھ والا" استعمال کیا۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مُثْقَلَةٌ کا ترجمہ "بوجھوں مرتا" کر رہے ہیں جس میں عربی لغت اور قرآنی مراد دونوں کی رعایت موجود ہے۔ ہر بوجھ والا دوسروں کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے نہیں پکارتا۔ وہی شخص پکارتا ہے جس سے اپنا بوجھ برداشت نہیں ہوتا اور وہ اپنے بوجھ میں دب کر پریشان ہو جاتا ہے وہی بوجھوں مرتا کہلاتا ہے۔

دوسری رعایت شاہ صاحبؒ کے ہاں یہ ہے کہ بوجھ بٹانے کے لیے لکھتے ہیں اٹھانے کے لیے نہیں لکھتے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا سارا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ اگر اٹھا سکتا ہے تو تھوڑا بہت بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ اسے تھوڑا سا ہلکا کر سکتا ہے۔ سارا بوجھ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔

اسی خیال کے مطابق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ نہیں لکھتے کہ کوئی بوجھوں مرتا اپنا سارا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو آواز دے گا بلکہ تھوڑا بوجھ بٹانے کے لیے آواز دے گا۔

اس آیت کے ترجمہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اردو دانی کا بڑا عمدہ مذاق پیش کیا ہے اسے بھی دیکھتے چلئے۔

مولانا لکھتے ہیں:۔

"اگر کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے" آیت میں نفس موصوف ہے جسے حذف کر دیا گیا ہے اور مثقلة اس کی صفت ہے جو موصوف کی رعایت سے مؤنث کے صیغہ سے لائی گئی ہے۔ مولانا نے عربی کی تانیث کا اردو میں تانیث کے ساتھ ترجمہ کر ڈالا۔ حالانکہ اردو میں نفس کا لفظ مذکر استعمال ہوتا ہے۔ مؤنث استعمال نہیں ہوتا۔ مولانا بریلوی کا ترجمہ ایسی دور کا ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ دہلوی کا ترجمہ دو سو برس پرانا ہے۔ اس میں اگر تذکیر و تانیث کا فرق ملتا ہے تو یہ قابل اعتراض نہیں۔

مثلاً شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لکھا ہے۔ "اور اگر پکارے کوئی جان بوجھ والا" آج اردو میں جان کا لفظ مؤنث بولا جاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے وقت میں یہ لفظ مذکر ہوگا۔

شاہ عبد القادر صاحبؒ کے ہاں مذکر اور مؤنث کی جو رعایت ہے وہ آج تک اسی طرح مستعمل ہے کسی لفظ کے ترجمہ میں اعتراض کی گنجائش آج دو سو برس کے بعد بھی نہیں نکلتی۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ (طٰہٰ ۵۹) کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن۔

حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرعون سے مقابلہ کرنے کے لیے ان کے قومی میلہ کا دن مقرر کیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دن کا ترجمہ "جشن کا دن" فرما رہے ہیں کوئی "روز آرائش، کوئی "دن زینت کا، کوئی "وہ دن جس میں میلہ ہوتا ہے" ترجمہ کر رہا ہے۔ لیکن شاہ صاحبؒ نے ٹھیٹ محاورہ کا استعمال کیا ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر نمبر ۹۹) اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین۔

اس آیت میں یقین سے مراد موت ہے۔ ابوحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں موت کے ناموں میں سے ایک نام "یقین" بھی ہے۔ چونکہ موت آنا یقینی ہے۔ اس لیے موت کو عرب لوگ یقین کے لفظ سے بھی یاد کرتے ہیں (حاشیہ جلالین ص ۲۱۵)

یہی وجہ ہے کہ سید شریف جرجانی سے لے کر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا تھانوی ان تمام حضرات نے یقین کا ترجمہ موت کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے "امر یقینی" کیا ہے اور اسی لفظ کو بعد میں حضرت شیخ الہند نے پسند کر کے اپنے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے محاورہ میں لا کر اس طرح لکھا ہے: "اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو"۔

اس آیت کا خطاب براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اوپر سے کئی آیات میں آپ ہی کو مخاطب کیا جا رہا ہے[1]۔

سورہ مدثر رکوع ۲ میں بھی یقین کا لفظ موت کے معنی میں آیا ہے۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِيْنُ (آیت نمبر ۴۷)	اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو جب تک آپہنچی ہم پر یقین آنے والی

شاہ صاحب حاشیہ پر لکھتے ہیں: "یعنی موت"۔

---

[1] تعجب ہے کہ اسی قسم کے الفاظ اگر تقویۃ الایمان میں مولانا شہید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیئے۔ تو خان صاحب بریلوی کے حلقہ نے مولانا کے خلاف آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔

ایک حدیث میں بھی یقین بمعنی موت آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَاِنِّیْ لَاَرْجُوْا لَهُ الْخَيْرَ۔

یعنی اس کے پاس موت آگئی اور میں اس کے لیے خیر کی امید رکھتا ہوں۔

اس ساری تشریح کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے الحجر کی آیت میں عربی زبان اور حدیث کے استعمال کے باوجود یقین کا ترجمہ یقین ہی کیا۔ موت نہیں کیا۔ مدثر میں البتہ یقین کے ساتھ "آنے والی" کا لفظ بڑھا دیا۔

وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ صاحبؒ موت کے لیے لفظ یقین کو برقرار رکھ کر موت کی حقیقت کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ ایک یقینا آنے والی چیز ہے۔ اور یقین کے ساتھ "پہنچے" کا لفظ لکھ کر اس شبہ سے بچانا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں یقین کے معنی تصدیق واذعان کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر شاہ صاحبؒ پہنچے کی جگہ "آئے" لکھ دیتے تو ضرور یہ احتمال پیدا ہوتا کہ یہاں یقین کے معنی ایمان و تصدیق کے ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ میں یقین کا لفظ لکھنے کے ساتھ ہی مدثر میں بھی اور اس سورۃ میں بھی توضیحی حاشیہ بڑھا دیتے۔ اس جگہ لکھا "یعنی موت کہ بے شک ہے"

حاصل یہ کہ شاہ صاحبؒ نے "اِتیان" کا ترجمہ آنے کے بجائے پہنچے اور آ پہنچی کر کے یقین کو موت کے معنی میں متعین کر دیا۔ دوسرے حضرات نے یقین کی جگہ موت ہی کا لفظ اختیار کر لیا۔

فَلَمَّا رَاَی الْقَمَرَ بَازِغًا پھر جب دیکھا چاند چمکتا۔

(سورہ انعام نمبر ۷)

فَلَمَّا رَاَی الشَّمْسَ بَازِغَۃً (نمبر ۸) پھر جب دیکھا سورج جھلکتا۔

لغت میں بَزَغَ کے معنی طَلَعَ (طلوع ہونا) آتے ہیں۔ مفسرین نے بازغاً کے معنی طالعاً کیے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے فارسی ترجمہ میں بھی دونوں جگہ طلوع کردہ ترجمہ کیا ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ نے دونوں جگہ روشن کیا ہے۔ لیکن شاہ عبدالقادرؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چاند کے ساتھ چمکتا اور سورج کے ساتھ جھلکتا ترجمہ کیا ہے۔ جھلکتا کے معنی کسی چیز کا پردہ میں سے محسوس ہونا لکھا ہے۔ (مصدر نامہ ۱۷۱)۔

شاہ صاحبؒ یہ لفظ لاکر یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند کے نکلتے ہی اس پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ کیا یہ میرا خدا ہو سکتا ہے۔؟ اسی طرح جب سورج طلوع ہوا تو اس کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ کیا یہ میرا خدا ہو سکتا ہے۔

پس جب چاند کے نکلتے ہی اس کی طرف دیکھا تو وہ روشن تھا۔ اور جب سورج کے طلوع ہوتے ہی اس کی طرف دیکھا تو وہ جھلک رہا تھا پھر آہستہ آہستہ اس کی روشنی صاف اور نمایاں ہوئی۔

سورج کو طلوع ہوتے ہی چاند کی طرح چمکدار نہیں کہا جا سکتا جھلکنا ضرور کہا جا سکتا ہے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (الحشر نمبر ۱۴)	لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ یا دیواروں کی اوٹ میں۔

کتنا مقفّیٰ ترجمہ ہے اور فصیح بھی البتہ صرف قریٰ محصنۃ کی ترکیب میں صفت موصوف کا ترجمہ مضاف مضاف الیہ قرار دے کر کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک آیت کا مطلب یہی ہے۔

صفت موصوف کے ترجمہ میں اس طرح کہا جائے گا۔ حفاظت والی بستیوں

ہیں یا دیواروں کی آڑ میں۔ تھانوی ؒ

حضرت شیخ الہندؒ کو شاہ صاحب کا یہ مقفی ترجمہ بہت پسند آیا ہے۔ اور حضرت نے اسے باقی رکھا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۔ (المجادلہ نمبر ۱)

سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی ہے تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی ہے اللہ کے آگے

دوسرے حضرات "شکایت کرتی ہے" ترجمہ کر رہے ہیں۔ مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محاورہ میں ترجمہ فرما رہے ہیں۔ جھینکنا کے معنی شکایت کرنا یا اپنا دکھڑا بیان کرنا۔

داغ کہتے ہیں ؎

دل میں نے لگایا ہے مگر دیکھئے کیا ہو
سب جھینکتے ہیں اپنے پرائے مرے آگے

یہ آیات اوس بن صامت کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی۔ ان کا نام خولہ تھا اس نے انہیں "اپنی ماں" کہہ دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسئلہ پوچھا اس وقت تک ظہار کا کوئی حکم نہیں اترا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ وہ عورت تجھ پر حلال نہیں۔ اس پر خولہ حضور سے حجت کرنے لگی اور بولی اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ پھر حضور! میں اس پر حرام کیسے ہو گئی۔؟

اسی کے ساتھ خولہ (رضی اللہ عنہا) اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے لگی کہ

اے میرے مولیٰ میرا گھر برباد ہو جائے گا، میرے بچوں کا کیا ہو گا۔ اے اللہ اپنے نبی کی زبان سے میری اس پریشانی کو دور کر دے۔

اس پر یہ وحی آئی اور ظہار کا مسئلہ بیان کیا گیا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے بیوی ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہوتی بلکہ کفارہ لازم آتا ہے۔

اس کے لیے جھینکنے کا لفظ کتنا اچھا ہے۔ اردو میں یہ لفظ خاص طور پر عورتوں میں بولا جاتا ہے اور عورتوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

موقع اور زبان دونوں کی نزاکت کا بیان

خُذُوْهُ.....	"پکڑو اس کو
فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ (الدخان ۴۷)	اور دھکیل لے جاؤ بیچوں بیچ دوزخ کے"

تمام حضرات نے کھینچو اور گھسیٹو ترجمہ کیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ "سواء الجحیم" ایک نہایت پست مقام ہے جسے دوسری جگہ "ہاویہ" کہا گیا ہے اور پستی کی طرف لے جانے کو دھکیلنا کہا جاتا ہے۔ گھسیٹنا اور کھینچنا بلندی کی طرف یا ہموار جگہ پر ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ ہی اس نزاکت کی رعایت کر سکتے تھے کہ اس موقع پر کیا لفظ موزوں ہو سکتا ہے۔

اس کی مثال سورۃ الطور میں ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (آیت نمبر ۱۳)	جس دن دھکیلے جائیں دوزخ کو دھکیل کر۔

دَعٌّ کے معنی دھکیلنا آتے ہیں اور اس جگہ تمام حضرات نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس واضح لفظ کے مطابق ہی الدخان میں دھکیل ترجمہ کیا ہے۔

بے جان تکتے ہیں تیری طرف مگر دیکھتے نہیں یہی حال مشرکین کا ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ آپ ان بے جان بتوں کو دیکھتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ بے جان اور بے حقیقت ہیں بھلا وہ آپ کو کیا دیکھتے۔

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف ۱۹۸) اور تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف اور کچھ نہیں دیکھتے۔

فارسی والوں کے ہاں " نظر کنند او رے نگرند" کے الفاظ ہیں جو لفظی ترجمہ ہے۔ اس سے بے جان بتوں کے دیکھنے کی حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے۔ " آنکھیں کر رہے ہیں تیری طرف" لیکن اس اشارہ سے یہ فقرہ محاورہ کے خلاف ہو گیا ہے۔ اردو میں آنکھیں کرنا محاورہ نہیں۔ آنکھیں دکھانا محاورہ ہے اور اس کے معنی بے وفائی کرنا آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے دور میں اس محاورہ کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ دیکھنے کی صورت بنا رہے ہیں۔ حقیقت میں وہ دیکھنے کے قابل ہی نہیں۔ ..... ڈپٹی صاحب نے بھی اس فرق کو ظاہر کیا ہے .... ان کے الفاظ یہ ہیں۔ "وہ تجھ کو ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ گویا وہ تیری طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ دیکھتے بھالتے خاک بھی نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے۔ کہ گویا وہ

آپ کو دیکھ رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے مداحوں کا بڑا دعویٰ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ہاں حضور کے لیے بڑا ادب ہے اور ہر لحاظ سے یہ ترجمہ سب پر فائق ہے۔ اس کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

اور" تو نہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا"

مولانا آزادؒ نے اس فقرہ کا ترجمہ صورت حال کے لحاظ سے اچھا کیا لکھتے ہیں "تمہیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تمہاری طرف تک رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیکھتے نہیں"۔ مولانا کے ہاں ایک لفظ (دکھائی دیتا ہے) ڈپٹی صاحب کا ہے اور ایک لفظ (تک رہے ہیں) شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے لفظ تکنے میں بڑی جان ہے۔ اردو میں تکنا کے معنی نظر جما کر دیکھنا۔ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا۔ آتے ہیں۔ داغؔ کہتے ہیں ؎

جہاں میں داغ نے دیکھا ہے کس کو
یہ تکنا چار سو کیا جانے کیا ہے

بے جان بتوں کے دیکھنے کی ظاہری صورت کو تکنے کا محاورہ بڑی خوبی سے ادا کر رہا ہے۔

سیاق کلام کے اعتبار سے اگرچہ اس آیت کا تعلق مشرکین کے بتوں سے ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے ان مشرکین کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی وہ لوگ حضور کو بظاہر تو دیکھتے تھے مگر درحقیقت جمال نبوت کی دید سے انکی آنکھیں محروم رہتی تھیں۔

بنی اسرائیل میں کہا گیا۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ	جب تو پڑھتا ہے قرآن دیتے ہیں ہم بیچ
وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ	تیرے اور ان لوگوں کے جو نہیں ملتے
حِجَابًا مَّسْتُوْرًا	پچھلا دینا ایک پردا ڈھانکا۔

مشرکین مکہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہ حجاب اور پردہ تھا۔ جو انہیں حضور کی حقیقی دید سے محروم رکھتا تھا۔

یہ پردہ کسی کو نظر نہیں آتا تھا بلکہ خود بھی یہ پردہ پردہ میں ڈھنکا ہوا تھا کیوں کہ۔

یہ پردہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر نہیں تھا بلکہ ان ضدی مشرکین کی آنکھوں، کانوں اور دلوں پر پڑا ہوا تھا۔

"حضرت شاہ صاحبؒ نے اس پر تفسیری فائدہ لکھا"

یعنی اس قرآن میں ایسی تاثیر ہے اور کافروں پر اثر نہیں ہوتا۔ یہی واسطہ کہ اوٹ میں ہیں۔ آفتاب سے جہاں روشن ہے، اور جس کی اس طرف پیٹھ ہے۔ اس کے حساب میں کہیں نہیں۔

برائی کے جواب میں بھلائی کرنا

حضرت حق نے ایمان والوں کے صبر وتحمل اور شرافت واحسان کی شان بیان کرتے ہوئے کہا۔

وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ	اور کرتے ہیں برائی کے مقابل بھلائی ان
اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ	لوگوں کو ہے پچھلا گھر۔

(الرعد ۲۲)

مفسرین نے اس آیت کے دو مطلب بیان کیے ہیں۔

۱:- یہ لوگ ظلم و زیادتی کے جواب میں نیکی اور بھلائی کرتے ہیں۔

۲:- یہ لوگ اپنے گناہ کے بعد نیکی کرتے ہیں اور اپنی برائی کے اثر کو اپنی نیکی، توبہ، استغفار اور صدقہ و خیرات سے دور کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک پہلا قول راجح ہے اور پہلی تفسیر آیت کریمہ کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے۔ شاہ صاحبؒ نے مقابل کا لفظ لا کر اپنے اختیار کردہ مفہوم کو واضح کیا ہے۔

بعد والوں میں سب ہی حضرات نے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی پیروی کی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے ترجمے کو برقرار رکھا ہے البتہ مقابل کی جگہ مقابلہ میں کر دیا ہے اور یہ لفظ سب سے پہلے ڈپٹی صاحب کے ہاں ملتا ہے مولانا تھانویؒ نے لغت عربی کی رعایت سے یہ ترجمہ کیا ہے۔ "بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں"۔ لغت میں دَرَأَ ..... وَرَءَ اُ کے معنی زور سے ہٹانا۔ دفع کرنا آتے ہیں اور مداہات کے معنی خوش اخلاقی سے پیش آنا آتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے لفظ "مقابل" لا کر دور کرنے اور دفع کرنے کے مفہوم کو ادا کیا ہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک شاہ صاحبؒ کا ترجمہ دونوں تفسیروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں۔ یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں اور اگر کبھی کوئی برا کام ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں بھلا کام یعنی توبہ

کرتے ہیں ۔(حمائل ص۳۲۶)

مولانا کی تشریح کے مطابق شاہ صاحبؒ کا ترجمہ تفسیر کے دونوں قولوں کی گنجائش رکھتا ہے۔

سورۃ القصص میں بھی اسی مفہوم کی ایک آیت ہے ۔اس میں شاہ صاحبؒ کا ترجمہ اس سے مختلف الفاظ رکھتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ	وہ لوگ پاویں گے اپنا حق دوہرا اور
بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ	بھلائی دیتے ہیں برائی کے جواب میں اور
السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ	دیا کچھ خرچ کرتے ہیں ۔

(نمبر ۵۴)

القصص کی آیت کے ترجمہ میں ڈپٹی صاحب نے ایک نیا انداز اختیار کیا ہے ۔ "اور نیکی سے بدی کا دفعیہ کرتے ہیں"۔ فارسی والے "دفع مے کنند" لکھ رہے ہیں ، اسی دفع کرتے ہیں کو ڈپٹی صاحب نے اردو کے محاورہ کا جامہ پہنا دیا ہے ۔پھر بعد میں مولانا تھانویؒ کے ہاں بھی "دفعیہ کرتے ہیں" کے الفاظ آگئے ہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ہاں بھی اس جگہ ایک نیا لفظ آیا ہے۔ اور ٹالتے ہیں یعنی بدل ڈلتے ہیں ساتھ بھلائی کے برائی کو۔ مولانا عثمانیؒ نے اس آیت کے تحت بھی اپنے فائدہ میں تفسیر کے دونوں قولوں کو نمایاں کیا ہے ۔ لکھا ہے "یعنی دوسرا کوئی ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے جواب میں مروت و شرافت سے کام لے کر بھلائی اور احسان کرتے ہیں یا یہ مطلب کہ کبھی ان سے کوئی برا کام ہو جائے تو اس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تاکہ حسنات کا پلہ سیئات سے بھاری رہے۔" (ص۵۰۷)

یہ دفتر بولتا ہے اس سے کیا مراد ہے ؟

اعمال نامہ کے متعلق قرآن کہتا ہے ۔

هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ — یہ ہمارا دفتر ہے بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک

(الجاثیہ نمبر ۲۹)

مدینہ کے مطبوعہ قرآنِ کریم کی پیشانی پر یہ آیت پاک لکھی ہوئی ہے ۔ ایک صاحب علم دوست اس آیت کے ترجمہ کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ قرآن کے لیے "بولتا ہے" کا لفظ کیا اچھا لگتا ہے ۔؟

میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں کتابنا سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ نامۂ اعمال اور دفتر حساب مراد ہے ۔

اس آیت پاک کو قرآن کریم کی پیشانی پر لکھنا اس کا بے محل استعمال ہے ۔

الجاثیہ کی طرح ایسی ہی ایک آیت المومنون میں بھی آئی ہے ۔

وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ — اور ہمارے پاس لکھا ہے جو بولتا ہے سچ ۔

(المومنون نمبر ٦۲)

یہاں بھی اعمال نامہ مراد ہے اور شاہ صاحبؒ نے "لکھا ہے" ترجمہ کر کے صاف اشارہ کر دیا ہے حٰم سجدہ میں انسانی اعضاء جوارح کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ۔

قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (نمبر ۲۱) — وہ اعضاء بولے ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو

قرآن کی پیشانی کے لیے تو یہ آیت موزوں ہو سکتی ہے ۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ۔ (بنی اسرائیل نمبر ۹) یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔

قرآن کے لیے خدا تعالیٰ نے کسی آیت میں بولتا ہے۔(ینطق) کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

ایک جگہ اوپر "یہدی" کا لفظ ہے اور ایک جگہ سورۃ النمل میں یقص کا لفظ ہے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔(آیت نمبر ۷۶) یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو

اعراف کس مقام کا نام ہے؟

قرآن نے اصحاب الاعراف کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَهُمْ (الاعراف نمبر ۴۶) اور اس کے سرے پر مرد ہیں کہ پہچانتے ہیں ان کو نشان سے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم۔ (نمبر ۴۸) اور پکارے دیوار کے سرے والے ایک مردوں کو کہ ان کو پہچانتے ہیں نشان سے۔

اوپر کہا..... وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ..... اور دونوں کے بیچ میں ہے ایک دیوار۔ لغت میں حجاب کے معنی پردے کے ہیں۔ چونکہ سورۃ الحدید میں جنت اور دوزخ کے درمیانی حجاب کو (سور) دیوار کہا گیا ہے۔ بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ (نمبر ۱۳)

اس لیے شاہ صاحبؒ نے حجاب کا ترجمہ دیوار کیا ہے یعنی وہ پردے کی دیوار ہے۔ اسی کو اعراف کہا گیا ہے اعراف کے معنی اونچی جگہ کے ہیں۔

اسی اعراف پر جو لوگ مقیم ہوں گے انہیں اصحاب الاعراف کہا جاتا ہے۔

اب عام طور پر علی الاعراف کا ترجمہ اعراف کے اوپر کیا جا رہا ہے جس کی تشریح مولانا عثمانیؒ اس طرح کرتے ہیں ۔" اسی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہو گا۔ اسی کو اعراف کہتے ہیں "۔ اصحاب اعراف وہ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ص ۲۰۲ لیکن شاہ صاحبؒ کے نزدیک اعراف والوں کا مقام اس پردہ کی دیوار کی بلندی پر نہیں ہو گا۔ بلکہ اس کے سرے پر ہو گا۔ فوائد میں فرماتے ہیں ۔

"جنت اور دوزخ کے بیچ میں دیوار ہو گی اس کے سرے پر مرد ہیں نجات والے جو حشر اور حساب سے فارغ ہیں"۔

اصحاب الاعراف کی جو حیثیت بیان کی گئی ہے کہ وہ نہ جنت میں بھیجے جائیں گے اور نہ دوزخ میں داخل کیے جائیں گے بلکہ درمیانی حالت میں رہیں گے۔

اس کے لحاظ سے ان کو "سرے پر" رکھا جائے گا۔ مراد قرانی سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔ بجائے "ان کو بلند مقام کی بلندی پر" رکھا جائے گا۔ کہا جائے۔

قوم لوط کی سزائے آسمانی

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس فعل بد میں مبتلا تھی۔ اس کی سزا اس طرح نازل فرمائی کہ اس بستی کو پلٹ کر رکھ دیا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (الحجر نمبر ۷۴) پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے۔

اردو میں اس شرمناک فعل کو اوپر تلے کہتے ہیں۔ اس محاورہ کی رعایت سے

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کا ترجمہ کیا ہے جو الفاظ قرآنی کے بھی عین مطابق ہے۔

مولانا تھانوی لکھتے ہیں ...... پھر ہم نے ان بستیوں کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور ان پر کنکر پتھر برسانے شروع کیے۔

شاہ صاحب کے ہاں محاورہ کی برجستگی اور ایجاز کی خوبی دونوں باتیں موجود ہیں۔ سورہ ہود میں بھی یہ جملہ آیا ہے۔ اس میں شاہ صاحب لکھتے ہیں ..... کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے۔ اردو میں اس طرح بھی بولتے ہیں۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں جو سزا اس قوم کو اوپر نیچے کر لے کی ملی وہ ان کی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت بھی رکھتی تھی۔ (ص ۲۹۹)

کفارہ کا ٹھیٹھ اردو ترجمہ

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۔ پھر جس کو پیدا نہ ہو۔ تو روزہ تین دن کا۔ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ (المائدہ ۸۹) یہ اتارہ ہے تمہاری قسموں کا۔

دوسرے حضرات ترجمہ کر رہے ہیں "جو نہ پائے یا جن کو مقدور نہ ہو۔" اور شاہ صاحب محاورہ کی رعایت سے نہایت فصیح جملہ تحریر فرما رہے ہیں "جس کو پیدا نہ ہو" پھر کفارہ کا ترجمہ تمام فارسی اور اردو والے کفارہ ہی کر رہے ہیں کسی کے پاس کوئی دوسرا عجمی لفظ کفارہ کے بجائے موجود نہیں ہے۔ لیکن شاہ صاحب کے پاس موجود ہے۔ یعنی "اتارا" ..... اردو میں "اتارا" کے معنی آتے ہیں۔ کسی کے سر کے چاروں طرف پھرا کر صدقہ کرنا یا اوپر سے نیچے لانا وغیرہ۔ ابھی سے "اتارا" لفظ ہے جو سر کے گرد پھرا کر دی جاتی ہے۔ (مصدر نامہ ص ۳۹)

لاُکَفِّرَنَّ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ (المائدہ نمبر۲) تو میں اتاروں گا تم سے برائیاں تمہاری دوسرے حضرات دور کر دوں گا ترجمہ کر رہے ہیں اور شاہ صاحب "اتاروں گا" "اتار" لفظ اسی سے بنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھر دیں اپنی نعمتیں

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّافِی	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام لگائے
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ	تمہارے جو کچھ ہیں آسمان و زمین میں اور
عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً۔	بھر دیں تم کو اپنی نعمتیں کھلیں اور چھپیں

(لقمان نمبر۲)

دو سو برس کے بعد زبان کی تبدیلی امر مسلم ہے اور حضرت شیخ الہندؒ نے اسی تبدیلی کا لحاظ رکھ کر پہلے فقرہ میں (میں) کا اضافہ فرمایا۔ یعنی اللہ نے کام میں لگائے لیکن اس کے بعد شاہ صاحبؒ کا پورا ترجمہ اردو ادب کا بہترین نمونہ پیش کر رہا ہے۔ اور کسی لفظ پر اس وقت تک پرانا پن طاری نہیں ہوا ہے۔

فارسی والوں نے اَسۡبَغَ اِسۡبَاغ کا ترجمہ" تمام کرد اور تکمیل کرد" کیا ہے شاہ رفیع الدینؒ نے "پورا کیا" لکھا ہے جو اس لفظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے اس لفظ کے ترجمہ میں اردو کا بہترین محاورہ استعمال کیا ہے۔ یعنی "بھر دیں تم کو"۔

شاہ صاحبؒ کے بعد اردو زبان و ادب کے ماہروں نے اس محاورہ کو بدل دیا۔ شاید ان حضرات نے اسے پرانا سمجھا یا انہیں اس محاورہ کے اندر کوئی کیف محسوس نہیں ہوا۔

ڈپٹی صاحب نے شاہ رفیع الدینؒ صاحب کا لفظ اختیار کیا "پوری کی ہیں"۔ مولانا تھانویؒ نے اسے کچھ بدل دیا اور لکھا "پوری کر رکھی ہیں"۔ حضرت شیخ الہندؒ نے لکھا "پوری کر دیں" مولانا احمد سعید صاحبؒ دلی کی اردو کے بہترین واعظ اور شاہ صاحبؒ کی قدیم اردو کے دلدادہ ، انہوں نے حضرت تھانویؒ کے الفاظ اختیار کیے۔

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محاورہ کی مقبولیت اور تازگی پر غور کرو۔ ایک لڑکا اپنی ماں سے لڑ رہا تھا "بیٹی کو بھرے جاتی ہو۔ کہاں تک بھروگی" یہ دلی کی زبان ہے

اردو والوں نے لکھا ہے۔ بھرنا لازم اور متعدی دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ کامل اور پورا ہونا۔ اور پورا اور مکمل کرنا۔

بھرنا حاصل مصدر بھی ہے۔ بولتے ہیں۔ ان کا بھرنا بھر دو۔ طنزاً یہ جملہ کہا جاتا ہے یعنی انہیں اچھی طرح دے دو۔ بھر دوسرے کو دینا۔

داغ کہتے ہیں۔

مجھے تم دیکھتے ہی گالیوں پر کیوں اتر آئے
بھرے بیٹھے تھے کیا محفل میں یہ بھرمار کیسی ہے

یعنی غصے میں بھرے بیٹھے تھے۔ ایک دم برس پڑے اور پے در پے برا بھلا کہنے لگے۔

داغ ہی کہتے ہیں۔

کیا دھرا تھا اس تہی خم خانے میں
ہم بھی آکر اپنا بھرنا بھر چلے۔

بھرنا ذمہ داری کے معنی میں بولا گیا ہے۔

اس وضاحت کے بعد شاہ صاحب کے محاورہ سے لطف اٹھاؤ۔ خدا تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے ہمارا گھر بھر رکھا ہے۔ وہ اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور ہمیں عطا فرماتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک لقمان میں دوسرے سورۂ سبا میں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ (السبا نمبر ۱۱) — اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا کہ بنا کشادہ زرہیں۔

عربی لغت میں "سَبَغَ" پورا ہونا۔ لمبا ہونا۔ کپڑے کا وسیع ہونا۔ رزق وروزی کا اور اَسْبَغَ کے معنی لمبی زرہ پہننا۔ سابغۃ کے معنی لمبی زرہ۔ سابغ لمبا کپڑا جو زمین سے رگڑتا ہوا جائے۔ صاحب جلالین نے سابغات کی تفسیر کی ہے وہ لمبی زرہیں جو زمین سے رگڑتی جائیں۔ (ص ۳۵۹)

سابغات..... کا ترجمہ اردو والے پوری زرہیں کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے "کشادہ زرہیں" ترجمہ کیا ہے۔ اور لفظ کشادہ سے سابغات کا معنی اچھی طرح واضح ہو رہا ہے۔

نہ آسمان رویا نہ زمین

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ — پھر نہ رویا ان پر آسمان اور زمین اور نہ ملی ان کو ڈھیل۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں کی بربادی پر یہ بات کہی گئی۔ کیونکہ مومن

کے بارے میں حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کی موت پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی اور اس کا عمل صالح اوپر جاتا تھا اور زمین کا وہ حصہ روتا ہے جہاں وہ خدا کی عبادت کرتا تھا۔ بخلاف ایک کافر کی موت کے۔ اس کی موت پر نہ آسمان روتا ہے اور نہ زمین۔

شاہ صاحبؒ کا یہ ترجمہ عربی لغت اور محاورہ دونوں کی پوری پوری رعایت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تمام اردو مترجمین نے انہی الفاظ کو دہرایا ہے۔ البتہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے نیا پن پیدا کیا ہے۔ لیکن اس نئے پن میں اردو کی جگہ عربی لفظ اختیار کر لیا: حالانکہ ڈپٹی صاحب اردو محاورہ استعمال کرنے کا بہت شوق رکھتے ہیں۔ دیکھئے ڈپٹی صاحب نے کیا لکھا ہے۔ .... ان پر آسمان و زمین کو رقت نہ آئی۔

ڈپٹی صاحب کی طرح حضرت تھانویؒ نے بھی شاہ صاحبؒ کے الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ اختیار کیے۔ لیکن حضرت تھانوی صاحبؒ نے اردو محاورہ کا دامن نہیں چھوڑا۔ لکھا ہے۔ نہ تو ان پر آسمان و زمین کو رونا آیا اور نہ ہی ان کو مہلت دی گئی۔ محاورہ میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ اس پر نہیں رویا اور یہ بھی بولا جاتا ہے کہ .... اسے اس پر رونا نہیں آیا۔

رونا مصدر بھی ہے اور حاصل مصدر بھی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے حاصل مصدر اختیار کیا۔

سب نبٹرنے والا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن نمبر۲۶) جو کوئی زمین پر ہے نبٹرنے والا ہے۔

مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ　　　　نہ نبڑیں باتیں اللہ کی

(لقمان نمبر ۲)

نبڑنا ختم ہونا۔ فنا ہونا کے معنی میں آتا ہے۔ شاہ صاحبؒ اسی ٹھیٹھ ہندی کے لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔

مصدر نامہ کا مؤلف لکھتا ہے۔ نبیڑنا کسی چیز کا ختم ہونا اور نبیڑنا کسی چیز کو ختم کرنا۔ پہلا مصدر لازمی ہے دوسرا متعدی ہے۔

استاد ذوق کہتے ہیں۔ ؎

اندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

داغ کہتے ہیں ؎

یاں تو نباہے جاتے ہیں عشق بتاں کے ساتھ
زاہد نبیڑ لیں گے وہاں کی وہاں کے ساتھ

اپنی نبیڑ یعنی اپنا کام پورا کر۔ زاہد نبیڑ لیں گے یعنی بھگت لیں گے۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ (الکہف ۴۲)　　　　اور سمیٹ لیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا۔

دوسرے حضرات نے لکھا ہے۔

(۱) وحالتیکہ برکف میزد (شیخ جرجانی) (۲) مے مالید دو دست خود را۔ (شاہ ولی اللہ) (۳) ملتا تھا ہتھیلیاں اپنی (شاہ رفیع الدینؒ) (۴) اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا (مولانا تھانویؒ) یہ محاورہ ڈپٹی صاحب نے لکھا ہے جو حضرت تھانویؒ نے

اختیار کیا ہے۔ ڈپٹی صاحب کا پورا ترجمہ یہ ہے "اور اس کی پیداوار عذاب کے پھیر میں آگئی تو وہ اس لاگت پر اپنے دونوں ہاتھ ملتا رہ گیا"۔ تھانوی صاحبؒ نے لکھا: "آفت نے آگھیرا" پہلے فقرہ کا ترجمہ ہے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ نے لکھا: "آفت ناگہانی سے گھیر لیے گیے اس پر صبح کو اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا"۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے لیے بھی ڈپٹی صاحب کے محاورہ کو استعمال کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور لکھا: "اور اس کے پھل گھیر لیے گیے تو وہ اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا"

ان تمام ترجموں کو سامنے رکھ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی خوبی پر غور کیجیے:۔

۱:۔ احاطہ کا ترجمہ پھلوں کی رعایت سے سمیٹنا ہی موزوں ہے۔ "گھیرنا" جو شاہ رفیع الدین صاحبؒ سے لے کر آخر تک کے تمام حضرات نے اختیار کیا ہے۔ وہ لفظی ترجمہ تو بہت اچھا ہے مگر اگلے لفظ پھل کی رعایت شاہ صاحبؒ ہی کے ہاں نظر آرہی ہے۔

۲:۔ اسی طرح اصل عبارت قرآن میں (قلب کفین)، ہتھیلیوں کو الٹنا پلٹنا ہے۔ اس مفہوم کی رعایت (ہاتھ نچانے) والے فقرہ میں ہے۔ نیز اس میں اظہار افسوس کے ساتھ اظہارِ تعجب بھی ہے۔

اسی خوبی کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کو برقرار رکھا ہے معمولی ردو بدل کیا ہے۔

دِل کھول کر صدقہ دینے والے

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ وہ جو طعن کرتے ہیں دل کھول کر خیرات

الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ	کرنے والے مسلمانوں کو اور ان پر جو
لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ	نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا، پھر ان پر
مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ	ٹھٹھے کرتے ہیں۔ اللہ نے ان سے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ (التوبہ ۷۹)	ٹھٹھا کیا اور ان کو دکھ کی مار ہے۔

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ و خیرات کی فضیلت پر وعظ فرمایا اس پر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ حضورؐ کی خدمت میں چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے حضور میں نے ان میں سے چار ہزار اپنے رب کو قرض دے دیئے اور چار ہزار اپنے اہل و عیال کے لیے اپنے پاس رکھ لیے۔

یہ مالدار صحابی تھے .... ایک غریب صحابی حضرت ابو عقیل انصاریؓ حضورؐ کی خدمت میں ایک صاع کھجوریں لائے اور عرض کیا حضور! میں نے رات بھر بوجھ ڈھویا ہے اور دو صاع کھجوریں حاصل کی ہیں ایک صاع اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیے ہیں اور ایک صاع خدا کی راہ میں دے رہا ہوں۔ حضور نے ان کا صدقہ بھی قبول فرمالیا۔

منافقین، حضرات صحابہؓ کا یہ ایثار دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے عبدالرحمٰنؓ کے صدقہ پر کہا، یہ ریاکاری ہے اور اس غریب انصاری کے صدقہ پر کہا خدا تعالیٰ تو غنی ہے اسے ان معمولی کھجوروں کی کیا ضرورت پڑی ہے۔

یہ صدقہ چونکہ نفلی تھا اس لیے مفسرین نے المطوعین کی تفسیر المتنفلین (یعنی بطور نفل دینے والے) سے کی۔

مترجمین میں حضرت تھانویؒ نے بھی "نفلی صدقہ دینے والے" ترجمہ کیا۔

فارسی والوں میں شیخ شریف نے "زیادہ دہندگان" ترجمہ کیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے "رغبت کنندگان" کیا یہی لفظ شاہ رفیع الدینؒ نے رکھا ہے

لغت کے اعتبار سے "مطوع" کے معنی جہش اور رغبت سے کام کرنے والے کے آتے ہیں۔ اسی سورت میں آیت نمبر ۵۳ میں کہا گیا۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ تو کہہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے۔

تمام مترجمین کے ہاں یہی الفاظ ہیں۔ الرعد نمبر ۱۵ میں آیا ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں خوشی سے اور زور سے۔

فارسی والوں نے کہا۔۔۔۔ خواہاں و ناخواہاں۔۔۔۔ حضرت تھانویؒ نے کہا۔۔۔۔ خوشی سے اور مجبوری سے۔

حٰم السجدہ نمبر ۱۱ میں آیا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا۔ پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ دونوں خوشی سے یا زور سے۔ بولے ہم آئے خوشی سے۔

یہاں تمام حضرات نے خوشی و ناخوشی ترجمہ کیا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے علاوہ جنہوں نے "خوشی سے یا زبردستی سے" لکھا ہے اور یہ لفظ ڈپٹی صاحب کے ہاں سے لیا گیا ہے۔

المائدہ نمبر ۳ میں ہابیل اور قابیل کے تذکرہ میں آیا ہے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کرنا چاہا۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ   پھر اس کو راضی کر لیا اس کے نفس

فَقَتَلَهٗ   نے خون پر اپنے بھائی کے۔

طَوَّعَتْ بھی طَوْعٌ سے ہے۔ اس کا ترجمہ کسی نے کیا .... آسان کرد برو اونفس او۔ (شیخ) پس سہل ساخت نفس او در نظر او (شاہ ولی اللہؒ) پس رغبت دلائی اس کو (شاہ رفیع الدینؒ) اس کو آمادہ کر دیا (حضرت تھانویؒ) یہ ڈپٹی صاحب کا لفظ ہے۔

فطوعت کا ترجمہ عجمی زبان (فارسی) میں سب سے پہلے شیخ شریف جرجانی نے "آسان کرد" آسان کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ترجمہ آیا اور شاہ صاحبؒ نے شیخ کے مفہوم کو باقی رکھ کر صرف الفاظ بدل دیئے اور "سہل ساخت" کر دیا۔

اس کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے آئے۔ ان ترجموں کا تقریباً ایک ہی وقت ہے فارسی والے حضرات کا ترجمہ معنی لازم کے لحاظ سے کیا گیا جس بات کا انسان کے دل میں شوق ہوتا ہے وہ اس پر آسان ہو جاتی ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں شاہ صاحبانؒ نے لغوی معنی اختیار کیے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ "رغبت دلائی" اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "راضی کر لیا" ترجمہ کیا۔

اس کے بعد ڈپٹی صاحب کا دور آیا۔ ڈپٹی صاحب نے اگلوں سے

الگ ایک نیا لفظ رکھنے کی کوشش کی "اور آمادہ کیا" ترجمہ کیا۔ آمادہ اور راضی کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ڈپٹی صاحب نے شاہ صاحبؒ ہی کے مفہوم کو برقرار رکھا صرف لفظ بدل دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی مفہوم کو بیان کرنے کا حق شاہ صاحبؒ ادا کر چکے تھے۔ ہابیل کہتا ہے۔ بھائی! مجھے قتل نہ کر۔ خدائی فیصلہ کے سامنے سر جھکا دے۔ اور دیکھ اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میں ہرگز تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں اپنے خدا سے ڈرتا ہوں۔

اپنے بھائی کی زبان سے محبت اور شرافت کے یہ جملے سن کر شقی دل بھائی قابیل کے اوپر اثر پڑا اور اس کا دل نرم پڑ گیا۔ مگر اس کے شرارت پسند نفس نے پھر اس کو بھڑکایا اور آخر کار بھائی کے خون پر راضی کر لیا۔

شاہ صاحبؒ کے بعد جس قدر ترجمے کیے گیے وہ تمام ترجمے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ کی تشریح کہے جا سکتے ہیں۔ ورنہ "راضی کر لیا" کے بعد اردو کا کوئی دوسرا لفظ ایسا نہیں جو اس سے زیادہ مناسب اور قریب المراد ہو سکتا ہو

اسی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے اس ترجمہ کو برقرار رکھا اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ سمجھی۔

حاصل یہ کہ طوع کے لغوی معنی شوق و رغبت کے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہر جگہ اس مفہوم کو موقعہ کے مناسب لفظ میں ادا کیا ہے۔

توبہ ۷۹ ..... میں ..... دل کھول کر ..... کا لفظ بھی موقعہ کے لحاظ سے بہت اہم مفہوم ادا کر رہا ہے۔ اردو میں دل کھول کر خرچ کرنا، اسی وقت بولتے ہیں۔ جب خرچ کرنے والا شوق کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خرچ کر رہا ہو۔

اس ترجمہ میں شانِ نزول کی روایت کے لحاظ سے نفلی صدقہ دینے کا مفہوم بھی ہے۔ اور لغوی معنی کی رعایت سے شوق و رغبت سے دینے کا مفہوم بھی ہے۔

فقہ کی اصطلاح میں "تطوع" کے معنی نفلی عبادت کے آتے ہیں۔ کیونکہ نفلی عبادت (فرضوں سے زیادہ عبادت) وہی شخص کرتا ہے جس کے اندر عبادت کا شوق اور اس کی رغبت ہوتی ہے۔

زور زبردستی اور مجبوری میں فرق

الرعد اور حٰمٓ السجدہ کی آیات میں قانونِ قدرت کی اطاعت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین اور کل کائنات نے قانونِ قدرت کے تحت چلنا منظور کر لیا اور یہی ان کا سجدہ اور ان کی عبادت ہے۔ ان آیات میں شاہ صاحبؒ نے خوشی کے مقابلہ میں زور کا لفظ استعمال کیا ہے۔ زور کا لفظ اردو میں طاقت اور حق دو معنی میں بولا جاتا ہے۔

اسی طرح لفظ زور کے ساتھ حق تعالیٰ کے کلام میں حاکمیت اور ربوبیت دونوں کا اظہار ہوتا ہے اور اس لفظ سے حق تعالیٰ کے کلام میں وقار پیدا ہو جاتا ہے مطلب یہ بنتا ہے۔ کہ اے میری مخلوق میرا تم پر زور ہے۔ میں تمہارا خالق ہوں محسن ہوں۔ میرے اس حق کا تقاضا ہے کہ تم میرے قانون کی پابندی کرو۔

اس کے مقابلہ میں۔

زبردستی اور مجبوری کے الفاظ میں وہ وقار نہیں ہے۔ ایک بادشاہ کہتا ہے۔ تمہیں میرا حکم ماننا ہے۔ خوشی سے مانو یا زبردستی سے، خوشی سے مانو یا مجبوری

سے .... دونوں جملوں میں ہلکا پن ہے اس کی بجائے اگر وہ کہے خوشی سے مانو یا زور سے ۔ تو اس فقرہ میں وقار ہے ۔ یہ فقرہ بھاری بھر کم ہے ۔ خالق عالم اپنی مخلوق پر اپنا زور ظاہر کر رہا ہے ۔ اپنے انعامات اور احسانات کا زور ۔ اپنی قوت و طاقت کا زور ۔ دونوں اشارے اس ایک لفظ میں موجود ہیں ۔

مجبوری اور زبردستی میں صرف طاقت کا مظاہرہ ہے احسانات و انعامات کا اظہار نہیں ہے ۔

مجرموں کی پشیمانی، آخرت میں

وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ (یونس ۵۴) "اور چھپے چھپے پچھتاویں گے جب دیکھیں گے عذاب"

میدانِ محشر میں مجرم لوگ جب اپنا انجام سامنے دیکھیں گے تو اپنی گزشتہ حرکتوں پر دل ہی دل میں پشیمان ہوں گے اور وہ اس ندامت کو دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیں گے ۔ لیکن آخر کار مجرموں کی ندامت ظاہر ہو جاوے گی اور وہ اپنی زبان سے اپنی نافرمان زندگی پر حسرت و افسوس کرنا شروع کر دیں گے ۔

يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ ہائے افسوس! میں نے بڑی زیادتیاں کیں ۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اسروا الندامۃ کا فقرہ لغوی اعتبار سے اضداد میں سے ہے یعنی اس کے دو مختلف معنی ہیں ۔

۱:۔ اَسَرُّوا اَیْ اَعْلَنُوا ۔ وہ اپنی ندامت کو ظاہر کریں گے ۔

اَسَرُّوا اَیْ کَتَمُوا ۔ وہ اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے ۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اس آیت کا ترجمہ اظہار کے معنی میں کیا ہے اور لکھا ہے
اور جب لوگ عذاب کو اپنی نظر سے دیکھیں گے تو اظہار ندامت کریں گے ... پھر
حاشیہ پر اس کی تشریح کی ہے ...... اخفاء لفظ سر سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی
بھید کے ہیں اور اظہار "اسارير الوجہ" سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ان شکنوں کے
ہیں جو پیشانی پر پڑ جاتی ہیں۔ (ص ۲۸۱) پھر اس آیت کے دوسرے معنی بھی حاشیہ پر
کیے ہیں .... دل ہی دل میں پچھتادیں گے۔

مترجمین نے فارسی کا پہلا ترجمہ یہ کیا "ظاہر کنند پشیمانی را" (شیخ جرجانی)
حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے معنی کیے۔ "در ضمیر خود دارند
پشیمانی"۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کی رائے کو ترجیح دی۔
کیونکہ اَسَرَّ بمعنی اخفٰی زیادہ مشہور ہے۔ عام طور پر اَسَرَّ کے معنی چھپانے کے
آتے ہیں۔ اسی شہرت کی وجہ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے

قرآن نے ذو معنی لفظ اس لیے اختیار کیا کہ آخرت کے دن مجرموں پر دونوں
حالتیں طاری ہوں گی۔ شروع میں رسوائی کے خوف سے اپنے ضمیر کی ندامت کو
چھپائیں گے۔ لیکن جب خدا کا فیصلہ سب کے سامنے آجائے گا تو ندامت اور
افسوس کا اظہار کرنے لگیں گے۔

قرآن کریم کے اس فقرہ کا لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے الفاظ
میں یہ ہے۔

"اور چھپادیں گے پشیمانی کو" اس کے مقابلہ میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ
کا ترجمہ اردو محاورہ کے مطابق ہے چھپے چھپے پچھتادیں گے۔ شاہ صاحبؒ کے

بعد یہ محاورہ بدلا اور ڈپٹی صاحب کے الفاظ میں اس کی صورت یہ بنی۔ ''دل ہی دل میں پچھتائیں گے۔

مولانا آزادؔ کا دور اردو کے عروج کا دور ہے۔ لیکن ڈپٹی صاحب کی زبان اس وقت تک تازہ ہے۔ مولانا نے انہی کا محاورہ استعمال کیا ہے جب انہوں نے عذاب اپنے سامنے دیکھا تو اپنی سرکشی اور انکار یاد کر کے دل ہی دل میں پچھتانے لگے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بلا وجہ ڈپٹی صاحب کے محاورہ کو ثقیل کر دیا۔ اور لکھا۔ دل ہی دل میں چپکے چپکے پچھتانے لگے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محاورہ کو بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ زبان کی تبدیلی اور ترقی کے باوجود شاہ صاحبؒ کے محاورہ میں مٹھاس موجود ہے۔

مردے کا مال سمیٹ کر کھانے والے

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ اور کھاتے ہو مردے کا مال سمیٹ

الْمَالَ حُبًّا جَمًّا کر سارا اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر

شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جملوں کے ترجمہ میں زبان کی بلاغت دکھائی ہے۔ اس کا اندازہ دوسرے تراجم کو سامنے رکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ سے پہلے ان دونوں قرآنی فقروں کا جو ترجمہ فارسی میں کیا گیا وہ بالکل سادہ اور لفظی ہے۔

ومے خورید مال میراث خوردن بسیار دوست مے دارید مال را۔ دوستی

بسیار۔ شیخ شریف اور حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ قریب قریب ایک ہی ہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اردو میں ان آیتوں کا لفظی ترجمہ اس طرح کیا ہے ...... اور کھاتے ہو تم میراث کو کھانا پے در پے اور دوست رکھتے ہو تم مال کو دوست رکھنا بہت۔ ...... اسی وقت شاہ صاحبؒ بامحاورہ اردو میں ان آیتوں کا مفہوم بیان کرتے ہیں:

۱:۔ میراث کا ترجمہ مردے کا مال کرتے ہیں۔ میراث کا اس سے بہتر ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

۲:۔ اَکْلًا مفعول مطلق ہے جو تاکید کے معنی دے رہا ہے۔ یعنی خوب کھانا۔ شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ کیا سارا۔

۳:۔ لَمًّا کے دو معنی آتے ہیں۔

ا:۔ مصدری معنی۔ جمع کرنا اور چننا

ب:۔ دوسرے معنی لم جس کی جمع لموم۔ بے شمار گروہ بے شمار حصے اور ٹکڑے، اس کا ترجمہ کیا۔ سمیٹ کر۔ مصدری معنی کے لحاظ سے۔

ایک دولت کا پجاری مردے کا مال کھاتا ہے اور سارا ہضم کر جاتا ہے۔ نہ حلال و حرام کو دیکھتا ہے اور نہ یتیموں اور حق داروں کا لحاظ کرتا ہے سارا مال ہر طرف سے سمیٹتا اور جمع کرتا ہے

قرآن مجید کی حقیقی مراد اس سے زیادہ بہتر لفظوں میں محاورہ کی چاشنی کے ساتھ بیان نہیں کی جا سکتی۔

چنانچہ شاہ صاحبؒ کے بعد والے ان دو فقروں کے ترجمہ میں اس سے بہتر تو کیا اس کے برابر بھی کوئی نمونہ پیش نہیں کر سکے۔ پہلے ڈپٹی صاحب کو دیکھئے۔

۱۔ مردوں تک کا ترکہ سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

حُبًّا جَمًّا ..... محبت کثیرہ / بہت چاہت، اس کا ترجمہ جی بھر کر / بے مثال ترجمہ ہے۔ اس سے زیادہ مبالغہ ممکن نہیں۔ ڈپٹی صاحب کا لفظ بہت عزیز / تھانوی صاحبؒ کا لفظ "بہت محبت" اس کے مقابلہ میں صرف لفظی ترجمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ زور جو قرآنی الفاظ میں ہے وہ اس سے ادا نہیں ہو سکا۔ مولانا تھانویؒ مولانا احمد سعید صاحبؒ وغیرہ نے شاہ صاحبؒ ہی کے الفاظ کو تھوڑی بہت ردوبدل کے ساتھ نقل کر دیا۔ کوئی نئی بات ان ترجموں میں پیدا نہیں ہو سکی ہے۔ البتہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ایک نیا محاورہ استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اور میراث کا مال ہپ ہپ کھاتے ہو اور مال کی نہایت محبت رکھتے ہو۔

خانصاحب کا محاورہ ہپ ہپ بچوں کی زبان ہے قرآن کریم کے ترجمہ کے لیے یہ محاورہ موزوں نہیں معلوم ہو رہا۔
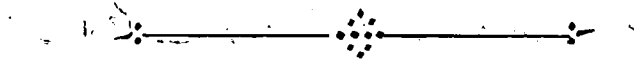
بعض مقامات پر

جمہور کی تفسیر سے الگ راہ اختیار کی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے متعلق خدا تعالیٰ سے درخواست کی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ	اے رب! مٹا دے ان کے مال اور
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى	سخت کر دے ان کے دل کہ نہ ایمان
يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس)	لاویں۔ جب تک دیکھیں دکھ کی مار۔

اس پر شاہ صاحبؒ بہترین فائدہ تحریر ہے۔ فرماتے ہیں۔

"سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی۔ مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے۔ اس میں عذاب تھم جاتا۔ کام فیصل نہ ہوتا۔ اس واسطے مانگا کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لاویں۔ دل ان کے سخت رہیں تا عذاب پڑ چکے۔ اور کام فیصل ہو۔"

اس آیت کا مطلب حضرت شاہ صاحبؒ نے جو بیان فرمایا۔ اس میں شاہ صاحبؒ بالکل منفرد ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ اسے پروردگار! فرعون اور اس کی جماعت کے متعلق یہ بات تو صاف ہو گئی حالات سے اور تجربات سے کہ یہ لوگ سچا ایمان اور دل سے یقین کرنے والے نہیں

ہاں جب کوئی آفت نازل ہوتی تو یہ لوگ زبان سے جھوٹا اور ریاکاری کا اقرار توحید کر لیتے ہیں۔ اس اقرار کی وجہ سے وہ آفت دور ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اور اس دکھاوے کے ایمان کی وجہ سے فیصلہ کن عذاب ان کے حق میں نہیں آتا۔

اب آپ ان کے دل اسقدر سخت کر دیجئے کہ یہ لوگ جھوٹا اقرار بھی نہ کر سکیں اور ایک فیصلہ کن بربادی سے دوچار ہو جائیں۔

اس آخری عذاب میں مبتلا ہو کر اگر یہ لوگ ایمان لائیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ ان کی نجات کا باعث نہیں ہوگا۔

اور اس طرح خدا کی زمین ان کے ناپاک وجود سے پاک صاف ہو جائیگی

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاویل میں سورۃ الاعراف نمبر ۱۳۴ کو سامنے رکھا ہے جس میں خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جب ان لوگوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو یہ عہد کرتے اور جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دور ہو جاتی تو پھر اپنا عہد توڑ دیتے۔

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ .... فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ .... الخ۔ شاہ صاحبؒ نے جمہور کی تفسیر سے الگ راہ کیوں اختیار کی اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کافر کے لیے ایمان سے محروم رکھنے اور کفر پر مرنے کی دعا کرنا جائز نہیں۔ ایسی دعا کرنا منصب رسالت کے خلاف ہے۔ رسالت کا فرض ہدایت دے کر جنت میں پہنچانا ہے۔ نہ اس کے برعکس مفسرین لکھتے ہیں۔ الدعاء علی الکافر المجهول العاقبة بموته علی الکفر فلا یحل (جلالین صکا)

جمہور کی طرف سے اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ ع
کو وحی الٰہی کے ذریعہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون ایمان سے محروم رہے گا۔ اس لیے
اس کے حق میں یہ بددعاء کر دی۔

پس حضرت موسیٰ ع دراصل خدا کی مراد اور منشا کے ترجمان تھے۔ لیکن اس
جواب پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ ایک رسول ظاہری حالات کی رعایت کا
ذمہ دار ہوتا ہے۔ تکوینیات کا دائرہ شریعت کے دائرہ سے الگ ہے۔ رسول
صاحب شریعت ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان
نبھاؤ نہ ہو سکا پس۔

حافظ ابن کثیر نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت موسیٰ ع کی یہ
بددعاء دراصل حق کی خاطر ایک دشمن پر غیظ و غضب کا اظہار تھا جس طرح حضرت
نوح علیہ السلام نے ..... رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ... الخ
میں اپنی قوم کے لیے بددعاء کی تھی (ابن کثیر ج ص ۴۲۹)

اس جواب سے جمہور کی تاویل اعتراض سے محفوظ ہو جاتی ہے لیکن حضرت
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ ایک رسول کی
طرف کسی معنی میں بھی کفر پر مرنے کی دعاء کو منسوب کرے۔ اس لیے شاہ صاحب رح نے
اوپر والی تاویل اختیار کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے
ریاکارانہ اقرار کے بارے میں دعا کی تھی کہ وہ بھی اس کی زبان پر جاری نہ ہو کیونکہ وہ
بار بار ایسا جھوٹا اقرار و عہد کر کے فیصلہ کن عذاب سے بچ جاتا تھا۔

اس دعاء کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو وحی آئی وہ یہ تھی۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔	فرمایا، قبول ہو چکی دعا تمہاری سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو راہ ان کی جو انجان ہیں ۔

دوسرے حضرات نے "قبول کی گئی ۔ قبول کر لی گئی"۔ ترجمہ کیا ہے ۔ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ "قبول ہو چکی" میں تاکید و اطمینان زیادہ ہے ۔

رَبَّنَا اطْمِسْ ....کا ترجمہ حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے "مسخ کن"۔ مسخ کر دے ۔ کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ فرعون کی دولت کنکر پتھر ہو گئی تھی ۔ ڈپٹی صاحب محاورہ میں لائے اور لکھا ۔ جھاڑو پھیر دے ان کے مالوں پر ۔

شاہ صاحبؒ کی اس منفرد تاویل سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو قرآن فہمی کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور شاہ صاحبؒ بعض مقامات پر اپنی اس انفرادیت میں سلف و خلف کے اندر بالکل ممتاز نظر آتے ہیں ۔

فعل ماضی، مضارع اور امر کے ترجمہ میں

شاہ صاحبؒ کا اسلوبِ بدیع

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے اندر مختلف افعال کے ترجمہ میں بڑی ندرت اور معنوی بلاغت و حکمت سے کام لیا گیا ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بہت غور طلب ہے۔

علماء معانی نے لکھا ہے کہ اگرچہ فعل کی اصل یہ ہے کہ وہ معروف ہو لیکن کلام عرب میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فاعل کو حذف کر کے فعل مجہول استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے مختلف وجوہ و اسباب ہوتے ہیں۔

مثلاً.... ۱۔ فاعل اتنا مشہور ہوتا ہے کہ اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء ۲۸) پیدا کیا گیا آدمی ناتواں (شاہ رفیع الدینؒ) خداوند عالم کی ہستی بحیثیت خالق کے اتنی مشہور ہے کہ اسے ذکر ہی نہیں لایا گیا۔ اور مفعول (مخلوق) انسان کو نمایاں کرنے کے لیے صیغہ مجہول سے اس اَمر کا اعلان کر دیا گیا کہ انسان فطری طور پر کمزور ہے۔

یہاں حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن کے مقصد کو اور زیادہ ابھارنے کے لیے یہ کیا کہ خُلِقَ جو متعدی ہے اس کا ترجمہ فعل لازم کا کر دیا۔ فعل لازم معروف ہوتا ہے مجہول نہیں ہوتا اس لیے مجہول کی بجائے معروف کا ترجمہ کرنا ضروری ہو گیا شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے ..... اور انسان بنا ہے کمزور۔ جو بات مقصد

کے طور پر کہنا چاہتا ہے وہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے پوری طرح واضح ہو گئی۔ اور ایک نظر میں یہ بات ذہن میں بیٹھ گئی کہ انسان ضعیف اور کمزور بنا ہے۔

۲:- فعل مجہول لانے کی غرض کبھی یہ ہوتی ہے کہ فاعل کو برا سمجھے۔ اور اسے حقیر قرار دینے کے لیے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ جیسے .....

وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

(الفاطر ۴)

شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے۔ ...... اور اگر تجھ کو جھٹلا دیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام۔ فعل مجہول (کُذِّبَتْ) لا کر مفعول (پیغمبران علیہم السلام) کی مظلومیت کو نمایاں کر دیا اور آیت میں یہی بات بطورِ مقصد کے ظاہر کرنی تھی۔

اگلے جملے کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے۔ اور طرف اللہ کے پھیرے جاتے ہیں سب کام۔ قرآن کریم میں پھیرنے والے اور لوٹانے والے خدا کو مشہور ہونے کی وجہ سے ذکر میں نہیں لایا گیا۔ تاکہ پڑھنے والے کا ذہن فوری طور پر مفعول (امور) کی طرف پہنچ جائے۔

شاہ صاحبؒ نے اس مقصد کو اور زیادہ ابھارنے کی خاطر فعل متعدی کو بمعنی لازم لیا اور مجہول کو معروف قرار دے کر ترجمہ کر دیا ..." اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام"۔ اب قاری کے ذہن میں بطور مقصد بغیر کسی تاخیر کے اور بغیر کسی رکاوٹ کے یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ تمام معاملات۔ تمام اعمال برے اور بھلے سب خدا تعالیٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں۔

۳:- فعل مجہول لانے کی ایک حکمت یہ ہوتی ہے کہ کلام میں اصل مقصود مفعول کا لانا ہوتا ہے۔ فاعل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ جیسے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (الجمعۃ۔۱۰) "پھر جب تمام ہو چکے نماز۔ تو پھیل پڑو۔ زمین میں"۔ اس آیت میں اصل بتانے والی بات نماز کا ختم ہونا تھا نماز پڑھنے والے فاعل سے کوئی غرض نہ تھی اس لیے فعل مجہول لایا گیا۔

۴:- کلام عرب میں یہ بات بلاغت کے عین مطابق ہے کہ جو بات مستقبل میں ہونے والی ہے اسے ماضی مجہول کے صیغہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے آخرت میں ہونے والے واقعات کو بالعموم اسی اسلوب بلاغت میں بیان کیا ہے۔ جیسے إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ۔ (سورہ تکویر ۲)

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے اور تارے میلے ہو جاویں اور پہاڑ چلائے جاویں۔

تہ کی گئی، چلائے گیے ..... ان افعال کا لفظی ترجمہ ہے اس کی جگہ فعل مضارع کا ترجمہ کیا گیا۔ گویا ان واقعات کا ہونا اسقدر یقینی ہے کہ اسے ماضی کی بات سمجھنا چاہیئے۔ إِنكَدَرَتْ فعل معروف اس لیے ہے کہ یہ لازمی آتا ہے متعدی نہیں آتا۔ اور فعل لازمی کا مجہول نہیں ہوتا۔

چند اور مثالیں۔

وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ (النساء ۱۲۸) .... ترجمہ شاہ صاحبؒ "اور جیوں کے سامنے دھری ہے حرص"۔ ..... قرآن حکیم کو اس نقرہ میں اصل بات یہ بتانی ہے کہ انسان کو حرص و ہوس ہر وقت چمٹی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ اس

ی فطرت اور جبلت میں ڈالی گئی ہے ۔ اس بات کو بتانے کے لیے فعل مجہول لایا گیا ۔ کیونکہ فاعل ذات حق ہے جس کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں ۔

شاہ صاحبؒ نے اپنے عام اسلوب کے مطابق "احضرت" فعل متعدی کو فعل لازم کے معنی میں لیا اور پھر فعل معروف کا ترجمہ کیا ۔ کیونکہ فعل لازم کا مجہول نہیں ہوتا ۔ شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کا مطلب یہ بنتا ہے کہ انسانی نفوس کے سامنے حرص حاضر رہتی ہے ۔ کسی وقت غائب اور علیحدہ نہیں ہوتی ۔

اب بتائیے اس بلیغ قرآنی فقرہ کا اس سے بہتر بلیغ ترجمہ اور کیا ہو سکتا ہے ۔ اردو میں دھرنا کے معنی آتے ہیں ۔ رکھنا ۔ ٹکانا ۔ جمانا ۔ یہ لفظ حاصل مصدر بھی ہے اور اس وقت اس کے معنی مطالبہ پورا کرانے کے لیے جم کر بیٹھنا ۔ اڑ جانا آتے ہیں ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس اُحضِرَتْ کے ترجمہ کے لیے رکھنے اور موجود ہونے کے الفاظ بھی تھے ۔ مگر شاہ صاحبؒ نے دھری کا لفظ اس لیے اختیار کیا کہ اس میں جمنے اور اڑنے کا مفہوم بھی ہے اور چونکہ حرص و بخل انسان کی فطری خصلت ہے اس لیے اس خصلت کے لیے دھری کا لفظ زیادہ موزوں ہے ۔

اب اس بلیغ آسمانی فقرہ کے دوسرے تراجم ملاحظہ فرمائیے ۔

۱:۔ و حاضر کردہ شدہ اند نفوس نزدیک بخل ۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یعنی حاضر کر دیئے گئے ہیں نفوس بخیلی کے نزدیک ۔

۲:۔ اور حاضر کی گئیں جانیں بخیلی پر ۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ

۳:۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ اس فقرہ کا ترجمہ قرآنی الفاظ کے دائرہ میں رہ کر محاورہ جیسا رواں اور برجستہ کس طرح کیا جائے ۔

اس لیے انہوں نے بالکل آزاد ترجمہ کر دیا۔" اور تھوڑا بہت بخل تو سب ہی کی طبیعت میں ہوتا ہے"۔ .... یہ آیت کا ترجمہ نہیں۔ آیت کا حاصل مطلب ہے۔

۴:۔ مولانا تھانوی صاحبؒ کے ترجمہ کو بھی حاصل مطلب ہی کہا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں ..... اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے۔

۵:۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے دو لفظوں (جیوں) اور (دھری) کو بدل کر ان کی جگہ "دلوں اور موجود" کو رکھ دیا ہے اور یوں ترجمہ کیا ہے "اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص"۔

۶:۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی الفاظ قرانی کی رعایت اور ترجمہ میں برجستگی۔ دونوں باتوں کو قائم نہ رکھ سکے اور لفظوں سے آزاد ترجمہ کر دیا۔ "اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں"۔

۷:۔ مولانا آزادؒ نے ڈپٹی صاحب کا رنگ اختیار کیا مگر الفاظ میں کچھ ردوبدل کر دیا۔ "حرص سبھی میں ہوتی ہے"

۸:۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی لفظوں سے آزاد رہے۔ نفس تنگ دلی کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں"۔

۹:۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا رنگ اختیار کیا اور لکھا۔ اور طبعاً ہر انسان کے سامنے حرص رکھی ہوئی ہے"۔

یہ تمام نئے اور پرانے تراجم آپ کے سامنے ہیں۔ انہیں غور سے پڑھ کر پھر شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی روانی اور لطافت اور ساتھ ہی الفاظ قرآنی سے ترجمہ کرکے انتہائی قرب پر غور کیجئے آپ کو شاہ صاحبؒ کی انفرادیت آج تک

برقرار نظر آئے گی۔

فعل کی نفی سے اختیارِ فعل کی نفی

شاہ صاحبؒ قرآن کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لیے فعل کی نفی کا ترجمہ اختیارِ فعل کی نفی سے کرتے ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ النمل ۸۰ — تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو۔

صحیح لغوی ترجمہ وہ ہے جو شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے کیا ہے۔

تحقیق تو نہیں سناتا مردوں کو اور نہیں سناتا بہروں کو۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے پہلے فارسی مترجمین نے اور شاہ صاحب کے بعد تمام اردو مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

تو نمے توانی شنوانید مرگان را۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں عجیب ہیر پھیر کیا ہے۔ "بے شک تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے"..... یہ تاویل بعید ہے۔ جمہور مفسرین آیت کا مطلب یہی بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بذاتِ خود یہ طاقت نہیں تھی کہ آپ مردہ دِل انسانوں کو قبول کے کانوں (دِل کے کانوں) سے پیغام الٰہی سنا سکیں۔ آپ ان لوگوں کے ظاہری کانوں تک آواز پہنچا سکتے تھے۔ مگر ان کے دلوں میں اپنی بات اتارنے کی طاقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ وہ صرف خداوندِ عالم کے

پاس ہے۔

شاہ صاحبؒ نے آلِ عمران (۲۴) میں فعل متعدی کا ترجمہ فعل لازم کا کیا کیوں؟

قرآن نے بتایا۔

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ۔ ترجمہ لفظی یہ ہے اور فریب دیا ان کو بیچ دین ان کے ان باتوں نے کہ تھے باندھ لیتے۔

(شاہ رفیع الدین صاحبؒ) قرآن نے غَرَّ کے فاعل کو (کانوا) اور مفعول (ھم) یہود دونوں کو ظاہر کیا۔ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ میں فعل متعدی غَرَّ کا ترجمہ فعل لازم کا کیا۔ اور یہ اشارہ کیا کہ افتراء چونکہ انہی کا ہے اس لیے وہی سب کچھ ہیں۔ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور بہکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر"۔

فعل لازم کے ترجمہ نے یہود کو فاعل بنا دیا اور جو فاعل تھا۔ وہ سبب بن گیا۔

لُغت عربی کی رعایت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں

عام فہم ہندی میں ترجمہ کی پابندی کے ساتھ عربی لغت کی رعایت شاہ صاحبؒ اس طرح ہیں کہ تحت اللفظ ترجمہ کرنے والے حضرات بھی اتنی رعایت کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ — خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الفاتحہ) — سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب ہے سارے جہاں کا۔

عربی میں حمد کے معنی ثنائے جمیل یعنی اچھی صفتیں بیان کرنے کے ہیں ظاہر ہے جس ذات میں اچھی صفتیں اور خوبیاں ہوں گی وہی تعریف کے قابل ہوگی اور اسی کی تعریف کی جائے گی۔

شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ اسی لیے کسی جگہ یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ سب تعریف اللہ کو ہے۔ جیسے الفاتحہ میں کیا۔ اور کسی جگہ ترجمہ کرتے ہیں کہ سب خوبی اللہ کو ہے

قرآن کریم کی پانچ سورتوں کا آغاز "حمد الٰہی" سے کیا گیا ہے۔ الفاتحہ[۱] الانعام[۶]۔ الکہف[۱۸]۔ السبا[۳۴]۔ الفاطر[۳۵]

فاتحہ اور انعام میں "سب تعریف" کرتے ہیں۔ سبا اور فاطر میں "سب خوبی" کرتے ہیں اور کہف میں ایک تیسرا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ — سراہیے اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ

الْکِتَابَ۔ پر کتاب۔

اس ترجمہ میں یہ اشارہ کرتے ہیں کہ الحمد للہ۔ لفظوں کے اعتبار سے تو جملہ خبریہ ہے مگر معناً یہ جملہ انشائیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کو ہدایت فرماتا ہے کہ اس طرح میری حمد و ثنا بیان کرو۔

شاہ صاحبؒ نے سورۂ فاتحہ کے فوائد میں بھی اس بات کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں ...... یہ سورۃ اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ اس طرح کہا کریں۔

امام راغب اصفہانی نے حمد کی تعریف میں لکھا ہے۔ کہ جو اوصاف اور کمالات کسی ذات میں اختیاری اور ذاتی ہوں ان کی تعریف و ثنا کا نام حمد ہے۔ شکر کے بھی یہی معنی ہیں۔ لیکن شکر اس تعریف کو کہا جاتا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی نعمت بھی ہو۔ اس لحاظ سے شاہ صاحبؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں حمد کے معنی شکر کیے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ عَلَی	شکر ہے اللہ کو جس نے بخشا مجھ کو اسمٰعیل
الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ	اور اسحٰق۔ بے شک میرا رب سنتا ہے
لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (ابراہیم آیت نمبر ۳۹)	پکار

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک خاص نعمتِ خداوندی کے مقابلہ میں اپنے رب کی تعریف و ثنا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ تعریف شکر کہلائے گی۔

کس قدر باریک بینی اور بصیرت قرآنی ہے۔؟ ..... اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو ہدایت فرمائی۔

فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا	تو کہہ۔ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (مومنون نمبر ۲۸) گناہ گار لوگوں سے۔
یہاں بھی ایک خاص نعمت کے مقابلہ میں خدائے نجات دہندہ کی تعریف کی جارہی ہے۔ اس لیے حمد کے معنی شکر کیجئے۔
سورۂ انعام میں ظالموں کی بربادی کو خدا تعالیٰ اپنا خاص انعام قرار دیتے ہوئے اپنے مظلوم بندوں سے کہتا ہے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا — پھر کٹ گئی جڑ ان ظالموں کی اور سراہیے
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ — کام اللہ کا جو رب ہے سارے جہان کا۔
(آیت نمبر ۴۵)

خدا تعالیٰ اپنے کام کو بندوں کے حق میں بڑی نعمت قرار دے رہا ہے۔ وہ کام یقیناً مظلوموں کے لیے بڑا مسرت انگیز ہے۔ اسی خوشی و مسرت کا اظہار ترجمہ میں کرتے ہیں اور بڑے جذباتی انداز میں شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
"سراہیے کام اللہ کا جو رب ہے سارے جہاں کا۔"
اگلے اور پچھلے تمام بزرگوں کے فارسی اور اردو تراجم سامنے ہیں۔ یہ تمام حضرات حمد و ثنا۔ ستائش و تعریف ہی کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔......
سوائے حضرت تھانویؒ کے جنہوں نے المومنون کی آیت میں البتہ یہ لکھا ہے۔
پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافروں سے نجات دی۔

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ — صاحب سارے جہاں کا

فارسی اور اردو والے حضرات "رب" کا ترجمہ، پروردگار۔ مربی۔ اور

پالنے والا کر رہے ہیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ "صاحب" کر رہے ہیں۔

صاحب جلالین نے ای مالک جمیع الخلق یعنی تمام مخلوق کا مالک لکھا ہے اور یہ علامہ زمخشری کی پیروی ہے۔ (کشاف ج ۱ ص ۴۲)

لیکن شاہ صاحبؒ نے "ربّ" کا ترجمہ "مالک" بھی نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ عربی میں "رب" کا لفظ بہت وسیع معانی رکھتا ہے۔ اہل لغت لکھتے ہیں۔

رب یرب باب نصر سے جمع کرنا۔ قابض ہونا۔ حکومت کرنا۔ اختیار رکھنا۔ زیادہ کرنا۔ پورا کرنا۔ اصلاح کرنا۔ درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانا (تسہیل الوہبیہ صفحہ ۷۵)

امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں آخری معنی بیان کیے ہیں اور لکھا ہے۔ "ھو انشاء الشئ حالا فحالا الی حد الکمال"۔

اہل لغت کے علاوہ خود قرآن کریم بھی اس لفظ کی تشریح حضرت موسیٰؑ کی زبانی اس طرح نقل کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا۔

فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى. قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى

(طٰہٰ) اے موسیٰ و ہارون تمہارا رب کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو وجود عطا کیا اور پھر زندہ رہنا سکھایا اور زندہ رکھا۔

یعنی مخلوق کو پیدا کرنا۔ پھر ہر قسم کی مخلوق کو اس کی ضرورت کے مطابق جسمانی اور روحانی غذا پہنچانا۔ تاکہ ہر شے اپنی حد کمال تک پہنچ جائے۔ یہ ہے ہمارے رب کا تعارف۔

ظاہر ہے کہ اس کام میں قدرت و حکومت کی ضرورت ہے۔ علم و تدبر کی ضرورت ہے۔ اتنے بڑے کارخانۂ عالم کو چلانے اور ترقی دینے کے لیے مخلوق کے

ساتھ رحم و محبت کا جذبہ چاہیئے۔

حاصل یہ کہ رب کے اندر مالکیت اور قوت کے ساتھ رحم و کرم اور محبت ورفاقت بھی ہے۔ رب کے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے عجمی زبانوں کے پاس کوئی لفظ موجود نہیں تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب عجمی زبانوں کا دامن خالی نظر آیا تو پھر آپ نے عربی کا ایک لفظ استعمال کیا اور وہ "صاحب" کا لفظ ہے یہ لفظ اس وقت کی علمی اور سرکاری زبان فارسی میں بولا جاتا تھا۔ اور قریب قریب اس لفظ کے جو معنی عربی میں ہیں۔ اسی مفہوم میں فارسی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

عربی میں صاحب کے معنی ساتھی، رفیق۔ حاکم۔ گورنر۔ دوست (تسہیل ص۴۰۵)

یہی معنی فارسی لغت والوں نے لکھے ہیں اور وہاں یہ لفظ اکثر مضاعف ہو کر بھی بولا جاتا ہے۔ صاحبِ اختیار۔ صاحب عزت۔ صاحب خانہ۔ صاحبِ عالم

مالک کے لفظ میں صرف حکومت و اختیار کا مفہوم ہے۔ محبت اور رفاقت کا مفہوم اس میں شامل نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ پورے قرآنِ حکیم میں رَبّ کا ترجمہ یا لفظ ربّ سے کرتے ہیں یا پھر "صاحب" کا لفظ لکھتے ہیں۔ پالنے والا، پرورش کرنے والا۔ کسی مقام پر نہیں لکھتے۔

اس اسلوب کی پابندی کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ عجمی زبانوں میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو صحیح طور پر عربی کے لفظ رب کے وسیع مفہوم کو ادا کرے۔

ذیل میں قرآنِ کریم کی چند آیات نقل کی جاتی ہیں جن میں شاہ صاحبؒ نے "اَلرَّبّ" کا ترجمہ "صاحب" کیا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا پاک ذات ہے تیرے رب کی عزت کا

يُصِفُوْنَ۔ (الصافات نمبر۱۸۰) صاحب۔ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ کرتے ہیں۔

عزت والا۔ عزت کا مالک۔ پاک ذات۔ اس جگہ رب کے معنی پرورش کرنے والے کے نہیں ہو سکتے۔ فارسی والے بھی "خداوند غلبہ" ترجمہ کر رہے ہیں سورۂ یوسف میں لفظ ربّ کئی موقعوں پر مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ شاہ صاحبؒ ہر جگہ موقع کے مطابق ترجمہ کرتے ہیں۔

اِنَّهٗ رَبِّیٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (آیت نمبر۲۳) وہ عزیز مالک ہے میرا۔ اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو۔

شاہ ولی اللہؒ نے یہاں "ایں شخص صاحب من است" لکھا ہے مولانا تھانوی رب کا ترجمہ مربی کر رہے ہیں۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ "انہٗ" کی ضمیر کا مرجع خدا تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں۔ اور ربّ کا ترجمہ ربّ ہی کرتے ہیں۔ شیخ شریف جرجانی نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ اور رب کا ترجمہ پروردگار کیا ہے۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس لیے ان کے اس قول میں ربّ کا ترجمہ مالک درست ہے۔ شاہ مصر کے ساقی کو حضرت یوسفؑ نے اس کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا۔

فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا (نمبر۴۱) سو پلا دے گا اپنے خاوند کو شراب۔

شاہ مصر اس ساقی کا مالک نہیں تھا۔ صرف آقا تھا اور یہ اس کا ملازم۔ شاہ صاحبؒ نے اسی لیے "خاوند" ترجمہ کیا۔ مالک نہیں کیا۔

آیت نمبر۴۱۔ ۴۲ میں تینوں جگہ حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

نے رب کا ترجمہ "مولا" کیا جو موقع کے مناسب ہے۔ دوسرے مترجمین کسی جگہ آقا اور کسی جگہ بادشاہ کے الفاظ لکھ رہے ہیں۔

حاصل یہ کہ صرف سورہ بقرہ میں تقریباً ۱۴ مقام پر رب کا لفظ آیا ہے اور شاہ صاحب نے ہر جگہ اس لفظ کو بعینہ ترجمہ میں قائم رکھا ہے جبکہ دوسرے حضرات نے پروردگار وغیرہ کا لفظ اختیار کیا ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ — انصاف کے دن کا مالک

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں۔

"یوم الدین" کا جملہ حضرات نے "روز جزاء کا" فرمایا ہے مگر شاہ صاحب نے صاف لکھ دیا کہ میں نے عوام کی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور عوام کے کلام میں جزاء کا لفظ شائع اور مستعمل نہیں۔

دوسرے اہل لغت اور حضرات مفسرین نے دین کے معنی جزاء اور حساب دونوں فرمائے ہیں۔ ان وجوہ سے غالباً حضرت ممدوح نے جزا کے بدلے انصاف کا لفظ اختیار فرمایا کہ عوام میں شائع ہے اور اس ایک لفظ میں جزاء و حساب دونوں آگئے۔ (مقدمہ موضح فرقان)

عربی میں دَانَ يَدِيْنُ دِيْنًا کے معنی بدلہ دینے کے آتے ہیں اور جب مصدر دِيْنًا وَدِيَانَةً ہو تو اس کے معنی اطاعت کرنے اور حکم ماننے کے آتے ہیں

اسی طرح عربی میں دوسرا لفظ اس معنی میں جَزٰى يَجْزِىْ جَزَاءً ہے جس کے معنی بدلہ دینا اور کافی ہونا آتے ہیں۔

فارسی والوں نے اسی لیے مالک یوم الدین کے معنی مالک روز جزاء لکھے

ہیں۔ جو فارسی کے لحاظ سے درست ہے۔

اردو والے حضرات بھی اس لفظ کا ترجمہ روز جزاء کرتے ہیں۔ حالانکہ اردو میں جزاء کا لفظ عربی اور فارسی والے مفہوم میں نہیں بولا جاتا بلکہ صرف اچھے بدلے کے مفہوم میں بولا جاتا ہے۔ برُے بدلے کے لیے سزا کا لفظ آتا ہے۔ اور یوں بولتے ہیں..... جزا و سزا۔

پھر اگر شاہ رفیع الدینؒ سے لے کر ڈپٹی نذیر احمد۔ مولانا تھانویؒ حضرت شیخ الہندؒ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور مولانا احمد سعید صاحب تک تمام اردو مترجمین روز جزاء لکھ رہے ہیں تو اس کے جواز کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔ کہ یہ حضرات فارسی ترکیب کو اردو میں استعمال کر رہے ہیں۔ اردو مفہوم کے لحاظ سے یوم الدین کے ترجمہ میں جزاء کا دن بولنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے ہندی اردو ترجمہ میں یوم الدین کا ترجمہ انصاف کا دن کرتے ہیں۔ اور یہ اس کا بہترین ترجمہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن کسی کو جزاء ملے گی اور کسی کو سزاء اور وہ سراسر انصاف ہو گا اور قیامت کا دن ہی صحیح معنی میں انصاف کا دن کہلانے کا مستحق ہے۔

مولانا مودودی صاحب ترجمہ میں۔ روزِ جزا کا مالک لکھنے کے بعد جب حاشیہ میں تشریح کرتے ہیں تو انہیں لکھنا پڑتا ہے کہ..... نہ اس کی سزا میں کوئی مزاحم ہو گا اور نہ اس کی جزا میں۔ کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اردو والے جزا کے ساتھ جب تک سزا کا لفظ نہیں بولیں گے اس وقت تک اس کا پورا مفہوم ادا نہیں ہو گا۔

ہاں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ روز جزا کی فارسی ترکیب سے احتراز کرتے ہیں اور لکھتے ہیں..... وہ جزا و سزا کے دن کا حکمران ہے۔

مولانا اس جملہ میں صرف جزاء کے لفظ پر اکتفاء نہیں کر سکتے تھے۔
مطالب القرآنؒ کے مولف نے بھی اس کی رعایت کی ہے اور یہ ترجمہ کیا ہے۔

جو جزاء اور سزاء کے دن کا مالک ہے۔

الدین کا ترجمہ جب اردو میں کیا جائے گا تو جزاء و سزاء دونوں لفظوں سے
ہی کیا جائے گا۔ صرف ایک لفظ جزاء کافی نہ ہو گا۔
مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے "روز جزا" کی فارسی ترکیب کا اردو ترجمہ
کر دیا اور لکھا..... جزاء کے دن کا مالک۔

لہ مطالب القرآن فی ترجمۃ القرآن مطبوعہ لاہور اس کے مترجم اور محشی مولانا سید محمد شاہ
ایم اے عربی ہیں اور اس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے۔ کہ
اس ترجمہ کو علماء کی مجلس فکر و نظر نے نظرثانی کے بعد شائع کیا ہے۔ اور
بطور مصدق کے اس ترجمہ پر ہند و پاک کے بڑے بڑے علماء کے اسمائے گرامی
درج ہیں۔
یہ ترجمہ میں نے حاجی سمیع الرحمٰن صاحب چمڑے والے کمستی پور بہار کے
پاس دیکھا ہے۔ ۲۴/ مارچ ۱۹۷۶ء
اس ترجمہ کو کافی محتاط پایا ہے۔
مگر بعض اہم مقامات میں اردو محاورہ کے استعمال میں اور مراد اصلی کی ادائیگی
میں جو فروگزاشتیں دیکھی ہیں وہ آگے سورۂ توبہ وھم یجمحون، سورۂ
یوسف انك لفی ضلالك القدیم، سورۂ طٰہٰ فعصٰی ادم ربه فغوی
اور الفتح فتحا قریبًا کے تحت دیکھی جائیں۔

حالانکہ اردو میں "جزاء کے دن کا مالک" مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا صحیح ترجمہ نہیں ہے۔

مولانا مرحوم نے پہلے ایڈیشن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ شائع کیا تھا لیکن بعد میں اس کی جگہ اپنا ترجمہ شائع کیا۔ یہی ترجمہ آجکل ملتا ہے۔

اس حقیقت کو شاہ صاحبؒ پورے ترجمہ قرآن میں اپنے پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور جہاں "یوم الدین" آتا ہے وہاں انصاف کا دن ترجمہ کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے سورۂ فاتحہ میں تو "انصاف کو بدل کر جزاء کا لفظ رکھا ہے۔ باقی اس کے بعد یوم الدین کو انصاف کا ہی دن کہا ہے۔ کہیں تبدیلی نظر نہیں پڑتی۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (واقعہ نمبر) یہ مہمانی ہے ان کی انصاف کے دن۔

یہاں انصاف کا لفظ موقعہ ومحل کے لحاظ سے کتنا موزوں ہے ۔۔۔۔ اس پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔ یعنی انصاف کا مقتضا یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے۔ حمائل شریف ص۶۹۵

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ذہین اور صاحب بصیرت عالم ہیں۔ ضروری تھا کہ حضرت کا ذہن کسی موقعہ پر اس طرف جائے کہ اردو میں جزاء کا لفظ سزا کے مفہوم پر حاوی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک مقام پر یہ بات نظر آگئی۔

سورہ ذاریات میں فرمایا۔

وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ بے شک انصاف تو ہونا ہے۔

شاہ صاحبؒ تو اپنا خاص ٹکسالی لفظ بول کر فارغ ہو گئے۔ مگر حضرت تھانویؒ کو محسوس ہوا اور حضرت نے ترجمہ میں تو یہ لکھا "اور جزاء ضرور ہونے والی ہے۔"

لیکن نیچے تشریح میں تحریر فرمایا اور (اعمال کی جزا و سزا) ضرور ہونے والی ہے
حضرت تھانویؒ اگر جزاء کے لفظ کو اظہار مدعی کے لیے کافی سمجھتے تو بریکٹ میں شرح
کے اندر سزا کا لفظ نہ بڑھاتے۔ (بیان القرآن کلاں صفحہ ۲ ج ۱۱)
شاہ صاحب "دین" کے لیے انصاف کے لفظ کو اتنا موزوں سمجھتے ہیں کہ
سورۂ یوسف کی حسب ذیل آیت میں بھی اپنے اسلوب کی پابندی فرماتے ہیں۔
مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ ہرگز نہ لے سکتا اپنے بھائی کو انصاف
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ۔
یہاں مراد بادشاہ مصر کا قانون ہے۔ مگر اردو میں بولا جاتا ہے۔ حکومت کا
انصاف یہ ہے۔ بادشاہ کے انصاف کا تقاضا یہ ہے۔ لفظ انصاف سے اس ترجمہ
میں محاورہ کی رعایت پیدا ہو گئی ہے۔
سورۂ واقعہ میں "الدین" سے مفعول کا صیغہ آیا ہے۔ اس میں شاہ صاحب
موقعہ کے لحاظ سے کتنا عمدہ ترجمہ فرماتے ہیں۔ غور کرو!
فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ پھر کیوں نہیں۔ اگر تم نہیں کسی کے حکم
تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ میں کیوں نہیں پھیر لیتے اس کو اگر ہو تم
سچے
دَانَ يَدِينُ دِيْنًا وَدِيَانَةً ...... اس مصدر کے بنا تھا اس کے معنی
تابعدار ہونا اور مطیع ہونا آتا ہے۔ اسی سے "مدینین" کا صیغہ بنا ہے۔ جس کے معنی
محکوم مطیع اور فرمان بردار کے ہیں۔
شاہ صاحب کتنا اچھا ترجمہ کر رہے ہیں۔ کہ اگر تم کسی کے حکم میں نہیں ہو۔ تو
ذرا اس نکلنے والی روح کو جسم میں واپس لوٹا کر دکھاؤ۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کر رہے ہیں۔ اگر ہستید غیر مقہور حکم الٰہی ... شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اپنے والد محترم کی پیروی کی اور لکھا ... اگر ہو تم غیر مقہور ......

یعنی اگر تم کسی ہستی کے قبضہ قدرت میں نہیں ہو بلکہ آزاد اور خود مختار ہو تو مرنے والے کی روح کو واپس کر کے دکھاؤ۔

شیخ جرجانی نے فارسی میں اور حضرت تھانویؒ نے اردو میں اس لفظ کو جزاء و بدلہ دینے کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے۔ اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں تو تم الخ ......

حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبد القادر صاحب نے حضرت میمون ابن مہران تابعی ہی کا قول اختیار کیا ہے۔ اور دوسرے حضرات نے سعید ابن جبیر اور امام حسن البصری کے قول کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ (ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۲۹۸)۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے یہاں بھی اردو کا ایک محاورہ زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے اور ترجمہ کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ... اگر تم کسی کے دبیل نہیں بستے تو جان کو بدن میں لوٹا کیوں نہیں لیتے۔ (واقعہ آیت نمبر ۸۶)

بہر حال حاصل دونوں ترجموں کا ایک ہی ہے لیکن سیاق و سباق کے لحاظ سے جو زور اور قوت شاہ عبد القادر صاحبؒ کے ترجمہ میں موجود ہے۔ وہ دوسرے ترجمہ میں کہاں

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اپنے حاشیہ میں دونوں ترجموں کے مطابق تشریح کرتے ہوئے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ یعنی ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو گویا تم کسی دوسرے کے حکم و اختیار میں نہیں یا کبھی مرنا اور

خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔
اگر تم کسی کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے (حمائل ۶۹)

معنی مجازی کی رعایت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں

کسی بات کو جب ایسے لفظ یا ایسی عبارت میں بیان کیا جائے جس کے لیے وہ وضع نہیں کیا گیا تو اسے مجاز کہا جاتا ہے۔
فُلَانٌ شُجَاعٌ .... فلاں شخص بہادر ہے۔ یہ حقیقی معنی میں بولا گیا ہے۔
فُلَانٌ اَسَدٌ ..... فلاں شخص شیر ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں۔
کیونکہ شیر ایک خاص درندہ کا نام ہے اور اس فقرہ میں یہ لفظ بہادر کے معنی میں بولا گیا ہے۔
علم معانی میں مجاز کی بہت سی قسمیں بیان کی گئی ہیں، مجاز شرعی۔ مجاز عرفی۔ مجاز لغوی وغیرہ۔
پھر معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان چونکہ کوئی نہ کوئی علاقہ ہوتا ہے۔
کبھی سببیت کا کہ اس کے برعکس مراد کیا جائے وغیرہ
اس مجاز کا تعلق اسم سے ہوتا ہے اور اگر فعل کے مجازی معنی مراد لیے گئے ہوں تو اسے مجازِ طبعی کہا جاتا ہے۔
پھر اگر مرکب کلام مجازی معنی میں لایا گیا ہے تو اسے مجاز مرسل مرکب کہتے ہیں

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجازی معنی کا اظہار بڑی خوبی سے کرتے ہیں اور شاہ صاحبؒ کی قرآنی بصیرت مجازی معنی اور خدا تعالیٰ کی حقیقی مراد کو اچھی طرح سمجھ لیتی ہے۔

آگے تشبیہ۔ استعارہ۔ اور کنایہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ بھی مجاز ہی کی قسمیں ہیں۔

کنایہ تشبیہ اور استعارہ کی رعایت

لغت عربی میں تشبیہ کے معنی تمثیل کے ہیں۔ اصطلاح معانی میں جب کسی چیز دوسری چیز سے مشابہت دے کر بیان کی جائے تو اسے تشبیہ کہا جاتا ہے۔

مخاطب کو اپنا مطلب آسانی سے سمجھانے کے لیے تشبیہ و تمثیل سے کام لیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم نے بلاغت کے اس اسلوب کو بہت استعمال کیا ہے۔

استعارہ مختصر تشبیہ کا نام ہے۔ بعض دفعہ کمال مشابہت کی وجہ سے مشبہ کو عین مشبہ بہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہی استعارہ ہے۔

استعارہ کی چند قسمیں ہیں۔ استعارہ حقیقیہ۔ استعارہ عقلیہ۔ استعارہ تخییلیہ۔

تشبیہ کی مثال :۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران ۵۹)	عیسٰی کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو ہو جا۔ وہ ہو گیا۔

یہاں عیسی علیہ السلام مشبہ اور آدمؑ مشبہ بہ۔ کاف حرف تشبیہ۔ بغیر ماں

باپ کے پیدا ہونا وجہ شبہ ہے۔

استعارہ کی مثال:۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (الملک ۵) اور ہم نے رونق دی دنیا والے آسمان کو چراغوں سے۔

یہاں ستاروں کو بطور استعارہ چراغوں سے تشبیہ دی ہے۔

کنایہ مجاز کی ایک قسم ہے۔ فرق یہ ہے کہ مجاز میں اصلی معنی مراد نہیں ہوتے اور ایسا قرینہ موجود ہوتا ہے جس سے اصلی معنی کا مراد لینا بھی جائز ہوتا ہے۔

کنایہ میں لفظ کے لازم معنی مراد ہوتے ہیں۔ اس کی مثال جیسے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان ۱۸) اور اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی طرف۔

یہاں گلے پھلانے سے غرور تکبر کی طرف اشارہ ہے گلے پھلانا عرب کا محاورہ ہے جس سے تکبر مراد لیا جاتا ہے۔

دوسری مثال:۔

لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل ۲۹) اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو نرا کھولنا۔

یہاں ہاتھ گردن سے باندھنا اور کھولنا کنایہ ہے فیاضی اور بخیلی سے حاصل یہ کہ علم بیان کے یہ چاروں اسلوب۔ مجاز۔ تشبیہ۔ استعارہ۔ کنایہ قرآن کریم میں کثرت سے استعمال کیے گیے ہیں اور اس سے کلام الہی کی معجزانہ شان اس طرح بلند ہوئی ہے کہ اس کی مثال پیش کرنے سے اہل زبان قاصر ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ بھی اس کا خیال رکھتے ہیں کہ اپنے ترجمہ میں ان اسلوبوں کی پوری پوری رعایت موجود رہے۔

نیکیوں کی دشوار گھاٹی استعارہ کی مثال

حضرت شاہ صاحب قرآن کریم کے ہر لفظ کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر کوشش فرماتے ہیں کہ اردو، ہندی میں اس قرآنی لفظ اور عربی محاورہ کا کسی نہ کسی حد مفہوم ادا ہو جائے اور واقعی شاہ صاحب اپنی اس کوشش میں حیرت انگیز حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔

سورۂ بلد کی آیت ہے

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ سو نہ ہمک سکا گھاٹی پر اور تو کیا بوجھا کیا ہے وہ گھاٹی۔؟

چھڑانا گردن کا یا کھلانا بھوک کے دن میں۔ بن باپ کے لڑکے کو جو ناطے دار ہے۔ یا محتاج کو جو خاک میں رلتا ہے۔

دو چٹانوں کے بیچ میں پتھریلے راستے کو گھاٹی کہتے ہیں۔ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہوتا ہے۔ قرآن ضرورت مند مخلوق کی مدد کرنے کے کاموں کو گھاٹی سے تشبیہ دے رہا ہے۔ گردن چھڑانا۔ برائے رواج کے غلاموں کو آزاد کرنا بھوک میں بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ رشتہ دار یتیم کی سرپرستی کرنا۔ خاک میں رلنے والے اور خاک نشین محتاج کی مدد کرنا۔ یہ سب کام انسانی نفس پر بڑے شاق گزرتے ہیں۔ ان کاموں کو قرآن گھاٹی سے گزرنا قرار دے رہا ہے۔

قرآن نے گزرنے اور داخل ہونے کے لیے اقتحام کا لفظ استعمال کیا۔ عام طور پر فارسی اور اردو والے مترجمین اس لفظ کا ترجمہ گزرنا۔ داخل ہونا اور آیدکر رہے ہیں لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ کا صحیح مفہوم ذہن نشین

کہنا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

"سو نہ ہمک سکا گھاٹی پر"۔

عربی لغت والے "اقتحام" کا ترجمہ کر رہے ہیں ..... بے سوچے سمجھے اور اندھا دھند کود پڑنا (تسہیل العربیہ ص۶۴۲)

صاحب قاموس القرآن لکھتے ہیں۔ اِقتحم آچڑھا، وہ گھسا۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب اردو کے بڑے ادیب اور عربی کے ماہر ہیں۔ وہ ترجمہ کرتے ہیں۔ ہو کر نہ نکلا مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے ڈپٹی صاحب کے لفظ ہی کو اختیار کیا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں "پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا"

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے لکھا "پھر گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا" ڈپٹی صاحب ہی کا ترجمہ باقی رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اقتحام کے عربی کے مفہوم کو اس طرح ادا فرمایا "سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر"۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے حضرت شیخ کے ترجمہ کی اس طرح تشریح فرمائی۔ اسے توفیق نہ ہوئی کہ دین کی گھاٹی پر آدھمکتا اور نہ مکارم اخلاق کے راستوں کو طے کرتا ہوا فوز و فلاح کے بلند مقامات پر پہنچ جاتا (حمائل شریف ص۷۷۶)

مولانا احمد سعید صاحب نے اپنے تشریحی نوٹ میں لکھا ہے۔ ہمکنا اردو کا پرانا محاورہ ہے یعنی طبیعت کی رغبت سے کسی چیز کے حاصل کرنے کو بڑھنا۔ عام طور سے چھوٹا شیر خوار بچہ جب گود میں آنے کو ہاتھ بڑھاتا اور اچھلتا ہے۔ تو اسے ہمکنا کہتے ہیں۔

اس سے پہلے لکھا ہے۔

اقتحام کے معنی داخل ہو جانے اور ہمک کر اس دشوار راستے میں داخل ہو جانے کے ہیں۔ (ضمیمہ کشف الرحمٰن ج ۱)

مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف اردو مصور نامہ میں "دھمکنا" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قوت کے جذبہ کے ساتھ داخل ہونا کہ قدموں کی ضرب کی آواز نکلے۔ محاورہ ہے۔ آدھمکا۔ جادھمکا۔ (ص۲۱۵)

ہمکنا کے متعلق لکھتے ہیں..... انسان کے بچہ کا اچھلنا۔ ہاتھ پاؤں مارنا۔ اور اچکنا۔ (ص۸۰۳)

اب شاہ صاحبؒ کے ہمکنے کے لفظ کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ شوق و رغبت کے ساتھ کوشش کرنا تاکہ اعمال خیر کی دشوار گزار گھاٹی کو عبور کر لیا جائے۔ ہمکنے کے لفظ میں شوق و رغبت، ایک معصوم بچے کی اطرح اٹھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا۔ ماں باپ کی طرف محبت اور سوال کی نظروں سے دیکھنا، اسی جذبہ اور کیفیت کے ساتھ نیکی کے لیے کوشش کرنا خدا تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

آدھمکنے میں قوت کا مفہوم ہے ہمکنے میں ایک معصوم شوق اور ایک بے بس مخلوق (بچہ) کی تڑپ ہے جسے دیکھ کر ماں باپ کو ترس آتا ہے۔ اور پھر ماں باپ اس بچے کو گود میں لے لیتے ہیں۔ انسان کی کیا مجال کہ وہ اپنی قوت پر بھروسہ کر کے کوئی نیک کام انجام دے لے۔ جب تک مالک حقیقی کی توفیق اسے سہارا دے کر اس کے لیے نیکی کو آسان نہ بنا دے۔

نیکی کے لیے اسی جذبہ کو قرآن نے اس پیرایہ میں بھی بیان کیا ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (مائدہ نمبر ۴۸) شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ فرماتے

ہیں۔ ......"سو تم بڑھ کر لو خوبیاں" بڑھ کر لینا اردو محاورہ ہے۔ اس جملہ میں بھی
شاہ صاحب اپنی انفرادیت پر قائم ہیں۔

کسی مترجم نے کہا۔ نیک کاموں کی طرف لپکو۔ کسی نے کہا "دوڑ کر لو" کسی
نے کہا نیک کاموں میں لگاپو کرو۔ جس کو دلی کے محاورہ میں تگ و دو کرنا کہتے ہیں
لیکن خوبیاں بڑھ کر لینے میں ہے۔ وہ ان الفاظ میں کہاں۔

یہ جملہ البقرہ ۱۴۸ میں بھی آیا ہے۔ وہاں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
لکھتے ہیں ......"سو تم سبقت چاہو نیکیوں میں" عربی کا لفظ باقی رکھا اور پھر بھی ترجمہ
میں اردو زبان کا حسن قائم رہا۔ یہی کمال ہے حضرت شاہ صاحب کا۔

سورہ یوسف میں دو جگہ یہ لفظ آیا ہے اور وہاں شاہ صاحب نے دوڑنا
ترجمہ کیا ہے ..... اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ ..... ہم لوگ دوڑتے آگے نکلنے کو (نمبر ۱۷)
فَاسْتَبَقَا الْبَابَ ...... وہ دونوں دوڑے دروازے کو (نمبر ۲۵) دونوں جگہ پیروں
سے دوڑنا ہی مراد ہے۔ اس لیے اس کے مطابق ترجمہ کیا

سورۂ الفاطر میں جو ترجمہ کیا اس میں کتنا حسن ہے۔ غور کرو ..... وَمِنْهُمْ
سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (نمبر ۳۲) اور کوئی ان میں ہے کہ آگے بڑھ گیا لے کر خوبیاں۔
پہلے کہا تھا ...... اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر (مقتصد) اس سے اگلا
درجہ ہے آگے بڑھنے والوں کا۔

سورہ یٰسین میں ...... فَاسْتَبِقُوا الصِّرَاطَ نمبر ۶۶ کا جملہ ہے۔ وہاں
پیروں سے دوڑنا ہی مراد ہے اس لیے لکھا۔ پھر دوڑیں راہ لینے کو۔

حاصل یہ کہ قرآنی الفاظ اور مراد خداوندی کی حقیقت کو پا کر اسے آسان اردو
کے حسین قالب میں ادا کرنا شاہ صاحب ہی کا کام ہے۔

الدین کے معنی نیت، مجازی معنی

مجازی معنی میں کبھی کل بول کر جزء مراد لیا جاتا ہے۔ اور کبھی جزء بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے حسب ذیل آیت میں دین کے معنی مجازی کیے ہیں۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ — پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو نری اسی پر رکھ کر نیت۔

دین کے حقیقی معنی عبادت کے ہیں۔ عبادت کا ایک جز نیت (اعتقاد) ہے۔ ایک جز عمل صالح ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے دین کا ترجمہ عبادت کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ اپنے ترجمہ میں منفرد ہیں اور یہاں دین کا جو مفہوم مراد ہے وہی شاہ صاحبؒ نے اختیار کیا ہے۔

ڈپٹی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ پھر جب لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو بڑے خلوص سے خدا کی بندگی کا اظہار کر کے اسی کو پکارتے ہیں۔

یہ ترجمہ اصل متن سے بہت آزاد ہو گیا ہے۔

ڈپٹی صاحب کے بعد مولانا تھانویؒ کا ترجمہ سامنے آتا ہے۔ مولانا شاہ صاحبؒ کی پیروی کرتے ہیں۔ البتہ نیت کی جگہ اعتقاد رکھ دیتے ہیں۔ تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا تھانویؒ کا لفظ "اعتقاد" اختیار کیا اور ترجمہ اس طرح کیا۔ "خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد"

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اپنے ترجمہ میں جدت اور نیا پن پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ترجمہ میں اردو کو فصاحت سے گرا دیا۔ لکھتے ہیں۔"اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لاکر" کس قدر کمزور اردو ہے۔ عقیدہ رکھنا بولتے ہیں اور ایمان لانا کہتے ہیں۔ عقیدہ لانا بریلی کی خاص زبان ہو سکتی ہے۔ اہل زبان اس طرح نہیں بولتے

بہترین تشبیہ اور استعارہ کی ایک مثال

آیت مذکور میں حضرت شاہ صاحبؒ نے جو ترجمہ کیا ہے وہ شاہ صاحب کی قرآن فہمی اور زبان دانی کی خداداد الہامی صلاحیت کا بہترین نمونہ ہے۔

عام طور پر فارسی اور اردو تراجم اس مختصر آیت پاک کا ترجمہ کرتے ہیں۔ "بریز بر ما شکیبائی" ہم پر صبر ڈال دے۔ ہمیں صبر عطا فرما۔ صبر کا فیضان فرما..... اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ترجمہ فرما رہے ہیں وہ اس جامع قرآنی دعا کی صحیح اسپرٹ اور حقیقی روح کو آشکارا کر رہا ہے۔ اور ساتھ ہی الفاظِ قرانی کا لغوی مفہوم بھی اچھی طرح ادا ہو رہا ہے۔

قرآن کریم نے کسی دعا میں یہ انوکھا پیرایہ اور جامع اسلوب اختیار نہیں فرمایا جو صبر و تحمل کی درخواست والی دعا میں اختیار کیا ہے۔

دنیا کی بھلائی کی دعا میں بتایا گیا۔

اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً — اے پروردگار ہمیں دنیا کی بھلائی عطا کر۔

سیدھا سادھا انداز ہے۔

علم کے لیے دعا سکھائی گئی۔

رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا ۔ اے پروردگار! میرا علم زیادہ کر دے

مغفرت کی دعا بھی نہایت سادہ انداز میں تعلیم کی گئی ۔

فَاغْفِرْ لَنَا ۔ ہمیں بخش دے ۔ ہمیں معاف فرما ۔

اور صبر و برداشت کے لیے ایک ایسا عربی لفظ سکھایا گیا جو اپنی معنویت کے اعتبار سے بہت بلیغ اور جامع ہے ۔

اَفْرِغْ عَلَیْنَا ہم پر دہانے کھول دے ۔

لغت عربی میں فَرَغَ فِرَاغًا کے معنی آتے ہیں برتن کا خالی ہونا ۔ افعال سے اس کے معنی بن جاتے ہیں برتن کو خالی کرنا ۔ پانی گرا دینا ۔ ڈالنا ۔

اس مفہوم کے ساتھ اس دعا کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اے پروردگار! تیری قدرت کے خزانوں میں صبر و تحمل کی جو مقدار ہے وہ سب کی سب ہم پر ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر کا تمام ذخیرہ بھر دے ۔

یہ مفہوم ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ اردو محاورے میں ادا فرما رہے ہیں کہ ہم پر صبر کے دہانے کھول دے ۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب اردو محاوروں کے استاد ہیں ۔ مرحوم نے شاہ صاحبؒ کے محاورے کو چھوڑ کر ایک نیا محاورہ استعمال کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن شاہ صاحبؒ کی لطافت و نزاکت کا کیا جواب ہو سکتا ہے ۔ ڈپٹی صاحب لکھتے ہیں ۔ اے پروردگار! ہم پر صبر کی پکھالیں انڈیل دے ۔ دریاؤں کے مقابلے میں پکھالوں کی کیا حقیقت ہے ؟ دہانہ دریا کا ہوتا ہے ۔

مظلوموں کی پیاس دریاؤں اور سمندروں کا پانی طلب کرتی ہے جو ظالموں کے قہر کی آگ کو بجھا سکے ۔ مظلوموں کے زخموں کی سوزش کے لیے مرہم کافور بن سکے

ڈپٹی صاحب کے ہاں پانی کا سب سے بڑا برتن پکھال ہے۔ وہ پکھال انڈیلنے کی دعا کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ دریاؤں کی بات کرتے ہیں۔ دہانہ دریا کا ہوتا ہے مظلوم کہتا ہے۔ مولیٰ! میری پیاس سمندروں اور دریاؤں سے بجھ سکتی ہے اور تیرے یہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ مالک الملک سے مٹکے اور پکھال کے پانی کی طلب کرے؟ اس سے مانگے تو سمندر اور دریا کے پانی کی بات کرے۔

قرآن کریم "افراغ" کا سکھاتا ہے اور اس سے یہی بتاتا ہے کہ مظلومی کی حالت میں ایک مظلوم کتنے عظیم اور وسیع صبر و تحمل کی طلب اپنے اندر رکھتا ہے۔ اہل زبان ان دونوں محاوروں کے فرق کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔

ڈپٹی صاحب نے اپنے ترجمہ کے مقدمہ میں صحیح لکھا ہے "مگر خاندان ولی اللہ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ ہرگز مترجم نہیں۔ بلکہ مولانا سید حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بیٹوں کے ترجمہ کا مترجم ہے کہ انہیں ترجموں میں اس نے کچھ رد و بدل تقدیم و تاخیر کر کے جدید ترجمہ کا نام کر دیا ہے۔" (مقدمہ صہ ۹)

یہاں تک یہ بات ٹھیک تھی۔ لیکن جب ڈپٹی صاحب صفحہ ۱۳ پہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ پس یہ ترجمہ براسہ (براہ راست) قرآن کا ترجمہ ہے۔ نہ دوسرے ترجموں کی طرح کسی کا ترجمہ ہے۔

تو یہ دعویٰ اور یہ جذبہ ڈپٹی صاحب کو اردو کے ایسے محاورے استعمال کرنے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ جو قرآن کریم جیسی فصیح و بلیغ کتاب کے حسن کے لیے حجاب بن جاتے ہیں

ڈپٹی صاحب نے خود اعتراف کیا ہے کہ میرا ترجمہ قرآن علماء کرام کی ایک جماعت کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ تنہا میری انفرادی کوشش کا نہیں۔

اس کے باوجود ڈپٹی صاحب نے ۹۱ برس پہلے اردو کے عہدِ طفولیت میں اکبرآبادی مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ایک درویش صفت عالم جو نہ اردو ہندی کا ادیب ہے اور نہ شاعر و مورخ، صرف دینی تعلیم کا ایک صاحب عرفان عالم ہے اس کے محاورے اور تشبیہات و کنایات حرفِ آخر کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسے خداداد وہبی صلاحیت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

بہرحال ڈپٹی صاحبؒ کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ آیا اور حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی لطافت کو اس جگہ پوری طرح محسوس فرمایا اور اسے طرح باقی رکھا۔

مولانا تھانویؒ نے "صبر کا فیضان فرما" لکھا اور مولانا احمد سعید صاحبؒ نے "ہم پر بکثرت صبر کا فیضان فرما" کہہ دیا۔ لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ایجاز اور محاورہ کی رعایت کے ساتھ مرادِ قرآنی کے اظہار میں اپنی امتیازی شان الگ ہی دکھا رہا ہے۔

یہ دعاء قرآن مجید میں دو جگہ مذکور ہے۔ اعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مومن جادوگروں کی زبانی کہا گیا

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (اعراف ۱۲۶) اے رب ہمارے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان۔

یہاں شاہ صاحبؒ نے دہانے کھول دینے والا ترجمہ کیا۔ کیونکہ کچھ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاکر فرعون کی حاکمانہ قہاری کو چیلنج کردیا تھا اور فرعون نے اس میں اپنی زبردست توہین اور شکست محسوس کی تھی۔

فرعون نے مقابلہ کے میدان میں اپنے نمک خواروں اور وفاداروں کی اس حرکت

پر دھمکی دی تھی کہ تم میری اجازت کے بغیر میرے دشمن موسیٰؑ پر ایمان کیوں لائے۔ میں سخت سزا دوں گا۔ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

اس کے جواب میں ان صاحب ایمان جادوگروں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔

اور ایسی بھرپور دعا کی کہ اس کے بعد کسی دعا کی ضرورت باقی نہ رہے۔

شاہ صاحبؒ نے اس موقع و محل کی پوری رعایت کر کے اس آیت کا ترجمہ فرمایا۔

قرآنِ کریم میں دوسری جگہ یہ دعا بنی اسرائیل کے نیک بادشاہ طالوت کے ساتھیوں اور مجاہدوں کی زبانی نقل کی گئی ہے۔ جو طالوت جیسے ظالم بادشاہ کے مقابلہ پر کھڑے تھے

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ۔ (البقرہ۔۲۵۰)

اے رب ہمارے ڈال دے ہم میں جتنی مضبوطی ہے اور ٹھہرا ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر۔

یعنی تیرے پاس جتنی مضبوطی ہے اور تیرے خزانے میں جتنی ثابت قدمی کی قوت ہے وہ سب ہم پر ڈال دے۔

اس میں بھی "افراغ" کے لغوی مفہوم کی پوری پوری جھلک موجود ہے۔ یہ لفظ سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے متعلق بھی آیا ہے۔

وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا۔ (آیت نمبر ۱۰)

اور صبح موسیٰ کی ماں کے دل کے قرار نہ رہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے ان کی ماں واپس آئیں۔ اور مامتا کی ماری ماں بے چین اور بے قرار ہو گئیں۔ خدا تعالیٰ نے اگر اس وقت اس بیقرار کا دل اپنے ہاتھوں میں نہ لیا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کی ماں اس راز کو فاش کر دیتیں۔

یہاں دل کے لیے "فَارِغ" کا لفظ لایا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ فارسی والوں نے کیا

(خالی از صبر) صبر سے خالی ہو گیا۔ بعض مفسرین نے کہا موسیٰ علیہ السلام کے خیال کے سوا ہر خیال سے ان کا دل خالی ہو گیا۔ یعنی اپنے جدا ہونے والے بچہ کا خیال دل پہ چھا گیا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لغوی مفہوم کا حاصل ترجمہ اختیار کیا اور لکھا دل میں قرار نہ رہا۔ یعنی وہ صبر و برداشت کی طاقت سے خالی ہو گیا۔

خدا تعالیٰ نے صبر کی دعا کے لیے اس اسلوب کی تعلیم فرما کر یہ بتایا کہ دنیا کی زندگی میں حوادث اور مصائب اس شدت اور کثرت سے آتے ہیں کہ انسان کو خدا تعالیٰ سے صبر و برداشت کے لیے اس طرح دعا کرنی پڑتی ہے ..... اسی لیے قرآنِ مجید نے صبر کے متعلق یہ کہا

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ ۔ اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے۔

یوں تو ہر کام اللہ ہی کی مدد اور توفیق سے انجام پاتا ہے۔ مگر صبر کے لیے خاص طور پر اس کا اظہار فرمایا۔

ترجمہ میں تنوع اور رنگا رنگی

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ میں تنوع پیدا کرنے کے امام ہیں۔ ایک ہی لفظ ہوتا ہے اور موقع و محل کے لحاظ سے اس کے معنی ہر جگہ الگ کرتے ہیں لفظ کا حقیقی مفہوم ہر جگہ باقی رہتا ہے لیکن مفہوم کی شدت اور نرمی کے لحاظ سے فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

اس سے شاہ صاحبؒ کی اعلیٰ قرآن فہمی کا اظہار ہوتا ہے اور ساتھ ہی ہندی اردو کے بے پناہ صلاحیت کا بھی۔

ترجمہ کا یہ تنوع بتاتا ہے کہ ترجمہ کے وقت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر لغت عربی۔ سیاق و سباق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کے ایک ایک گوشہ پر رہتی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت

حدیبیہ کے مقام پر بیعت الرضوان کا واقعہ پیش آیا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۔

(سورہ فتح نمبر ۱۸)

اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ ملانے لگے۔ تجھ سے اس درخت کے نیچے۔ پھر جانا جو ان کے جی میں تھا پھر اتارا ان پر چین اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جو ان کو لیں گے۔ اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کا ترجمہ ہاتھ ملانا کیا ہے۔ یہ اردو کا محاورہ ہے جو بالکل اسی مفہوم میں بولا جاتا ہے۔ جس مفہوم میں تصوف کی اصطلاح میں بیعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کسی شخص سے قول و اقرار

لیتے وقت کہا جاتا ہے ...... ہاتھ ملاؤ۔ وہ ہاتھ ملاتا ہے۔ یہ گویا قول وقرار کو پختہ کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

دو پہلوان جب مقابلہ کا اعلان کرتے ہیں تو مجمع عام میں ہاتھ ملاتے ہیں۔ یہ گویا مقابلہ کرنے کا عہد ہے۔ عام لوگ کہتے ہیں۔ ان دونوں پہلوانوں کے ہاتھ مل گئے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔

عربی میں بیع و بیعت کے معنی فروخت کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ مذہب و تصوف کی اصطلاح میں عہد کرنے اور اقرار کرنے کے معنی میں بولا جانے لگا۔ کیونکہ عہد کرنے والا گویا اپنے آپ کو فروخت کر رہا ہے۔

فارسی اور اردو کے مترجمین عام طور پر بیعت کے معنی بیعت ہی کر رہے ہیں۔ مگر شاہ صاحبؒ کے پاس دلی کی عوامی زبان کا ٹھیٹھ ہندی اردو لفظ موجود تھا۔ "ہاتھ ملانا" شاہ صاحبؒ نے بلا تکلف وہ لفظ رکھ دیا۔

سورہ فتح کی آیت نمبر (۱۰) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ وَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ فَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔	جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے۔ وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ کا ہاتھ اوپر ان کے ہاتھ کے۔ پس جو کوئی قول توڑے تو توڑتا ہے اپنے برے کو۔ اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے وہ دے گا اس کو نیگ بڑا۔

اس آیت میں بھی شاہ صاحبؒ کا ترجمہ اسی محاورہ سے کیا ہے۔ اور یہاں

تو دونوں جملوں کو ملا کر پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی لفظ بیعت کا ترجمہ اِس
اردو محاورہ کے سوا کسی دوسرے لفظ کے ساتھ موزوں ہی نہیں ہے۔

یہاں بھی اس امر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآنِ کریم کے ترجمہ میں اردو محاورات
استعمال کرنے کا حق صرف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو حاصل ہے۔

مجال نہیں کہ کسی جگہ شاہ صاحب کی قلم سے کوئی ایسا محاورہ نکل جائے
جو کلام الٰہی کے عظمت کے منافی ہو جیسا کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ہاں اکثر نظر آتا ہے

سورۂ فتح کی مذکورہ آیت ہی کو لیجیے۔ اس میں ڈپٹی صاحب "فتحاً قریباً" کا
ترجمہ کر رہے ہیں.... سردست فتح دی.... ڈپٹی صاحب جیسا فاضل یہ نہیں سمجھ رہا۔ کہ
فارسی کے لفظ سردست میں "عارضی" کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ یعنی جو چیز سردست
دی جاتی ہے کبھی وہ عارضی ہوتی ہے۔ اور "فتحاً قریباً" میں جس فتح (فتح خیبر) کی طرف
اشارہ ہے وہ مستقل طور پر عطا کی گئی تھی۔ اس مستقل ملنے والی فتح کے لیے ایسا کمزور لفظ
قطعی طور پر موزوں نہیں ہو سکتا۔

فارسی والے اس کا ترجمہ..... فتح نزدیک...... کر رہے ہیں اور ڈپٹی صاحب
کی محاورہ بندی کا ذوق انہیں مفہوم قرآنی سے کس قدر دور لے گیا ہے۔

اسی طرح اس آیت میں حضرت تھانوی صاحبؒ نے بھی اردو کا ایک محاورہ
استعمال کیا ہے۔ بہر حال حضرت تھانوی صاحبؒ بھی اہلِ زبان ہیں کہیں نہ کہیں ان کے
قلم کو بھی اسی طرح کی شوخی کا ارتکاب کرنا ہی چاہیے تھا۔

چنانچہ حضرت تھانوی صاحبؒ نے سردست کے فارسی لفظ سے متاثر ہو کر
لکھا۔ "ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح دے دی"۔ اہل ذوق سمجھتے ہیں کہ فارسی اور اردو کے
یہ دونوں الفاظ قرآن کریم کی معنوی نفاست اور لطافت کی کتنی ترجمانی کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت تھانوی صاحبؒ نے خود بھی اسے محسوس کیا اور تصحیح الاغلاط میں تحریر فرمایا۔ "ایک لگتے ہاتھ فتح" (اصلاح) "فتحاً قریباً" کا یہ ترجمہ مناسب نہیں۔ کیوں کہ لگتے ہاتھ اردو میں صفت ہو کر مستعمل نہیں ہوتا۔ پس اگر ترکیب توصیفی میں ترجمہ کا لحاظ رکھا جاوے۔ تب تو ترجمہ "ایک قریبی فتح" ہونا چاہیئے اور اگر ترکیب توصیفی کا لحاظ نہ رکھا جائے بلکہ اصل مقصود مدنظر ہو تو "لگتے ہاتھوں ایک فتح" ہونا چاہیئے[۱]۔ (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۲۹)

سورۂ یوسف میں بھی ایک جگہ حضرت تھانوی صاحبؒ ڈپٹی صاحب کی محاوری بندی سے متاثر ہوئے ہیں۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام کا قول خداوند تعالےٰ نقل کرتا ہے۔

وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ اور اس کے بعد سے تم لوگوں کے سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

یہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کہہ رہے ہیں کہ ہم نے یوسفؑ کو باپ سے جدا کر دیا تو ہمارے سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے۔ حضرت تھانوی فرما رہے ہیں۔...... "اور تمہارے کام بن جاوینگے"۔

یہ بھی محاورہ بندی ہے ورنہ جہاں تک آیت کے سیدھے سادھے ترجمہ کا سوال ہے۔ وہ توبہ ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وتا باشید بعد ازیں گروہے شائستہ یعنی توبہ کنید تاکہ اس کے بعد تم ایک شائستہ جماعت ہو جاؤ یعنی توبہ کر لو۔

---

[۱] دلی کا محاورہ "لگے ہاتھوں" ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔
اور ہو جاؤ تم پیچھے اس کے قوم صلاحیت والے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اور ہو رہیو اس کے پیچھے نیک لوگ۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ لکھتے ہیں۔ اور اس واقعہ کے بعد تم نیک ہو جانا۔

حضرت تھانوی صاحبؒ نے جو ترجمہ کیا ہے وہ مطلب کے لحاظ سے بالکل درست ہے۔ مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے۔ جس کی طرف مولانا اشارہ کر رہے ہیں۔

جیسا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

یعنی ایک مرتبہ قتلِ یوسف کا گناہ کرنا پڑے گا۔ اس سے فارغ ہو کر توبہ کر لیں گے اور خوب نیک ہو جائیں گے۔ گویا رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی بعض مفسرین نے "وتکونوا الخ" کے یہ معنی لیے ہیں کہ یوسف کے بعد ہمارے سب کام ٹھیک اور درست ہو جائیں گے۔ کیونکہ پدر بزرگوار کا دستِ شفقت یوسف سے مایوس ہو کر صرف ہمارے ہی سروں پر رہا کرے گا۔ (حمائل ص۳۰۶)

جمہور مفسرین نے پہلے معنی اختیار کیے ہیں۔ اور حضرت تھانوی صاحبؒ اور ڈپٹی صاحب نے دوسرے معنی اختیار کیے ہیں۔

غالباً حضرت تھانوی صاحبؒ کا ذہن اس طرف گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بہر حال مومن تھی اور ایک مسلمان قتل و ہلاکت جیسے گناہ پر جسارت نہیں کر سکتا اور توبہ کی آڑ لے کر گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ یہ جسارت تو بدترین قسم کی بغاوت ہے۔ کہ انسان یوں سوچے کہ بڑے سے بڑا گناہ کر لو۔ پھر توبہ کر کے نیک بن جائیں گے۔

۔ اس خیال سے مولانا نے یہ مطلب لیا ہے کہ ہمارے دنیا کے تمام کام ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس صورت میں صالح کے معنی کامیاب ہوں گے۔ صالح کے معنی نیک کے نہیں ہوں گے۔

حاصل یہ کہ حضرت تھانویؒ اور ڈپٹی صاحب کا مفہوم تو ٹھیک ہے۔ البتہ اس جملہ کا ترجمہ ایک اردو محاورہ سے کیا گیا ہے۔ الفاظ قرآن کی رعایت اس میں موجود نہیں ہے۔ الفاظ قرآن کی رعایت کے ساتھ یوں کہا جا سکتا تھا۔ "اور اس کے بعد تم کامیاب لوگ ہو جاؤ گے"۔

اب شاہ صاحبؒ کی قرآنی بصیرت کا دوسرا کمال ملاحظہ کیجئے۔ قرآن میں بیعت کا ذکر تین جگہ آیا ہے۔ دو مقام تو اوپر گزرے۔ تیسرا مقام سورۂ ممتحنہ میں ہے۔ جہاں عورتوں کی بیعت کا ذکر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ ۔ الممتحنہ ۱۲ — اے نبی! جب آویں تیرے پاس مسلمان عورتیں قرار کرنے کو اس پر کہ شرک نہ کریں ......

آگے فرمایا ......

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ — تو ان سے قرار لے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے۔

اس آیت میں دونوں جگہ شاہ صاحبؒ نے اپنا پہلا ترجمہ چھوڑ کر قرار کرنے کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ یہ اتفاقیہ تبدیلی نہیں بلکہ شاہ صاحبؒ کی الہامی بصیرت کا نمونہ ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے

وقت ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں نہیں لیتے تھے۔ اور عورتوں سے بیعت کا طریقہ صرف ان سے قول و قرار لینا تھا۔

شاہ صاحبؒ اگر یہاں بھی ہاتھ ملانے کا لفظ لکھتے تو اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ کیا حضور عورتوں سے ہاتھ ملایا کرتے تھے۔؟

اس اعتراض و اشکال سے بچنے کے لیے یہاں شاہ صاحبؒ "قرار کرنا" اختیار کرتے ہیں جو بیعت کی اصل حقیقت ہے۔

عورتوں کی بیعت کے طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب کوئی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائط کو تسلیم کر لیتی تو آپ فرماتے ...... قَدْ بَایَعْتُكِ ...... میں نے تجھے بیعت کر لیا۔ اور قسم ہے خدا کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بیعت لینے میں کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔

ایک دوسری روایت میں امیمہ بنت رقیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم عورتوں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توحید، نیک چلنی اور دوسری نیکیوں میں بیعت کی اور پھر عرض کیا کہ ...... اتصافحنا۔؟ ..... حضور کیا آپ ہم سے مصافحہ کر سکتے ہیں۔؟

آپؐ نے فرمایا۔

اِنِّی لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ۔ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا ......

(ابن کثیر ج ۴ ص ۳۵۲)

شاہ صاحبؒ نے اس آیت کے ترجمہ میں اسی بات کو ملحوظ رکھا۔ اور "قرار کر" ترجمہ کیا۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سورہ فتح (بیعت رضوان) کی آیت پر لکھتے ہیں۔

لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے۔ اور اسی کے احکام کی تعمیل و تاکید بیعت کے ذریعہ کراتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے۔ صحیح مسلم میں وَعَلَى الْخَيْرِ کا لفظ آیا ہے۔

مشائخ طریقت کی بیعت اگر بطریق شریعت ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہوگی۔

حکمت کیا ہے؟ حکیم، محکم متشابہ

قرآن میں کتاب کے ساتھ حکمت کا لفظ بولا گیا ہے۔ اور متعدد موقعوں پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

لغت میں حکمۃ کے معنی حسب ذیل لکھے ہیں۔

اس کا مادہ حُکْمٌ ہے ..... جس کے معانی متعدد ہیں۔ حَکَمَ باب نَصَرَ سے فیصلہ دینا۔ واپس آنا۔ منع کرنا۔ باب کَرُمَ سے مصدر حِکْمَۃٌ، دانشمند ہونا۔ اَحْکَمَ باب افعال سے اور اِستحکم باب استفعال سے، مضبوط ہونا، مضبوط کرنا۔

اسی سے حُکْمٌ جمع احکام، فیصلہ۔ دانائی۔ قانون کے معنی میں آتا ہے۔ اور حکمۃ جمع حِکَمٌ بمعنی انصاف۔ دانائی۔ کام کی درستگی کے معنی میں آتا ہے (تسہیل ص ۱۳۰)

حضرات تابعین نے کتاب کے ساتھ آنے والے حکمت کے لفظ کی تفسیر میں دو معنی اختیار کیے ہیں۔

حسنؒ، قتادہ اور ابو مالک وغیرہ نے اس سے سنت مراد لی ہے اور بعض دوسرے حضرات اس کے معنی "دین کا فہم" لیتے ہیں۔

ابن کثیر کہتے ہیں۔ ان دونوں معانی میں کوئی منافاۃ اور تضاد نہیں ہے یعنی سنت رسول بھی دراصل کتاب الٰہی کی تفسیر، ترجمانی اور تفسیر کا کام کرتی ہے۔ خدا کے کلام کو اس کے رسول کا کلام واضح کرتا ہے۔ اس کے مفہوم کو سمجھاتا ہے۔

(ج ۱ ص ۱۸۳)

فارسی کے مترجمین میں حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی عام طور پر یا علم کرتے ہیں یا دانش کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں۔

۱:۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ سکھا دے ان کو کتاب اور پکی باتیں۔ (بقرہ نمبر ۲۹)

۲:۔ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ سکھاتا کتاب اور تحقیق بات۔ (بقرہ نمبر ۱۵۱)

۳:۔ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ (بقرہ نمبر ۲۳۱) اور وہ جو کچھ اتاری تم پر کتاب اور کام کی باتیں۔

۴:۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (بقرہ نمبر ۲۶۹) دیتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور جس کو سمجھ ملے۔ بہت خوبی ملے۔

آلِ عمران آیت ۴۸ میں اور آلِ عمران نمبر ۱۶۴ میں اور سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱۲ میں "کام کی باتیں" ترجمہ کیا ہے اور سورہ نحل اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ۔ آیت نمبر ۱۲۵ میں پکی باتیں ترجمہ کیا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے شروع سے آخر تک اس کا لحاظ رکھا ہے کہ لفظ حکمت کے ترجمہ میں اس کے لغوی معنی کی جھلک موجود رہے اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی کے ساتھ جو باتیں بتاتے ہیں وہ کام کی باتیں ہیں اور نہایت پختہ اور پکی ہوتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے سورہ لقمان آیت نمبر ۱۲ کے حاشیہ پر ایک تفسیری نوٹ لکھا ہے جس میں حکمت کی حقیقت کو بیان کیا ہے ... لکھتے ہیں ... حضرت لقمانؑ غلام تھے حبشی حضرت داؤد علیہ السلام کے وقت میں۔ اللہ نے ان کو حکمت دی یعنی عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں جو موافق ہوں پیغمبروں کے حکم کے ۔...... مطلب یہ کہ حکمت وہ خاص عقل و دانش ہے جو خدا کی طرف سے القا کی جاتی ہے اور انسان کو اسی طرف چلاتی ہے جس طرف خدا کے رسول وحی الٰہی کی روشنی میں چلاتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ میں اس حکمت کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ بصیرت تھی جو خدا تعالیٰ کی مشیت کو سمجھ لیتی تھی اور اسی کے مطابق حضرت عمرؓ رائے ظاہر فرماتے تھے اور پھر وحی الٰہی آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی تھی۔

حکیم اور حکم کے معنی شاہ صاحبؒ کے ہاں

حکم کا مادہ وہی ہے اور اس میں بھی دونوں مفہوم موجود ہیں۔ یعنی عقل و فہم اور پختہ کاری اور مضبوطی۔

قرآن کریم میں حکیم کا لفظ کثرت سے آتا ہے۔ کہیں خدا تعالیٰ کی صفت کے طور پر اور کہیں قرآن مجید کی صفت کے طور پر۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کے معنی اختیار کرنے میں بھی بڑی نکتہ رسی سے کام لیا ہے۔

یہ لفظ جہاں خدا تعالیٰ کی صفت واقع ہوا ہے اور "عزیز" کے بعد لایا گیا ہے وہاں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پابندی کے ساتھ اس کا ترجمہ "حکمت والا" کرتے ہیں۔

فارسی والے حضرات بھی "باحکمت" ترجمہ کرتے ہیں لیکن کہیں نہ کہیں دوسرے معنی کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں اور محکم کار، دست کار اور استوار کار کے الفاظ لے آتے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ کو کسی جگہ نہیں چھوڑتے

غالباً شاہ صاحبؒ عزیز کے ساتھ حکیم کا ترجمہ "حکمت والا" کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عزیز کے مفہوم میں استحکام اور پختہ کاری چونکہ خود موجود ہے۔ جو ذات غالب اور قوت والی ہوتی ہے اس کے کاموں میں پختگی اور مضبوطی ہوتی ہے اس لیے اگلے لفظ حکیم کا ترجمہ حکمت والا ہی زیادہ موزوں ہے۔ اور اسی میں آیت پاک کا حسن تنوع پوشیدہ ہے۔

عزیز کے ساتھ حکیم کے معنی اگر محکم کار کے کیے جائیں گے تو اس سے تاکید ظاہر ہوگی نہ کہ تنوع اور نیا پن۔

اب صرف سورۂ بقرہ پر ایک نظر ڈالیے اس سورہ میں عَزِيزُ الْحَكِيمُ چھ جگہ آیا ہے۔ آیت نمبر ۱۲۹ میں شاہ صاحبؒ "زبردست حکمت والا" ترجمہ کر رہے ہیں۔ آیت نمبر ۲۰۹ میں بھی یہی دونوں لفظ ہیں۔ آیت نمبر ۲۲ میں "اللہ زبردست

ہے تدبیر والا" کرتے ہیں۔

حکمت والا اور تدبیر والا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آیت نمبر ۲۴۸ میں بھی تدبیر والا ہے۔ آیت نمبر ۲۴۰ میں حکمت والا ہے۔ اور آیت نمبر ۲۵۹ میں بھی یہی لفظ ہیں۔

فارسی والوں نے انہی آیات میں کسی جگہ محکم کار اور کسی جگہ استوار کار اور کہیں باحکمت اور دانا کیا ہے۔

شاہ صاحبؒ برابر تدبیر و حکمت کی پابندی کرتے چلے جا رہے ہیں۔

البتہ حکیم کی صفت جہاں علیم کے ساتھ آئی ہے وہاں شاہ صاحبؒ نے ترجمہ دوسرا کیا ہے یعنی پختہ کار۔

فرشتوں نے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے عرض کیا

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ تو ہی ہے اصل دانا پختہ کار

حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کا جب اظہار ہو جاتا ہے اور فرشتے اپنی ہزیمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ تو اس وقت یہ بات کہتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے خداوندِ عالم! تو نے آدم کو خلافت دے کر بہت صحیح کام کیا ہے۔ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ تو بہت دانا ہے اور پختہ کار ہے۔ تیرا کوئی کام کچا نہیں ہوتا اور نہ تیرا کوئی قدم کمزور اٹھتا ہے۔

غور کرو! فرشتے جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ دانا کے ساتھ پختہ کار ہی کے لفظ سے واضح ہوتی ہے۔

پھر اس آیت میں شاہ صاحبؒ علیم کا ترجمہ جاننے والا نہیں کرتے۔ دانا کرتے ہیں۔ اور اس طرح دانا اور پختہ کار دونوں لفظ فارسی کے جمع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ

موقعہ و محل کے لحاظ سے یہاں ان دونوں لفظوں کا کوئی بدل نظر نہیں آتا۔

فارسی کا "دانا" اردو کے "جاننے والے" سے زیادہ وسیع اور گہرا ہے۔ اور اس میں علم و حکمت دونوں کے مفہوم موجود ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ علیم ہے، جاننے والا بھی ہے اور سمجھنے والا بھی۔ خداوند تعالیٰ کا علم علم حقیقی ہے۔ وہ علیم ہے بمعنی عالم بھی اور بمعنی صاحب حکمت و دانش بھی۔

اب علیم کے بعد حکیم کے معنی میں تنوع اور نیا پن اسی وقت آتا ہے جب اسے پختہ کاری اور درست کاری کے مفہوم میں لیا جائے۔

یہی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

حکیم کا لفظ جب کتاب کی صفت واقع ہوتا ہے تو اس موقعہ پر شاہ صاحب اسی کے معنی پختہ اور محکم کرتے ہیں۔

۱:۔ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یٰس) — قسم ہے پکے قرآن کی

۲:۔ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ — یہ باتیں ہیں پکی کتاب کی

(سورہ یونس و لقمان)

۳:۔ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ (آل عمران) — یہ پڑھ سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور مذکور تحقیق۔

شاہ ولی اللہ "ذکر الحکیم" کا ترجمہ کتابِ محکم کرتے ہیں اور شریف جرجانی۔ پندلیست استوار کار.... کرتے ہیں۔

پس قرآنِ کریم میں یہی تین آیات ایسی ہیں جن میں "حکیم" قرآن مجید کی صفت واقع ہوا ہے۔

محکم اور متشابہ آیات کا مطلب

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تینوں جگہ حکیم کا ترجمہ پکا اور تحقیق ثابت و قائم کیا ہے۔

مطلب شاہ صاحبؒ کا یہ ہے کہ خدا کا یہ مقدس کلام ہر اعتبار سے لفظوں میں، معانی و مطلب میں۔ احکام و مسائل میں واقعات و امثال میں نہایت پختہ معیاری اور حد کمال کو پہنچا ہوا ہے۔

اور اس کلام حق کی کوئی آیت کوئی جملہ کوئی لفظ اور کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں کسی قسم کی کمزوری اور نقص موجود ہو۔

سورہ آل عمران میں خدا تعالےٰ نے قرآن کریم کی بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہات قرار دیا ہے۔ اس آیت سے کچھ لوگ قرآن کے بارے میں شبہات کا شکار ہو سکتے ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کے کچھ حصہ میں قرآن کے اپنے اعتراف کے مطابق اشتباہ اور الجھن موجود ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ سے اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ پورا کا پورا قرآن محکم اور مضبوط ہے اور اس میں کسی نہج اور کسی لحاظ سے کمزوری نہیں ہے۔ چنانچہ حسب ذیل آیات میں قرآن نے اپنے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ محکم اٹل اور نہایت پختہ ہے۔

سورہ ہود کا آغاز ان الفاظ میں کیا گیا۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ

کتاب ہے کہ جانچ لی گئی ہیں باتیں اس کی۔ پھر کھولی گئی ہے ایک حکمت والے

خبردار کے پاس سے۔

(آیت نمبر۱)

سورہ محمد میں کہا گیا۔

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ وَّ ذُکِرَ فِیْھَا الْقِتَالُ (آیت نمبر۲۰) پھر جب اتری ایک سورۃ جانچی ہوئی اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں آیتوں میں اُحْکِمَتْ اور مُحْکَمَۃٌ کا ترجمہ بالکل اچھوتا اور نرالا کیا ہے۔ یعنی جانچ لی ہیں۔ اور جانچی ہوئی۔

اردو میں جانچنا (متعدی) اور "جچنا" (لازمی) حسب ذیل معانی میں بولا جاتا ہے۔

پرکھنا، آزمانا۔ آنکنا۔ تاڑنا معلوم کرنا۔ ممتاز و باوقار ہونا دلنشین اور پسندیدہ ہونا مصدر نامہ ص۱۵۵

جانچی ہوئی چیز وہ کہلاتی ہے جسے اہل فن اچھی طرح پرکھ کر اور آزما کر پسند کر لیں اور اسے معیاری قرار دے دیں۔

یعنی نہایت معیاری منتخب اور چھنی ہوئی، جچی تلی اور باون تولہ پاؤ رتی کی چیز۔

داغ کا شعر ہے۔

نہیں جچتا کوئی حسین تم کو
آفریں ہے صد آفریں تم کو

سائل دہلوی کا شعر ہے۔

وفا پیشہ عاشق نہیں دیکھا تم نے
مجھے دیکھ تو جانچ لو آزما لو
تمہارے اشارے پہ قربان کردوں
ابھی مایۂ زندگانی ، کہو تو

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لفظ بڑا ہی جامع اور گہرا استعمال کیا ہے اور قرآن کی صفت حکیم اور محکم کی اس سے بہتر ترجمانی نہیں ہو سکتی ۔

اب رہی بات کہ متشابہات کا مطلب کیا ہے ۔

تو آلِ عمران میں کہا گیا ۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ — وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب ۔ اس میں بعض آیتیں پکی ہیں ۔ سو جڑ ہے کتاب کی اور دوسری ہیں کئی طرف ملتی ۔

(آیت نمبر ۷)

مفسرین نے "متشابہات" کی شرح کرتے ہوئے بڑی لمبی لمبی بحثیں کی ہیں ۔ ان سب کا حاصل یہ ہے ۔

آیات محکمات :۔ وہ آیات جن کے الفاظ اپنے مرادی معنی اور مطلب پر صاف صاف دلالت کرتے ہیں اور ان کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کسی قسم کے اشتباہ اور کسی طرح کی الجھن پیش نہیں آتی ۔

ان کے مقابلے میں آیات متشابہات :۔ .... وہ آیات ہیں جن کے مرادی معنی واضح اور متعین نہ ہوں اور ان میں کئی پہلو اور کئی احتمال نکل سکتے ہوں ۔

لیکن جب ان متشابہات کو محکم آیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش

کی جائے تو قرآن مجید کی صحیح مراد اور خدا تعالیٰ کا اصل مقصد واضح ہو جائے۔

قرآن آیات متشابہات کیوں لایا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ کے پاس ان متشابہ آیات کی جگہ محکم آیات نہیں تھیں۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عالم بالا اور موجودہ طبعی عالم سے باہر دوسرے حقائق مثلاً دوزخ و جنت۔ جزا و سزا۔ قبر کا عذاب و ثواب خدا تعالیٰ کی ذات و صفات الٰہی چیزیں ہیں جو آج تک انسانی علم اور حواس کی گرفت میں نہیں آسکی ہیں اور نہ انسان اپنے علم و حواس کے دائرہ میں ان حقائق کو بند کر سکتا ہے۔ ..... نہ دیکھ سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے نہ سونگھ سکتا ہے۔ ان چیزوں کے لیے انسانی زبان میں ایسے الفاظ ہی نہیں بنائے گئے جو ان کی صحیح تصویر کھینچ سکیں، اور نہ بنائے جا سکتے ہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے ان غیبی چیزوں کو ایسے الفاظ اور ایسے انداز سے بیان کیا ہے جو ان غیبی چیزوں سے مشابہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لیے ہماری زبان میں استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ ان غیبی امور کا اجمالی اور دھندلا سا تصور ہمارے ذہنوں میں آجائے اور ایمان والے اسی اجمالی تصور کو کافی سمجھیں اور تفصیلی مطلب کو خدا کے سپرد کر دیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پرانے زمانے میں جب کوئی بادشاہ حکومت سنبھالتا تھا تو تخت پر بیٹھتا تھا۔ تخت پر بیٹھنا، اقتدار قائم کرنے اور حکومت کو سنبھالنے کا اعلان ہوتا تھا۔ قرآن مجید نے خداوند تعالےٰ کے نظم عالم کو سنبھالنے اور چلانے کے اظہار کے لیے یہی اسلوب اختیار کیا۔ اور فرمایا۔ خدا تعالیٰ عرش پر قائم ہوا۔

اب اس کا مطلب ہمیں صرف اسی قدر لینا چاہیے زیادہ چھان بین کرنا

اور کیفیات کو متعین کرنے کے لیے بحث کرنا بجائے مطلب کو واضح کرنے کے
اور زیادہ شبہات پیدا کر سکتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ آیات متشابہات کے معنی یہ
نہیں ہیں کہ ان آیات میں کوئی اور کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے علم اور
ذہن میں کمزوری ہے۔ سمجھنے والوں کے پاس ایسی سمجھ نہیں ہے۔

انسان کا کمزور علم ان حقائق کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لیے خدا تعالے نے ہمارے
کمزور علم کے لحاظ سے آیات متشابہات استعمال کیں۔

اور وہ آیات متشابہات اپنی جگہ وہی کمال۔ وہی حسن۔ لطافت اور پختگی
رکھتی ہیں جو آیات محکمات کے اندر ہے۔

غیبی حقائق کو اس سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ عمدہ طریقہ پر بیان
کرنا ممکن ہی نہیں تھا جو انداز آیات متشابہات میں خدا تعالےٰ نے اختیار کیا ہے

حاصل یہ کہ قرآن کریم پورا کا پورا۔ پکا محکم اور بے نقص و بے عیب ہونے
میں درجہ کمال پر قائم ہے اور قرآن کی جو آیات زندگی کے مسائل بیان کرتی ہیں۔
یعنی آیات محکمات اور جو آیات غیبی امور پر روشنی ڈالتی ہیں یعنی متشابہات وہ
سب کی سب پختہ اور محکم ہیں۔

متشابہات کا دوسرا مطلب

لغت میں متشابہات کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک شبہ والی آیات دوسرے
ایک دوسرے سے ملتی جلتی آیات۔

عربی میں شبھۃ جمع شبہات بمعنی شک آتا ہے اور شِبْہٌ جمع

اشباہ بمعنی مانند اور مثل آتا ہے۔

آل عمران میں متشابہات بمعنی شبہ والی آیات (فی نفسہٖ شبہ والی نہیں بلکہ لوگوں کے اعتبار سے شبہ والی) آیا ہے۔

اور سورۂ زمر میں دوسرے معنی کے لحاظ سے لایا گیا ہے اور اس لحاظ سے سارے قرآن کو متشابہات کہا گیا ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (۲۳)	اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب۔ آپس میں ملتی دوہرائی ہوئی۔ بال کھڑے ہوتے ہیں اس کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر

مطلب یہ کہ قرآن کریم کی آیات۔ صداقت۔ فصاحت۔ بلاغت اور سود مند ہونے کی جملہ صفات کمال میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ کوئی آیت کسی سے کم نہیں۔

معانی کے لحاظ سے بھی اکثر آیات ملتے جلتے معانی اور مطالب رکھتی ہیں اور ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ یہی مراد ہے اس قول کی۔

القرآن یفسر بعضہ بعضا	قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔

دوہرائی ہوئی کا یہ مطلب کہ اکثر مضامین بار بار لائے جاتے ہیں۔ بار بار انہیں سنایا جاتا ہے۔ تاکہ لوگوں کے دل میں قرآن کی باتیں بیٹھ جائیں جہاں حکیم بورے قرآن یا قرآن کی چند آیات کی صفت کے طور پر لایا گیا ہے۔ وہاں شاہ صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا پابندی کے ساتھ چاروں مقامات پر پختہ۔ پکا اور تحقیق (ثابت و قائم) ترجمہ کیوں کرتے ہیں ؟ -

اس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی بصیرت کا بے پناہ کمال سامنے آتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے دو جگہ قرآن کے ایک حصہ کو محکم کہا ہے اور بعض حصہ کو متشابہ قرار دیا ہے۔

ظاہری تضاد کو دور کرنے کا اہتمام

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ میں اس کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ مختلف آیات کے درمیان بظاہر اور سطحی نظر میں جو تضاد اور اختلاف معلوم ہوتا ہے وہ ترجمہ سے دور ہو جائے۔

خدا تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ میں حضرت آدم علیہ السلام کے "درخت کھانے" کا تذکرہ کرتے ہوئے آیت (نمبر ۱۱۵) میں فرمایا۔

فَنَسِيَ اٰدَمُ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا — پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت۔

پھر اس کے چند آیات بعد ہی آیت نمبر ۱۲۱ میں کہا گیا۔

فَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى — اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا۔

پہلی آیت میں قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس فعل کو نسیان و بھول اور کمزوری قرار دیا۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی صفائی ہے ان کی نظری کمزوری کا اظہار ہے۔

دوسری آیت میں اسی فعل کو عصیان اور غوایت (نافرمانی اور گمراہی) کے سخت ترین الفاظ سے تعبیر کیا۔

عام طور پر مترجمین حضرات نے دونوں آیتوں کے درمیان واقع اس تضاد و اختلاف کو نظر انداز کر دیا اور اسے دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حضرت

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا لحاظ رکھا اور دونوں آیتوں کے درمیان مطابقت پیدا کی۔

اور وہ اس طرح کہ "عصیٰ" کا ترجمہ نافرمانی اور حکم عدولی جیسے سخت الفاظ میں نہیں کیا۔ بلکہ لکھا: "حکم ٹالا اپنے رب کا"

نافرمانی اور گمراہی میں سختی اور سوء ادب کا مفہوم ہے اور ٹالنے میں فاعل کی طرف سے کمزوری اور ادب کی رعایت ہوتی ہے۔

اردو میں کہا جاتا ہے۔ وہ ہماری بات ٹال گئے۔ یعنی وہ بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ادب کی وجہ سے صاف صاف انکار تو نہیں کیا۔ البتہ اسے ٹال دیا۔ یہی رعایت شاہ صاحب نے اس آیت میں روا رکھی ہے۔ تاکہ جس فعل کو پہلے بھول کہا گیا ہے اسی کو آگے چل کر عصیان کہنا قابل اعتراض نہ رہے۔

خدا تعالےٰ نے نسیان کے بعد آدم علیہ السلام کے فعل کو عصیان کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا تاکہ اس حقیقت کا اظہار کر دیا جائے کہ... "نزدیکاں را بیش بود حیرانی جن کے رتبے ہیں سوا۔ ان کی سوا مشکل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جس درجہ کے انسان تھے۔ اس درجہ کے لحاظ سے ان کی بھول بھی گویا عصیان کے برابر تھی۔ عام لوگوں کی بھول بھول ہی ہوتی ہے۔ اس کے نتائج زیادہ خطرناک نہیں ہوتے۔ البتہ ذمہ دار لوگوں کی ذرا سی بھول اور معمولی سی لغزش بھی اثرات کے اعتبار سے بڑی بھاری ثابت ہوتی ہے۔

اس بات کا اظہار اللہ تعالیٰ نے عصیان اور غوایت کے الفاظ لا کر فرمایا ہے۔

حضرت آدمؑ کی صفائی

آیت نمبر ۱۱۵ میں حضرت آدم علیہ السلام کی صفائی میں نسیان کے لفظ کے ساتھ ساتھ دوسرا لفظ یہ بھی لایا گیا ہے

وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا — اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت

اس آیت کے مفسرین نے دو مطلب بیان کیے

۱:- ایک یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام حکم الٰہی پر قائم اور ثابت نہ رہ سکے۔

۲:- دوسرا یہ کہ آدم علیہ السلام کے اندر حکم عدولی کا عزم اور پختہ ارادہ نہ تھا۔ بلکہ ان سے بھول ہو گئی اور دھوکا کھا گئے۔

شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں تفسیر کے دونوں قولوں کی گنجائش موجود ہے حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ میں دوسرا قول اختیار کرتے ہیں۔ "پس فراموش کرد و نیا فتیم او را قصد محکم"۔

قرآن کریم نے دوسرے موقعوں پر انسان کی فطری کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے۔

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے متعلق فرمایا۔

وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (نمبر ۲۸) — اور انسان بنا ہے کمزور

یعنی انسان طبعی طور پر کمزور پیدا ہوا ہے۔ دوسری جگہ اس کمزوری کی تشریح کی۔

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ — بنا ہے آدمی شتابی کا۔

یہی وہ جلد بازی کی کمزوری ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو دانہ گندم کھانے پر آمادہ کیا۔

اس تمام تشریح کے بعد شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی خوبی واضح ہو جاتی ہے یعنی شاہ صاحبؒ "حکم ٹالنے" کے الفاظ تحریر فرما رہے ہیں۔ حکم ٹالنے میں انکار کرنے اور سرتابی کرنے کا مفہوم نہیں ہے بلکہ اس میں موخر کرنے اور سستی کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اردو میں قرض خواہ اور لین دار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس وقت تو اسے ٹال دو۔ پھر کسی وقت بلاؤ یا کہا جاتا ہے اس نے نماز کا وقت ٹلا دیا۔ یعنی موخر کر دیا۔ وقت سے بے وقت کر دیا۔

پس قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی فطری سستی اور غفلت کی وجہ سے ممانعت کو توڑ ڈالا اور وہ درخت کھا لیا جس سے منع کیا گیا تھا۔

یہ بات نہیں کہ آدم علیہ السلام نے انکار اور جسارت کر کے وہ حکم توڑا ہو جیسا کہ ابلیس نے کیا۔

عَصٰی کے بعد غَوٰی کا مطلب

عَصٰی کے بعد قرآن نے فَغَوٰی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ بھی اسی رعایت سے "راہ سے بہکا" تحریر کیا یعنی آدمؑ بہک گیا اور اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں ..... غوٰی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

۱:۔ ضل عن المطلوب :۔ مقصد میں ناکام رہا۔

۲:۔ ضل عن الرشد :۔ ہدایت سے دور ہو گیا۔ گمراہی میں پڑ گیا۔ (حاشیہ جلالین صـ ۲۶۸)

حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔
یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے دائمی حیات پانے کی نیت سے بقول ابلیس شجرۃ الخلد (دائمی زندگی کا پھل) کھالیا۔ حالانکہ وہ پھل جنت میں ہمیشہ رہنے کا نہیں تھا۔ بلکہ وہاں سے نکل جانے اور دنیا میں آجانے کا تھا۔

حضرت آدمؑ کو ابلیس نے دھوکہ دیا اور الٹی تدبیر بتادی۔ چنانچہ آدمؑ کو جنت سے نکلنا پڑا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ پر قرآنِ کریم نے جو انداز اختیار کیا اس سے مفسرین نے قرآنِ کریم کا یہ نظریہ مستنبط کیا ہے کہ قرآن انبیاء علیہم السلام کی بھول چوک کو بھی عصیان ذنب اور گناہ سے تعبیر کرتا ہے اور پھر اسی قسم کے عصیان پر انہیں استغفار کی ہدایت کرتا ہے۔

یعنی انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن نسیان و بھول کی فطری کمزوری حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ لگی رہتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا درجہ خدا کے ہاں بہت بلند ہوتا ہے۔ اسی تقرب و بلندی کی وجہ سے ان حضرات کی بھول بھی گویا عصیان اور اس پر یہ حضرات رات دن استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔

سورۂ طٰہٰ کی ان دونوں آیتوں کے ترجمہ میں دوسرے حضرات نے جو انداز اختیار کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

شاہ رفیع الدینؒ اپنے لفظی ترجمہ میں لکھتے ہیں

۱:۔ پس بھول گیا اور نہ پایا ہم نے واسطے اس کے قصد خلاف کا (۱۱۵)

اور نافرمانی کی آدمؑ نے رب اپنے کی پس گمراہ ہوگیا (۱۲۱)

حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں

۲: سوان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی (۱۱۵)

اور آدمؑ سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے (۱۲۱)

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے بامحاورہ ترجمہ میں

۳: تو آدم بھول گئے اور ہم نے ان میں استقلال نہ پایا (۱۱۵)

اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور بھٹک گئے۔ (۱۲۱)

۴: حضرت شیخ الہندؒ نے دونوں آیتوں میں شاہ صاحبؒ کا ترجمہ باقی رکھا ہے۔

۵: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کنز الایمان میں

اور آدمؑ سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔

اور وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (۱۱۵)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم حضرات نے دونوں آیتوں کو تضاد تخالف سے بچانے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر مکمل رعایت دونوں آیتوں کے پچاروں لفظوں میں اگر کسی جگہ نظر آ رہی ہے تو وہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ میں جامعیت کی شان

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی اسلوب ہے کہ آپ مستند تفسیری اقوال اور فقہائے اسلام کے مختلف مسلکوں کو اپنے ترجمہ میں جمع کرنے اور جامع الفاظ میں ان مختلف پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش فرماتے ہیں تاکہ جامعیت اور وسعت کی جو شان اصل کلام میں موجود ہے وہ ترجمہ کے اندر بھی برقرار رہے۔

ہاں! اگر مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو کسی خاص وجہ سے ترجیح دینا چاہتے ہیں تو اس کی طرف نہایت لطیف اشارہ کر دیتے ہیں۔

اکثر مترجمین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کو اپنے اپنے مخصوص تصورات کے قالب میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں اور اس طرح کلام الٰہی کی شان جامعیت کو ختم کر دیتے ہیں۔

ہندوستانی علماء کے ترجموں میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ "کنز الایمان" اس کی نہایت بھونڈی مثال ہے۔

مولانا بریلوی نے اس انداز سے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ بریلوی مکتب خیال کے کوئی مولوی صاحب وعظ فرما رہے ہیں۔

نہ کتاب اللہ کی زبان کا وقار محسوس ہوتا ہے اور نہ کلام حق کے بلند تر انداز بیان کا اس ترجمہ کے راستہ سے قلب پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں شاہ صاحبؒ کے ترجمہ پر نظر ڈالیے۔

مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی تفسیر

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (المائدہ نمبر۳)	حرام ہوا تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام پکارا اللہ کے سواء کا۔

یہ فقرہ المائدہ کے علاوہ البقرہ نمبر ۱۷۳ اور الانعام نمبر ۱۴۶ میں بھی آیا ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں جگہ اھل کا ترجمہ نام پکارا کیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے الاھلال کے معنی آواز بلند کرنے کے آتے ہیں۔ چونکہ مشرکین عرب اپنے بتوں پر جانور ذبح کرتے وقت بلند آواز سے ان کا نام لیتے تھے۔ اس لیے اھلال کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اور اس سے مراد ذبح کرنا ہے۔ (جلالین صـ۲۴)

"مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔ ان کا ذبیحہ حرام ہے۔"

حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مفسرین کی اسی تفسیر کے مطابق تینوں جگہ اس فقرہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا	اور وہ چیز "حرام" ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے المائدہ کے حاشیہ پر اُھِلَّ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا...."اور جو خدا کے سوائے کسی کے نام پر ذبح کیا اور جو کسی مکان کی تعظیم پر ذبح کیا۔ سوائے خانہ خدا۔"

آگے پھر شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی۔
"اِس سے معلوم ہوا کہ "غیر خدا" کے نام پر جانور ذبح ہوا۔ یا غیر خدا کی تعظیم پر وہ مردار ہے۔"

شاہ صاحبؒ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے اور جس جانور پہ ذبح کے وقت تو خدا کا نام لیا جائے لیکن اس جانور کو ذبح سے پہلے غیر اللہ کی تعظیم پر منسوب کیا جائے جیسے فلاں بت یا فلاں پیر کا بکرہ۔ تو وہ جانور بھی حرام رہے گا۔ ذبح کے وقت۔ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے سے حلال نہیں ہو سکتا۔

شاہ صاحبؒ کے تفسیری فوائد سے معلوم ہوا کہ اُهِلَّ کا مفہوم شاہ صاحبؒ کے نزدیک عام ہے۔ ذبح کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

البتہ "پیر کے بکرے" میں جو نسبت اور نامزدگی ہے۔ اس کی تشریح شاہ صاحبؒ نے دوسرے مقام پر کر دی ہے۔

البقرہ آیت نمبر ۲۲۱ کے فائدہ میں لکھتے ہیں۔ اور یہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جان کر..... یعنی کسی ہستی کو مالک و مختار جان کر اس سے حاجت طلب کرنا شرک ہے۔

اسی اصول کو عام کر کے یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی ہستی کو صاحب اختیار اور مالک و مختار سمجھ کر اس کی خوشنودی حاصل کرنا۔ اس کا تقرب اور نزدیکی حاصل کرنا اس سے مدد مانگنا، اس کے سامنے اسی عقیدہ سے کھانا اور جانور کی قربانی پیش کرنا، شرک ہے۔ اور یہ چیزیں اس تصور کی بنا پر حرام ہو جاتی ہیں۔

لیکن اگر کسی ہستی کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کسی جانور کو یا کسی چیز کو اس کے نام کی طرف منسوب کرے تو اس نامزدگی اور نسبت سے وہ چیز حرام نہیں ہوتی۔

اس کی مزید وضاحت شاہ صاحبؒ نے النحل نمبر ۵۶ کے فائدہ میں بھی فرمائی۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ	اور ٹھہراتے ہیں ایسوں کو جن کی خبر نہیں رکھتے۔ ایک حصہ ہماری دی روزی میں سے۔ قسم اللہ کی تم سے پوچھنا ہے۔ جو جھوٹ باندھتے تھے۔

اس پر فائدہ لکھا ہے۔

یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں مویشی میں تجارت میں اللہ کے سوا کسی کی نیاز ٹھہراتے ہیں۔

سب مال اللہ کا ہے اور کسی کا حق نہیں۔ مگر اللہ کی راہ میں دے اپنے ثواب کو پھر اپنے بدلے ثواب کسی کو دلوادے۔

سورۃ الحج نمبر ۳۵ میں بھی اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ	اور ہر فرقہ کو ہم نے ٹھہرا دی ہے قربانی کہ یاد کریں نام اللہ کا ذبح پر چوپایوں کے جو ان کو دیئے۔

اس پر فائدہ تحریر کیا ہے۔

یعنی مویشی ذبح کرنا۔ نیاز اللہ کی ہر دین میں عبادت رکھی ہے۔ اس

کے سوا اور کی نیاز ذبح کرنا اس کی عبادت ہو گئی تو شرک ہوا"

اس آیت کی تفسیر میں چونکہ کافی بحث کی جاتی ہے اس لیے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے آیت کے مطلب کی کافی وضاحت کی ہے۔ اور لکھا ہے

اکثر مفسرین نے اھل کی تفسیر "ذبح علی اسم غیر اللہ" کی ہے معلوم ہوا کہ وہی جانور مراد ہے جس کو بجائے بسم اللہ کے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تفسیر سے حصر لازم نہیں آتا بلکہ یوں کہا جائے گا۔ اسی حرام کی ایک فرد یہ بھی ہے۔ چونکہ جاہلیت میں اس کا رواج زیادہ تھا اس لیے یہ تفسیر کر دی گئی ہے۔ ورنہ اُهِلَّ لغت کے لحاظ سے عام ہے مطلق نامزد کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ گو ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے۔

سورۂ مائدہ میں اُهِلَّ کے بعد مَا ذُبِحَ کا فقرہ الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُهِلَّ عام ہے جس میں نامزدگی اور ذبح دونوں شامل ہیں عام کے بعد خاص ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر احمدی میں جو جواز پیش کیا گیا ہے وہ ایصالِ ثواب کی تاویل سے لکھا ہے۔ بلا اس تاویل کے جائز نہیں۔ (بیان القرآن ج ۱ ص۵۸)

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محتاط فتاوٰی نویسی اور گہرا تفقہ علمائے ہند میں مشہور ہے۔ آپ نے ان مسائل میں لکھا ہے۔

"اگر بڑے پیر صاحب یا کسی دوسرے بزرگ کو ثواب پہنچانے کے لیے جانور ذبح کرا کر اس کا گوشت پکا کر کھلا دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر بکرا ان کے نام پر ذبح کیا جائے یعنی بکرے کی جان ان کے لیے دی جائے تو وہ بکرا حرام ہے۔ خواہ بسم اللہ کہہ کر ہی ذبح کر دیا جائے"۔ (کفایت المفتی ج ص ۲۱۲)

حاصل یہ کہ بکرے کھانے اور پینے وغیرہ کی چیزوں کو اولیاء اللہ یا اپنے ماں باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ یہ بکرا پیر صاحب کا ہے یہ کھانا پیر صاحب کی نیاز کا ہے۔ اِن جملوں کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کا ثواب ان کو پہنچانا ہے اور ان تمام چیزوں کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے۔ نفع و نقصان پہنچانے کا حقیقی اختیار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اُھِلَّ کے ترجمہ کو ذبح کے لیے خاص کیا ہے۔ ...... اور وہ جانور جو خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا..... پھر حاشیہ پر مولانا نعیم الدین صاحب نے لکھا۔ ...... اور اگر فقط اللہ کے نام پر کیا اور اس سے قبل یا بعد غیر کا نام لیا۔ مثلاً یہ کہا کہ عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کا دنبہ یا جن اولیاء کے لیے ایصال ثواب منظور ہے ان کا نام لیا تو یہ جائز ہے (بحوالہ احمدی ص۳ کنز الایمان)

مولانا نعیم الدین صاحب نے اِن جاہل اور بد عقیدہ مسلمانوں کے عمل پر روشنی نہیں ڈالی۔ جو کسی مرحوم بزرگ کے ساتھ مشرکانہ عقیدت سے کسی کھانے کی چیز یا جانور کو منسوب کرتے ہیں۔ یہ ان پڑھ لوگ اپنے بت پرستانہ ماحول کے اثر سے بزرگوں کو خدائی اختیار کا حصہ دار سمجھتے ہیں اور یہ لوگ یہ تصور رکھتے ہیں۔ کہ بزرگانِ دین خدا تعالٰے کی رضا سے قطع نظر ہمارے بھلے برے کا اختیار رکھتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں کی نذر و نیاز کو کسی مسلک کے مطابق حلال نہیں کہا جا سکتا ہے۔

البتہ صحیح العقیدہ پڑھے لکھے لوگ بزرگوں کی نیاز صرف ثواب پہنچانے کی نیت سے کرتے ہیں اور وہ سب کے نزدیک حلال و جائز ہے۔ حاصل یہ کہ

ان مسائل میں افراط و تفریط پیدا ہو گئی ہے۔ اس لیے احتیاط کی سخت ضرورت ہے ہمارے حضرات نے ان پڑھ عوام کی بے احتیاطیوں کو دیکھ کر بطور بند کے طور پر بعض سخت فتوے دیئے ہیں جن کا منشاء صرف یہ ہے کہ عوام شرک اور شرک کے شائبے اور شبہے سے بھی دور رہیں۔

جامعیت کی دوسری مثال

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ	اے نبی! کفایت ہے تجھ کو اللہ اور
مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	جتنے تیرے ساتھ ہوئے ہیں مسلمان۔

(انفال ۶۴)

اکثر مفسرین نے (وَ مَنْ) کا (كَ) پر عطف کیا ہے۔ یعنی اے نبی! تم کو اور تمہارے تابعداروں کو اللہ کافی ہے۔

بعض مفسرین نے، اللہ کے لفظ پر عطف کیا ہے۔ یعنی اے نبی! تم کو اللہ کافی ہے اور اہل ایمان کو کافی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا تھانوی نے آیت بالا ۶۴ کی رعایت سے بعض مفسرین کا قول اختیار کیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں جامعیت ہے اور یہ ترجمہ دونوں تاویلوں کی گنجائش رکھتا ہے۔

انتظامی کلام میں موقع کی گنجائش

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ	اور جو کوئی آنکھیں چرا دے رحمن کی یاد
نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ	سے ہم اس پر تعین کریں شیطان پھر وہ

(الزخرف ۳۶) رہے اس کا ساتھی۔

عربی میں عَشَا یَعْشُوْ عَشْوًا کے کئی معنی آتے ہیں۔ رات کو جانے کا قصد کرنا۔ ہٹ جانا۔ اعراض کرنا۔ رات کو کم نظر آنا (رتوندا آنا)۔

فارسی والے حضرات نے اعراض کرنے اور غافل ہونے کے معنی کیے ہیں۔ شاہ رفیع الدینؒ نے "شب کوری کرے" کے معنی کیے ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے "اللہ کی نصیحت سے اندھا بن جائے" ڈپٹی صاحب نے ٹھیٹھ عربی لفظ لکھا "جو شخص رحمٰن کی یاد سے اغماض کرتا ہے"۔ مولانا بریلوی نے ایک محاورہ استعمال کیا "جسے رتوند آئے رحمٰن کے ذکر سے"۔ مولانا سعید احمد صاحبؒ نے ایک اچھا لفظ رکھا "رحمٰن کے ذکر سے آنکھیں بند کرلے"۔

حضرت تھانویؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ دونوں کے محاورے فصیح ہیں۔ اور عام طور پر کہا جاتا ہے۔ وہ ہماری طرف سے اندھا ہو گیا۔ اس نے ہماری طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ یعنی اس نے ہم سے منہ موڑ لیا۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے آنکھیں چرانے والے محاورہ میں وہ خوبیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یعنی ایک طرف یہ محاورہ ایک عوامی محاورہ ہے۔ وہاں دوسری طرف متن کے اصلی لفظ "عشوًا" کے لغوی مفہوم (کم نظر آنا) سے قریب بھی ہے۔ اندھا بن جانا اور آنکھیں بند کر لینا لفظ "عشوًا" سے اتنے قریب نہیں۔

مولانا بریلوی کا محاورہ "رتوند آجانا" دلی اور لکھنؤ کے فصیح ادب میں استعمال نہیں ہوتا۔ دیہاتی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اردو کا جو محاورہ استعمال کیا وہ ہر لحاظ سے آخری محاورہ ہے۔ بعد والوں نے اس کی جگہ جو محاورات

استعمال کیے ہیں وہ اصل کلام عربی کے لغوی مفہوم کی جھلک اپنے اندر نہیں رکھتے یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس محاورہ کو تبدیل نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت شیخ کے سامنے مولانا تھانوی کا محاورہ موجود تھا۔

موقعہ و محل کی رعایت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حد درجہ کمال بصیرت رکھتے ہیں۔ مذکورہ آیت اور حسب ذیل آیت یہ دونوں دراصل حاکم حقیقی کے انتظامی معاملہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ حاکم مطلق یہ بتا رہا ہے کہ میں سرکش اور ضدی انسانوں پر شیاطین کی ڈیوٹی لگا دیتا ہوں۔ جو انہیں ان کے اختیار کردہ مجرمانہ کردار کو ان کی نظروں میں اچھا کرکے دکھاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخرت کا آخری فیصلہ آجاتا ہے۔

اس رعایت سے شاہ صاحب نے "نقیض" کا ترجمہ "تعین کریں،، کیا حٰم السجدہ میں آیا ہے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ — اور لگادی ہم نے ان پر تعیناتی پھر انہوں نے بھلا دکھایا ان کو جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے۔ (نمبر ۲۵)

عربی میں قَيَّضَ تَقْيِيْض کے معنی آتے ہیں کسی چیز کو کسی چیز سے ملانا چسپاں کرنا۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۲۷)

مانند بنانا۔ مقدر کرنا۔ هُمْ قَيْضَانِ.... وہ دونوں ایک دوسرے کی مانند ہیں (تسہیل ص۳۰۷)

اس جامع اور وسیع لفظ سے قرآن کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سرکش

انسانوں پر شیطانوں کو لگا دیتا ہے اس طرح کہ ایک دوسرے کے ساتھ چسپاں ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مانند اور ایک دوسرے جیسے ہو جاتے ہیں دونوں میں کچھ فرق نہیں رہتا اور جس طرح انسان کی تقدیر اس کے ساتھ رہتی ہے اسی طرح وہ شیطان اس کے ساتھ رہتا ہے۔

حٰمٓ السجدہ کی آیت میں شاہ صاحبؒ نے "قرناء" ساتھیوں کا ترجمہ کیا ہے "تعیناتی"۔ جب کہ شاہ ولی اللہؒ نے "قرناء" کا ترجمہ "ہم نشینان"، شاہ رفیع الدینؒ نے ہم نشین کیا۔

تعیناتی کا ترجمہ قرآنی مراد کو بڑی خوبی سے واضح کر رہا ہے۔ تعیناتی میں (ی) نسبت کی ہے۔ اور اس کے معنی وہ عملہ جو کسی انتظام کے لیے مقرر کیا جائے یہ لفظ انتظامی صیغہ میں اب بھی بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ عربی میں تَعْیِیْن ہے۔ فارسی والوں نے اسے تعین بنا لیا۔ جیسے عربی میں تَمْیِیْز تھا۔ فارسی والوں نے اسے تمیز کر لیا۔ پھر اردو والوں نے تعین کی جمع اپنے قاعدہ سے بنالی۔ اور تعینات بن گیا۔ یہی لفظ تعیناتی بھی بولا جاتا ہے اور اس میں مصدری معنی بھی ہیں اور مفعول کے معنی بھی ہیں۔

بعد والوں میں جن مترجم حضرات نے موقع و محل کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ کے اس محاورہ کی لطافت کو سمجھا۔ انہوں نے اسی لفظ کو اختیار کیا۔

ڈپٹی صاحب نے لکھا۔ اور ہم نے تعینات کر دیا۔ یہی الفاظ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اپنے ہاں رکھے ہیں۔

مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری نے لکھا "متعین کر دیا ہے۔ لفظ "مولانا تھانویؒ نے السجدہ میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا لفظ "مقرر کر دیئے" اختیار کیا

ہے۔ اور الزخرف میں مسلط کر دیئے۔ ترجمہ کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کو بالکل بدل دیا لیکن اچھا ترجمہ کیا۔
"اور لگا دیئے ہم نے ان کے پیچھے ساتھ رہنے والے"۔ "لگا دیئے کا لفظ" تسلط اور تقرر ہی کا مفہوم رکھتا ہے۔

بہر حال شاہ صاحبؒ کے ہاں جو لفظ السجدہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہ آیت کی حقیقی مراد کے لحاظ سے بڑا موزوں اردو محاورہ ہے۔

چند نادر تفسیریں

ثَانِیَ اثْنَیْنِ کی نادر تفسیر

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	ترجمہ:۔ اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کی
اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ	تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس
اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ	کو نکالا کافروں نے۔ دو جان سے جب
لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ	دونوں تھے غار میں۔ جب کہنے لگا اپنے
مَعَنَا (التوبہ ۴۰)	رفیق کو۔ تو غم نہ کھا۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے

ثَانِیَ اثْنَیْنِ کا ترجمہ تمام مترجمین نے ایک ہی کیا ہے۔ یعنی .... دوئم دو کس ..... شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ..... دوسرا دو میں کا ..... شاہ رفیع الدینؒ دو میں دوسرے پیغمبر ..... ڈپٹی نذیر احمد ..... جب کہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے .... مولانا تھانویؒ ..... شیخ الہندؒ نے شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا ترجمہ اختیار

کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاں ڈپٹی صاحب کے الفاظ ہیں۔ ...... دو میں دوسرا اللہ کا رسولؐ تھا۔ یہی الفاظ ابوالاعلیٰ صاحب کی تفہیم القرآن میں ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب متاخرین میں تنہا وہ مترجم ہیں جنہوں نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے الفاظ کو پسند کیا ہے۔ اور لکھا ہے کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے۔ جب وہ دونوں غار میں تھے۔ مولانا بریلوی نے اس آیت کے ترجمہ میں اپنی جدت پسندی کو شاہ صاحبؒ کے حسن بلاغت پر قربان کر دیا اور اپنے حسن ذوق کا ثبوت پیش کیا ہے۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ دہلوی دونوں بزرگ حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ و تفسیر سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ مگر ان میں سے پہلے بزرگ نے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے الفاظ اور دوسرے بزرگ نے مولانا تھانویؒ کے الفاظ اختیار کیے اور مولانا احمد سعید صاحبؒ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنے تفسیری فوائد میں بھی شاہ صاحبؒ کے اس نادر و عجیب پیرایہ پر روشنی نہیں ڈالی۔

مفسرین نے قرآن کریم کی اس تفسیر کے متعلق لکھا ہے ...... تقدیرہ اذ اخرجہ الذین کفروا حال کونہ منفردا عن جمیع الناس الا ابابکر (حاشیہ جلالین ص۱۵۹)

مطلب یہ کہ اس پیرایہ بیان سے اللہ تعالےٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس وقت کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکالا۔ اس وقت آپ اکیلے تھے۔ سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے۔

شاہ صاحبؒ مفسرین کی اس تاویل سے اتفاق کرتے نظر نہیں آتے کہ اس پیرایہ بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادیت کا اظہار مقصود ہے۔ بلکہ شاہ صاحبؒ

یہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثانی (دوسرے) تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ اکیلے تھے یا آپ ایک تھے۔ بلکہ ثانی (دوسرے) تھے۔ فرمایا۔ ثانی (دوسرے) میں رفیق و ہمراہی کا تصور موجود ہے[1]

ثَانِیَ اثْنَیْنِ کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے اردو محاورہ کے اندر ایسا کیا کہ قرآن مجید کی اصلی مراد واضح ہو گئی۔ اردو میں کہا جاتا ہے۔ میں اپنی ذات سے آیا ہوں۔ وہ اپنی اکیلی جان سے آئے۔ اسی محاورہ کے مطابق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محاورہ اختیار کیا۔.... "اس کو نکالا کافروں نے دو جان سے"....

اسی ترجمہ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی توقیر بڑھائی۔ کیونکہ آگے دونوں فقروں میں قرآن مجید نے نبیؐ اور صدیقؓ کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ .... جب وہ دونوں غار میں تھے جب کہا اس نے اپنے رفیق سے غم نہ کر۔

قرآن نے ثانی کو اثنین سے مقدم کر کے نبی کی صدیق پر فضیلت کا اظہار کیا ہے کہ اصل مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنا تھا۔ اس لیے ثانی کو مقدم کر کے بیان کیا۔ ورنہ جہاں تک امر واقعہ کا تعلق ہے ہجرت میں نبی و صدیق ساتھ رہے۔ وہ دو جانیں تھیں جو ایک ساتھ بے وطن ہوئیں اور ایک ساتھ ہجرت کی آزمائش سے گزریں۔ اگر فرق رہا تو نبوت کے عزم و استقامت اور صدیق کے حزن

---

[1] صاحب روح المعانی نے لکھا ہے۔

ثانی اثنین ای احد اثنین سواء کان ثانیا اولا وھکذا معنی ثالث ثلاثۃ۔ لیکن شاہ صاحبؒ اسے تسلیم نہیں کر رہے۔

وملال کے درمیان رہا۔ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی۔

انسانی عظمت سے توحید پر استدلال

حضرات انبیاءِ کرام نے خدا کی توحید پر ہر انداز سے روشنی ڈالی اور بڑی بڑی دلیلیں پیش کیں۔

لیکن ایک جملہ حضرت موسیٰؑ کی زبانی قرآن نے ایسا نقل کیا جو اختصار کے باوجود توحیدِ الٰہی کی لاجواب دلیل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان سارے جہان سے افضل واشرف ہے، دوسری مخلوق اس سے گھٹیا اور کم تر درجہ رکھتی ہے، پھر ایک اعلیٰ واشرف کا کم تر اور گھٹیا کے آگے جھکنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اور اگر ایسا ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مشرک انسان اپنی انسانی عظمت کے تصور سے محروم ہے۔ توحید کا تصور جب انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ تو اس سے عظمت آدم کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ اور احساس کمتری دور ہو جاتا ہے۔

اسلام نے اسی احساس کے ذریعہ شرک کا علاج کیا کیونکہ شرک انسان کو عظمتِ انسانی کے یقین واحساس سے محروم کر دیتا ہے۔

اب اس پر حضرت موسیٰؑ کا استدلال ملاحظہ ہو سورۂ اعراف میں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	موسیٰؑ نے کہا! کیا اللہ کے سوا اور دوں تم کو کوئی معبود اور اس نے تم کو بزرگی

(آیت نمبر ۱۴۷) دی سب جہان پر۔

اس استدلال میں پورا زور اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب فَضَّلْکُمْ کی ضمیر خطاب میں بنی اسرائیل بحیثیت انسان مخاطب ہوں۔ نہ بحیثیت ایک خاص مذہبی گروہ کے۔

اور حضرت موسیٰؑ کا اصلی مقصد یہاں یہی معلوم ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام۔ کہتے ہیں کہ اے میری قوم! میں تمہارے لیے اس مخلوق میں سے کوئی معبود بنا کر لادوں۔ حالانکہ تم انسان ہو اور بحیثیت انسان کے خدا تعالےٰ نے تمہیں ساری مخلوق پر شرافت وفضیلت عطا کی ہے۔ پھر کم درجہ کی مخلوق کے لیئے ایک اعلیٰ درجہ کی مخلوق میں سے معبود کہاں بن سکتا ہے؟

عبادت تو اپنے سے اعلیٰ اور اشرف کی کی جاتی ہے۔ اب اس آیت میں اگر "فضلکم" کا خطاب بحیثیت ایک خاص قوم کے قرار دیا جائے تو اس سے اس استدلال توحید کا سارا زور اور آیت کریمہ کی ساری بلاغت ختم ہو جاتی ہے۔

اس لطیف نکتہ کو تمام مترجمین میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے سمجھا ہے۔

یہ جملہ قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے۔ دو جگہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۴۷، نمبر ۱۲۲ اور تیسری جگہ اعراف آیت نمبر ۱۴۰ میں سورہ بقرہ میں شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ دونوں جگہ ترجمہ کرتے ہیں۔

يَابَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ	اے بنی اسرائیل! یاد کرو احسان میرا جو
الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي	میں نے تم پر کیا اور وہ جو میں نے تم کو بڑا کیا
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ۔	جہان کے لوگوں پر۔

.. ..ون جگہ ایک ہی قسم کی آیت ہے۔ اور یہ قول ہے حضرت حق تعالےٰ کا۔
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جگہ ایک ہی لفظ ..... "بڑا کیا سارے جہان پر"..... اختیار کیا ہے۔

اعراف میں قول ہے حضرت موسٰی علیہ السلام کا اس میں شاہ صاحبؒ نے... بزرگی دی..... کا لفظ لکھا ہے۔ اردو شارحین میں تمام حضرات نے اس آیت کی تشریح بنی اسرائیل کو خطاب کرکے کی ہے اور اسی وجہ سے ان حضرات کی تشریحات میں استدلال توحید کا زور پیدا نہیں ہو سکا۔ البتہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنے تفسیری نوٹ میں آیت کریمہ کی روح کو برقرار رکھا ہے ..... لکھتے ہیں۔

پھر بڑی شرم کا مقام ہے کہ جس مخلوق کو خدا نے سارے جہان پر فضیلت دی وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے سربسجود ہو جائے کیا مفضول افضل کا معبود بن سکتا ہے۔ (حمائل شریف ص۲۱۵)

مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے بلیغ اشاروں کو سمجھتے ہیں۔ لیکن اس موقعہ پر مولانا کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ مولانا نے تینوں جگہ اس جملہ کا ترجمہ یہ کیا ہے ....."اس نے تم کو اس زمانہ میں جملہ اقوام پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

حضرت تھانویؒ نے بھی اس خطاب کو بنی اسرائیل کے دائرہ میں محدود رکھا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اس نے تم کو (بعض احسانوں میں) تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ (بیان القرآن ص۴۲ ج ۴)

الانعام نمبر ۸۲ میں ظلم کا ترجمہ کیا گیا ہے

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا ... ترجمہ: جو لوگ یقین لائے اور نہ ملائی
اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر انہی کو ہے
الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔ خاطر جمع اور وہی ہیں راہ پائے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ جب آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرامؓ کو بہت ہی شاق گزرا۔ آخر آپ کی خدمت میں عرض کیا اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ؟ یعنی یا رسول اللہ! ہم میں ایسا کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم یعنی گناہ نہ کیا ہو۔ تو پھر اب تو سب عذاب الٰہی سے غیر مامون اور ہدایت سے محروم ہو گئے۔ لیس ذالك انما ھو الشرك الخ یعنی ولم یلبسوا میں ظلم سے مراد شرک ہے مطلق گناہ نہیں۔ جو یہ دشواری پیش آئے۔ حضرات مفسرین اور شراح حدیث کے اقوال اس جواب کی تقریر میں مختلف ہو گئے۔ جیسا اہل علم کو معلوم ہے۔ سو ایک خلجان لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ میں تھا۔ جو حضرات صحابہؓ کو پیش آیا تھا۔ دوسرا اختلاف خلجان مذکور کے جواب میں مفسرین وغیرہ علمائے کرام کو پیش آگیا وہ موجود ہے۔

اسی پر حضرات مترجمین نے تو ان لمبی لمبی بحثوں کو دیکھا کہ ترجمہ ان کا متحمل نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے مناسب۔ اس لیے ترجمہ میں اس سے قطع نظر کر کے ظاہر کے موافق صحیح ترجمہ فرما دیا اور لمبی بحثوں کے لیے دوسرا موقع ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دقیق نظر نے دیکھا کہ جب ہم کو ترجمہ میں کوئی زیادتی

اور طول کہنا نہیں پڑتا۔ صرف ایک لفظ کی جگہ دوسرا ویسا ہی لفظ بول دینے سے سب امور طے ہوئے جاتے ہیں تو پھر اس میں کیوں کوتاہی کی جائے اور کام کی بات سے کیوں محروم رکھا جائے تو انہوں نے اپنی عادت کے موافق یہ کیا کہ "الذین امنوا الخ" کے ترجمہ میں یہ الفاظ فرمائے "جو لوگ یقین لائے اور ملائی نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر"..... جس سے معلوم ہوگیا کہ ایمان سے حقیقت ایمانی یعنی تصدیق قلبی مراد ہے۔ حسب معروضہ سابق جس کو ایمان بالمعنی الاول کہتے ہیں۔ اہل فہم وانصاف کو تو بس یہی کافی ہے۔ مگر اس پر اتنا اور کیا کہ ظلم کے ترجمہ میں لفظ تقصیر بیان فرمایا۔ جس سے اور بھی وضاحت اور تکمیل ہوگئی۔ اب اس میں غور کرنے سے نہ آیت میں کوئی خلجان ہوتا ہے۔ نہ آپ کے ارشاد میں اختلاف باقی رہتا ہے۔ دو لفظوں میں ایسی تحقیق فرمادی کہ لمبی لمبی بحثوں کی ضرورت نہ رہی اور طرفہ یہ کہ تحقیق دو لفظی سب سے احق بالقبول ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلجان کا منشاء کیا تھا۔ اور ارشاد نبوی علیہ السلام کا منشاء کیا ہے .... (مقدمہ موضح فرقان ص۶)

حضرت شیخ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ شاہ صاحبؒ نے حدیث کی تصریح کے مطابق ظلم سے تقصیر بمعنی شرک مراد لی ہے۔ پھر چونکہ شرک ایمان شرعی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اس لیے ایمان کا ترجمہ یقین بمعنی ایمان لغوی کیا ہے اس طرح آیت کو ہر طرح شبہ سے بچا لیا ہے۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت میں ظلم کا ترجمہ شرک کیا ہے لیکن ایمان کا ترجمہ ایمان ہی کیا ہے۔ البتہ ایمان کے لفظ پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اسے تشریح میں دور کر دیا ہے۔ یہی حال ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں صرف اتنی تبدیلی کی ہے کہ تقصیر کے لفظ کی جگہ نقصان کا لفظ رکھ دیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے البقرہ ۵ میں خود بھی ظلم کا ترجمہ نقصان کیا ہے۔ اور اگر شاہ صاحبؒ ضرورت سمجھتے تو اس آیت میں بھی نقصان کا لفظ رکھ دیتے۔ لیکن تقصیر کا لفظ رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک شرک جیسے گناہ کی ترجمانی تقصیر کے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ نقصان کے لفظ کو شاہ صاحبؒ نے شرک کے لیے بہت ہلکا خیال فرمایا۔ واللہ اعلم

فارسی والے بزرگوں نے حدیث کی روشنی میں ظلم کا ترجمہ شرک ہی کیا ہے جسے مرادی معنی کہا جائے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ظلم کے لغوی معنی اور حدیث کے مطابق مرادی معنی دونوں کی رعایت کے ساتھ "تقصیر" کا لفظ رکھا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نظر یا تو مشہور حدیث پر پڑی ہی نہیں یا وہ اپنے ترجمہ میں اس الجھن کو دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مولانا کا ترجمہ یہ ہے: "وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق چیز کی آمیزش نہ کی انہی کے لیے ایمان ہے اور وہی راہ پر ہیں"... کسی ناحق سے صرف مفہوم نہیں ہوتا بلکہ ہر درجہ کا ناحق اور ہر درجہ کی زیادتی اس میں شامل ہو جاتی ہے اور آیت کا یہ مطلب نہیں ہے۔

البقرہ ۲۳۱ میں بیویوں کو تکلیف میں نہ رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ — اور جو کوئی یہ کام کرے۔ اس نے برا کیا اپنا

بیویوں پر ظلم و زیادتی سے پوری خانگی زندگی پر اثر پڑتا ہے اور یہ انسان کا اپنا ہی نقصان ہے۔ اس لیے "اپنا برا کیا" کتنا اچھا ترجمہ کیا ہے۔

خیر خیرات کرنے والوں کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (۲۷۲) — اور جو خرچ کرو گے خیرات پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (آل عمران ۲۵) — اور پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا کیا اور ان کا حق نہ رہے گا۔

دونوں جگہ پورا ملنے کا اعلان ہے۔ اس کی رعایت سے "حق نہ رہے گا" نہایت موزوں ترجمہ ہے۔ قریش مکہ کے متعلق کہا۔ جو احد کے میدان میں شریک ہوئے تھے۔

فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران ۱۲۸) — وہ ناحق پر ہیں۔

گناہ کرنے والوں کے متعلق کہا گیا۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ (آل عمران ۱۳۵) — اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ گناہ یا برا کریں اپنے حق میں

النساء میں منکرین کے متعلق کہا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ (۱۶۸) — جو لوگ منکر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو۔

حق کو نہ ماننا اور دوسروں تک بھی حق نہ پہنچنے دینا اور اسے دبانا، موقع کی رعایت سے کتنا اچھا ترجمہ ہے۔

منکرین حق کے متعلق کہا کہ جن کی نیکی کے پلڑے قیامت کے دن ہلکے ہوئے

فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ (اعراف ۹) — سو وہی ہیں جو ہار سے اپنی جان اس پر کہ ہماری آیتوں سے زبردستی کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے متعلق کہا کہ ان پر ہم نے عذاب نازل کیا۔

بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ (اعراف ۱۶۲) بدلہ ان کی شرارت کا۔

ان یہودیوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے حِطَّۃٌ کے لفظ کو حِنْطَۃٌ سے بدل دیا تھا اور سجدہ کرنے کے بجائے کولہوں کے بل چلنے لگے تھے اس نافرمانی کیلئے شرارت کا لفظ کتنا موزوں ہے۔

حضرت تھانویؒ نے بھی ظلم کے ترجمہ میں تنوع اور ندرت پیدا کی ہے اور کہیں جگہ "حق تلفی" وغیرہ جیسے اچھے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ لیکن ایک جگہ ایک لفظ لکھ دیا ہے جو موقع کے لحاظ سے مرادی معنی کو ادا نہیں کر رہا۔ بنی اسرائیل کی گئو سالہ پرستی کا تذکرہ کر کے ان کے اس فعل شرک کی مذمت کی جا رہی ہے۔ اور کہا جا رہا ہے۔

اِتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ (الاعراف ۱۴۸) اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا۔

اس جگہ شرک کو ظلم کہا جا رہا ہے۔ اس لیے تمام اگلے بزرگوں نے "ستم گاراں" ظالم اور "بے انصاف" ترجمہ کیا ہے۔ اور تھانوی صاحب نے "بے ڈھنگا" لکھا ہے اردو میں ڈھنگ مخفف ہے (ڈھل رنگ) کا۔ اس کے لغوی معنی ہیں جسم کی ساخت وضع، قطع۔ مجازی معنی ڈھب۔ طریقہ۔ (مصدر نامہ ص۲۲۷)

اب بے ڈھنگا کے معنی ہوئے۔ بے طریقہ، بے سلیقہ، پھوڑ آدمی کو کہتے ہیں۔ یہ بڑا بے ڈھنگا آدمی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس لفظ میں شرک جیسے آخری گناہ کی شدت کا مفہوم موجود نہیں ہے البتہ ایک بے سلیقہ کام کا مفہوم ادا ہو رہا ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس مقام پر (ظالمین) کے مفہوم کو بڑے اچھے انداز

سے ادا کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔۔۔۔ اس طرح کی صورت محض تو کسی چیز کو انسانیت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچا سکتی۔ چہ جائیکہ خالق جل وعلا کے مرتبہ پر پہنچا دے۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور بے موقع کام ہے کہ ایک معمولی جانور کی صورت کو خدا کہہ دیا جائے۔

بات یہ ہے کہ اس قوم کو پہلے ہی سے ایسی بے موقعہ باتیں کرنے کی عادت تھی۔

الحاصل ظلم کے ترجمہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں موقعہ ومحل کی بڑی رعایت ہے۔ ہر نیا لفظ اپنی جگہ ایک خاص معنوی حسن پیدا کر رہا ہے۔ کسی لفظ کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مترجم نے اپنی زبان دانی دکھانے کے لیے غیر مناسب الفاظ کی ٹھونسا ٹھونسی کی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپا

حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی خوش خبری سن کر کہا۔

قَالَ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ	بولا، اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا۔
امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ	اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو
الْکِبَرِ عِتِیًّا (مریم نمبر ۸)	گیا یہاں تک کہ اکڑ گیا۔

لفظی ترجمہ یہ ہے۔۔۔۔ پہنچا ہوں بڑھاپے سے بے حد کو (شاہ رفیع الدینؒ)

دوسرے حضرات نے آیت کے مرادی معنی (معنی لازم) اس طرح کیے۔۔۔۔

۱:۔ رسیدہ ام از بزرگ سالی ضعیفی۔ (شیخ شریفؒ)

۲:۔ رسیدہ ام از سبب کلاں سالی بہ نہایت ضعیف (شاہ ولی اللہؒ)

۳:۔ اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ گیا ہوں (تھانویؒ)

حضرت شاہ صاحبؒ کا دور اردو نثر کا عہدِ طفولیت ہے۔ اِس دور میں بیحد بوڑھے آدمی کے متعلق کہا جاتا ہوگا کہ وہ بڑھاپے میں اکڑ گیا۔

اکڑنے کا اطلاق بڑھاپے پر اس لیے ہو سکتا ہے کہ بڑھاپے میں اعصاب خشک ہو جاتے ہیں۔ اور ہڈیوں کا گودا سوکھ جاتا ہے۔ جوڑوں کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ کا ترجمۂ قرآن بھی اپنے دور کا نہایت عمدہ اور فصیح ترجمہ ہے۔ مولانا نے شاہ صاحبؒ کے لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھا جو اس وقت زیادہ عام فہم ہوگا۔ لکھتے ہیں۔..... میں بڑھاپے میں اینٹھ گیا ہوں۔

شاہ صاحبؒ کے محاورہ کے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے مبالغہ کے طور پر بڑھاپے کو مردے سے تشبیہ دی ہے۔ آج کی اردو میں مردے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اکڑ گیا۔ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں بڑھاپے میں مردے کے برابر ہو گیا ہوں۔ جس طرح مردہ اکڑ جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی اکڑ گیا ہوں۔

آج کل اردو محاورے میں بوڑھے آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بڈھا پھونس ہو گیا ہے۔ یعنی بیحد کمزور اور نرم و نازک

توحیدِ الٰہی اور حبروتِ حق کی رعایت چند مثالیں

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طرح نبوت و رسالت کی عظمت کے اظہار کے موقعہ پر اس کا لحاظ رکھتے ہیں کہ امت کے دل میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و

سلم کا ادب واحترام مکمل طور پر قائم ہو جائے۔ اسی طرح خداوندِ عالم کے جبروت و ہیبت کے اظہار کے مقامات پر اس کا لحاظ رکھتے ہیں کہ مخلوق کے دل و دماغ میں اس حاکمِ مطلق کی شوکت و ہیبت کا تصور بیٹھ جائے۔ اس کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ	اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی
اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ۔	کو ہمیشہ جینا۔ پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ
(الانبیاء ۳۴)	جاویں گے۔

فائدہ میں لکھتے ہیں ...."کافر کہتے تھے! اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تک ہے۔ یہ دھوم جہاں یہ مرا پھر کچھ نہیں۔"

اسی کا جواب اوپر والی آیت میں دیا گیا ہے۔ .... چونکہ موقعہ ذاتِ احدیت کی عظمت کے اظہار کا تھا۔ اور جو لوگ خدا کی عظمت میں اس کے مقبول بندوں کو شریک کرتے ہیں۔ ان کے غلط تصور کی تردید کا تھا۔ اسی لیے شاہ صاحبؒ نے اسی کے مطابق نہایت سادہ زبان اور سادہ اندازِ بیان اختیار کیا۔

المائدہ ۱۷ میں کہا گیا۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا	تو کہہ۔ پھر کس کا کچھ چلتا ہے اللہ سے اگر
اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ	وہ چاہے کہ کھپا دے مسیحؑ کے بیٹے کو، اور
مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ	اس کی ماں کو، اور جتنے لوگ ہیں زمین میں
جَمِيْعًا۔	سارے۔

اس پر شاہ صاحب کا تشریحی فائدہ یہ ہے۔

"اللہ صاحب کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا ان کی امت

ان کو بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھادیں۔ والّا یعنی اس لائق کا ہے کو ہیں۔"

آیت کے ترجمہ کا سادا انداز اور پھر یہ حاشیہ اپنے انداز اقتضائے حال کی مکمل رعایت رکھتا ہے۔

شانِ احدیت میں ادب

وَاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ (الدخان[19]) اور یہ کہ چڑھے نہ جاؤ اللہ کے مقابل۔

دوسرے حضرات نے (علیٰ) کا ترجمہ (اوپر) کیا۔ شاہ صاحبؒ کو خدا کے "اوپر" کی ترکیب پسند نہیں آئی۔

۱۔ و سرکشی مکنید بر خدا — شاہ ولی اللہؒ

۲۔ سرکشی نہ کرو اوپر اللہ کے۔ — شاہ رفیع الدینؒ

شاہ صاحبؒ نے اس ترکیب سے ترجمہ کو بچایا اور "اللہ کے مقابل" کر دیا۔ جو لغت اور محاورہ دونوں کے مطابق ہے۔

مولانا تھانویؒ نے بھی "اوپر" کے لفظ سے گریز کرتے ہوئے ترجمہ کیا۔ "تم خدا سے سرکشی مت کرو۔"

حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے الفاظ برقرار رکھے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ایک لفظ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا لیا۔ اور ایک لفظ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا۔ اور لکھا....."اللہ کے مقابل سرکشی نہ کرو۔"

وَکَانَ الْکَافِرُ عَلٰی رَبِّہٖ ظَہِیْرًا اور ہے منکر اپنے رب کی طرف پیٹھ دے رہا۔

علیٰ ربہ..... کے ترجمہ میں ربوبیت کے ادب کا لحاظ رکھا اور "علیٰ" کو مَن کے

معنی میں لیا۔ شاہ رفیع الدینؒ صاحب نے ترجمہ کیا۔ "اور ہے کافر اوپر اپنے رب کے پیٹھ دینے والا۔"

یہ ترجمہ اس رعایت سے خالی ہے۔ حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس نزاکت کا خیال رکھا ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے۔ "وہست کافر برمخالفت پروردگار خود پشتے دہندہ"۔ شاہ صاحبؒ نے مخالفت (مضاف) محذوف قرار دے کر ترجمہ کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس معنیٰ میں اُمّی تھے

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رسالت و نبوت کے احترام و ادب کے معاملہ میں بہت اونچا ذوق رکھتے ہیں۔ رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ جس جس عنوان سے قرآن کریم میں آیا ہے وہاں شاہ صاحبؒ کا قلم اس درجہ محتاط اور باادب نظر آتا ہے کہ دوسری جگہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کا مسئلہ بھی ہے۔

قرآنِ کریم الاعراف میں دو جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الامی کہا گیا۔ شاہ صاحبؒ نے دونوں جگہ امی کا ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو باقی رکھا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ	وہ جو تابع ہوتے ہیں اس رسول کے جو
الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا	نبی ہے امی جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ	پاس تورات اور انجیل ہیں۔

(آیت نمبر ۱۵۷)

اس کے بعد کہا گیا۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ سو مانو اللہ کو اور اس کے بھیجے بنی امی کو۔ (آیت نمبر ۱۵۸۔ الاعراف)

حضرت شاہ صاحبؒ نے عام مترجمین کی طرح "الامی" کا اردو میں وہ ترجمہ کیوں نہیں کیا جو دوسرے حضرات کر رہے ہیں۔

مثلاً شاہ رفیع الدینؒ صاحب اور فارسی والوں میں شیخ شریفؒ جرجانی نے "نانویسندہ است" اور شاہ رفیع الدینؒ نے "ان پڑھ" لکھا ہے۔ بڑے شاہ صاحبؒ نے دونوں جگہ "امی" ہی کا لفظ رکھا ہے۔

اردو والوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے سوا تمام حضرات نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کی ہے۔ اور "الامی" کا اردو میں "ان پڑھ یا بے پڑھا" ترجمہ کرنے کے بجائے امی کے لفظ ہی کو ترجمہ میں قائم رکھا ہے۔

البتہ مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ نے بھی "بے پڑھے" ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ خاں صاحب بریلوی کو عشق رسالت کا خاص دعویٰ ہے اور اس دعویٰ کی بنا پر مرحوم نے بعض آیات کے ترجمہ میں بڑی ہی بھدی ترمیمات کی ہیں۔

مثال کے طور پر الاعراف کی اسی آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ ..... "وہ جو غلامی کریں گے اس کے رسول بے پڑھے غیب کی خبر دینے والے کی"۔ .... اتباع کا غلامی کرنا۔ اور النبی کا ترجمہ غیب کی خبر دینے والا کرنا کسی سے بھی منقول نہیں ہے نہ کسی تابعی مفسر نے اور سلف صالحین میں سے کسی عاشق رسالت نے قرآن کریم کے ترجمہ کے اندر اس طرح مداخلت کا ارتکاب کیا ہے۔

اور مولانا بریلوی کے ہاں اکثر جگہ عشق نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اظہار کا نہایت سطحی انداز پایا جاتا ہے[1]

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ الاعراف کی مذکورہ بالا آیت پر لکھتے ہیں۔

حضرتؐ کو پہلی کتابوں میں "نبی امی" بتایا تھا۔ دو معنوں سے، ایک تو ان پڑھے تھے اور دوسرے "ام القریٰ" سے پیدا ہوئے یعنی مکہ سے، .... اس تشریح سے معلوم ہوا کہ حضور کو امی بمعنی ناخواندہ یا بمعنی ام القریٰ کا رہنے والا کہا گیا ہے۔ اس لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر "امی" کا ترجمہ ناخواندہ یا ان پڑھ کرتے تو صرف ایک مفہوم متعین ہو جاتا۔ اور ساتھ ہی یہ بات عام لوگوں کے لحاظ سے روح ادب سے خالی ہوتی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آل عمران (۲۰) اور الجمعہ (۲) کے فوائد میں امی اور امیوں کے تیسرے معنی بھی بیان کیے ہیں اور علمائے محققین نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ (۲۰)	اور کہدے کتاب والوں کو اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو۔ پھر اگر تابع ہوئے تو راہ پر آئے۔

اس پر شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ "ان پڑھ کہتے تھے عرب کے لوگوں کو کہ ان کے پاس پہلے پیغمبروں کا علم نہ تھا۔

سورۃ الجمعہ کی آیت یہ ہے۔

---

[1] اس پر راقم نے الگ ایک مضمون لکھا ہے اسے دیکھا جائے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔ (آیت ۲) وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا۔

اس پر بھی شاہ صاحب کا حاشیہ یہ ہے۔ ان پڑھے عرب لوگ تھے جن کے پاس نبی کی کتاب نہ تھی۔

بات صاف ہو گئی کہ امیوں کا مطلب وہ قوم جس کے پاس انجیل اور تورات میں سے کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ اہل کتاب کے مقابلہ میں یہ لفظ بولا گیا ہے۔ آسمانی کتابوں والے یہود و نصاریٰ اور عرب والے جن کے پاس نہ کوئی نبی آیا۔ نہ کوئی کتاب اتری، سوائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قرآنِ حکیم کے۔

سورہ یٰسین میں فرمایا گیا۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۔ (نمبر ۶) کہ تو ڈرا وے ایک لوگوں کو ڈر نہیں سنا ان کے باپ دادوں نے سو وہ خبر نہیں رکھتے۔

اسی معنی میں عرب قوم کو "امّی" کہا جاتا ہے اور اسی مفہوم میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم "النبی الامی" تھے۔

آیت نمبر ۷۸، البقرہ میں بھی "الامیون" کا لفظ آیا ہے

وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اور ایک ان میں ان پڑھے ہیں خبر نہیں رکھتے کتاب کی۔

اس جگہ "ہم" کی ضمیر کا مرجع یہود ہیں۔ مولانا تھانوی لکھتے ہیں۔

اور ان یہودیوں میں بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل ناخواندہ اور ان پڑھ تھے۔

اب ان تینوں آیتوں کو سامنے رکھ کر آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ "امی اور امیوں" کے معنی بالکل "ان پڑھے" کے نہیں بلکہ وہ لوگ جو توراۃ و انجیل کا علم نہیں رکھتے انہیں امی کہا گیا ہے۔

امی اور امیوں کی تحقیق پر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادیؒ نے اپنے مطبوعہ مقالہ "الامیون" میں نہایت سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے۔ کہ امی اور امیین کا مطلب بالکل "ان پڑھے" نہیں ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان کے پاس قرآن سے پہلے کی کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور یہ لفظ اہل کتاب کے مقابلہ میں غیر اہل کتاب کے مفہوم میں بولا گیا ہے۔

مقالہ نگار نے اس مسئلہ کے ہر پہلو کو صاف کر دیا ہے۔ عربوں کے متعلق یہ مشہور چلا آ رہا ہے کہ وہ ان پڑھ تھے۔

اس کا جواب تاریخ کے مستند حوالوں سے مؤلف نے دیا ہے۔ اسے دیکھا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی

خدا تعالےٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کی مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

سو کچھ اللہ کی مہر ہے جو تو نرم دل ملا۔ اور اگر تو ہوتا سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تیرے گرد سے۔

(آل عمران نمبر ۱۵۹)

فارسی اور اردو والے حضرات "لِنتَ" کا ترجمہ نرم ہو تے، نرم شدی کر رہے ہیں۔ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "نرم دل" کرتے ہیں کیونکہ یہاں مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی کا اظہار ہے۔ آگے سخت دلی کی نفی کی جا رہی ہے اس قرینہ سے یہاں نرم دل لکھنا زیادہ فصیح ہے۔

فظًا..... کا ترجمہ تمام لوگ سخت خو اور درشت خو کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب "خو" کی جگہ "گو" لکھتے ہیں یعنی سخت کلام نہیں ہیں۔

لغت عربی میں فَظًّ دونوں معنوں میں بولا جاتا ہے۔ سخت کلامی اور سخت خوئی۔ چونکہ نرم دلی میں آپ کے خو اور عادت شریفہ بیان ہو چکی ہیں۔ اس لیے دوبارہ عادت شریفہ کے متعلق کچھ کہنا غیر ضروری تھا۔ البتہ ہر نرم دل خوش کلام نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ایک شخص کا دل نرم ہوتا ہے۔ مگر زبان کا کڑا اور کلام کا اکھڑ واقع ہوتا ہے۔ بخلاف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ آپ دل کے بھی نرم تھے اور زبان بھی آپ کی شیریں اور دلنواز تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "سخت گوئی" کی نفی کر کے یہی بتانا چاہتے ہیں۔

پھر آیت میں "لِنتَ" کا جو ترجمہ کیا ہے اس نے ترجمہ کو بلاغت کی معراج تک پہنچا دیا ہے۔ عام حضرات "لَهُمْ" کا ترجمہ ان کے واسطے، ان کے لیے، ان کے حق میں، برائے ایشاں، کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے "لَهُمْ" کے لام کی رعایت لِنتَ کے ترجمہ میں کر دی۔ اور "نرم ہوا" کی جگہ "نرم ملا" کر دیا اس طرح ایجاز کلام بھی باقی رہا۔ اور معانی کا حسن و جمال بھی بڑھ گیا۔

اسی طرح "فَبِمَا" کے ترجمہ میں "ب" سببیہ کا ترجمہ بسبب اور ساتھ کیا جا رہا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے اردو کے محاورہ میں لے آتے ہیں اور

"کچھ" کا لفظ لکھ دیتے ہیں۔

اردو میں کہا جاتا ہے.... کچھ اللہ کی مہربانی تھی جو یہ کام ہوگیا۔ اسی کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "سو کچھ اللہ کی مہر ہے جو تو نرم دل ملا ان کو۔

سبحان اللہ! قرآن مجید کے کلام مبین کے لیے" اردو ئے مبین" کی کتنی اچھی مثال ہے۔

اب اس آیت پاک کے دوسرے ترجمے بھی سامنے رکھیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فارسی ہیں

پس بسبب مہربانی از خدا نرم شدی برائے ایشاں۔ اگر مے شدی درشت خو سخت دل پراگندہ مے شدند از حوالی تو۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ دہلوی۔

پس ساتھ رحمت کے اللہ سے نرم ہوا تو واسطے ان کے اور ہوتا تو سخت خو سخت دل یعنی بے رحم البتہ بھاگ جاتے گرد تیرے سے۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

اللہ کا بڑا ہی فضل ہوا کہ تم ان کو نرم دل ملے ہو۔ اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

خدا کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو

سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے کیا تبدیلی کی۔؟

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا اِن کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دِل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ

اے پیغمبرؐ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سخت دِل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

اے پیغمبر! یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے۔ اگر تم سخت مزاج اور سنگ دِل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

الفاظِ قرانی کی ترتیب کو باقی رکھتے ہوئے ایجاز و اختصار کے ساتھ بامحاورہ اردو میں ترجمہ صرف حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک وطن اور قریش پر عتاب الٰہی

سورہ بنی اسرائیل میں حضرت حق تعالےٰ نے بطور پیشین گوئی ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ	اور وہ تو لگے تھے گھیرنے تجھ کو اس زمین سے
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا	کہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور تب نہ

لَا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا ٹھہریں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔

(آیت نمبر ۷۶)

مطلب یہ کہ اے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مخالفین اس پیش گوئی سے آگاہ رہیں کہ جب یہ لوگ آپ کو وطن سے نکال دیں گے تو آپ کے پیچھے انہیں بھی زیادہ دیر تک وہاں ٹھہرنے کی نوبت نہ آئے گی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین نے خداوندی پیش گوئی کے مطابق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وطن سے نکلنے پر مجبور کیا اور پھر وہ بھی زیادہ دیر تک وہاں نہ ٹک سکے۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ جن میں صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت میں مکہ مکرمہ سے نکلنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے۔ شریف جرجانی نے ترجمہ میں "از زمین مکہ" لکھ کر واضح کر دیا۔ حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے بھی تفسیر کے اس قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

بعد والوں میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے شاہ صاحب کی اختیار کردہ تفسیر کو پسند کیا اور فوائد میں لکھا۔

یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ ان کے ظلم وستم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سبب بنے۔ آپ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدانِ بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔

(۲۷۵)۔

حضرت تھانویؒ نے آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دونوں قولوں کے مطابق اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ ..... اور (نیز) یہ (کافر) لوگ اس سرزمین (مکہ یا مدینہ) سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے لگے تھے (خواہ جبراً یا خداعاً) تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اگر ایسا (واقع) ہو جاتا تو آپ کے جانے کے) بعد یہ بھی بہت کم (یہاں) ٹھہرنے پاتے (بیان القرآن ج ۶ ص ۹۲)

مولانا احمد سعیدؒ صاحب نے بھی دونوں قولوں کو سمو کر اس آیت کی تشریح کی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کے جس قول کو راجح قرار دیا ہے وہ قول شان نزول کی تفسیر کے لحاظ سے نہایت مستحکم ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں دوسرا قول اس قابل ہی نہیں کہ اس کو اس آیت پاک کی تفسیر میں جگہ دی جائے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مدینہ سے متعلق شان نزول کی روایات کے بارے میں لکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت یہود مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ ..... اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! پیغمبروں کی سرزمین تو ملک شام ہے۔ آپ کو وہیں چلے جانا چاہیے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ لیکن یہ بھی محل نظر ہے۔

اس سلسلہ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی باتوں کو سچا مان لیا۔ (فَصَدَّقَ مَا قَالُوْا) اور آپؐ نے تبوک کا ارادہ

فرمالیا۔ جو دراصل شام جانے کا ارادہ تھا۔

تبوک پہنچ کر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

لیکن اس روایت کی سند میں نظر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ غلط روایت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مشورہ پر تبوک کا ارادہ نہیں فرمایا۔ بلکہ وحی الٰہی کے حکم پر قیصر روم کے ناپاک ارادہ کی خبر سن کر آپ وہاں تشریف لے گئے (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳)

واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی روایات اسرائیلی خرافات سے تعلق رکھتی ہیں۔ بھلا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتنا بڑا الزام ہے کہ آپ نے یہود کی اس مکارانہ سازش پر بھروسہ کر لیا تھا۔ اور ان کی باتوں کو سچ مان لیا تھا۔ (معاذ اللہ)

آخر میں ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کی سازش شروع کی۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ قریش کو ڈرایا اور بتایا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں بھی مکہ سے محروم ہونا پڑے گا اور باہر نکل کر مرنا اور ہلاک ہونا پڑے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور صرف ایک سال چھ مہینہ کے بعد یہ لوگ بدر کے میدان میں آنکلے اور سرداران کفر ستر کے قریب ہلاک ہو گئے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ مجاہد اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق قریش مکہ سے ہے۔

پھر قاضی صاحب نے یہود مدینہ والی احادیث کو ضعیف روایت قرار دیا ہے۔ (مظہری ج ۵ ص ۶۸)

مشہور اور متداول تفسیر "جلالین" نے اسی ضعیف روایت کے مطابق تفسیر کی ہے اور کچھ اردو والوں نے شانِ نزول کی اِن روایات پر غور کیے بغیر ان کو تسلیم کر لیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی انہی مترجمین میں سے ہیں اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا حاشیہ بھی اسی ضعیف روایت کا حامل ہے۔ حالانکہ یہ حضرات شانِ رسالت کے معاملہ میں اپنے آپ کو بہت بلند مذاق قرار دیتے ہیں لیکن یہاں ان حضرات کا مطالعہ اتنا سرسری رہ جاتا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی شانِ عظمت پر حرف لانے والی روایات کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرتے نظر آتے ہیں۔

دیکھئے کنز الایمان ترجمہ مولانا بریلوی اور حاشیہ نمبر ۱۴ صـ۳۴۶۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے آیت کا تعلق تو مکہ معظمہ سے ہی قائم کیا لیکن اس قول کو اختیار کیا جس میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے بحکم الٰہی مدینہ تشریف لے گئے ورنہ اگر مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ نکالتے تو وہ اس آیت کی وعید کی زد میں ضرور آجاتے۔ ڈپٹی صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

اور یہ لوگ تو تم کو سرزمین مکہ سے دِل برداشتہ کر ہی چلے تھے تاکہ تم کو یہاں سے نکال باہر کریں۔ اور ایسا ہوتا تو تمہارے گئے پیچھے یہ لوگ بھی چند روز اطمینان سے اپنے وطن میں نہ رہنے پاتے۔

لیکن حافظ ابن کثیر نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ والوں کے ظلم و ستم ہی نے باہر جانے پر مجبور کیا اور پھر ان مجبور کن حالات میں خدا تعالیٰ کا حکم آیا کہ آپؐ ہجرت کریں۔

چنانچہ سردارانِ کفر وعید الٰہی کی زد میں آگئے ۔ اور فوری طور پر نہ سہی ڈیڑھ سال بعد مہلت کے بعد بدر کے میدان میں پہنچے ۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں سخت سزا پائی ۔

قرآن کریم کی داخلی شہادت بھی اسی کے حق میں ہے کہ یہ آیت قریش مکہ کے متعلق ہے ۔ کیونکہ اس آیت کے بعد کہا گیا ہے ۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا ۔ — دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے ۔

پھر اس دستور کی مثال دیتے ہوئے چند آیات کے بعد حضرت موسٰے علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ۔ کیونکہ حضرت موسٰے علیہ السلام کے مصر سے نکلنے کے بعد فرعون کو مصر میں ٹکنا نصیب نہ ہوا ۔

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۔ — پھر چاہا کہ ان کو چلین نہ دے اس زمین میں ۔ پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو ۔

(بنی اسرائیل ۱۰۳)

فرعون کے حشر میں اور سردارانِ قریش کے انجام میں یہ فرق ضرور رہا کہ فرعون حضرت موسٰی علیہ السلام کے نکلنے کے بعد فوراً ہی مصر سے نکل کھڑا ہوا ۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام کے پیچھے پیچھے آکر دریائے نیل میں اتر گیا اور اس طرح خود ہی عذاب الٰہی کی گرفت میں آگیا ۔ اور ہلاک ہو گیا ۔ قریش مکہ کو ڈیڑھ سال کی مہلت ملی اور اس لیے یہ مہلت ملی کہ ان کا واسطہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے صدقہ میں قریش کو آخری مہلت پھر دی گئی ۔ اور جب وہ اس پر بھی باز نہ آئے ۔ اور تلواریں لے کر نکل کھڑے ہوئے ۔

تو خدا تعالےٰ نے بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھ سے انہیں سزائے الیم دلوادی

قریش کے سرداروں کی سزا فرعون سے زیادہ سخت اور عبرتناک تھی کیونکہ

کل کے مظلوموں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ستم گاروں کی سرکش گردنوں کو توڑ دیا

جس سے مظلوموں کو خوشی بھی حاصل ہوئی اور ان کے حوصلے بھی آگے کے لیے

بلند ہو گئے۔

حضورؐ کی مجلس میں ادب کا حکم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان والوں کو احترام وادب کا کتنا

بلند اور اعلیٰ تعلق رکھنا چاہیئے۔ سورۂ الحجرات میں قرآن کریم نے اس پر روشنی ڈالتے

ہوئے کہا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْا الخ..... شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ کا

ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔..... اے ایمان والو! اونچی نہ کرو آوازیں نبی کی آواز کے

اوپر اور اس سے نہ بولو کھک کر جیسے کھکتے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو

جائیں تمہارے کیے اور تم کو خبر نہ ہو۔

اس پر شاہ صاحب کا تشریحی نوٹ یہ ہے۔

"اس سورت میں حق تعالےٰ نے آداب سکھائے رسول کے اور آپس کے

ایک ادب یہ ہے کہ مجلس میں شور نہ کرو کہ حضرت کی بات سنی نہ پڑے۔ دوسرے یہ

کہ خطاب کرو ادب سے۔ کھک کر نہ بولو۔"

اس آیت میں دو حکم مذکور ہیں لَاتَرْفَعُوْا اور لَاتَجْھَرُوْا۔ بظاہر

دونوں جملوں کا مطلب ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مفسرین نے دونوں کا مطلب

الگ الگ بیان کیا ہے۔ اور ہر مفسر نے اپنی اپنی تحقیق اور اپنے ذوق کے مطابق دونوں جملوں کے مطالب میں فرق واضح کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ اپنے ترجمہ اور فوائد میں کیا بات کہنا چاہتے ہیں؟ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے دوسرے حضرات کی تشریحات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی فرماتے ہیں۔

پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمکلام ہوتے وقت اپنی آوازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ دوسرے جملہ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دیتے وقت ادب و احترام کا لحاظ رکھا کرو۔ نہ اونچی آواز سے پکارا کرو۔ نہ القاب و آداب کے بغیر آواز دیا کرو۔ (مظہری ج ۹ ص ۴۱)

حضرت مولانا تھانویؒ نے بیان القرآن میں لکھا ہے۔

کہ پہلے جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آوازوں کو بلند کرنے کی ممانعت ہے خواہ آپس میں گفتگو کی جا رہی ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات چیت کی جا رہی ہو۔ اور دوسرے جملہ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے وقت بات کرنے والے کی آواز پست رہے تب بھی ادب کا خیال رہنا ضروری ہے۔ اندازِ کلام میں گستاخی نہ آنی چاہیئے۔ (بیان القرآن الحجرات)

مفسرین نے اس آیت کا جو شانِ نزول بیان کیا ہے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ بنی تمیم کے لیے ایک امیر الوفد مقرر کرنے کے سوال پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان

اختلاف رائے ہوگیا اور اس بحث میں ان دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہوگئیں۔
سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں رونق افروز تھے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر احتیاط کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات سمجھنے کے لیے دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔ کہ عمر کیا کہہ رہے ہو۔
(ابن کثیر مظہری)

شانِ نزول کی روایت بتا رہی ہے۔ کہ الحجرات کی آیت کا پہلا حکم ایک ایسے فعل سے متعلق ہے جو صحابہ کرامؓ کی طرف سے واقع ہو چکا تھا۔ یعنی صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسی بات چیت کے اندر اپنی آواز کو بلند کر دیا تو قرآنِ کریم نے اسے ممنوع قرار دے دیا۔

رہا آیت کا دوسرا حکم (لاتجہروا) تو یہ حکم پیش بندی کے طور پر نازل کیا گیا۔ اور پیش آنے والے خطرے کو اس حکم کے ذریعہ روکا گیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں دوسرے جملہ کا جو مطلب بیان کیا ہے۔ وہ واقعی شانِ نبوت کی اس عظمت کو ظاہر کرتا ہے جو مولانا کے قلب میں جاگزیں تھی۔

مفسرین میں سے کسی قدیم و جدید مفسر کی نظر اس باریک اور لطیف فرق کی طرف نہیں گئی جس کا اشارہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں موجود ہے۔
اسی طرح حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا معاملہ ہے۔
حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں بھی شانِ نبوتؐ اور عظمت رسالتؐ کا اتنا پاس و ادب ملتا ہے کہ دوسری جگہ اس کی مثال نظر نہیں آتی۔

اگر ادب توحید کا موقع ہے تو اس کی رعایت مکمل اور اگر ادب رسالت کا

مقام ہے تو اس کا لحاظ پورا۔ اور مجال نہیں کہ توحید کے ادب کی رعایت سے رسالت
کی شان میں تنقیص و توہین کا شائبہ پیدا ہو جائے یا رسالت کے احترام میں توحید کا
ادب ختم ہو جائے۔ جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ میں نظر آتا ہے۔ مولانا آیات
قرانی کے ترجمہ میں وہ سطحی انداز اختیار کرتے ہیں کہ رسالت کے احترام میں نہ قرآن کی عظمت
کا خیال رہتا ہے اور نہ ترجمہ قرآن کا علمی وقار باقی رہتا ہے۔ حالانکہ مولانا بریلوی بڑے
فاضل آدمی تھے۔ لیکن ترجمہ قرآن بڑا مشکل کام ہے۔ وعظ و نصیحت کی تحریر کا سطحی انداز
اس میدان میں استعمال کرنا بڑی جسارت ہے۔

مولانا بریلوی نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

اے ایمان والو! اپنی آوازاونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے
اور ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات چلا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے
چلاتے ہو۔ ص۶۱۳

یہی سطحیت مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی کے حاشیہ میں نظر آتی ہے۔
اس کے مقابلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں جو ادب
نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور ساتھ ہی کلام الٰہی کا وقار دونوں باتیں موجود ہیں۔ اس کا کیا جواب
ہو سکتا ہے۔

نبی ؐسے گہک کر نہ بولو.... یہ اردو کا عام محاورہ ہے۔ جو قرآن کریم کی مراد کو
بہترین انداز میں واضح کر رہا ہے۔

اردو مترجمین میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب اپنے ترجمہ میں محاورات کا بکثرت
استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس آیت پاک میں ڈپٹی صاحب نے محاورہ کی جگہ لفظی ترجمہ کیا
ہے۔ البتہ تین بزرگوں نے اردو محاورے استعمال کیے ہیں۔

۱:- شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

گہک کر نہ بولو... علمائے لغت نے لکھا ہے۔ گہکنا۔ چہکنا اور تیز آواز سے بولنا (مصدر نامہ صفہ ۲۱)

اس میں خوشی اور بے تکلفی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

گہک کر بولتے ہیں وہ رقیبوں سے سر محفل

نمک پاشی وہ کرتے ہیں مداوا اس کو کہتے ہیں

یعنی ناز و انداز سے بولتے ہیں اور عاشق کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہیں۔

۲:- حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر (۱۲۸)

اردو میں تڑخ کر بولنا بگڑ کر بولنا۔ غصہ سے جواب دینا

اس اندازِ گفتگو میں جھنجھلاہٹ اور بیزاری کا رنگ ہے شاعر کہتا ہے

تڑخ کر بولتے ہیں وہ عدو سے میرے آگے تو

سمجھتا ہوں میں ان کی چال کیسے وہ فریبی ہیں

یعنی میرے سامنے تو میرا محبوب دشمن سے بگڑ کر بولتا ہے۔ مگر اصل میں وہ دکھاوا ہے میں اس چال باز کی باتوں کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔

۳:- تیسرے بزرگ جنہوں نے الحجرات کی اس آیت کے ترجمہ میں اردو کا محاورہ استعمال کیا ہے، حضرت تھانویؒ ہیں حضرت تھانوی نے ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ سے پہلے کیا ہے۔ مولانا نے لکھا ہے۔

اور ان سے ایسے کھل کر نہ بولو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو۔

لغت میں لکھا ہے۔ کہ کھل کر بولنا۔ آزادی اور بے تکلفی سے بولنا۔

(۲۹۲)

مولانا علوی حیدر آبادی کا شعر ہے۔

میں جو کھل جاؤں تو راز حقیقت کھل جائے
نامۂ حب حقیقی کا لفافہ ہوں میں

یعنی اگر میں سارے تکلفات شرعی کو بالائے طاق رکھ دوں اور اپنی زبان کھولوں تو حقیقت کے چہرے سے تمام پردے اٹھ جائیں۔

ان تمام حضرات کے تراجم کو سامنے رکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے جو اندیشہ ہو سکتا تھا وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور سادہ طبیعت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو میں بے تکلف اور زیادہ آزاد ہو جائیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے یہ خطرہ کسی صورت میں اور کسی وقت سامنے نہیں آسکتا تھا۔ کہ وہ باادب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بگڑ کر اور ناراض ہو کر بات کریں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے یہی بات واضح ہو رہی ہے۔ اور حضرت تھانوی صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کے اسی مفہوم کی پیروی کی ہے۔ مولانا کے ہاں محاورہ بدلا ہوا ہے لیکن مفہوم وہی ہے۔ کھل کر بولنا اور کھل کر بولنا ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے تڑخ کر بات کرنے کا جو محاورہ استعمال کیا ہے۔اس کی تاویل میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قبائل عرب کے جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے تھے وہ اپنے دیہاتی مزاج کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اکھڑ پنے سے تڑخ کر بات کر سکتے تھے اور اسی طبقہ کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم نے یہ ہدایت جاری فرمائی۔

رہے تربیت یافتہ صحابۂ کرامؓ تو ان کے متعلق کسی قسم کے گستاخانہ انداز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے دونوں محاوروں کو سمو کر اپنے فوائد میں لکھا ہے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف اور چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے (حمائل شریف)

مولانا عثمانی نے حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت شیخ الہندؒ دونوں کے ترجموں کو جمع کر کے اور کاملین صحابہؓ اور زیر تربیت صحابہؓ دونوں کا لحاظ رکھ یہ تشریحی نوٹ لکھا ہے۔

کاملین صحابہ میں حضرت ثابت ابن قیسؓ کا واقعہ اسی آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں علمائے تفسیر و حدیث کو نقل کرتے ہیں۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی آواز قدرتی طور پر اونچی تھی۔ انہوں نے جب الحجرات کی یہ آیت سنی تو پریشان ہو گئے۔ راستہ ہی میں بیٹھ گئے۔ رونے لگے۔ حضرت سعدؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے ثابتؓ سے پوچھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ثابت کی پریشانی سنائی۔

اتنے عرصہ میں ثابت گھر آئے اور اپنے گھوڑوں کے اصطبل میں بند ہو گئے اور اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اصطبل کے کواڑوں کو کیلوں سے جڑ دو۔ میں اس وقت تک باہر نہیں آؤں گا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت نہ دیں گے۔ میری آواز اونچی ہے۔ میں نامراد ہوں۔ ہلاک ہو گیا۔

ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو یقین دلایا کہ یہ آیت ثابت کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ ثابت تو جنتی آدمی ہے۔

یہ بشارت لے کر حضرت سعد ثابت کے پاس آئے۔ خوشخبری سنائی۔ اور اطمینان دلایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو اپنی بلند آوازوں کی وجہ سے نامراد ہوتے ہیں۔ یہ گستاخانِ رسالت کے متعلق ہے۔ تمہاری آواز تو طبعی طور پر اونچی ہے۔

تلاش حق میں حضورؐ کی بیقراری

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى — اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی۔
وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى — اور پایا تجھ کو مفلس پھر محظوظ کیا۔

(الضحیٰ ۷۔۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت خدا تعالیٰ نے منصب رسالت پر سرفراز فرمایا۔ اس وقت کی حالت اوپر والی آیات میں بیان کی جا رہی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "ضالاً" کا ترجمہ بھٹکتا کیا۔ بھٹکنا کے معنی اردو میں گمراہ ہونے اور تلاش میں پھرنے کے آتے ہیں۔ (مصدر نامہ ص)

اس جگہ دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی اے رسولؐ! جس وقت خدا تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے منصب پر عملی طور پر فائز کیا۔ اس وقت آپ تلاش حق کے

لیے بیقرار تھے۔ کئی کئی ہفتہ گھر والوں سے دور پہاڑوں اور غاروں کی تنہائی میں گوشہ نشین ہو کر مطلوب حقیقی کو تلاش کرتے تھے اور عشق الہٰی کی جو آگ فطری طور پر آپ کے قلب مبارک میں بھڑکتی رہتی تھی۔ آپ وصالِ محبوب سے اس آگ کو بجھانے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔

دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے اندر قدرت نے راہنمائی اور ہدایت کی جو بے پناہ استعداد پیدا کی تھی وہ استعداد و صلاحیت ایک واضح دستور العمل پانے اور بندگانِ الہٰی کو اس کے ذریعہ سیدھی راہ پر چلانے کے لیے بے چین اور بیقرار تھے۔ اس پر قدرت نے آپ کے قلب مضطرب کو وصالِ محبوب سے نوازا اور وحی الہٰی کے ذریعہ وہ واضح قانون (کتاب) عطا فرمایا

فارسی اور اردو والے "ضالاً" کا ترجمہ "گمراہی یا غلطی" کرتے ہیں۔ اور اس معنی سے رسالت اور نبوت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور یہ سوال دل میں کھٹکتا ہے کہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم دونوں ہی ضلالت میں مبتلا تھے۔

کیونکہ قرآنِ کریم نے اگر حضور کو ضَآلًّا کہا ہے تو آپ کی قوم (قریش) کو فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کہا پس کیا رسولؐ اور رسول کی قوم ایک ہی مفہوم میں ضلالت کا شکار تھے؟۔ معاذ اللہ

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب اپنے ترجمہ سے دیتے ہیں۔

الضحیٰ میں ضالاً کا ترجمہ بھٹکتا (تلاش کرتا) فرماتے ہیں اور آل عمران میں جہاں قریش مکہ مخاطب ہیں وہاں "گمراہ" ترجمہ فرماتے ہیں۔

وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہ تھے۔

مُبِیْنٌ (نمبر ۱۶۴)

تاریخ گواہ ہے کہ نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چالیس سالہ دور بت پرستی بے حیائی اور جہالت کی تمام باتوں سے محفوظ رہا ہے۔ جب کہ آپ کی قوم کی گھٹی میں شراب اور جوا پڑا ہوا تھا۔ اور یہ قوم قریش بہت سے اخلاقی عیوب کا شکار تھی۔

پس اس تاریخی شہادت کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ضلالت کی طرف منسوب کیا جارہا ہے اس کے معنی اور لیے جائیں گے اور مکہ والوں کو جس ضلالت میں مبتلا بتلایا جارہا ہے۔ اس ضلالت کا مفہوم بالکل دوسرا لیا جائے گا۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے الضحیٰ میں ضالاً کا ترجمہ بے خبر کیا ہے۔ اور آلِ عمران میں ضلال مبین کے اندر "صریح غلطی" ترجمہ فرمایا ہے اور اس طرح دونوں کے درمیان فرق واضح کیا ہے۔

اردو مترجمین میں شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے اس ترجمہ کو برقرار رکھا ہے اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کو اختیار کیا ہے اور ذرا وضاحت کے ساتھ اس طرح لکھا ہے۔ .... اور تم کو دیکھا (کہ راہِ حق کی تلاش میں .....) بھٹکتے (پھر رہے) ہو تو (تم کو دین اسلام کا) سیدھا راستہ دکھایا۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ نے معنی مرادی کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ "اور اس نے آپ کو راہ شریعت سے ناواقف پایا پھر اس نے آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔"

سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ترجمہ کیا۔
"اور اس نے تمہیں سراسیمہ دیکھا تو سیدھا راستہ بتایا"
مقدمۃ القرآن میں سرسیدؒ نے وَوَجَدَكَ کے خطاب کو نوع انسانی
کے لیے عام قرار دے کر اس طرح وضاحت کی ہے۔
جب وہ (انسان) دنیا میں آیا تو ضعیف و کمزور تھا۔ مگر فطرت الٰہی نے
اسے طاقت دی۔ قدرت دی۔ محتاج و فقیر تھا غنی اور دولت مند بنایا۔
ناسمجھ و نادان تھا عقل و دانش دی۔ نبوت و حکمت بخشی اور وحی و الہام
سے رہنمائی کی۔ دشمنوں میں گھرا ہوا تھا اور خطروں میں پھنسا ہوا تھا۔ مگر سب پر غالب
آیا اور کائنات اس کی مسخر ہوگئی۔ (ج ۱ ص۲)
تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس آیت کے تحت
ضلالؔ کے مختلف معانی پر بحث کرنے کے بعد لکھا۔ شریعتوں کے احکام نہ جاننے
کی بیقراری پیغمبروں کو بھی پیغمبری پانے کے آگے ہوتی ہے اور حق دین کی تلاش میں
رہتے ہیں اور لفظ ضلال کے معنی کے لیے اسی قدر بس ہے (ص۲۵۹) یہ عبارت تفسیر
عزیزی پارہ عم کے اردو ترجمہ سے لی گئی ہے۔ یہ ترجمہ محمد حسن خاں رامپوری نے ۱۲۶۱ھ
میں کیا جو کلکتہ میں چھپا۔
مولف محاسن کنز الایمان نے شاہ صاحب کے اس ترجمہ پر گرفت کرتے
ہوئے لکھا ہے۔ گویا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے۔ حالانکہ
یہ بات امت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔
مولف کی اردو دانی کا یہ حال ہے کہ وہ بھٹکتے کا مطلب نہیں جانتے۔
استاد داغ کہتے ہیں۔

صد شکر کہ دنیا میں بھٹکتے نہ پھرے ہم
اللہ کے گھر پہنچے تیرے گھر سے نکل کر (مہتاب داغ)

یعنی ہمیں تلاش نہ کرنا پڑا۔ اللہ کے گھر سے نکل کر سیدھے تیرے گھر میں پہنچ گئے۔

بھٹکاؤ مصدر متعدی ہے۔ شاہ ظفر نے کہا۔

جو کعبہ میں ہے شیخ وہی میکدے میں ہے
ناحق کا تیرے دل میں ہے بھٹکاؤ پڑ گیا

یعنی تردد اور شک و شبہ پڑ گیا ہے۔ جو تلاش و جستجو کرنے والے میں پایا جاتا ہے۔

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے حق کی تلاش میں جس طرح بے چین و مضطرب تھے اس کے لیے شاہ صاحبؒ کا لفظ بہت موزوں ہے

معترض نے بریلوی ترجمہ کی برتری کا دعویٰ کیا ہے کہ اپنی محبت میں خود رفتہ پایا"۔

اچھا ترجمہ کیا ہے لیکن اردو لغت میں لکھا ہے "خود رفتہ" آپے سے باہر مدہوشی اور بے خبری (فرہنگ آصفیہ) اس اعتبار سے خود رفتہ کے اندر بھی خاصی حد تک وہی بات ہے۔ جو بقول معترض منصب نبوت کے شایان نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یعقوب علیہ السلام کے متعلق ان کے ہم نشینوں کے قول..... لَفِی ضَلٰلِکَ..... میں "غلطی" ترجمہ کیا ہے جو سب سے ہلکا ہے۔ اور متکلم کی مراد سے قریب ہے۔ اس پر مولف نے اعتراض کیا ہے۔ ضلالت کو غلطی کے معنی میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ دعویٰ کتنا غلط ہے اصحاب

علم خوب جانتے ہیں۔

مولانا بریلوی نے خواتین مصر کے قول کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ...... ہم تو اسے صریح خود رفتہ پاتے ہیں۔ یہ زلیخا کے متعلق کہا ہے۔ تو کیا خواتین مصر نے زلیخا کے لیے خود رفتگی کا لفظ جس معنی میں استعمال کیا اس معنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی خود رفتگی کے لفظ کو خانصاحب نے منسوب کیا ہے۔؟...... شان نبوت کا تقاضا تھا کہ مترجم بریلوی دونوں جگہ فرق واضح کرتے۔ جس طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے الضحیٰ اور آل عمران کی آیات میں فرق واضح کیا ہے۔

سورہ النجم میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قسم کھا کر فرمایا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى

قسم ہے تارے کی جب گرے۔ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا۔ اور نہیں بولتا اپنی چاؤ سے۔

رفیق و صاحب سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو غلط فہمی کی بنا پر راہِ حق سے بھٹکے اور نہ بہکے اور نہ جان بوجھ کر آپ نے غلط راستہ اختیار کیا اور آپؐ کی زبان پر جو کچھ جاری ہوتا ہے وہ خدا کی طرف سے آتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے یہ بات نظام شمسی کی قسم کھا کر کہی، مطلب یہ کہ جس طرح چاند سورج اور تاروں کا نظام مقرر ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی سیارہ اس مقررہ نظام سے ادھر ادھر ہو جائے بالکل اسی طرح دنیائے روحانیت کے یہ چاند ستارے... رسول و نبی ہدایت کے مقررہ راستے پر چلتے رہتے ہیں اور ان کا کوئی قدم راہ حق سے

نہیں ہٹتا۔

یہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں ضلّ اور غویٰ ماضی کے صیغے ہیں جن پر نفی داخل کی گئی ہے۔ یعنی ماضی میں بھی کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ضلالت اور غوایت کی کیفیت طاری نہیں ہوئی مَا یَنْطِقُ مستقبل کا صیغہ ہے۔ کیونکہ نزولِ وحی نبوت کے بعد ہوئی۔

صیغوں کا یہ فرق صاف بتا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضلالت و غوایت سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ البتہ کلامِ حق کا اجراء آپ کی زبان پاک سے نبوت کے بعد ہوا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے والضحیٰ میں ضالاً کا ترجمہ بھٹکتا کیا اور یہاں "بہکا" کیا، یہ اشارہ ہے کہ ضلالت کا اثبات دوسرے معنی میں ہے اور اس کی نفی دوسرے معنی میں۔

"صاحب" کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے رفیق کیا۔ دوسرے حضرات میں حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "یار شما" لکھا۔ شاہ رفیع الدینؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔

قرآن کی مراد شاہ صاحبؒ بیان کر رہے ہیں۔ یعنی اے قریش جو شخص ہر وقت تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تم اس کو ہر وقت دیکھتے ہو۔ پرکھتے ہو۔ وہ تم سے دور نہیں۔ غیر نہیں۔ پھر اس کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کو تم خوب سمجھتے ہو کہ وہ تمہارا رفیق کتنا معقول، سچا اور اچھا آدمی ہے۔ بہرحال خداتعالےٰ اپنے جس بندۂ خاص کو نبوت سے سرفراز فرماتا ہے وہ شروع ہی سے خداتعالیٰ کی معرفت

اور حق کی پہچان کے نور سے معمور ہوتا ہے۔ یعنی نبی و رسول کی فطرت میں خدا تعالیٰ کا واضح عرفان موجود ہوتا ہے۔ البتہ شریعت کے مفصل احکام جو نبوت ملنے کے بعد اس پر نازل ہوتے ہیں۔ ان سے نبی و رسول بے خبر ہوتا ہے۔ اسی بے خبری کو الضحیٰ میں ضلالت اور سورہ شوریٰ میں عدم علم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ۔ تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان (آیت نمبر ۵۲)

مولانا عثمانیؒ اس کی تشریح کرتے ہیں

یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں پہلے سے کہاں معلوم تھیں۔ گو نفس ایمان کے ساتھ ہمیشہ متصف تھے۔" (ص ۶۳۴)

مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے سیرۃ النبی ج ۳ میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اور یہ لکھا ہے کہ قرآن نبوت سے پہلے کی حالت کو کسی جگہ پر ضلال اور کسی جگہ "عدم علم" سے تعبیر کرتا ہے۔

یہاں مراد وہ ضلال نہیں ہے جو گمراہی اور شرک و بداخلاقی کے معنی میں آتا ہے۔ اور جس میں اہل مکہ مبتلا تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ تھے

سورۂ توبہ کے آخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن مجید نے کہا۔

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ..... جس کا ترجمہ تمام حضرات یہی کرتے ہیں۔ کہ جو

تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (تھانوی ؒ)

حریص ہے تمہاری بھلائی پر۔ (شیخ الہندؒ) ان کو تمہاری بہبود کا ہوکا[ل] ہے (ڈپٹی نذیر احمدؒ) ۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے (مولانا احمد رضا خاں صاحب) وہ تمہاری بھلائی کے انتہائی خواہشمند ہیں۔ (مولانا احمد سعید)

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان تمام حضرات سے سب الگ ایک انوکھا ترجمہ کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"بھاری ہوتی ہے اس پر جو تم تکلیف پاؤ۔ تلاش رکھتا ہے، تمہاری ایمان والوں پر شفقت رکھتا مہربان۔"

فوائد میں تشریح کرتے ہیں۔

تلاش رکھتا ہے تمہاری یعنی چاہتا ہے کہ امت میری زیادہ ہوتی رہے۔

عربی لغت میں حرص کے معنی شدید خواہش اور بہت چاہنے کے آتے ہیں لیکن اردو میں حرص کا لفظ اچھے معنوں میں نہیں بولا جاتا۔ بلکہ ناپسند حد تک کسی بات کا لالچ کرنا حرص کہلاتا ہے۔ حریص کا ترجمہ اردو میں لالچی کے لفظ سے کیا جاتا ہے جو نہایت مکروہ لفظ ہے۔

ل "ہوکے" کے معنی حرص اور شدید خواہش کے آتے ہیں۔ لیکن اردو میں یہ لفظ حرص کی طرح سفلی خواہشات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اچھی چیز۔ نیکی۔ بھلائی کی خواہش کے لیے یہ دونوں لفظ مستعمل نہیں ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو لفظ حرص کو ترک کر دیا۔ اور ڈپٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے زیادہ رکیک لفظ اختیار کر لیا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ادب نبوت کا غلبہ تھا۔ یہ غلبۂ احترام کسی موقعہ پر بھی اس بات کو گوارا کرتا نظر نہیں آتا کہ ان کی قلم سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی ہلکا لفظ نکل جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں قرآن کریم کے اندر جس قدر آیات موجود ہیں۔ ان کے ترجمہ میں شاہ صاحبؒ کا باادب قلم نہایت درجہ احتیاط کرتا ہے۔

شاہ صاحبؒ اردو والوں کو حریص علیکم کا مطلب سمجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس لفظ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا پسند نہیں فرماتے اور ایک نہایت عمدہ اور عجیب ترجمہ کرتے ہیں۔

اور یہ ترجمہ بطور مجاز معنی لازم کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ کیوں کہ انسان کے اندر جس چیز کی خواہش شدید ہوتی ہے وہ اس کی تلاش میں رہتا ہے اس لیے شاہ صاحبؒ حرص کا ترجمہ تلاش کرتے ہیں۔ پھر تلاش کس چیز کی؟ اسے شاہ صاحبؒ نے حاشیہ میں صاف کر دیا کہ ایمان والوں کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ اس کی امت کی تعداد بڑھتی رہے۔

مفسرین نے اس جملہ کے جو معنی کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

زمخشری کہتے ہیں حتی لا یخرج احد منکم عن اتباعہ۔

وہ نبی تم پر حریص ہے تاکہ کوئی شخص بھی اس کے پیرو کاروں سے باہر نہ رہے۔ (کشاف ج ۱ ص۴۲۳)

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ اَنْ تَهْتَدُوْا ..... وہ تمہاری ہدایت کا حریص ہے (جلالین ص۱۶۹)

قاضی بیضاوی کہتے ہیں ..... علی ایمانکم ..... یعنی وہ اے لوگو! تمہارے ایمان کا حریص ہے ..... ان تمام تفسیری اقوال کا یہی مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کے ایمان و اسلام کے خواہش مند رہتے تھے اور اسی کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان لفظوں میں ادا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ میری امت میں اضافہ ہو۔

حاصل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان قبول کرنے والوں کی تلاش و جستجو میں لگے رہتے تھے۔

رہا مسلمانوں پر مہربانی اور شفقت کا معاملہ، تو وہ دوسرے جملے میں واضح کیا جا رہا ہے۔ اس جملہ میں عام انسانوں کے لیے ایمان و اسلام کی جستجو کے شدید جذبہ کا اظہار مقصود ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حرص کا ترجمہ سورہ النساء آیت نمبر ۱۲۹ میں یہ کیا ہے۔

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ اگرچہ اس کا شوق کرو۔ سو نرے پھر بھی نہ جاؤ الْمَيْلِ۔

یعنی ایک بیوی کی طرف بالکل ہی مائل نہ ہو جانا کہ دوسری کو ادھر چھوڑ دو پھرنا، متوجہ اور مائل ہونا کے معنی دیتا ہے۔ یہاں حرص کا ترجمہ شوق کرنا کیے جو شدید خواہش ہی کے ہم معنی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورہ یوسف میں کہا گیا۔ ....

وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (نمبر ۱۰۳) نہیں اکثر لوگ یقین لانے والے۔
اگرچہ تو للچاوے۔

اس آیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حرص کی نسبت ہے۔
اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں اس کا لغوی ترجمہ فرما رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ
معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ایک وقتی فعل اور عارضی حالت کا اظہار ہے۔ اس لیے لغوی
ترجمہ کر دیا۔ لیکن التوبہ کے آخر میں (حَرِيْصٌ) حضور کی مستقل صفت بیان کی گئی
ہے۔ اس صفت کا ترجمہ شاہ صاحبؒ ادب رسالت کی رعایت کر کے مجازی
معنی میں فرماتے ہیں۔

حضورؐ کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْ أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۔ اور اتار رکھا ہم نے تجھ سے بوجھ تیرا جس نے کڑکائی پیٹھ تیری۔

یہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ترجمہ ہے۔

امام ابوبکر سجستانی نے "نزہۃ القلوب" کی تفسیر غریب القرآن میں لکھا ہے

"انقض ظهرك اى اثقل ظهرك حتى سمع نقيضه اى صوته"

یعنی آپ کی پیٹھ زیادہ بوجھل ہو گئی۔ یہاں تک کہ آواز سنی گئی [1]

ارباب لغت نے لکھا ہے کہ عہد کے ساتھ نقض کے معنی توڑنے کے آتے
ہیں اور نقض جوڑوں کی آواز نکلنا، انگلیاں چٹخانا، نقیض جوڑ کی چٹخ وغیرہ....

[1] حاشیہ تفسیر تبصیر الرحمٰن للعلامہ علی مہائمی ج ۱ ص ۲۲

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ تمام سلف نے اس آیت کے یہی معنی کیے ہیں کہ اس بوجھ نے آپ کو گراں بار کر رکھا تھا۔ ج ۴ ص ۵۲۴

فارسی نے بزرگوں نے اسی تشریح کے مطابق گراں ساخت پشت را" ترجمہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انقض کے پورے لغوی معنی کی رعایت کی۔ آپ کی کمر چٹخ گئی۔ کمر چٹخنے کو اردو میں کمر کڑکنا بولتے ہیں۔ اس ترجمہ میں لغت عربی کی رعایت کے ساتھ شانِ رسالت کا پورا ادب محسوس ہو رہا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے علاوہ دوسرے حضرات نے اس فقرہ کے ترجمہ میں اردو کا دوسرا محاورہ استعمال کیا۔ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا جس نے توڑی تھی پیٹھ تیری۔ اس کے بعد ڈپٹی صاحب کا ترجمہ آیا۔ جو یہ ہے۔
"اور وہ بوجھ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی تم پر سے اتار دیا"

ڈپٹی صاحب کے بعد مولانا تھانویؒ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب دونوں مترجمین نے بالترتیب کمر توڑنے اور پیٹھ توڑنے کے محاورات اختیار کیے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ذوقِ سلیم نے ضرور محاورہ کو شانِ رسالت کے لحاظ سے کمزور سمجھا اور اس کی جگہ لکھا۔ ..."جھکا دی تھی کمر تیری"....

اہلِ ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ محاورہ اور ادب کی جو نزاکت شاہ صاحبؒ کے ہاں موجود ہے وہ کسی جگہ نہیں۔ کمر ٹوٹ گئی کے محاورہ میں کمزوری کا اظہار ہے۔ کمر کڑک گئی ہیں.....

کمر والے کی طاقت کا اظہار ہے۔ ٹوٹنا عیب ہے۔ کڑکنا کمال ہے۔ چھت پر زیادہ بوجھ پڑتا ہے تو کہتے ہیں کہ کڑیاں کڑک گئیں۔ یعنی بوجھ زیادہ پڑ گیا.....

اور اگر کہتے ہیں کڑیاں ٹوٹ گئیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے چھت گر پڑی۔
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ "وحی کا اترنا اول سخت مشکل تھا پھر آسان ہو گیا"

وحی الٰہی کے اسی بوجھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے المزمل میں کہا۔۔۔۔

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۔ ہم آگے ڈالیں گے تجھ پر ایک بات بھاری (نمبر ۵)

اس پر فائدہ لکھتے ہیں۔۔۔۔ "یعنی ریاضت کر تو بھاری بوجھ آسان ہو"۔
مطلب یہ ہوا کہ وحی الٰہی کے نزول سے آپ پر بوجھ اور بھاری ذمہ داری آ پڑی تھی۔ لیکن آپ نے اسے برداشت کیا تھا اور اسے جھیل لیا تھا۔ پھر ریاضت و عبادت کے ذریعہ آہستہ آہستہ وہ بوجھ ہلکا ہو گیا۔ یہ نہیں ہوا کہ وحی الٰہی کے نزول کے بوجھ سے آپ کی کمر ٹوٹ گئی ہو۔ اور آپ اس بوجھ کو نہ اٹھا سکے ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۔ اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں

(انعام نمبر ۱۶۳)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرایا کہ میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و یقین اور عمل و عبادت کے مرتبہ بلند کا اظہار ہے۔

مفسرین نے اس اعلان کے تین مطلب بیان کیے ہیں۔

۱:۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی امت میں اور اپنے عہد میں سب سے

پہلا مومن ہوں۔ سب سے پہلے میں اپنے خدا اور اپنی نبوت پر ایمان لایا اور سب سے پہلے میں نے حکم الٰہی کو قبول کیا۔

مولانا تھانویؒ نے بیان القرآن میں یہی معنی اختیار کیے ہیں۔ لکھتے ہیں "میں (اس دین والوں میں) سب ماننے والوں سے پہلا (ماننے والا) ہوں۔

۲:۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نوع انسانی میں سب سے پہلا مومن اور فرمانبردار ہوں۔

۳:۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ ایمان و یقین اور عمل و عبادت کے سب سے اونچے درجہ پر قائم ہوں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ میں ..... "پہلا حکم بردار ہوں"..... کی جگہ ..... "پہلے حکم بردار ہوں"..... کہہ کر اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ صاحبؒ کے اس ترجمہ میں صرف اتنی تبدیلی فرمائی کہ "حکم بردار ہوں" کی جگہ "فرماں بردار ہوں" کر دیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے ..... لطیف اشارہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے فوائد میں لکھا ہے

عموماً مفسرین وانا اول المسلمین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں۔ لیکن جب جامع کی حدیث "کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد" کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں۔ تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں ... اولیت زمانی مراد نہ ہو بلکہ تقدم رتبی مراد ہو۔ یعنی میں سارے جہان کے فرمانبرداروں

کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔ شاید مترجم محقق شاہ صاحب نے ترجمہ میں سب سے پہلا حکمبردار ہوں کی جگہ سب سے پہلے حکمبردار ہوں کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ محاورات کے اعتبار سے یہ تعبیر اولیت رتبی کے ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے۔ (حمائل ص ۱۹۴)

مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے۔ ...... "اور میں ان کے فرماں برداروں میں پہلا فرماں بردار ہوں۔ ڈپٹی صاحب کا اشارہ شاہ صاحب والے مفہوم ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے لکھا ہے۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں..... اس ترجمہ میں اولیت زمانی کی طرف اشارہ ہے۔ اول رتبی کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تینوں اعتبار سے اول ہیں۔ اپنی امت میں اول ہیں۔ تمام مخلوق میں اول ہیں اور آپ کے ایمان و اسلام کا درجہ سب مخلوقِ انسانی سے افضل ہے۔

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اس مسئلہ پر بڑے محققانہ انداز میں تبصرہ کیا ہے اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مخلوق خدا پر آپ کی برتری کو بالکل اچھوتے استدلال سے ثابت کیا ہے۔

سورہ زمر کی آیت

اسی قسم کا اعلان سورہ زمر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کرایا گیا ہے

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ...... تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں اللہ کو نری کر کر اس کی۔

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ..... (آیت نمبر ۱۲) بندگی اور حکم ہے۔ کہ

میں ہوں سب سے پہلے حکم بردار

یہاں بھی شاہ صاحبؒ "پہلا" نہیں لکھتے۔ بلکہ "پہلے" لکھتے ہیں اور وہی اشارہ کرتے ہیں کہ آیت میں اولیت رتبی مراد ہے

اس آیت میں خاص طور پر مخلصاً کا لفظ اس کی تائید کر رہا ہے۔ کیونکہ پہلے آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اخلاص فی العبادت کا حکم ملا ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ میں اس پر عامل ہوں اور اسی اخلاص کی وجہ سے میری فرمانبرداری کا درجہ سب مخلوق سے اول ہے

حضرت تھانویؒ نے یہاں بھی "اس امت کے لوگوں میں" لکھ کر جمہور مفسرین کا ساتھ دیا ہے۔ مولانا احمد سعید صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں تو شاہ صاحبؒ کے الفاظ لکھے ہیں "میں ہوں سب سے پہلے حکم بردار" لیکن اپنے حاشیہ میں حضرت تھانویؒ کے الفاظ..... اس امت میں سب مسلمانوں میں..... لکھ کر آیت کے مفہوم کو محدود کر دیا ہے۔

مولانا عثمانیؒ زمر کے فوائد میں نہایت جامع تشریح فرماتے ہیں۔

چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے اللہ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۵۹۶)

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے زمر کی آیت میں یہ ترجمہ کیا ہے۔

تم فرماؤ! مجھے حکم ہے کہ اللہ کو پوجوں نرا اس کا بندہ ہو کر اور مجھے حکم ہے کہ میں سب سے پہلے گردن رکھوں (ص ۵۴۶)

کس قدر موحدانہ ذوق کے ساتھ مولانا نے ترجمہ کیا ہے۔ پھر نہ جانے مولانا مرحوم اور ان کے متبعین مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے غلبہ توحید

کے رنگ میں لکھی ہوئی عبارتوں پر کفر کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں۔؟

بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں آیتوں میں جو ترجمہ کر رہے ہیں ان آیتوں کا سیاق و سباق بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تائید میں نظر آرہا ہے۔

انعام والی آیت پوری اس طرح ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (نمبر ۱۶۳) تو کہہ میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب ہے سارے جہاں کا کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھکو حکم ہوا۔ الخ

اس آیت میں بھی دراصل اخلاص اور رضائے الٰہی کا اعلان ہے۔ اور اسی کے ساتھ اپنی اولیت کا اظہار بھی ہے۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اعلان

یہی الفاظ سورۂ اعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی سنائے گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بے ہوشی کے بعد افاقہ ہوا۔

فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ (اعراف نمبر ۱۴۳) پھر جب چونکا، بولا، تیری ذات پاک ہے، میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

یہاں "اول المومنین" کا ترجمہ موقعہ کے لحاظ سے بالکل ٹھیک ہے مولانا شبیر احمد صاحب وضاحت فرماتے ہیں"..... میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں

سے پہلے تیری عظمت و جلال کا یقین رکھتا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں۔ جسے ذوقی اور عیانی (آنکھوں سے) طریق پر منکشف ہوا کہ خداوند قدوس کی رویت (دیکھنا) دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے واقع نہیں ہو سکتی۔ (ص۲۱۷)

شاہ صاحبؒ بتا رہے ہیں کہ یہاں مومن لغوی مفہوم میں لایا گیا ہے اصطلاحی معنی میں نہیں بولا گیا۔ اور مطلب یہ ہے کہ میں اپنے خدا کی عظمت و جلال کا منکر نہیں تھا۔ اور دیدار الٰہی کی درخواست کا منشا یہ نہیں تھا کہ میرا دل اس کی عظمت سے خالی ہے۔ بلکہ میری یہ درخواست وآرزو محبت کے غلبہ اور فرطِ شوق کی وجہ سے تھی، ورنہ میں خدا کی عظمت کا شروع دن سے معترف ہوں۔

مومن جادوگروں کا اعلان

خدا تعالےٰ نے سورہ شعراء میں اولیت ایمانی کا اعلان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مومن جادوگروں کی زبان سے اس طرح کرایا۔ الفاظ یہ ہیں۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ کُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ — ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخشے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے۔

(آیت نمبر ۵۱)

جب فرعون نے ان جادوگروں کے ایمان لانے پر انہیں قتل کرنے کی دھمکی دی تو اس کے جواب میں انہوں نے یہ کہا۔ شاہ صاحبؒ نے موقعہ کی رعایت سے یہاں مومن کا ترجمہ لغوی (تصدیق قلبی) کیا۔ مولانا عثمانیؒ اس اولیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعوۃ تبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے

روبرو سب سے پہلے ہم نے قبولِ حق کا اعلان کیا۔ اس سے امید ہوتی کہ حق تعالیٰ ہماری گزشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔ (ص۲۶)

مطلب یہ کہ اولیت سے مراد اس مجمع میں پہل کرنا ہے۔

جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگرانِ مصر کے درمیان مقابلہ ہوا تھا۔

اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ

سورۂ انعام میں ایک دوسرے انداز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اپنے ایمانی تقدم کا اعلان کراتے ہوئے کہا گیا۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (آیت نمبر ۱۴)

کہہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں اور تو نہ ہو شریک پکڑنے والا۔

اس مقام پر بھی آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ اسلام کے معنی اصطلاحی کیے جائیں اور یہ ترجمہ کیا جائے۔ "سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں" حضرت تھانوی نے یہی معنی اختیار کیے ہیں۔

۲۔ اسلام کے لغوی معنی یعنی حکم برداری اور تابعداری کرنے اور اس کے حکم کے آگے سر جھکانے کا مجھے امر کیا گیا ہے اور میں اس کا پابند ہوں۔ یہ معنی زیادہ بلیغ اور موقعہ کے لحاظ سے مناسب ہیں۔ اور شاہ صاحب نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔

یہاں اصطلاحی معنی میں مومن اور مسلمان ہونا۔ مراد نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ تشریح قرآنی مراد کو زیادہ واضح کرتی ہے۔

ایسے پروردگار کے احکام کے سامنے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں ضروری ہے کہ سب بندے بلا شرکت غیرے گردن ڈال دیں اور سب سے پہلے اس اکمل ترین بندہ کو انتہائی انقیاد و تسلیم کا حکم ہے جو تمام دنیا کے لیے نمونہ طاعت و عبودیت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم (مولانا عثمانی ص۱۹۷)

مطلب یہ کہ اس آیت میں اسلام بمعنی لغوی ہے۔ اصطلاحی نہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے اس اولیت کا تعلق آپ کے عہد اور اپنی امت کے مقابلہ میں ہوگا۔ اسی وجہ سے اس آیت میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے اندر یہ جملہ بڑھایا۔

"نخستین[1] مسلمانان یعنی ازیں امت"

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ نہ سورۂ انعام میں لکھا اور نہ سورہ زمر میں بڑھایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں آیتوں میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت کا مفہوم عام ہے اور ساری مخلوق کے مقابلہ میں ہے اور عالم شہادت اور عالم غیب دونوں کے لیے ہے۔ البتہ اس آیت میں آپ کی مراد اپنے موجودہ دور رسالت سے ہے۔

چنانچہ اگلی آیت اس مفہوم کو مزید واضح کر رہی ہے کہ اس آیت میں اسلام

---

[1] فارسی میں نخستیں کے لفظ میں اولیت زمانی اور اولیت رتبی (فضیلت) دونوں مفہوم ہیں۔ نخست وزیر، رئیس الوزراء کے معنی میں آتا ہے

حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر مقام پر اسی لفظ سے ترجمہ کیا ہے

بمعنی اطاعت وانقیاد ہے۔ کیونکہ اگلی آیت میں عصیان اور نافرمانی سے بچنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ
تو کہہ، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے۔
(الانعام نمبر ۱۵)

عصیان کے مقابلہ میں اسلام بمعنی تابعداری اور اطاعت وانقیاد ہی آنا چاہیئے۔
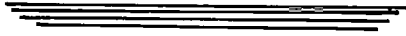
احترام پسندی اور بازاری الفاظ سے اجتناب

حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ اس بات کا بہت لحاظ رکھتے ہیں کہ کلام الٰہی کے ترجمہ میں کوئی لفظ بازاری قسم کا داخل نہ ہو۔ بلکہ جسطرح خداوند عالم نے نازک سے نازک مسئلہ میں باوقار زبان اور ادب والے الفاظ و فقرے اور استعارے استعمال کیے ہیں وہی شان ترجمہ کے اندر برقرار رہے۔

ذیل میں اس کی چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ .... حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔ ....

.... فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ (البقرہ ۱۸۷) پھر اب ملو ان سے۔

"الرفث" کا ترجمہ شیخ شریف نے کیا (جماع کردن) حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے (مخالطت کردن) شاہ رفیع الدینؒ نے (رغبت کرنا) ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے (اپنی بیویوں کے پاس جانا) حضرت تھانویؒ نے (اپنی بی بیوں سے مشغول ہونا) کیا ہے۔

بَاشِرُوهُنَّ کا ترجمہ شیخ نے (مباشرت کنید) حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے (مخالطت کنید) شاہ رفیع الدین نے (پس اب ملا کرو ان سے) ڈپٹی صاحب (ہم بستر ہونا) مولانا مودودی (اپنی بیویوں کے پاس جانا .... شب باشی

کرو) مولانا تھانوی (اب ان سے ملو ملاؤ) مولانا احمد رضا خاں صاحب نے (اپنی عورتوں کے پاس جانا)... (تو اب ان سے صحبت کرو) ترجمہ کیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں بڑی بلاغت ہے۔ لباس و پوشاک کی رعایت سے رفث کا ترجمہ "بے پردہ ہونا" بہت موزوں ہے۔ یہ رعایت کسی ترجمہ میں نظر نہیں آتی۔

لغت میں رفث کے معنی "بے ہودہ بات اور فحش کام" کے ہیں۔ بطورِ کنایہ اس لفظ سے اپنی عورتوں کے پاس جانا اور صحبت اور اس کے لوازمات مراد ہیں۔ جن کے لیے بے پردہ ہونے کا لفظ بڑا اچھا ہے۔

چند آیات بعد حج کے بیان میں بھی یہ لفظ لایا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرہ ۱۹۷) بے پردہ ہونا نہیں عورت سے نہ گناہ کرنا۔ نہ جھگڑا کرنا.... حج میں.....

فارسی والوں نے جماع نہ کنند اور مخالطت نہ کند۔ ڈپٹی صاحب نے "شہوت کی بات" تھانوی صاحبؒ نے "فحش بات" اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے "رغبت کرنا" ترجمہ کیا ہے۔

یہاں بھی شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ کنایہ کے طور پر ان تمام معانی پر حاوی ہے۔ بریلوی ترجمہ یہ ہے۔ نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو ..... یہاں بلا وجہ ترجمہ کو طویل کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ مختصر اور جامع الفاظ موجود ہیں۔

۱۲۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا کہدے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر۔

فُرُوْجَهُمْ (النور ۳۱)

شیخ نے لکھا (و نگاہدارند از ناف تا زانوئے خود را) حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (نگاہ دارند شرمگاہ خود را) مولانا تھانوی ڈپٹی صاحب اور شاہ رفیع الدینؒ وغیرہ نے شرمگاہ ہی کا لفظ رکھا ہے۔ لیکن شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "ستر" کا لفظ اختیار کر کے اس میں عموم پیدا کر دیا۔ اسی کی تفصیل شیخ کے فارسی ترجمہ میں کی گئی ہے۔

اس سے آگے دو لفظ اور ہیں۔

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (النور ۳۱)	(عورتیں کن لوگوں کے سامنے بے پردہ آسکتی ہیں؟) یا کمیروں کے جو مرد کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جنہوں نے نہیں پہچانے عورتوں کے بھید۔

یعنی وہ خدمت گار جو اپنے کام سے کام رکھتے ہوں اور کھانے پینے۔ اور سونے میں منہمک رہتے ہوں یا وہ لڑکے جو ابھی تک عورتوں کے نسوانی بھید اور پوشیدہ معاملات سے ناواقف ہوں

ڈپٹی صاحب نے اچھا ترجمہ کیا یعنی "ایسے خدمتیوں پر کہ مرد تو ہیں مگر عورتوں سے کچھ غرض نہیں رکھتے۔ جیسے خواجہ سرا یا بڈھے پھونس" یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں۔

مولانا بریلوی کا ترجمہ یہ ہے (یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں۔ یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں۔)

۱۳۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکی اپنی

الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا شہوت کی جگہ پھر ہم نے پھونک دی اس
فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم ۱۲) میں اپنی طرف سے جان۔

مفسرین نے اس آیت کی دو تفسیریں بیان کی ہیں۔

۱:- فرج کے معنیٰ "گریبان" کے ہیں۔ لغت عربی میں "فرج" کہتے ہیں[1]۔
"کشادگی" دراڑ۔ شگاف کو۔ کرتے کا گریبان بھی اسی طرح کشادہ اور پھٹا ہوا
ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے عرب لوگ اسے بھی فرج کہتے ہیں۔

عربی کا محاورہ ہے۔ نقی الجیب طاہر الذیل ..... وہ شخص
گریبان کا صاف اور دامن کا پاک ہے .... اس سے پاکدامنی اور عفت مراد
ہوتی ہے۔ اردو میں پاکدامن کہا جاتا ہے۔ عربی میں جیب و دامن دونوں کی پاکیزگی
بولی جاتی ہے۔

اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مریمؑ نے اپنے گریبان
تک بھی کسی کا ہاتھ نہیں جانے دیا۔ کجا کہ ان کے دامن کو کوئی ہاتھ لگاتا۔

اسی تاویل کی بنا پر کسی نے (دامن خود را) ترجمہ کیا۔ کسی نے (اپنی عصمت)
اور کسی نے (اپنے ناموس) ترجمہ کیا ہے اور بریلوی صاحب نے (اپنی پارسائی)
لکھا ہے۔

اس تاویل کی بناء پر فنفخنا فیہ میں "فیہ" کی ضمیر "فرج" بمعنیٰ گریبان
کی طرف لوٹے گی

قاضی صاحب نے لکھا ہے۔

---

[1] سورۂ ق میں ہے "مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ" اس آسمان میں کوئی شگاف نہیں ہے۔

نفخ جبرائیل بامرنا فی جیب درعها نفخاً واصلاً
الی فرجها فحملت بعیسیٰ علیہ السلام

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔
جبرئیلؑ نے ہمارے حکم سے مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری اور
اس کا اثر "فرج" تک پہنچا۔ اور اس تدبیر و حکمت سے حضرت مریم کے بطن میں
حضرت عیسٰے علیہ السلام کا حمل ٹھہر گیا (مظہری ج ۹ ص۳۴۷)

۲:۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ "فرج" کے معنی مجازی شرمگاہ مراد ہیں
یعنی حضرت مریمؑ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، حضرت سید شاہ ولی اللہ
رحمۃ اللہ علیہ نے اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ دونوں نے اپنے ترجمہ میں
یہی معنی اختیار کیے ہیں۔
اس صورت میں "فیہ" کی ضمیر "فرج" کی طرف لغوی معنی "گریبان کا شگاف"
کے لحاظ سے لوٹے گی۔
بعض نے کہا ہے "فیہ" کی ضمیر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی طرف راجع ہے
اور یہ جملہ پہلے جملہ سے الگ ہے یعنی ہم نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے اندر اپنی
روح اور اپنی برکت ڈال دی۔
اس آیت میں ایک قرأت "فیہا" کی بھی ہے۔ جس طرح الانبیاء میں ہے
والتی احصنت فرجها و نفخنا فیها من روحنا.......
شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں۔
"وہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت۔ پھر پھونک دی ہم نے
اس عورت میں اپنی روح۔"

پس تحریم کی آیت میں بھی حضرت مریمؑ کی طرف پھونک مارنا مراد ہو گا۔
اس آیت میں بھی شاہ صاحبؒ نے "فرج" کے معنی شرمگاہ کیے ہیں اور
دوسرے تمام حضرات بھی "شرمگاہ" کا لفظ لکھ رہے ہیں۔ سوائے حضرت تھانویؒ
کے.... کہ انہوں نے ناموس لکھا۔

جنسی خواہش کے موقعوں پر صرف یہ ایک مقام ایسا ہے جہاں حضرت
شاہ صاحبؒ نے ایک کھلا اور صاف لفظ ترجمہ میں رکھا ہے۔

اور یہیں مؤلف محاسن کنز الایمان کو اعتراض کرنے کا موقعہ مل گیا ہے
اور فاران کراچی کے مبصر نے بھی دبے الفاظ میں مولف کی تائید کرتے ہوئے لکھا
ہے۔ شیخ الہندؒ (شاہ عبدالقادر صاحبؒ) نے "فرج" کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔ مولانا احمد
رضا خانصاحب کا ترجمہ "پارسائی کی حفاظت" کے بارے میں اعوان صاحب کی
اس رائے سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ اس ترجمہ میں اردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب
قائم ہے۔ (فاران کراچی ص۳۹)

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ سرسری اور سطحی مطالعہ
سے اپنے رموز اور حقائق قارئین پر نہیں کھولتا۔ اس ترجمہ کی باریکیوں کو سمجھنے
کے لیے آیت کے سیاق و سباق، موقعہ محل اور شانِ نزول پر نظر رکھنے کی ضرورت
پڑتی ہے۔

معترض اور مبصر دونوں کو غور کرنا چاہتے تھا کہ شروع سے آخر تک
جنسی الفاظ کا ترجمہ بہترین استعاروں اور کنایوں میں کرنے والا باادب قلم
حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے بارے میں ایک کھلا لفظ کیوں
لکھ رہا ہے۔

اگر غور کیا جاتا تو واضح ہو جاتا کہ یہاں اقتضائے حال یہی تھا کہ "فرج" کا ترجمہ ایک کھلے لفظ سے کیا جائے۔ کیونکہ یہاں "حفاظت شرمگاہ" سے صرف حرام و ناجائز فعل سے بچنا مراد نہیں ہے بلکہ حرام و حلال دونوں قسم کے فعلوں سے محفوظ رہنا مراد ہے۔

حضرت مریمؑ نے اپنے ناموس کو محرم، شوہر اور غیر محرم اجنبی دونوں سے محفوظ رکھا۔ لوگوں نے اعتراضات کیے۔ یہودیوں نے حضرت مریمؑ پر تہمتیں لگائیں۔ پھر قرآن کریم نے ان سب کو جواب دیا۔ اِس جواب میں یہ کہنا کافی نہ تھا کہ مریمؑ نے اپنے ناموس کی، یا پارسائی کی حفاظت کی۔ اس کا مطلب صرف فعلِ حرام سے بچنا ہے۔ کیونکہ حلال طریقہ پر عورت کا مرد کے پاس جانا اور اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنا اس کے ناموس اور پارسائی کو مجروح نہیں کرتا۔ اس لیے مریم صدیقہ کی مکمل صفائی کے لیے یہ کہنا ضروری تھا کہ اس نے اپنی شہوت کے مقام کو روکے رکھا۔ اس شوہر اور اجنبی دونوں سے بچنا ظاہر ہوتا ہے اور یہ حضرت مریمؑ کی پاکدامنی کے لیے زیادہ مؤثر اور مضبوط اندازِ بیان ہے۔

امام رازی نے نفخ اور پھونکنے کی تشریح کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔ کہ روح ڈالنے کے فعل کو پھونک مارنے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے اور بطورِ استعارہ کہا گیا ہے۔ ہم نے روح پھونکی ...... کیونکہ روح جب بدن میں سرایت کرتی ہے تو تمام جسم میں پھیل جاتی ہے۔ جس طرح ہوا جب پھونکی جائے تو وہ تمام جگہ پھیل جاتی ہے۔ (کبیر ج ۸ صفحہ ۲۴۸)

اس تشریح کے بعد اس بات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی کہ جبریل علیہ السلام نے کس جگہ پھونک ماری۔ اصل میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ جبریل علیہ

السلام نے اللہ کے حکم سے مریم کے جسم میں روح ڈالی اور توالد و تناسل کے عام قاعدہ کے خلاف اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ کو حاملہ کر دیا۔

شاہ عبد القادر صاحبؒ نے (روحنا) کا ترجمہ (اپنی طرف سے جان) کیا ہے اور اس سے یہی اشارہ کیا ہے کہ روح کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف محض تعظیم و تشریف کے طور پر ہے یعنی ہم نے خاص جان اس کے جسم میں ڈالی۔ جس طرح بیت اللہ، خدا کا گھر، ناقۃ اللہ۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔ قرآن مجید میں کہا گیا ہے۔

بریلوی ترجمہ احترام پسندی میں حضرت شیخ الہندؒ شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔؟.....

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ میں قرآن مجید نے کہا۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ... شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۔

کیا تم مردوں کے پاس مستی سے جاتے ہو۔ عورتیں چھوڑ کر۔ بلکہ تم جاہل لوگ ہو

(النمل ۵۵)

یہ بریلوی ترجمہ ہے" شہوۃ" کا ترجمہ مستی کیا ہے، مستی ٹھیٹ بازاری ہے احترام پسندی اگر دیکھنی ہو تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دیکھو۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتیں چھوڑ کر۔ کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو۔

سلاست سادگی اور زبان کی حلاوت کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے شہوۃ کا ترجمہ للچا کر کتنا اچھا کیا ہے۔؟

زلیخا کی شکایت اپنے شوہر سے

زلیخا نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا پیچھا کیا اور حضرت یوسفؑ علیہ السلام بھاگے اور پھر دونوں نے دروازہ پر عزیز مصر کو پایا تو زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگاتے ہوئے کہا۔

قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (یوسف ۲۵)

بولی! کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید پڑے یا دکھ کی مار۔؟۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے "جو ارادہ کرے ساتھ جورو تیری کے برائی کا" مولانا تھانویؒ کا ترجمہ یہ ہے ... جو شخص تیری بی بی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ میں بتایا کہ زلیخا ایک بڑے گھر کی بیگم تھی وہ اتنے کھلے الفاظ میں حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام نہیں لگا سکتی تھی کیونکہ اس میں خود اس کی ہتک تھی اس لیے اس نے اشارہ اور کنایہ میں کہا کہ یہ شخص تیرے گھر میں برائی کرنا چاہتا تھا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمزور تاویلات سے اجتناب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش عام کا اعلان

سورہ فتح کی ابتدائی آیات میں خداوند تعالیٰ نے اعلان فرمایا۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا	ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح
لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ	فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے
ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ	ہوئے تیرے گناہ اور پیچھے رہے اور
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ	پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلا وے
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا، وَّيَنْصُرَكَ	تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تجھ کو
اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا (الفتح ۳)	اللہ زبردست مدد۔

یہ سورۃ پاک صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اس میں خدا تعالیٰ نے اس صلح کو اسلام اور مسلمانوں کی فتح عظیم قرار دیا، کیونکہ اس صلح کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر پے در پے انعامات ہوئے اور یہ صلح آنے والی تمام سیاسی کامیابیوں کا دیباچہ ثابت ہوئی۔

حدیبیہ کی صلح کو خدا تعالیٰ فتح مبین قرار دیتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار انعامات کا اعلان فرما.... رہا ہے۔

(۱) عفو عام (۲) تکمیلِ نعمت (۳) حق پر ثابت قدمی

(۴) مستحکم امداد و نصرت۔

ان انعامات میں پہلے انعام پر مفسرین کے ہاں بڑے سوال و جواب ملتے ہیں، یعنی اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ سے معصوم اور محفوظ ہیں، پھر یہ اگلے اور پچھلے گناہوں کی معافی و مغفرت کا کیا مطلب؟ .... حدیبیہ کا اعلانِ فتح ۶ھ میں ہوا، تو کیا نبوت سے اب تک ۱۹ سال کا عرصہ گناہوں میں آلودگی کے ساتھ گزرا۔؟ .... اس سوال کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں

۱:۔ ذنب (گناہ) سے مراد امت کے گناہ ہیں۔

۲:۔ اگلے گناہوں سے مراد حضرت آدم و حواء کے گناہ اور پچھلے گناہوں سے امت کے گناہ مراد ہیں۔

یہ تاویل، تاویل بعید ہے، آیت میں ذنب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس تاویل کو ترجیح دے کر اس آیت کا ترجمہ کیا ہے ..... "اے محبوب !! اپنے خاصوں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔"

جمہور مفسرین اور مترجمین نے اس تاویل کو کمزور سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ یہ تاویل نہ الفاظِ قرآنی سے قریب ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے مطابقت رکھتی ہے،

۳:۔ ذنب سے مراد وہ لغزش ہے جو آپ کے درجہ عالیہ کے لحاظ سے گناہ تھی۔ حسنات الابرار، سیئات المقربین ..... یعنی بڑوں کی نیکیاں، مقربین الٰہی کی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس گناہوں سے محفوظ رکھی گئی مگر بشری

کمزوریاں اور لغزشیں ضرور آپ سے سرزد ہوئیں۔ انہیں بشری اور فطری کمزوریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے اعلان کیا کہ ہم نے زندگی بھر کی تمام کمزوریوں کو معاف کر دیا۔

۴:۔ غفر کے معنی ستر چھپانے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ذات اور گناہوں کے درمیان پردہ حائل رکھا اور رکاوٹ کھڑی رکھی تاکہ نہ آپ گناہوں میں مبتلا ہو سکیں اور نہ کوئی گناہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر سکے۔

غفر کے اس معنی کی صورت میں عام مسلمانوں کے حق میں مغفرت کا مطلب یہ ہو گا کہ خدا تعالیٰ گناہوں اور ان گناہوں کے عذاب کے درمیان پردہ ڈال دیتا ہے۔ اور اس طرح گناہ گار عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔

یہ تمام تاویلات و توجیہات جلالین کے حاشیہ ص۴۲۳ مطبوعہ اصح المطابع دلی پر مختلف مفسرین کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مغفرت کے اعلان کا جو مطلب بیان کیا ہے اب اس پر غور کیجئے

لکھتے ہیں:۔

"یعنی تجھ کو اس تحمل سے درجے بڑھے، اور یہ بات اللہ نے کسی بندے کو نہیں فرمائی کہ اگلے پچھلے گناہ بخشے، اگرچہ بہت بندے ہیں بخشے۔ اس میں نڈر کر دینا ہے"۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے حدیبیہ کے موقع پر دشمنانِ حق سے ہماری ہدایت کے مطابق بڑے تحمل اور بڑی بردباری سے کام لیا ہے۔

جذبات کا تقاضا تھا کہ قریش کا کوئی مطالبہ نہ مانا جائے، وہ ہٹ دھرمی پر تلے ہوئے تھے آپ حق پر تھے، آپ کے رفقاء بھی موت کی بیعت کر چکے تھے، اور اندیشہ تھا کہ کہیں تمام مسلمانوں کے اندر اس صلح سے بددلی نہ پھیل جائے مگر آپ نے کمال تدبر اور قائدانہ صلاحیت کے ساتھ حالات پر کنٹرول کیا اور قریش سے صلح کر لی۔

صلح کی شرائط بظاہر مغلوبانہ ہیں مگر حقیقت میں قریش اس سمجھوتہ سے مات کھا گئے ہیں اور تمام ہوشیاری کے باوجود ان کے تدبر کا دیوالہ نکل گیا ہے۔

اس عظیم الشان تاریخی کامیابی پر اے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے درجات بڑھیں گے آپ کا بول بالا ہوگا، روحانی اعتبار سے بھی اور سیاسی اعتبار سے بھی آپ کی عظمت کا ڈنکا بجے گا۔

پس اس اعلان سے حضور کو آئندہ کے اقدامات میں نڈر اور بے خوف کر دیا، یعنی آئندہ آپ جو اقدام کرنا چاہیں بے فکر ہو کر کریں، خدا تعالیٰ آپ کی نگرانی فرما رہا ہے اور ہر قدم کے لیے کامیابی کی ضمانت دے رہا ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں..... ایک لاکھ چوبیس ہزار رسول و نبی سب کے سب معصوم اور بخشے ہوئے ہیں لیکن اس طرح کا اعلان سوائے نبی آخر الزمان کے کسی نبی کے لیے نہیں کیا گیا "

تاریخ بتاتی ہے کہ ۶ھ کے بعد خدا تعالےٰ نے آپ کے ہاتھ پر اسلام کی سربلندی کے دروازے کھول دیئے آپ کا ہر قدم کامیاب رہا اور دنیا والے دن بدن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے آفتاب کو روشن سے روشن تر ہوتا دیکھتے رہے۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحبؒ نے بخشش عام کے اعلان کو عرب کے محاورہ کی روشنی میں واضح کیا ہے۔

شاہانِ عالم جب اپنے کسی افسر سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی حسنِ خدمت کو قبول کرتے ہیں تو اپنی خوشنودی کا اعلان اس انداز سے کرتے ہیں کہ اسے جاگیریں عطا کرتے ہیں، منصب دیتے ہیں، سونے اور چاندی کی بخشش کرتے ہیں:۔

اسی طرح خداوندِ عالم نے اپنے سب سے کامیاب بندے، سب سے بڑے داعی اور مجاہد حق اور سب سے بڑے مدبر اور حکیم پیغمبر کو اس کی سب سے بڑی کامیابی پر جو انعام دیے ان میں پہلا انعام یہ تھا کہ۔

۱:۔ ہم آپ کی زندگی بھر کے تمام کارناموں کو حسنِ قبول عطا کرتے ہیں یہاں تک کہ آج تک اور آج کے بعد آخر عمر تک جو بشری کمزوریاں ظہور میں آئیں یا آئیں گی انہیں بھی نیکیوں کی طرح قبول کرتے ہیں۔

دوسرا انعام یہ ہے کہ:۔

۲:۔ اور ہم آپ پر ظاہری سیاسی اور مادی نعمت اور ہر علمی اور روحانی انعام مکمل کریں گے۔

تیسرا انعام یہ ہے۔

۳:۔ آپ کو صراطِ مستقیم پر وہ دین کی سیدھی راہ ہو یا دنیا کی کامیاب راہ اس پر چلاتے رہیں گے۔

چوتھا انعام یہ کہ:۔

۴:۔ آئندہ بھی آپ کی مدد جاری رکھیں گے۔

معافی نہیں، حسنِ قبول

راقم نے عفو و مغفرت کا ترجمہ "حسن قبول عطا کریں گے" کیا ہے، اور اس ترجمہ کی ایک واضح دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ معافی گناہوں کی ہوتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ نامۂ اعمال سے مٹا دیئے گئے اور ان کے اثرات سے بندہ کو دنیا اور آخرت میں محفوظ کر دیا گیا۔

اسی لیے جب گناہ گار کسی گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر اس گناہ کی طرف اسے نسبت دے کر یاد کرنا بھی ممنوع ہو جاتا ہے۔

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (الحجرات نمبر ۱۱) ایمان لانے کے بعد گناہ گار کو اس گناہ سے یاد کرنا بہت برا ہے۔

لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی میں جس قدر لغزشیں اور کوتاہیاں ہوئیں خدا تعالٰے نے ان تمام لغزشوں کو قرآن کریم میں نقل کر کے زندہ جاوید بنا دیا۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر لغزش دین کی ایک مصلحت بن گئی امت نے اس لغزش سے بھی سبق حاصل کیا، خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی ہر لغزش کو اپنی برتری اور بے نیازی کا اور اپنی طرف سے اپنے رسول کی مکمل حفاظت کا اپنے بندوں کے دل پر نقش قائم کرنے کے لیے بار بار ذکر فرمایا اور آج تک قرآن میں سرکار کی لغزشوں اور اجتہادی کوتاہیوں کو اسی مقصد کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

پس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لغزشیں عام معنی میں گناہ ہوتیں اور اللہ تعالٰے انہیں معاف کرنے کا اعلان کرتا تو پھر انہیں صفحہ قرطاس سے مٹا دیا جاتا او

ان کے تذکرہ کو بھی ممنوع قرار دے دیا جاتا لیکن یہاں معاملہ بالکل دوسرا ہے۔
حاصل یہ کہ حضرت شاہ صاحب رح کے نزدیک بخشش عام کا اعلان اس موقعہ پر ایک شاہانہ رسم اور اظہار خوشنودی ہے، اسی روشنی میں "مغفرت ذنوب" کو سمجھنا چاہیئے" عربی لغت کے مطابق ترجمہ کر کے اس اعلان کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہو سکتا،

حافظ ابن کثیر رح نے اسی مفہوم کو واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

وهٰذا فيه تشريف عظيم لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو صلى الله عليه وسلم في جميع اموره على الطاعة والبر والاستقامة التي لم ينلها بشرا سواه لا من الاولين ولا من الاخرين وهو صلى الله عليه وسلم اكمل البشر على الاطلاق و سيدهم في الدنيا والاخرة	اور اس اعلان میں حضور کی بہت بڑائی اور عظمت کا اظہار ہے اور حضور تمام معاملات میں اطاعت خداوندی، نیکی، اور استقامت پر قائم تھے جو کسی بشر کو نصیب نہیں سوائے آپ کے، نہ اولین میں نہ آخرین میں اور آپ ہر لحاظ سے ایک انسان کامل تھے اور دین و دنیا کے آقا تھے۔

(ابن کثیر ج ۴ صـ ۱۸۴)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ پر اعتراض

مؤلف محاسن کنز الایمان نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ترجمہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان ترجموں میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خطا کار بنا ڈالا .... کیا یہ تراجم دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار تھما دینے کا موجب نہیں ہوں گے، کیا ان تراجم سے عصمت انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔

مؤلف نے جن تراجم کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ "معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔ (الفتح ۱۹)

۲:۔ اور معافی مانگ اپنے گناہ کو اور ایماندار مردوں کو اور عورتوں کو (محمدؐ ۱۹)

یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم ہیں، حضرت شیخ الہندؒ نے ان ترجموں میں معمولی ردوبدل کیا ہے اس لیے ان ترجموں پر گرفت کرنی، دراصل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجموں پر گرفت کرنی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت شیخ الہندؒ یا حضرت شاہ صاحبؒ ہی ان ترجموں میں اکیلے ہیں یا تمام فارسی اور اردو مترجمین نے یہی عبارتیں تحریر کی ہیں، غور کیجئے

شیخ شریف جرجانی فارسی ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

۱:۔ "بدرستی کہ فتح دادیم ترا فتحے آشکارا، پس از خدا آمرزش خواہ تا بیامرزد ترا خدا آنچہ گذشتہ است از ذلت تو وآں چہ ماندہ ازاں" (الفتح ۲)

شیخ نے "لیغفر" سے پہلے ایک فعل محذوف مانا فاستغفر ....

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ۔

۲:۔ وآمرزش خواہ برائے زلّتِ خود و برائے مردان مومن و زنانِ مومن (محمدؐ ۱۹)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ کا فارسی ترجمہ:۔

۱:۔ ہر آئینہ ما حکم کردیم برائے تو فتح ظاہر.... عاقبت فتح آنست کہ بیامرزد ترا خدا آنچہ کہ سابق گذشت از گناہ تو و آنچہ پس ماندہ (الفتح)

۲:۔ وآمرزش طلب کن برائے گناہاں خود و درحق مردان مسلمان و زنانِ مسلمان (محمدؐ)

حضرت تھانویؒ کا ترجمہ

۱:۔ تاکہ اللہ تعالےٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (الفتح)

۲:۔ اور آپ اپنی خطاء کی معافی مانگتے رہیں اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے (محمدؐ)

کسی بزرگ مترجم نے ذنب گناہ یا لغزش کو امت کی طرف منسوب نہیں کیا اور فاضل بریلوی کی اختیار کردہ تاویل کو مرجوح اور کمزور قرار دے کر نظر انداز کر دیا۔

مولانا مؤلف نے احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ کی سورۂ محمد والی آیت میں بھی بڑی مدح سرائی کی ہے۔

مولانا کا ترجمہ یہ ہے۔

اے محبوب! اپنے خاصوں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں

کی معافی مانگو..." (سورہ محمدؐ)

اس میں لِذَنۡبِكَ کا ترجمہ ....."اپنے خاصوں" کیا گیا ہے جو مشہور اکابر کے تراجم اور تشریحات سے مختلف ہے، پھر اس ترجمہ میں خاص عام کی تفریق بھی عجیب سی لگتی ہے اور اس سے وہ جاگیردارانہ ذہن سامنے آتا ہے جو مسلمانوں کے مزدور اور محنت کش طبقوں کے مقابلہ میں اونچی ذات والی برادریوں کی طرف برتا جاتا تھا، کیونکہ مولانا بریلوی پٹھان تھے، ایک پٹھان عالم دین ہو کر بھی امت محمدیہ کے اندر خاص اور عام کی تفریق کر رہا ہے۔ جب کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت تھی کہ آپ اپنی تمام امت کو ایک نظر سے دیکھا کیجیے۔ (دیکھو سورہ انعام آیت نمبر ۵۲ والکہف نمبر ۲۸)۔

ذنب کی نسبت کیوں کی گئی

ذنب، گناہ، اور خطاء کے الفاظ کی نسبت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں اس سے کوئی مہلک ہتھیار آجاتا ہے

تمام دنیا کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ رسولِ پاکؐ کے اخلاق حسنہ میں تواضع، خاکساری اور عبدیت کا رنگ بہت گہرا تھا، اور یہی صفت تواضع انسانی شرافت کا حقیقی جوہر ہے اور اسی صفت تواضع اور مسکینی کا دوسرا نام رحمۃ للعالمینی ہے، کیونکہ وہی ذات دوسروں کے لیے رحمت و شفقت بن سکتی ہے جس کے اندر نرمی اور دردمندی کا جوہر ہو، سخت دِل مغرور اور خود پرست انسان کبھی دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی صفتِ تواضع اور صفتِ عبدیت اپنے رب کو اس طرح پکارا کرتی تھی " اس دعا پر غور کرو، گناہ سے کوئی بڑی سے بڑی قسم ایسی نہیں جسے اللہ کے معصوم نبی نے اپنی طرف منسوب نہ کیا ہو۔

سرورِ عالمؐ کی دعائیں بخشش اور مغفرت کیلیے

حافظ ابن کثیرؒ نے صحاح کے حوالہ سے حضورؐ کی چند دعائیں نقل کی ہیں ان پر غور کرو۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطَئِي وَعَمْدِي وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي۔

خداوندا! میری خطاؤں کو معاف کردے میری نادانی کو، میری زیادتی کو میرے کاموں میں ہوئی اور جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، اسے بھی معاف کردے اے اللہ! میرے بے ارادہ گناہوں کو اور میرے بالارادہ گناہوں کو اور میری خطاء کو اور میرے قصداً گناہوں کو معاف کردے ..... اور یہ تمام چیزیں میرے پاس ہیں۔

کیا شانِ عبدیت ہے، کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا اقرار نہ کیا جارہا ہو گناہ کی کوئی قسم ایسی نہیں جس کا اعتراف نہ ہو..... حالانکہ ان تمام خطاؤں میں کسی خطاء و قصور کو اتنی ہمت نہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ پاک کو چھو بھی لیتا۔

ان کی ذات علم و حکمت کا چراغ، پھر جہل و نادانی کا اقرار کیسا ؟۔ ان کی

ذات عدل وانصاف کا مکمل نمونہ، پھر اسراف وظلم کے الفاظ زبان پر کیوں۔؟

دعاء کے پہلے فقرہ میں گناہ کی تمام صورتیں سمٹ آئیں لیکن دوسرا فقرہ پھر مکرر زبان پر آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدیت اور تواضع کا سمندر ہے جو جوش میں آرہا ہے، ایک دفعہ اقرار قصور ہو گیا لیکن دل کو چین نہ پڑا، پھر دوسرے الفاظ کے ذریعہ اقرار بندگی شروع ہو گیا۔

پھر آخری فقرہ نے تواضع اور عاجزی کی حد کردی ..... مولیٰ یہ سب قصور میرے پاس ہیں، میں مجاز اور استعارہ میں بات نہیں کررہا، میں اپنی ذات کی بات کررہا ہوں یہ سارے گناہ مجھ میں ہیں۔

جب ایک معصوم بندہ کی زبان پر اپنے رحمٰن وغفار مولیٰ کی جناب میں یہ دعا جاری ہوگی تو کس قدر خوشی حاصل ہو رہی ہوگی، اس معاف کرنے والے، توبہ سے خوش ہونے والے بندے کی عاجزی پر ناز کرنے والے، اپنی شان غفاری کے اظہار پر فخر کرنے والے مولائے کل کو۔

اپنے مالک وآقا کی اسی خوشی کے لیے وہ بندۂ معصوم اپنے آپ کو ایک گناہ گار اور خطا کار کی طرح پیش کرتا، یہی رمز تھا۔ یہی مصلحت تھی، اس دعا کی اور دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے کی۔

ایک موقعہ پر اپنی بے مثال عبدیت وتواضع کا نمونہ پیش فرما کر لوگوں کو نصیحت کی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى رَبِّكُمْ فَإِنِّي أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً

لوگو! اپنے پروردگار کی جناب میں توبہ کرو، دیکھو! میں بھی اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی جناب میں ستر

سے زیادہ مرتبہ توبہ کرتا ہوں (ابن کثیر ج ۴ ص۱۷۷)

اس واقعہ نے حضور کی توبہ اور استغفار کی دینی مصلحت واضح کر دی کہ آپ خود اپنے آپ کو ایک گناہ گار کی طرح خدا کے سامنے پیش کرتے تھے باوجودیکہ آپ معصوم تھے، تاکہ دوسرے لوگ آپ کے اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کریں، اور یہ سمجھیں کہ اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہوتے ہوئے خداوند قدوس کی جناب میں اس طرح اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں تو پھر ہماری حقیقت کیا ہے ہم تو واقعی قصور وار ہیں۔

خداوند عالم جب اپنے اس بندۂ خاص سے یوں فرماتا تھا........

واستغفر لذنبك (محمد) فسبح بحمد ربك واستغفره (النصر)

تو وہ حضور کی صفت عبدیت کو خطاب کرتا تھا۔ اسی صفت شرافت اور کمال انسانیت کو قوت پہنچاتا تھا۔ بے قصور و بے گناہ کے اندر گناہ گاری اور قصور واری کا احساس تازہ کر کے اس کے اندر اپنی عام مخلوق کے ساتھ برابری کا جذبہ پیدا کرتا تھا، انسان اپنے آپ کو قصور وار خطا کاری کا پتلا سمجھ کر ہی خدا کی خطا کار مخلوق سے پیار کر سکتا ہے۔

انسان میں جہاں تقدس کا جذبہ پیدا ہوا، وہیں وہ خدا کی مخلوق سے کٹ کر علیحدہ ہوا۔

ایک واقعہ اس سلسلہ میں بھی نقل کیا جاتا ہے، غور کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر احساس بندگی مخلوقِ خدا اور اپنے رفقاء کے ساتھ کس محبت کے رنگ میں نمودار ہوتی ہے

عبداللہ ابن سرخس صحابی ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئے آپ کے ساتھ کھانا کھا، پھر آپ کے لیے دعا فرمائی ..... غَفَرَ اللہُ لَکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ ..... حضور! خدا تعالیٰ آپ کو بخشے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! عبداللہ تمہیں بھی خدا بخشے (وَلَکَ) عبداللہؓ بولے ..... کیا میں آپ کے لیے دعاء مغفرت کیا کروں؟ (ءَ اَسْتَغْفِرُ لَکَ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نَعَمْ وَلَکُمْ) ہاں میرے لیے بھی اور اپنے لیے بھی ......
پھر آپؐ نے سورہ محمدؐ کی آیت تلاوت فرمائی۔ (ابن کثیر ایضاً)

تواضع و عبدیت کے رنگ نے آقا اور غلام کو آپس میں کس طرح قریب کر دیا، کس محبت کے ساتھ آقا غلام ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کر رہے ہیں، کیا ایک مغرور سردار تقدس پسند پیر، اور فرعون صفت حاکم خدا کے عام بندوں کے ساتھ اس طرح قریب ہو سکتا ہے۔؟

یہ ہے وہ تشریح جسے اگر ہم دشمن سے دشمن کے سامنے بھی رکھیں تو وہ سرکار دو عالم کے لیے احترام و ادب کا جذبہ دل میں پیدا کیے بغیر نہ رہ سکے گا۔

اس تشریح کے مطابق جمہور علماء نے "ذنب" کی نسبت والی آیات میں لغوی ترجمہ ترک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، جن دشمنانِ اسلام کے خوف سے بریلوی بھائی قرآن کریم میں بعیدہ تاویلیں کرتے ہیں کیا وہ دشمنانِ حدیث شریف اور سیرت النبی کی کتابوں میں حضور اقدس کی زبان پاک سے نکلی ہوئی یہ دعائیں نہ دیکھتے ہوں گے؟

پھر ہم کیسے کس آیت و حدیث کے ترجمہ میں تاویلات بعیدہ کریں گے۔

عربوں میں دعائے مغفرت کا مفہوم کیا تھا ؟

اوپر والے واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عربوں کے اندر مغفرت کی دعاء کا مطلب عام رحم و کرم کی دعاء تھا۔ گناہوں اور قصوروں کی معافی تک یہ دعا محدود نہیں تھی، یہی سبب تھا کہ جب حضرت عبداللہؓ نے حضور کیلئے مغفرت کی دعاء کی تو یہ نہ سمجھا کہ میں ایک نبی معصوم کو گناہ گار ثابت کر رہا ہوں اور نہ حضور اکرم ہی نے انہیں متنبہ کیا کہ کیا تم مجھے معصوم نہیں سمجھتے ؟

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا

قصہ یوسف میں سب سے اہم آیت یہ ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ — البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا، اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت رب اپنے کی۔

یہ ترجمہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مولانا تھانویؒ کا ترجمہ یہ ہے ...."اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا"

محاسن کنز الایمان کے مصنف نے ان دونوں ترجموں پر یہ اعتراض کیا ہے۔

زیرِ نظر آیت کے تراجم پر غور کیجئے، ایک تو تھانوی صاحبؒ کا ترجمہ ترجمہ

نہیں بلکہ اسے ترجمانی بھی نہیں کہا جا سکتا، دوسرے تھانویؒ اور محمود الحسنؒ صاحب (اصل میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے تراجم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو بدکاری پہ آمادہ تھی ہی معاذ اللہ! ؟ حضرت یوسف علیہ السلام بھی آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ یہ اجتماعی عقیدہ عصمتِ انبیاءؑ کی صریح مخالفت ہے، اِن حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے هَمَّ بِهَا کے بعد آنیوالے "لو" کے حرفِ شرط کو منقطع کر دیا ہے حالانکہ یہ متصل ہے، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ انہوں نے حرفِ شرط کو متصل کر کے عصمتِ انبیاءؑ کے اجتماعی عقیدہ کی تائید بھی کر دی۔ ترجمہ لفظی بھی رہا اور کوئی لفظ زائد استعمال نہیں ہوا۔ نیز دشمنانِ اسلام کو اعتراض کا موقعہ بھی نہیں ملا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ یہ ہے۔

"بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔"

اول تو مولانا بریلوی نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں وہ منفرد نہیں ہیں۔

ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے قصص القرآن میں مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے ترجمہ میں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اسی تاویل کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

لیکن اکثر مترجمین نے وہ تاویل اختیار کی ہے جس کے مطابق حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا تھانوی صاحبؒ نے ترجمہ کیا ہے کیونکہ "لو" شرطیہ کو سابق جملہ سے متعلق ماننا عربیت کے لحاظ سے درست نہیں ہے اس میں حذف

ماننا پڑتا ہے۔

اب پہلے جمہور کے تراجم پر ایک نظر ڈالیئے۔

۱:۔ وبتحقیق قصد کردن آں زن باو واد قصد کرد بدفع آں، اگر ندیدے دلیل پروردگار خود را، یہ شیخ شریف جرجانی ہیں۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے ارادہ کو دفع کرنے اور زلیخا کو دور کرنے سے متعلق کر دیا۔

۲:۔ وہر آئینہ قصد کردن آں بوئے یوسف و قصد کرد یوسف بسوئے او، اگر نہ آں بودے کہ دیدے یوسف دلیل پروردگار خود را۔ مے شد آنچہ مے شد"

یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے عبارت اور لغت کے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ یعنی زلیخا نے یوسفؑ کا قصد کیا اور یوسفؑ نے زلیخا کا، اگر یوسف علیہ السلام اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے (تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو جاتا) ۔ یہ "لولا" کا جواب محذوف نکالا ہے۔

یہی شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا ترجمہ ہے۔

حافظ ابن کثیر نے ابن جریر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین میں سے اکثر حضرات نے کہا ہے کہ اس آیت میں .... حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد وارادہ سے مراد "دل کا خطرہ" ہے جسے خیال کہنا چاہیئے۔

پھر امام بغوی نے اپنی تفسیر میں بخاری اور مسلم کی یہ روایت نقل کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خداوند تعالٰے ملائکہ کو حکم دیتے ہیں۔

اِذَا هَمَّ عَبْدِی بِحَسَنَةٍ جب میرا بندہ کسی نیکی کا قصد کرے تو

فاکتبوھا لہ حسنۃ فان	اسے ایک نیکی لکھ لو پھر اگر اس پر عمل
عملھا فاکتبوھا لہ بعشر	کرے تو دس نیکیوں کے برابر اجر لکھ
امثالھا	لو۔
وان ھم بسیئۃ فلم یعملھا	میرا بندہ برائی کا قصد کرے اور اس پر
فاکتبوھا حسنۃ فانما	عمل نہ کرے تو بھی ایک نیکی لکھ لو کیونکہ
ترکھا من جرائی فان عملھا	اس نے میرے خوف سے اس کو عملی جامہ
فاکتبوھا بمثلھا۔	نہیں پہنایا، پھر اگر وہ عمل میں لے آئے
	تو جیسی وہ برائی ہو ویسا ہی اسے لکھ لو۔

یہ حدیث قدسی بڑی اہم ہے، انسان کے اندر نفسانی خواہش پیدا کی گئی ہے، فطرت اور نیچر میں اور انسانی خمیر میں وہ خواہش موجود ہے پھر وہ خواہش نفس ذراسی تحریک پر اور خارج میں ذراسا موقعہ پاکر بیدار ہو جاتی ہے، یہاں تک انسان کے بس اور طاقت سے باہر بات ہے، اس لیئے خداوند تعالیٰ نے برائی کے ارادہ کو اس حد تک معاف فرمایا ہے۔ بلکہ جو انسان اس فطری ارادہ کو اپنے ایمان کی طاقت سے دبا لے اور اس پر قابو حاصل کرلے تو اسے قابل تعریف قرار دیا ہے اور اس پر ایک نیکی کرنے کا اجر مقرر فرمایا ہے۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۹)

مفسرین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد کو فطری خواہش کے معنی میں لیا ہے جس قصد کو حدیث قدسی میں ناقابل گرفت قرار دیا ہے وہی قصد حضرت یوسف علیہ السلام میں پیدا ہوا، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے پھر اس پر قابو حاصل کرلیا۔ بخلاف زلیخا کے وہ اس خواہش کے سیلاب میں بہ گئی۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بھاگ کر اپنا ناموس بچانا پڑا۔
خطیب لکھتے ہیں ...... حضرت یوسف علیہ السلام کا قصد طبعی اور فطری میلان کے درجہ کی چیز تھا، نہ کہ قصدِ اختیاری کے درجہ کا .... اور یہ طبعی میلان انسان کی قدرت و تکلیف سے باہر ہے، بلکہ یہ بات خدا کی طرف سے قابل تعریف ہے کہ ایک نوجوان، فطرت کے تمام محاسن و کمالات کا مجموعہ اس فطری جذبہ کو دبالے اور عمل کی دنیا میں آنے سے روک دے۔ (حاشیہ جلالین صـــ ۱۹۲)

ایک نادان طبقہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت و پاکیزگی کو فرشتوں کی قدوسیت کے ہم معنی سمجھتا ہے، حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے نبی و رسول معصوم ہے اس معنی میں کہ قدرت نے اس کے اندر روحانی اور بشری کمالات علمی اور فطری خوبیاں بدرجہ اتم رکھی ہیں لیکن وہ ان تمام خواہشات کو شریعت الٰہی کے تحت رکھتا ہے۔ فرشتہ اس معنی میں معصوم ہے کہ اس کے اندر بشری کمالات موجود ہی نہیں ہیں، فرشتہ جانتا ہی نہیں کہ کھانا پینا اور عورت کی خواہش کیا چیز ہے، وہ ان تمام جذبات سے محروم ہے۔ نبی و رسول محروم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

ایک نبی کا کمال یہ نہیں ہے کہ اس کے اندر رات کے وقت کے کھانے کی خواہش نہ ہو، جنسی اختلاط کی خواہش نہ ہو.... خواہش کا نہ ہونا، فطرت انسانی کے کمالات سے محرومی ہے، اور خواہشات کا اندر ہونا اور اسے حکم الٰہی کے تحت قابو میں رکھنا یہ وہ کمال ہے جس کی بنیاد پر حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔

پھر یہ تمام بحث اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اس وقت رسول مانا جائے حالانکہ آپ کو اس وقت تک رسالت کے منصب پر فائز نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ نبیؑ منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ولی ضرور ہوتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت ولی تھے، نبی نہ تھے ...... پھر ایک ولی کے لیے اس درجہ قدوسیت ثابت کرنا، کس دلیل سے ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔

مفسرین نے اس آیت سے اوپر والی آیت .... وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ ...... کے تحت لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت تیس سال کے تھے اور جو علم و دانش بعثت سے پہلے ایک ہونے والے نبی کو عطا کی جاتی ہے وہ آپ کو عطا کر دی گئی تھی (جلالین ص۱۹)

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر

مولانا آزادؒ نے بھی یہی تاویل اختیار کی ہے جسے ابن جریرؒ نے عربیت کے لحاظ سے مرجوح قرار دیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں ...... "اور حقیقت یہ ہے کہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے پڑ چکی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اگر اس کے پروردگار کی دلیل اس کے سامنے نہ آگئی ہوتی"......

مولانا نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے "ہَمّ" و ارادہ کی بالکل نفی کر دی ہے ...... لیکن آگے چل کر مولانا آزادؒ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کریکٹر اور سیرت کی مضبوطی کی جو تعریف و تحسین کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اندر ابتدائی قصد و ارادہ کا موجود ہونا تسلیم کر لیا جائے

توپھر اس پر قابو پانے اور صحیح سلامت عورت کے پھندے سے نکل جانے کی بات کو مانا جائے، مولانا کی عبارت یہ ہے۔

"پھر امرأۃ العزیز کا معاملہ رونما ہوتا ہے پچھلی آزمائش ذہن و دماغ کی آزمائش تھی، یہ جذبات کی تھی، اور انسان کی سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے، وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا، تلواروں کے سائے سے کھیلنے لگتا ہے لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہو سکی۔ ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبہ نہ لگا سکا"......

(ترجمان ج ۲ ص ۲۵۶)

مولانا آزادؔ کی یہ ساری تقریر حضرت یوسف علیہ السلام پر اسی وقت چسپاں ہوتی ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ اس جوانِ خوبرو میں جذبات بشری مکمل طور پر موجود تھے، زلیخا نے کسی ٹھنڈے آدمی پر جال ڈالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایک گرم نوجوان کو پھسلانے کی ساری تدبیریں اختیار کیں، اور اس نوجوان کی فطری قوت کو جگا دیا، اس میں طبعی میلان پیدا ہو گیا ...... اور پھر وہ نوجوان ایک لمحہ کے اندر سنبھل گیا۔ اور خدا کی پناہ طلب کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔

ایک بلند سیرت ولی کا کردار اسی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی جامع اور اہم آیتوں کے ترجمہ میں جو الفاظ رکھتے ہیں وہ بھی متن قرآن کے مطابق نہایت جامع اور گہرے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے "ہمّ" کا لفظ رکھا جس کے معنی قصد ارادہ اور فکر و پریشانی کے آتے ہیں احدیث معاذ میں آیا ہے۔ (لذ متني هموم) یعنی مجھے غموں اور تفکرات نے پکڑ لیا ہے اسی طرح فکر کا لفظ بھی اردو میں دونوں معانی رکھتا ہے، ایک سوچنا اور ارادہ کرنا اور دوسرے پریشان ہونا ...... ترجمہ میں فکر کا لفظ دونوں جگہ الگ الگ مفہوم میں بھی لیا جا سکتا ہے یعنی عورت نے فکر کی حضرت یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فکر کی بچنے کی۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں کے لیے دعا کی

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کمزور احادیث سے اجتناب فرماتے ہیں اور کمزور حدیث سے آیات الٰہی کے شانِ نزول اور تشریح مطالب میں استدلال نہیں کرتے۔

مقامِ نبوت کی عظمت کا پاس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پورا پورا ملتا ہے لیکن مقامِ نبوت کے ساتھ ساتھ کلامِ نبوت کا احترام بھی شاہ صاحب کے ہاں لازمی نظر آتا ہے۔

کیونکہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص میری طرف وہ کلام منسوب کرے جو واقعی میرا نہیں ہے تو اسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا

لینا چاہیئے۔

علمائے راسخین نے ہمیشہ اس وعید شدید کو سامنے رکھا ہے خواہ میدان احکام و مسائل کا ہو یا ترغیب و ترہیب کا۔

شاہ صاحبؒ کی احتیاط اس ایک مثال سے واضح ہوتی ہے، سورۂ احقاف آیت نمبر ۱۵ کے فائدے میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

......" یہ آیت کسی کے حال کا بیان نہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ کے حق میں دعاء نہیں کی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چالیس برس کی عمر میں مسلمان ہوئے اور ان کے ماں باپ بھی مسلمان ہوئے یہ بات اور کسی صحابی کو نہیں میسر ہوئی، لیکن باپ اس وقت مسلمان نہیں ہوا تو یہ احوال ہے فرضی یعنی سعادت مند لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

جس آیت پر یہ فائدہ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

......" کہنے لگا، اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں احسان تیرے کا جو مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو اور نیک دے مجھ کو اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں حکمبردار۔"

بعض مفسرین نے ان آیات کے متعلق لکھا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔"

اردو حواشی نگاروں میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے حاشیہ نگار نے اسی کمزور قول کو اختیار کیا ہے جس کے لیے کوئی مستند روایت موجود نہیں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے محققانہ بات کہی ہے،

......" در منثور میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت صدیق اکبر

کی شان میں وارد ہوئی مگر محققین عموم پر محمول کرتے ہیں اور روایاتِ خصوصِ مورد کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ بھی اس کے مستحق اول ہیں[1] (بیان القرآن احقاف ج ۱۱ ص ۵۰)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے اور آپ نے اپنے فائدہ میں بعد والوں کو یہی روشنی دی ہے جس کا اظہار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اسی کے ساتھ ایک اشارہ اور بھی کیا ہے اور وہ یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ کے لیے دعا نہیں فرمائی، شاید شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کوئی قول ایسا بھی ہو گا کہ یہ آیات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئیں یا کسی کے دل میں یہ خیال گزر سکتا تھا کہ اِن آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے"۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ کے لیے دعا نہیں فرمائی۔

حدیث و تفسیر کی کتابوں میں اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ سرکار کے ماں باپ کی حیثیت عالمِ آخرت میں کیا ہو گی۔؟

حافظ ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر سلیمان، ابن بریدہ سے اور بحوالہ ابن

---

[1] حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کو کمزور ہونے کی وجہ سے نقل ہی نہیں کیا۔

ابی حاتم عبداللہ ابن مسعودؓ سے اور بحوالہ طبرانی ابن عباسؓ سے یہ روایتیں نقل کی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں کے لیے دعاءِ مغفرت کی اجازت طلب کی لیکن خداوند تعالیٰ کی طرف سے انکار کر دیا گیا۔

البتہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے آپؐ کی والدہ کو دوبارہ زندہ کیا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور پھر وفات پاگئیں .... لیکن ابن کثیر جیسے محقق نے اس کے متعلق لکھا (بسند فیہ جماعت مجھولون) مجہول راویوں سے یہ روایت نقل کی گئی ہے جو اعتبار اور استدلال کے قابل نہیں ہے۔

"حافظ ابن وحیہ نے اس روایت کی بنا پر کہا کہ حضرت آمنہ کی یہ زندگی ایسی ہی تھی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ نکل آیا تھا اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی تھی"۔

امام قرطبی نے اس کے متعلق لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب اور آپ کی والدہ آمنہ کو دوبارہ حیات عطا فرمائی اور یہ بات عقل اور شریعت کی رو سے ناممکن نہیں ہے۔

اس بحث کو نقل کرنے کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں۔

یہ تمام بحث اس بات پر موقوف ہے کہ جس روایت پر اس کی بنیاد ہے وہ روایت صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ روایت صحیح ہو تو دوبارہ زندگی کو تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ (ابن کثیر مطبوعہ مصر ج ۲ صفحہ ۳۹۴)

اس تمام بحث سے پتہ چلتا ہے کہ محققین علمائے حدیث نے روایتی طور

پر دعاء اور دوبارہ حیات کی حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور اسے صحیح اور ثابت حدیث تسلیم نہیں کیا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے اپنے فائدہ میں اس کی تصریح کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اپنے ماں باپ کے لیے ثابت نہیں ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جناب ابو طالب کے ایمان و کفر کے بارے میں بھی محدثین ہی کے قول کو ترجیح دی ہے جو حضرات محدثین کا مسلک ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۵۶ کا فائدہ۔

آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ الخ — تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے، پر اللہ راہ پر لادے جس کو چاہے اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آویں گے۔

(فائدہ) ..... "حضرت نے اپنے چچا کے واسطے سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ ہی کہے، اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری"۔

سجدۂ تعظیمی کی حرمت

بعض لوگوں نے تعظیمی سجدہ کو جائز کہا ہے، لیکن علماء حق بالاتفاق اسے حرام قرار دیتے ہیں، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رح کی رائے بھی جمہور علماء کے ساتھ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے

واقعہ میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے گھر والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سر جھکایا اور تعظیم کے طور پر سجدہ کیا۔ اس آیت پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تشریحی نوٹ یہ ہے:-

پہلے وقت میں سجدہ تعظیم تھے آپس کے، فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا ہے، اس وقت اللہ نے وہ رواج موقوف کیا...... وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ الخ۔

اس وقت پہلے رواج پر چلنا ویسا ہے کہ کوئی بہن سے نکاح کرے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہوا ہے۔"

شاہ صاحبؒ نے سجدہ کو منسوخ کرنے والی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا (الجن نمبر؟) — اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔

"المساجد" کیا صیغہ ہے؟ اگر یہ ظرف کا صیغہ ہے تو اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں

۱:- سجدہ کی جگہ، یعنی عبادت خانے، جو نماز کے لیے بنائے جائیں ان میں خدا کے سوا کسی اور کو پکارنا شرک کی بدترین صورت ہے، ویسے کسی جگہ بھی شرک کرنا روا نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہی قول اختیار کیا ہے، شیخ کا ترجمہ یہ ہے۔

۲:- دوسرا قول یہ ہے کہ سجدہ کے اعضاء، پیشانی، دونوں ہاتھ گھٹنے اور دونوں قدم، سب اللہ کے لیے ہیں۔ اللہ نے انہیں تخلیق فرمایا ہے اور جائز نہیں کہ اس مالک و خالق کے سوا کسی دوسرے کے سامنے انہیں جھکایا جائے۔ (جلالین بحوالہ مدارک ص۴۷۷)۔ اس وقت یہ اسم آلہ ہوگا۔
شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول اختیار کیا ہے۔
ایک تیسرا قول تھانوی صاحب نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مساجد مصدر میمی کی جمع ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔
"اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہے سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو"۔[1] جمہور کا ترجمہ پہلے قول کے مطابق ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے تفسیر کا جو قول اختیار کیا ہے اردو مترجمین میں شاہ صاحبؒ اس میں بالکل منفرد نظر آتے ہیں۔
دراصل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کردہ ترجمہ میں اس غلط فہمی کی تردید کی گئی ہے کہ سجدہ تعظیمی کو جائز کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ "سجدہ" اصطلاح شریعت میں صرف زمین پر پیشانی رکھنے اور جھکنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کی نیت رکھ کر زمین پر سر رکھنا سجدہ کہلاتا ہے، اس لیے بزرگوں کے مزارات پر سر رکھنا، سجدہ نہیں ہے بلکہ ادب و تعظیم ہے۔ جو خاص طور پر عجم کا قدیم دستور ہے۔

---

[1] بعض نسخوں میں مولانا تھانویؒ کا ترجمہ غلط نقل کیا گیا ہے اور سجدہ کی جگہ مسجدیں لکھا گیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کے سات اعضاء کو کسی غیر کے سامنے سجدہ کے طریقہ پر جھکانا یہی وہ سجدہ ہے جو غیر اللہ کیلئے حرام قرار دیا گیا ہے، ؟........ اس کا سوال نہیں۔ اس موقعہ پر یہ واضح کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض صوفیائے چشت کے ہاں سجدہ تحیۃ و تعظیم کا بڑا رواج نظر آتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اس پر روشنی ڈالی ہے، ملاحظہ کیجئے۔

سوال:- ..... فوائد الفواد مرتبہ خواجہ میر حسن سنجریؒ میں لکھا ہے کہ بابا فرید صاحب اور سلطان المشائخ کی مجلس میں سجدہ کی رسم جاری تھی (ص ۱۵۹)

جواب:- ..... سجدۂ عبادت ہر دور میں ہمیشہ حرام رہا ہے البتہ سجدہ تعظیمی سابقہ شرائع میں جائز تھا۔ مگر شریعت محمدیہ میں یہ سجدہ حرام کر دیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سجدہ کی حرمت پر احادیث متواتر ہیں، حقیقت سجدہ پیشانی بر زمین رسانیدن است، یہ حرام ہے تواتر سے۔ (تفسیر عزیزی ص۱۱۱)

مشائخ چشت کے دور میں احادیث کا چرچا کم تھا۔ متواتر احادیث کا ان کو علم نہ ہو سکا، مرزا مظہر جانِ جاناں نے ایک مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کی حدیث مجدد صاحبؒ تک نہیں پہنچی۔ اسی لیے مجدد صاحبؒ نے "رفع سبابہ" کی سنیت سے انکار کر دیا ہے

وجہ لکھتے ہیں۔

"با زمانہ مبارک حضرت ایں کتب در رسال در دیار ہند شہرت نیافت بود۔ از نظر مبارک ایشاں نہ گزشتہ۔"[1]

مجدد صاحبؒ کے دور میں احادیث کی شہرت اس ملک میں نہیں تھی۔ مشائخ چشت اگرچہ متاخرین ہیں اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب دہلویؒ، احادیث لا چکے تھے پھر بھی احادیث کی شہرت بہت کم تھی، کتب حدیث کی اشاعت شاہ ولی اللہؒ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہوئی جو بہت بعد کا زمانہ ہے
(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲ ص ۲۳۵)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دور خاص کر ان کا اپنا ماحول حدیث کی تعلیم و اشاعت کا خاص دور تھا، پھر حضرت کے ترجمہ میں کمزور احادیث سے استدلال اور صحیح احادیث کو نظر انداز کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت مفتی اعظمؒ کی تحقیق

سجدہ کے متعلق مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ کی تحقیق بڑی جامع ہے اس کا ضروری اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

سجدہ تعظیمی اور سجدۂ عبادت ایک چیز ہے اور سجدہ تحیۃ دوسرا ہے سجدہ تعظیم اور سجدہ عبادت غیر اللہ کے لیے کفر ہے کیونکہ غیر اللہ کی تعظیم سجدہ کے

---

[1] حضرت خواجہ اجمیریؒ وفات ۶۳۳ھ، شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ وفات ۱۰۵۲ھ۔

ساتھ کرنا اور اس کی عبادت سجدہ کے ساتھ کرنا دونوں کا مفاد ایک ہے۔
ہاں، سجدۂ تحیۃ میں مقصد جداگانہ ہوتا ہے، تحیۃ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے
ملنے والے کو ملاقات کے وقت کوئی ایسا لفظ کہنا یا ایسا کام کرنا جو تہذیب ملاقات
اور ملنے والے کی خوشنودی کا باعث ہو تحیۃ کہلاتا ہے۔
تحیۃ کے لیے ضروری ہے کہ ملنے والا بڑا ہو بلکہ برابر درجہ والا اور
چھوٹے بڑے سب تحیۃ کے مستحق ہوتے ہیں اور تحیۃ کا معاملہ سب کے ساتھ
کہلاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اور ان کے صاحبزادوں کا سجدہ حضرت
یوسف علیہ السلام کے لیے سجدۂ تعظیم نہ تھا بلکہ سجدہ تحیۃ تھا کیونکہ اس زمانہ میں
ملاقات کے وقت تحیۃ کا یہ طریقہ رائج تھا، قرآن پاک میں ملائکہ کا سجدہ حضرت
آدم علیہ السلام کو بھی تحیۃً تھا۔...... جو سابقہ شریعتوں میں جائز تھا۔

اب شریعت محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ سجدہ تعظیمی یعنی سجدہ عبادت غیر اللہ
کے لیے اتفاقاً کفر ہے اور سجدہ تحیۃ غیر اللہ کے لیے حرام ہے، اور اس کے جواز
کی کوئی دلیل نہیں، جو لوگ قرآن مجید میں ذکر کیے ہوئے سجدوں سے شریعت محمدیہ
میں سجدہ تحیۃ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں وہ قانون استدلال و احتجاج سے
ناواقف ہیں۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۲۳۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سورہ النمل میں کہا گیا۔
قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل

قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (النمل نمبر۴۴)	میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں، کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے اس میں شیشے۔

اس آیت کی نہایت معقول اور حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر کی شانِ رسالت کے لحاظ سے نہایت سنجیدہ تشریح حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے تشریحی فوائد میں اس طرح ہے ......"یعنی پانی میں گھسنے کے لیے ملکہ بلقیس نے پائینچے چڑھا لیے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائینچے چڑھا لیتا.... حضرت سلیمان علیہ السلام دیوان خانہ میں بیٹھے تھے اس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا، صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے اور ممکن ہے شیشے کے نیچے واقعی پانی ہو۔ یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو، اس نے پانی میں گھسنے کے لیے پنڈلیاں کھولیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے پکارا کہ یہ شیشہ ہے پانی نہیں۔

اس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھے ہیں وہ ہی صحیح ہو گا۔ .....(حمائل صہ ۴۹۳)

مولانا کا یہ تشریحی نوٹ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد سے ماخوذ ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے الفاظ ہیں۔ عبارت کو تھوڑا سا سلیس کر دیا گیا ہے۔

مولانا نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد کے آخری جملے نقل نہیں کیے اور انہیں چھوڑ دیا۔

وہ جملے یہ ہیں :-

"حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں بکری کی طرح اس طرح معلوم کر لیا کہ سچ تھے۔ اس کی دوا تجویز کی۔ نورہ کہتے ہیں کہ وہ پری کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی، یہ اثر اس کا تھا۔"

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تشریحی فوائد میں صاف اشارہ کر دیا ہے کہ پنڈلیوں کے بال والا واقعہ مرجوح ہے، کمزور ہے، کیونکہ اسے آخر میں نقل کیا ہے، محض روایتی شہرت کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔

"کمالِ عقل" کے اظہار والی بات کو شاہ صاحبؒ راجح قرار دے رہے ہیں اور اسی لیے اس کو پہلے نقل فرماتے ہیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اور مولانا احمد سعید صاحب نے دوسرے قول کو مرجوح اور کمزور سمجھ کر ہی نظر انداز کر دیا ہے۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ اور یہ عبارت لکھی ہے۔

بعض مفسرین نے اس موقعہ پر بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جن کا مبنیٰ محض اسرائیلی روایات ہیں اور وہ قابل اعتبار نہیں (ضمیمہ ۶۰۶)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو پھر بھی بہت احتیاط کے ساتھ اوپر والی سطریں تحریر فرمائی ہیں لیکن مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادیؒ جیسے محقق عالم پر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے ایک قدم آگے بڑھا کر اسرائیلی خرافات کی پوری پوری ترجمانی کر دی ہے۔ مولانا اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

بغرض نکاح عورت پر نظر کرنے کی اجازت کی۔ احادیث میں تو صراحت ہی ہے۔ فقہا نے استنباط قرآن کے اس مقام سے بھی کیا ہے۔ (تفسیر ماجدی

النمل ۶۶)

وہ کون سے فقہاء ہیں جنہوں نے استنباط فرمایا ہے اسے تو مولانا ہی واضح فرما سکتے ہیں، جہاں تک مستند تفاسیر کا تعلق ہے کسی مفسر سے اس قسم کا کوئی استنباط منقول نہیں۔

مولانا موصوف فقہی مسائل اور سلوک و تصوف کے نکات میں اکثر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بیان القرآن کو سامنے رکھتے ہیں لیکن اس نوٹ میں بیان القرآن کی بجائے غالباً تفسیر روح البیان کے غیر مستند حوالے مولانا کے پیش نظر رہے ہوں گے۔ حضرت تھانویؒ نے اس مقام کی تفسیر میں اس طرح کی کوئی بات تحریر نہیں فرمائی اور اپنی تفسیر میں اسرائیلیات کا ایک لفظ داخل نہیں کیا۔

مشہور مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض آثار ایسے نقل کیے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی طرف سے اس قسم کی تدبیر کی تاکہ پنڈلیاں کھولنے پر مجبور ہو جائے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی پنڈلیاں دیکھ سکیں۔

ان آثار میں اس تدبیر کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس سے شادی کرنا چاہتے تھے، لیکن آپؑ نے یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور اس کے ٹخنے چوپاؤں کے کھروں جیسے ہیں، چنانچہ اس تدبیر سے آپؑ نے اس کی پنڈلیاں دیکھیں اور آپ کو معلوم ہوا کہ بلقیس کی پنڈلیاں اور پیر عام انسانوں جیسے ہیں

یہی وہ آثار ہیں جن پر مولانا عبدالماجد صاحبؒ کے نقل کردہ استنباط کی

بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

ان آثار میں جو خرافات ذکر کی گئی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ بلقیس کی پنڈلیوں پر بال دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ انہیں استرے سے مونڈ دیا جائے یا چونے وغیرہ سے صاف کر دیا جائے۔

"لاحول ولا قوۃ"

حافظ ابن حجر نے ان آثار کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ آثار عطاء بن سائب کے وہم کا پلندہ ہیں اور قرین قیاس یہ ہے کہ یہ حکایات بنی اسرائیل کے دفتر خرافات سے لی گئی ہیں اور کعب و وہب کے ذریعے مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں کے لیے دعا کرنے کے بعد لکھتے ہیں
یہ حکایات اعتماد کے قابل نہیں خدا تعالیٰ نے ہمیں اس قسم کی حکایتوں کا محتاج نہیں رکھا اور ہمیں وہ کتاب عنایت فرمائی اور اپنے آخری رسول کی وہ باتیں ہم تک پہنچائیں کہ جو اسرائیلیات سے بہت زیادہ مفید اور محتاط ہیں
(تفسیر ابن کثیر جزء ثالث ص ۲۶۴)

یہی وجہ ہے کہ محققین نے ان اسرائیلی خرافات کو ہاتھ نہیں لگایا سوائے صاحب روح البیان کے، صاحب روح البیان نے بعض غیر مستند حوالوں سے اس قسم کے استنباط کیے ہیں جن کی طرف تفسیر ماجدی کا نوٹ اشارہ کر رہا ہے۔

اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہودیوں کے ہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیثیت صرف ایک بادشاہ کی ہے، رسول اور نبی کی نہیں، اس لیے

یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف رکیک سے رکیک باتیں منسوب کرنے سے گریز نہیں کرتے، یہاں تک کہ ان روایات کے آئینے میں معاذاللہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک ہوس پرست بادشاہ نظر آتے ہیں۔

بھلا قرآن کریم کے حضرت سلیمان علیہ السلام کہاں اور اسرائیلی سلیمان کہاں۔؟

قرآن حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک باعظمت رسول کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ قرآن کے نزدیک نبوت کا مقام بڑا نازک ہے۔ وہ رسول کو انسان تسلیم کرنے کے باوجود تمام انسانیت سے اعلیٰ وارفع تسلیم کرتا ہے، اخلاق و کریکٹر کے لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ ایک رسول اپنے دور کا فرشتہ خصلت انسان ہوتا۔

اس واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے بلقیس سے نکاح کا ارادہ کیا اور اس کی پنڈلیاں کھلوا کر ان پر نظر ڈالی۔ ایک رسول کی شان سے گری ہوئی بات ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو دعوتِ اسلام کے لیے بلاتے ہیں اس کو اپنے قاہرانہ معجزات دکھلاتے ہیں۔ غیر اللہ پرستی سے خدا پرستی کی طرف اس کی توجہ مبذول کرتے ہیں۔ دنیاوی عیش کے مقابلہ میں آخرت کا یقین اس کے دل میں ڈالتے ہیں، ان مقاصد کے لیے بلانے والا رسول تبلیغ اور دعوت دین کے دوران میں ہی یہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ مجھے اس سے شادی کرنی ہے۔ آؤ کسی بہانے سے اس کی پنڈلیاں دیکھ لو۔

بہرحال قرآنی بیان کی روشنی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہم اسرائیلیات

سے متاثر ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف نکاح کے ارادے کو منسوب کریں اور اس پر ایک فقہی استنباط کی بنیاد رکھیں۔

بہرحال سورۂ النمل کی یہ ایک مثال ضرور سامنے آئی جس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد میں اسرائیلی روایات کا کچھ حصہ شامل ہو گیا ہے، ورنہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ میں ہر جگہ بہت محتاط نظر آتے ہیں۔

تسامحات

قرآنِ کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں روایات و آثار کا جو ذخیرہ متاخرین علماء کے ہاتھوں میں پہنچا ہے اس کا زیادہ تر حصہ غیر مستند ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآنِ کریم کی سب سے زیادہ معتبر اور صحیح تفسیر وہی ہو سکتی ہے جو آپ سے براہِ راست علم حاصل کرنے والے حضرات صحابہ کرامؓ سے روایت کی گئی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تفسیر قرآن کے لیے حدیث واثر کے نام سے ہر قسم کی جعلی اور موضوع باتوں کو تسلیم کر لیا جائے۔

علامہ سیوطی نے اتقان میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔

قال احمد ثلاثة كتب ليس لها اصل التفسير والملاحم	تین کتابیں احادیث کی ایسی ہیں جن کی اصل نہیں تفسیری روایت پیش گوئیوں

والمغازی (ج ۲ ص۵۳۶) اور غزوات سے متعلق واقعات واقوال

پھر سیوطی نے اپنی رائے ان لفظوں میں دی ہے۔

اصل المرفوع منہ فی غایۃ القلۃ (ج ۲ ص۱۸۱) — ایسی روایات جو براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ منقول ہوں تفسیر کے سلسلہ میں بہت کم ہیں۔

روایات کے بعد آثار صحابہ کا درجہ ہے اور ان میں خاص طور پر حضرت ابن عباسؓ کے اقوال زیادہ مشہور ہیں ان کے متعلق سیوطی محققین علماء کا فیصلہ نقل کرتے ہیں۔

وھذہ التفاسیر الطوال التی اسندوھا الی ابن عباس غیر مرضیۃ و رواتھا مجاھیل (ص۵۵۳) — یہ لمبی لمبی تفسیری روایتیں جو ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہیں سب غیر پسندیدہ ہیں، سند کے لحاظ سے اور ان کے راوی و ناقل مجہول اور نامعلوم اشخاص ہیں۔

امام شافعیؒ نے جب اقوال ابن عباسؓ پر تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی۔ تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے۔

لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الا شبہ بمائۃ حدیث۔ (ص۵۵۴) — تقریباً سو روایتوں کے سوا حضرت ابن عباس کی طرف منسوب اقوال صحیح ثابت نہیں ہو سکے۔

اس مسئلہ کی وضاحت میں مولانا مناظر حسن صاحب گیلانی نے

حضرت مولانا سید محمد انور صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

احادیث کے سب سے معتبر اور صحیح مجموعے بخاری شریف میں تفسیری روایات کا حصہ دوسری قسم کی احادیث کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور اس میں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منقول روایات سے زیادہ قرآن کریم کی لغوی تشریح پر زیادہ توجہ دی ہے۔

اس تشریح کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شارح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام نے اس تشریح میں ابو عبید معمر ابن المثنیٰ کی کتاب "مجاز القرآن" پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ تھی کہ:۔

لم یعرج الی النقد اصلاً امام بخاری نے معمر کے اقوال تنقید کے بغیر اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں۔ اسی لیے ابن المثنیٰ کی کتاب میں جو نقائص پائے جاتے ہیں وہ کوتاہیاں صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں باقی رہ گئی ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، بخاری میں جو تفسیری اقوال پائے جاتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محض ان کے ناقل ہیں، یہ سمجھنا غلط ہے کہ امام بخاریؒ کا اپنا فیصلہ بھی یہی ہے۔ .... (صہ ۱۲۲ حیات انور بحوالہ فیض الباری)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ تھا کہ تفسیر قرآن کے بارے میں نہ یہ مسلک صحیح ہے کہ جب تک کسی آیت کی تفسیر کے لیے کوئی روایت نہ

ہو وہ تفسیر صحیح نہیں"..... اور نہ یہ آزادروی درست ہے کہ سلف صالحین کے مستند خیالات اور لغت عربی اور سباق و سیاقِ قرآنی سے بالکل بے نیاز ہو کر قرآن کریم کی من مانی تشریح کی جائے، بلکہ تفسیر کے صحیح طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے تھے۔

ومن حجر على العلماء ان لا يبرزوا معاني الكتب بعد الامعان في السباق و السياق والنظر الى حقائق الالفاظ المراعية لعقائد السلف	علماء کو اس بات سے کس نے روکا ہے کہ وہ کتاب الٰہی کے مطالب بیان کریں اس طرح کہ ان کے سامنے سیاق و سباق ہو، الفاظ قرآنی کے حقائق (لغوی معنی اور مرادی مفہوم) ہو اور ساتھ ہی سلف صالحین کے مسلمہ تصورات و عقاید کی رعایت ملحوظ رہے۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

بل ذالك حظهم من الكتب فانهم هم الذين ينظرون في عجائبه ويكشفون الاستار عن وجوه دقائقه ويرفعون الحجب عن خبيات حقائقه فهذا النوع من التفسير بالرائ حظ اولى العلم ونصيب العلماء المستنبطين۔	بلکہ کتاب الٰہی میں علماء کا درحقیقت یہی حصہ ہے کہ وہ اس کتاب کے نئے نئے پہلوؤں پر غور کرتے ہیں اور اس کے پوشیدہ اسرار سے نقاب الٹتے ہیں، جو باتیں چھپی ہوئی ہیں انہیں باہر لاتے ہیں۔ اگر یہی تفسیر بالرائے ہے تو اہل علم کا حقیقت میں یہی حصہ ہے اور کتاب الٰہی سے مسائل کا استخراج کرنیوالے

علماء کی یہی غذا ہے۔

راقم نے تمہید کے طور پر یہ چند باتیں اس لیے بیان کی ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

شاہ صاحبؒ نے ترجمہ اور فوائد میں براہِ راست قرآنِ کریم کے اسرار و رموز پر غور کر کے ان کے چہرہ سے نقاب اٹھائی ہے، شاہ صاحبؒ کے فوائد میں خاص طور پر ایسی ایسی حکیمانہ تفسیریں ملتی ہیں جن سے تفسیر کی اگلی کتابیں بالکل خالی نظر آتی ہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ہر آیت کی تفسیر میں روایت و اثر پر تکیہ نہیں فرمایا بلکہ آیات اللہ کے اندر چھپے ہوئے گہرے معانی اور اسرار کو الہامی نور و بصیرت سے دیکھا اور وہ اسرار کے موتی موضح قرآن کے صفحات پر بکھیر دیئے۔

لیکن تفسیری کتابوں کے ذخیرہ میں جو اسرائیلی روایات اور موضوع آثار (اقوال صحابہ و تابعین) بکھرے پڑے ہیں آخر شاہ صاحبؒ ان سے اپنا دامن کہاں تک بچاتے۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے کمزور روایات سے بہت احتیاط برتی ہے مگر پھر بھی بعض مقامات میں ان غیر مستند آثار کو ان کی شہرت کی بناء پر قبول کرنے پر مجبور رہے ہیں۔

اس عنوان کے تحت وہ چند مقامات "تسامحات" کے نام سے درج کیے جا رہے ہیں۔

جن اور آسیب کے تصرف کا قرآن سے اثبات

قرآن کریم کی دو آیات ایسی ہیں جن سے متاخرین مفسرین نے جن اور آسیب کے اثر و تصرف کا اثبات کیا ہے ایک (البقرہ ۲۷۵) اور دوسری آیت (الانعام نمبر ۱۷) ..... قبل اس کے کہ ہم متاخرین علماء کی تشریحات درج کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے متقدین مفسرین اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین کی تشریحات نقل کر دیں، کیونکہ قرآن کریم کی تشریحات کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین کا قول سب سے مقدم درجہ رکھتا ہے۔

پہلی آیت یہ ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ	ای لا یقومون من قبورھم یوم
اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ	القیٰمۃ الا کما یقوم المصروع
الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ	حال صرعہ وتخبط الشیطان لہٗ۔

..... یہ محدث ابن کثیر کی تشریحی عبارت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سود خور اپنی قبروں سے قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح ایک مرگی زدہ انسان اور شیطان زدہ انسان ہوتا ہے۔ (ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۶)

اس کے بعد ابن کثیر رحؒ نے صحابہؓ و تابعین کے تفسیری اقوال نقل کیے ہیں:-

۱:- قال ابن عباسؓ	ابن عباس فرماتے ہیں
۲:- آکل الربا یبعث یوم القیٰمۃ مجنونا یخنق......	سود خوار قیامت کے دن پاگل کی طرح اٹھے گا جس کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو۔

یہی قول سعید ابن جبیر، سدّی، قتادہ اور مقاتل کا ہے (//)
لغت عربی میں خبط کے معنی ضرب شدید کے کہتے ہیں اور مَسّ
کے معنی چھونے کے، اور یہ لفظ جنون کے مفہوم میں بھی بولا جاتا ہے۔
ابن کثیرؒ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ جس طرح ایک شخص کو مرگی کا دورہ
پڑتا ہے یا اسے شیطان چھو کر، بہکا کر پریشانی میں ڈال دیتا ہے اور وہ شخص
بدحواس ہو جاتا ہے یہی حال اس کا ہو گا۔

دوسری آیت..... ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔

كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗ اِلَى الْهُدَى (الانعام ۷۱)

فیکون مثلنا مثل الذی استھوتہ الشیطن و استھوتہ فی الارض و اصحابہ علی الطریق..... ایدعونہ الیھم.........

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر ہم ہدایت پانے کے بعد
بے راہ ہو گئے تو ہماری مثال اس شخص کی سی ہو گی جسے شیطان زمین میں گمراہ کر دے
اور وہ گم کردہ راہ ہو جائے اور اس کے رفقاء اسے اپنی سیدھی راہ پر بلائیں کہ
ادھر آ، یہ راہ سیدھی ہے۔

اِس کے بعد ابن کثیر آثار تابعین نقل کرتے ہیں۔

۱:- قال قتادۃ — یعنی امام قتادہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے

استھوتہ الشیطن فی الارض — کہتے ہیں کہ..... شیطان نے اسے راہ

اضلتہ فی الارض یعنی استھوتہ — سے بے راہ کر دیا ہو اور اس کی سیرت

سیرتہ کقولہٖ تھوی الیھم | اور عادت کو خراب کر دیا ہو، جیسے دوسری آیت میں فرمایا....
تھوی الیھم (ابراہیم ۳۷) | ان کے دل ان کی طرف جھکا دے۔

۲:- عن مجاھد قال

رجل حیران یدعوہ اصحابہ الی الطریق.... | یعنی وہ شخص حیران و سرگرداں کھڑا ہوا اور اس کے ساتھی اسے سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہوں۔

۳:- عن ابن عباس | یعنی وہ شیطان کا تابعدار ہو گیا ہو

وھو رجل اطاع الشیطن عمل بالمعصیۃ وحاد عن الحق ولہ اصحاب یدعونہ الی الھدی | اور گناہ کرنے لگا ہو اور حق سے دور ہو گیا ہو اور اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہوں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴۵)

ان دونوں آیتوں میں حضرات صحابہؓ و تابعین اور متقدمین مفسرین نے جو سادہ اور صاف تقریر کی ہے اس میں کہیں جن اور آسیب کے لپٹنے کا تصور موجود نہیں ہے۔

ان حضرات کے نزدیک دونوں جگہ ’شیطان‘ سے مراد وہی ابلیس ہے جو لوگوں کو راہ سے بے راہ کرتا ہے اور شیطان کے چھونے اور اس کے مارنے سے اس کا گمراہ کرنا اور وسوسوں میں ڈالنا مراد ہے۔

کسی صحابی اور تابعی نے شیطان کے معنی جن اور آسیب نہیں کیے اور

نہ کسی نے مَسّ اور خبط کے معنی آسیب زدگی کے کیئے۔

معتزلہ کی رائے

معتزلہ اور اہل سنت کی رائے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرات صحابہؓ اور تابعین کی سیدھی اور صاف تفسیر کو چھوڑ کر ان ہر دو آیات سے جنات اور آسیب زدگی کے تصور کو ثابت کرنا شروع کیا اور معتزلہ کو اس کی تردید کے لیے دلائل دینے پڑے۔

امام رازیؒ نے جنات کے تصرف کو ماننے والوں اور اس کا انکار کرنے والے معتزلہ کی تمام بحث کو نقل کیا ہے جو اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ ملاحظہ کیجیئے

جبائی معتزلہ کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ جنون و پاگل پن کی کیفیت شیطان کے چھونے سے پیدا ہوتی ہے لیکن خیال باطل ہے اور اس کی حسب ذیل دلیلیں ہیں۔

۱:۔ شیطان اپنے اندر اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ لوگوں کو پاگل کر دے اور ہلاک کر دے، کیونکہ شیطان نے خود یہ کہا ہے۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ اور نہیں تھی میرے پاس تم پر کوئی طاقت مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلایا۔

شیطان صرف بلاتا ہے نہ اس میں انسان کو قتل کرنے کی طاقت ہے اور نہ پاگل کرنے کی اور ایذاء پہنچانے کی۔

۲:۔ اگر شیطان اور جن کثیف اور مادی ہیں تو وہ نظر کیوں نہیں آتے

اور جسم کثیف کے ساتھ انسان کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں اور اگر لطیف جسم رکھتے ہیں تو ان میں اتنی قوت کیسے پیدا ہو سکتی ہے کہ انسان کو قتل کر دیں اور تکلیف میں مبتلا کر دیں۔

۳:۔ اگر شیطان مارنے اور قتل کرنے کی قوت رکھتا ہے تو وہ پیغمبروں کی طرح معجزات و کرامات بھی دکھا سکتا ہے اور اس سے نبوت کے کمالات مشتبہ ہو جاتے ہیں۔

۴:۔ شیطان اگر قدرت رکھتا ہے تو پھر وہ تمام اہلِ ایمان کو اذیت میں مبتلا کیوں نہیں کرتا جب کہ وہ ان سب اہل ایمان کا دشمن ہے۔

نوٹ :۔ واضح رہے کہ شیطان بھی ایک خبیث جنات میں سے ہے۔

قائلین کے دلائل

جو لوگ جنات و شیاطین میں اتنی طاقت کے قائل ہیں۔ وہ یہ دلائل دیتے ہیں۔

۱:۔ جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں کیسے کیسے کام کیئے۔

یعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان

کالجواب وقدور راسیات....

معتزلہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا جنات کو خداوند تعالیٰ نے ان کے قبضہ میں دے دیا تھا

دوسری دلیل قائلین کی یہ ہے کہ البقرہ ۲۷۵ میں صراحت سے کہا گیا

ہے کہ :-

یتخبطہ الشیطان من المسّ .... اس کا جواب معتزلہ نے یہ دیا ہے کہ اس "مس" سے مراد وہ وسوسہ اور برا خیال ہے جو انسان کو بدحواس کر دیتا ہے جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا -

اِنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ..... مجھ کو لگا دی شیطان نے ایذا و تکلیف (ص ۴۱)

انسان کمزور خلقت پیدا ہوا ہے وہ شیطانی وسوسوں اور خیالات کو دور نہیں کر سکتا اور ان خیالات وساوس سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کے حواس اور اس کی عقل متاثر ہو جاتی ہے -

چنانچہ قائلین اور محتاط اور دانش مند لوگ شیطانی وساوس سے اس درجہ مغلوب نہیں ہوتے یہ جنات و شیاطین وہیں کامیاب ہوتے ہیں جہاں مزاج اور عقل کی کمزوری پاتے ہیں - (حوالہ مذکور)

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ معتزلہ جنات اور شیاطین کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، صرف ان میں کسی کو بیمار ڈالنے اور قتل کرنے کی طاقت سے انکار کرتے ہیں -

قفال شافعی کی رائے

امام رازی نے قفال شافعی کی رائے یہ نقل کی ہے کہ قرآن کریم نے ان آیات میں عرب عوام کے خیال اور عقیدہ کے مطابق سود خور کی مثال بیان کی ہے عرب جس بات کی برائی ظاہر کرنا چاہتے ہیں اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیتے

ہیں۔ قرآن مجید خود اس نظریہ کا حامی نہیں ہے کہ جن اور آسیب کی جھپٹ بھی کوئی

چیز ہے۔

امام رازی کا راجح قول

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تمام بحث کو نقل کرنے کے بعد آیت

بقرہ کی تاویل میں اہل سنت کے تین قول نقل کیے ہیں اور پھر تیسرا قول راجح اور

اقرب قرار دے کر یہ تقریر کی ہے۔

اس آیت میں شیطان کے چھونے کا وہی مفہوم ہے جو اعراف کی حسب

ذیل آیت میں ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا — جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر، چونک گئے

شیطان کے "مَسّ" چھونے سے مراد یہ ہے کہ شیطان شہوانی لذتوں

کی طرف بلاتا ہے اور جو اس کی بات قبول کر لیتا ہے وہ دنیا کے معاملات میں

بدحواس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ شہوانی اثرات اسے شہوات کی طرف کھینچتے

ہیں اور اس کا ضمیر اور عقل سلیم اسے نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف کھینچتا ہے اور اس

کھینچا تانی میں وہ بدحواس آدمیوں کی طرح ہاتھ پیر مارتا ہے اور یہی کیفیت وہ خبط ہے

جو شیطان کے فعل سے پیدا ہوتا ہے۔

وھذا التاویل اقرب عندی...... یہ تاویل میرے نزدیک مرادِ

خداوندی سے قریب تر ہے۔ (کبیر ج ۲ ص ۵۳۳)

اعراف ہی میں اس آیت سے اوپر والی آیت میں کہا گیا ہے۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ — اور کبھی ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ پکڑ اللہ کی۔

معلوم ہوا کہ کسی جگہ شیطان کے حملہ کو نزغ کے لفظ سے، کسی جگہ خبط اور کسی جگہ "مس" اور کسی جگہ اغوار سے تعبیر کیا گیا ہے اور حقیقت سب کی ایک ہی ہے۔

تفاسیر میں تفسیر ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) ہمارے موجودہ تفسیری ذخیرہ کا ماخذ اول ہے، اور تفسیر ابن کثیر اسی تفسیر کا خلاصہ ہے۔

ابن کثیرؒ کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی، یہ تفسیر تمام اہل سنت میں متداول اور متعارف ہے، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کی تصنیف ہے۔ امام کا وصال ۶۰۶ھ میں ہوا ہے۔ امام نے اپنی تفسیر میں معتزلہ کے کلامی عقائد پر سخت تنقید کی ہے اور اہل سنت کے عقائد کی پر زور وکالت کی ہے۔

امام رازی اور ابن کثیرؒ کے وقت تک ان دونوں آیتوں سے کسی نے جن اور آسیب اور بھوت پریت کی بحث کا جوڑ نہیں لگایا البتہ تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اپنی تفسیر میں ان آیات سے آسیب اور جنات کے تصرف پر استدلال کیا ہے اور معتزلہ اور امام قفال شافعی کو اس کے انکار پر بہت برا بھلا کہا ہے اور بد دعا تک دی ہے۔ فاحذ دھم قاتلھم اللہ انی یؤفکون۔ (روح ۳ صہ ۴۹)

اس تمام بحث کا حاصل یہ نکلا کہ متقدمین علماء کی تفسیروں کے پانچسو برس کے بعد ان آیات کی تفسیروں میں یہ تصورات داخل ہوئے اور پھر اس کے بعد تمام عربی اور اردو تفسیروں اور ترجموں میں داخل کیے جاتے رہے۔

امام رازی کا اس بحث میں یہ مؤقف معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب ان آیات سے آسیب زدگی کے ثبوت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ (البتہ اس سے انکار بھی نہیں کرتے کیونکہ بعض احادیث اور آثار سے اس کا ثبوت ملتا ہے)۔ اور یہ مؤقف حضرات صحابہ کرامؓ و تابعین اور حافظ ابن کثیر کی تشریحات کے بالکل مطابق معلوم ہوتا ہے

متاخرین مترجمین کے تراجم

ہمارے تمام فارسی اور اردو مترجمین نے روح المعانی اور تفسیر مظہری کو ماخذ قرار دیا کسی بزرگ نے شیطان کا ترجمہ "دیو" کیا ہے اور کسی نے "پریاں" کیا ہے اور "مس" کا ترجمہ تمام حضرت آسیب کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انہیں پیش رو مترجمین کے مطابق بقرہ کی آیت کا ترجمہ کیا ہے...... جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپیٹ کر...... الانعام کی آیت کا ترجمہ کیا ہے......: جیسے ایک شخص کو بھلا دیا جنوں نے جنگل میں بہکتا......

مولانا تھانویؒ نے بقرہ کی آیت پر لکھا ہے......" اس سے معلوم ہوا کہ آسیب کا لپٹ جانا امر ممکن ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ جنات میں بعض خبیث ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ کسی شخص کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کے تسلط سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے۔" (بیان القرآن ج ا ص ۱۵۶)

الانعام کی آیت پر بھی مولانا کا ایسا ہی نوٹ درج ہے۔ عہد حاضر کے مفسرین میں مولانا ابو الکلام آزادؒ، مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودیؒ نے امام

رازی اور ابن کثیر کی توجیہہ اختیار کی ہے، مولانا آزادؒ حاشیہ پہ لکھتے ہیں ......
قرآن نے اسی حالت کو مرگی کے مرض سے تشبیہہ دی ہے جیسے عربی میں شیطان کے "مَسّ" سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی زر پرستی کے جوش سے تمام انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں اور وہ زبردست پیسہ کے پیچھے پاگل ہو کر رہ جاتا ہے۔

ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں ..... اور کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا کر دیا ہو، یعنی مرگی کا روگی ہو۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲۷۶)

حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰہُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (ص ۲۴)

اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گر اجھک کر۔ اور رجوع ہوا۔

آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جس جانچنے اور آزمانے کا ذکر کیا ہے وہ آزمائش کیا تھی۔؟.......

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آزمائش کی تشریح میں وہ اسرائیلی روایت نقل فرمائی ہے جسے محققین نے یکسر مسترد کر دیا ہے اور اسے خرافات میں شامل کیا ہے اور وہ واقعہ ہے پڑوس کی عورت پر نظر پڑنے کا اور

پھر اس کے شوہر کو لشکر جہاد کے لیے بھجوانے کا اور پھر اس کی شہادت کے بعد سلیمان علیہ السلام کا اس کی بیوی ساتھ شادی کرنے کا۔ معاذ اللہ۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اگرچہ رسول و نبی کی عصمت کے بارے میں پیدا ہونے والے اعتراض کا جواب دیا ہے اور لکھا ہے "اُس میں کسی کا خون نہیں کیا، بے ناموسی نہیں کی مگر کسی کی چیز لے لی تدبیر سے، پیغمبر کی ستھرائی کو اتنا بھی ذرورغ عیب تھا۔ اس پر جانچ ہوئی۔"

اِس صفائی کے باوجود یہ واقعہ ایک رسول کی کسی طرح شایانِ شان نہیں، یہ واقعہ یہود کا من گھڑت افسانہ ہے چونکہ ان کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام صرف ایک بادشاہ تھے، رسول نہ تھے اس لیے انہوں نے اس قسم کا حیا۔سوز افسانہ گھڑنے میں کوئی تامل نہ کیا۔

اسلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک نبی ورسول کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس لیے علماءِ اسلام نے اس افسانہ کو بیہودہ کہانی قرار دے کر اسے مسترد کر دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عام شہرت کی وجہ سے اسے نقل کر دیا ہے اور اس واقعہ کی توجیہہ بھی کر دی ہے۔

مولانا عثمانی رح نے تشریحی نوٹ لکھا ہے .... حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ان کی نسبت لکھا ہے۔

"قد ذكر المفسرون هٰهنا قصة، اكثرها ماخوذ من الاسرائيليات ولم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعه"......

اور حافظ ابو محمد ابن حزم نے کتاب المفصل میں بہت شدت سے ان قصوں

کی تردید کی ہے ۔ اس کے بعد مولانا عثمانیؒ نے آزمائش کی توجیہہ میں حضرت ابن عباس کے قول کو ترجیح دے کر نقل کیا ہے ۔

اردو مفسرین میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان " ان کے صبر و برداشت کا امتحان تھا اور وہ اس طرح کہ ان آنیوالوں نے مختلف گستاخیاں کیں ۔ دیوار پھاند کر اندر آگئے اپنی گفتگو میں بار بار حضرت داؤد علیہ السلام کو نصیحتیں کرتے رہے گویا حضرت داؤد علیہ السلام ایک دنیا دار حکمران تھے جو راہ راست سے ہٹ سکتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ان تمام گستاخیوں کو ایک رسول کی طرح برداشت کیا ایک دنیوی حکمران کی طرح ان پر غیض و غضب کا اظہار نہ کیا البتہ اپنے فیصلے میں ظالم کو مخاطب کر کے اس کی زیادتی پر تنبیہ فرمائی اس کی جگہ آپ نے مظلوم سے خطاب کر کے اس کو تسلی دی ، یہ خطاب عام عدالتی دستور کے لحاظ سے طرفداری کا شبہ پیدا کرتا تھا ۔ اس معمولی سی فروگذاشت پر حضرت داؤد علیہ السلام نے استغفار کیا اور خدا تعالیٰ سے معافی طلب کی ، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش ان کی عاجزی اور بندگی میں تھی ، چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی عبادت کے پروگرام کا بارگاہ حق میں اظہار کیا اور اس اظہار میں عجب و بڑائی کا شائبہ تھا ، اس پر گرفت کی گئی اور دو آدمی خلاف معمول اندر آگئے اور حضرت داؤد علیہ السلام متنبہ ہوئے کہ خدا تعالیٰ کی توفیق کے بغیر آدمی کچھ نہیں کر سکتا ۔

مولانا حفظ الرحمٰنؒ صاحب نے قصص القرآن میں اس آیت پر جو تقریر کی ہے مولانا اس میں منفرد نظر آتے ہیں مذکورہ بزرگوں کی جلالت شان سے انکار نہیں ،

لیکن اس کا اعتراف نہ کرنا بھی بے انصافی ہے کہ اس موقعہ پر مولانا حفظ الرحمٰنؒ کا "فہم قرآن" الہامی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان دراصل اس بات میں تھا کہ انہوں نے ایک دن عبادت کے لیے اس طرح خاص کر لیا تھا کہ اس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہو جاتے تھے، ایک صوفی مرتاض کی ایسی گوشہ نشینی اور ترکِ علائق کو تو پسندیدہ کہا جا سکتا ہے لیکن ایک خلیفہ وقت اور مسلمانوں کے سیاسی امیر کے لیے یہ گوشہ نشینی اور وہ بھی پورے ایک دن کے لیئے کسی طرح موزوں نہیں کہی جا سکتی۔"

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادتِ خاص کے دِن دو فریادیوں کا اندر آجانا اور حضرت داؤد علیہ السلام سے فیصلہ چاہنا، اس حقیقت پر تنبیہہ کرنا تھا کہ ایک خلیفہ کو کسی وقت بھی مخلوق کے لیے دروازہ بند نہ کرنا چاہیئے اور خدا کی عبادت کے لیے ایسا نظام بنانا چاہیئے کہ عبادتِ الٰہی بھی ہوتی رہے اور مخلوق کی خدمت میں بھی کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام ان دونوں فریادیوں کے اس گستاخی کے ساتھ اندر آجانے پر سمجھے کہ میں نے مخلوقِ خدا پر دروازے بند کر کے اپنے فرض میں کوتاہی کی، مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں

لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ تقسیم اگرچہ زندگی کے نظم و نسق اور تقسیم عمل کے لحاظ سے ہر طرح قابلِ ستائش تھی لیکن اس میں ایک دن کو عبادتِ الٰہی کے لیے اس طرح خاص کر لینا کہ ان کا تعلق مخلوق خدا سے منقطع ہو جائے، منصب نبوت اور منصب خلافت کے منافی تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام

جیسے اولوالعزم پیغمبر اور خلیفۃ اللہ کے لیے کسی طرح موزوں نہیں تھا۔
چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس روش کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالے
نے ان کو اس طرح آزمائش میں مبتلا کیا۔ (قصص القرآن ج ۲ صفحہ ۱۹۱)

خدا تعالیٰ اور حیلۂ فقہی

فقہاءِ احناف کے ہاں حیلۂ فقہی کا مسئلہ ملتا ہے اور اس کا مطلب ان حضرات کے نزدیک صرف یہ ہے کہ جب کسی شرعی حکم کی پابندی سے کسی دوسرے شرعی مقصد کے فوت ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اس سے بچنے کے لیے ایسی قانونی تدبیر اختیار کی جائے جس سے وہ حکم شرعی بھی قائم رہے۔ اور وہ شرعی مقصد بھی فوت نہ ہو یعنی حیلہ ایک شرعی مصلحت اور قانونی تدبیر ہے۔

احناف کے ہاں یہ شرعی حیلہ زکوٰۃ کے مسائل میں نظر آتا ہے اور وہ بھی ایک اجتہادی مسئلہ میں یعنی مسئلہ تملیک میں حیلہ شرعی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دوسرے فقہاء تملیک کی شرط نہیں لگاتے اور ان حضرات کے ہاں حیلہ کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔

حیلہ کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ فقہاءِ احناف نے اس مسئلہ میں بڑی احتیاط کی ہے اور ماہرین فقہ کی رائے پر انحصار رکھا ہے۔

حیلۂ فقہی کی تشریح کو سامنے رکھ کر ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ

حیلہ قانونی امت کی ضرورت ہے اور متبعین شریعت کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کا تعلق قانون شریعت کے واضع اور قانون شریعت کے واضع کرنے والے خداوند قدوس سے قائم نہیں کیا جاسکتا۔

خدا تعالے قانون کا بنانے والا ہے اس نے اگر کسی عام حکم میں کسی خاص موقعہ پر کسی بندے کے حق میں کوئی دشواری دیکھی تو اس میں استثنائی صورت نکال دی اور اسے خدا تعالے کی طرف سے تخفیف و آسانی کہا جاتا ہے۔ اس کا نام حیلہ نہیں رکھا جاسکتا۔

یہ حیلہ قانونی تو امت کی ایک قانونی ضرورت ہے اور وہ بھی اجتہادی مسائل میں۔

لیکن متاخرین احناف میں سے بعض حضرات پر فقہی ذوق کا اس قدر غلبہ نظر آتا ہے کہ وہ حضرات اپنے فقہی تصورات کو قرآن کریم کے نصوص احکام و ہدایات سے بھی بلا تکلف جوڑ دیتے ہیں۔

اس کی ایک مثال حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں ملتی ہے، صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی حنفی نے اس واقعہ کی تفسیر میں حیلہ کی بحث کھڑی کر دی ہے اور خدا تعالے کی طرف حیلہ اختیار کرنے کو منسوب کر دیا ہے، صاحب روح المعانی کو سامنے رکھ کر اردو میں ترجمہ و تفسیر کا کام کرنے والے حضرات میں بعض بزرگوں نے ان کی پیروی کی ہے اور خدا تعالے کی طرف حیلہ کو منسوب کر دیا ہے۔ البتہ حنفی ہونے کے باوجود حضرت مولٰنا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس موقعہ پر جو احتیاط ہے وہ حضرت تھانوی ؒ کی دینی اور علمی بصیرت کے کمال کا ایک واضح نمونہ ہے۔

اور حیلہ جیسے مسئلہ کا قرآن کریم کی تفسیر میں پیدا ہونا دراصل اس بنیادی خرابی کا نتیجہ ہے کہ اسرائیلی روایات کو قرآن کریم کی تفسیر میں داخل کیا جاتا رہا ہے چنانچہ ذمہ دار مفسرین باوجود کافی چھان بین اور کانٹ چھانٹ کے ان سے اپنی تفسیروں کا دامن نہیں بچا سکے ہیں :

قرآن کریم نے بیان کیا کہ خدا تعالٰی نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ہدایت فرمائی۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ۔ (سورہ ص) اے ایوب! اپنے ہاتھ میں تیلیوں کا مٹھا لے لو اور اسے مار دو اور اپنی قسم نہ توڑو۔

قرآن کریم نے بس اتنا جملہ بیان کیا ہے اس جملہ کی تفسیر میں علماء تفسیر کو بڑی کاوش کرنی پڑی ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کس کے بارے میں کھائی اور کیا قسم کھائی اور اسے کس طرح پورا کیا۔؟

ان سوالات کا جواب دیئے بغیر آیت پاک کا مطلب واضح نہیں ہوتا اس لیے علماء نے اس پر غور کیا۔

روح المعانی، جلالین اور منثور وغیرہ میں مسند احمد کے حوالہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک منقول ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز شیطان طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہمنا کو راستہ میں ملا، اس نیک خاتون نے اس طبیب سے کہا کہ میرے شوہر اتنے عرصہ سے بیمار ہیں تم ان کا علاج کر دو، اس طبیب نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ اگر تیرے شوہر کو صحت ہو جائے تو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ میں نے انہیں شفا دی، بس اس کے سوا کوئی نذرانہ نہیں، بیوی

نے آکر شوہر سے ذکر کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام پیغمبرانہ فراست سے سمجھ گئے کہ وہ ابلیس لعین تھا، پس بیوی پر ناراض ہوئے اور کہا، تو نے مجھے خراب کرنا چاہا اگر میں تندرست ہو گیا تو تیرے ایک سو قمچیاں ماروں گا۔

اس اثر کو بنیاد بنا کر ان مفسرین نے آیت کی تفسیر کی ہے اور بتایا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام نے تندرست ہو کر اپنی قسم کو پورا کرنا چاہا تو خدا تعالےٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حیلہ بتایا کہ ایک سو تیلیوں کا مٹھا لے کر اس بیوی کے مار دو، پس تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔

خدا تعالےٰ نے جو تدبیر بتائی اسے مفسرین نے حیلہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ایوب علیہ السلام کی بیوی نے اپنے شوہر کی بڑی خدمت کی تھی اور شوہر کی ہمدردی میں انہوں نے شیطان سے علاج کی درخواست کی تھی اور اس کی یہ شرط اپنے شوہر کے سامنے رکھدی تھی۔

لیکن یہ بات اس خاتون کی طرف سے اتنا بڑا قصور نہ تھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام اس کو ایک سو قمچیاں مارتے اس لیے خدا تعالےٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے نکلنے کی یہ تدبیر بتائی۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنے تفسیری نوٹ میں لکھا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے، وہ بی بی اس حالت کی رفیق تھی اور چنداں قصوروار بھی نہ تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا

کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلا دیا جو ان ہی کے لیے مخصوص تھا آج اگر کوئی اس طرح
کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لیے اتنی بات کافی نہ ہوگی۔

(تنبیہ):۔ جس حیلے سے کسی حکم شرعی یا مقصد دینی کا ابطال
ہوتا ہے وہ جائز نہیں، جیسے اسقاطِ زکوٰۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں
ہاں! جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اس کی اجازت
ہے (حمائل شریف ۵۹۲)

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے تفسیری حواشی سے صاف ظاہر ہوتا
ہے کہ مولانا کے سامنے عربی کی بڑی تفسیروں کے علاوہ اردو کی دو تفسیریں زیادہ
رہتی ہیں ایک شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "موضح القرآن" اور دوسری
حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کی "بیان القرآن"۔ لیکن مولانا کا مذکورہ بالا حاشیہ
شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے، حضرت تھانوی صاحب کے
ہاں اس نزاکت کی جو رعایت ہے اس کا اثر نظر نہیں آتا۔

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

مرض میں خفا ہو کر قسم کھائی تھی کہ اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے، اگر
چنگے ہوں گے۔ وہ بی بی اس حال کی رفیق تھی اور بے تقصیر۔ اللہ تعالٰی نے قسم اس
طرح سچ کروائی (موضح سورۂ ص)

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔

چونکہ انہوں نے (حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے) خدمت بہت
کی تھی اور کوئی امر معصیت کا ان سے صادر بھی نہ ہوا تھا اس لیے حق تعالٰی نے اپنی
رحمت سے ان کے لیے تخفیف فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔ الخ۔

مولانا نے اپنی تفسیر میں خدا تعالیٰ کی طرف حیلہ کے الفاظ کی نسبت نہیں کی بلکہ تخفیف کے الفاظ منسوب کیے جو شانِ خداوندی کے لیے موزوں ترین معلوم ہوتے ہیں اور آخر میں حیلہ کے متعلق ایک تنبیہی نوٹ تحریر فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

اس طرح سے قسم پورا ہو جانا، یہ مخصوص تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ اب اگر کوئی ایسی قسم کھائے تو بدون معنی متبادر کے واقع کیے ہوئے قسم پوری نہ ہوگی، البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو وہاں قسم توڑ دینا جائز ہے۔ اور جہاں جائز نہ ہو وہاں واجب ہے۔

اس قصے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر حیلہ جائز ہے اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ و غرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے اور جس میں یہ نہ ہو بلکہ کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے اور جزئیات کا انطباق اس قاعدہ کلیہ پر محتاج ہے تبحر و تفقہ کا (بیان القرآن ج ۱۵ صلہ)

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی بھی مولانا عثمانی کے حاشیہ سے متاثر ہوئے اور مولانا نے لکھا:۔

یہ ایک حیلہ تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کو بتایا۔ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خصوصیت تھی۔ ہر جگہ حیلہ کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے (ترجمہ مولانا احمد سعید صاحب۔ ص۲۷۸)

جن مفسرین نے حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفسیر میں حیلہ کی بحث سے بالکل دامن بچایا ہے۔ ان میں امام رازی، حافظ ابن کثیر،

شافعی اور متاخرین احناف میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہیں۔

امام رازی اس آیت پر تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے کس بات پر قسم کھائی تھی؟ ان میں مختلف اقوال ہیں۔ ان اقوال میں سے یہ قول بھی حق سے دور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے شیطان کا کہنا مان لیا تھا اور اپنے شوہر کو بھی اس کی ترغیب دی تھی۔

یہ قول بھی حق سے دور ہے کہ ان کی بیوی نے بالوں کی لٹ کاٹ کر فروخت کر دی تھی اور اس پر حضرت ایوب علیہ السلام ناراض ہو گئے تھے۔

ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کسی کام سے گئی ہوں اور اس میں کچھ دیر لگ گئی ہو اور اس پر حضرت ایوب علیہ السلام ناراض ہو گئے ہوں اور اس پر یہ قسم کھائی ہو کہ ”لیضربنھا مائۃ“ اسے سو ماروں گا۔ سو کوڑے، یا سو لکڑیاں یا سو قمچیاں؟ اس کی وضاحت حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم میں موجود نہیں تھی۔

چنانچہ جب حضرت ایوب علیہ السلام تندرست ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے قسم پورا کرنے کی آسان تدبیر بتا دی۔

ولما کانت حسنۃ الخدمۃ لہ لاجرم حلل اللہ یمینہ باھون شیء علیہ وعلیھا۔ (تفسیر کبیر ج، ص ۲۵۹)

امام رازی نے کسی اسرائیلی روایت کو تفسیر میں داخل نہیں کیا اور اس سے بچ کر آیت کی تفسیر بیان کر دی۔ اور مذکورہ اشکال سے تفسیر قرآن پاک کو محفوظ رکھا۔

حضرت مولانا حفظ الرحمن رح نے قصص القرآن میں اس آیت پاک کے متعلق بڑی احتیاط سے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ مصیبت میں حسن وفا، اطاعت، ہمدردی اور غمخواری کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے احترام میں حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کو ان کے حق میں پورا کرنے کے لیے عام احکام قسم سے جدا ایک ایسا حکم دیا جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس نیک بیوی کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ (ج ۲ صد ۳۲۶)

اس اثر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی سے متعلق حضرت ایوب علیہ السلام کی خفگی اور قسم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اور پھر اس اثر کے متعلق بھی مولانا مرحوم نے لکھا ہے:۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کی روایات کا ماخذ سفر ایوب سے منقول اسرائیلی روایات ہیں"۔ صد ۳۵۱

حافظ ابن حجر نے اس موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعات سے متعلق صرف ایک روایت نقل کی ہے جس میں ان کے غسل کرنے اور سونے کی ٹڈیاں آسمان سے برسنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ امام کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی روایت ان کی شرائط کے مطابق نہیں ہے۔

یہ ساری وضاحت مولانا کے ہاں موجود ہے مگر پھر بھی مولانا نے سو کوڑے

لگانے کی قسم کا شروع میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اردو کے تمام مفسرین سو کوڑے لگانے کی قسم کا اور پھر حیلہ شرعی کے ثبوت کا ذکر کرتے چلے آرہے ہیں۔

حاصل یہ کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق کسی صحیح روایت میں یہ موجود نہیں ہے کہ ان کی شریعت میں قسم کھانے اور اسے پورا کرنے کے احکام کیا تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی شریعت کون سی تھی؟

تو صرف "سفر ایوب" سے ماخوذ اقوال کو بنیاد بنا کر قسم حضرت ایوب علیہ السلام کی وہ تشریح کرنا جو خدا تعالے کی طرف حیلہ جیسی بحثوں کو منسوب کرے، کہاں تک درست ہے۔؟

"سفر ایوب" کے متعلق مولٰنا ابوالکلام آزادؒ نے لکھا ہے کہ توراۃ کے محققین کا دعوٰی ہے کہ سفر ایوب قدیم عربی زبان کی غیر غنائی شاعری کا بے نظیر شاہکار ہے۔ (ج ۲ ص ۴۸۸)

تو اس شاعرانہ داستان کو قرآن کریم کی تفسیر کیسے بنایا جا سکتا ہے۔؟

اسی لیے امام رازیؒ نے اس آیت پر جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن کریم کی عظمت اور ایک رسول برحق کی شان کے لحاظ سے بالکل موزوں ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کسی بات پر ناراض ہو کر محبت الٰہی کے جوش میں ایک کوئی کلمہ منہ سے نکال دیا کہ میں تجھے ماروں گا۔

یہ جملہ بطور قسم کے کہا..... تندرست ہو کر سوچا کہ اب میں اس قسم کو کس طرح پورا کروں یہ میری بیوی کس قدر وفا شعار تھی۔ میں اسے کس طرح زدوکوب کروں خدا تعالے نے حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم پورا کرنے کی آسان ترکیب بتادی کہ کچھ تیلیوں یا تنکوں کا ایک مٹھا لے کر اس کے ماردو۔ بس اس طرح بیوی

کو مارنے کی قسم پوری ہو جائے گی۔
اور جب ہم یہ فرض کریں گے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے سو لکڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی۔ (حالانکہ کسی صحیح روایت میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے) تو پھر ہمیں اس فرضی قول کو نبھانے کے لیے اس قسم کی تاویلیں کرنی پڑیں گی۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف حیلہ اختیار کرنے کی بات منسوب کرنی پڑے گی۔

بن یمین کو روکنے کیلئے خدا تعالےٰ کی تدبیر

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں شاہی پیمانے کی چوری اور بن یمین کو مصر میں روکنے کا واقعہ جمہور مفسرین نے اس طرح بیان کیا ہے جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عظیم پیغمبرانہ شخصیت کی طرف داؤ، توریہ اور سازش قسم کی باتیں منسوب کرنی پڑتی ہیں۔

یہ تاویل چونکہ شروع سے آخر تک تمام حضرات نے اختیار کی اس لیے حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اختیار کرنا پڑی۔

متاخرین میں مولانا ابوالکلام آزادؒ ایک ایسے مترجم گزرے ہیں جنہوں نے جمہور سے اختلاف کیا اور اس کی صحیح توجیہہ متن قرآن کریم کے دائرہ میں رہ کر پیش کی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت عالیہ کو اس داغ سے محفوظ رکھا

ہم ذیل میں آیت نمبر(۷۰) سے (۷۶) تک کا ترجمہ مولانا آزادؒ کے ترجمان القرآن سے نقل کرتے ہیں۔

پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان لوگوں کا سامان ان کی روانگی کے لیے مہیا کیا تو اپنے بھائی (بن یمین) کی بوری میں اپنا کٹورا رکھ دیا (تاکہ

بطور نشانی کے اس کے پاس رہے) پھر ایسا ہوا کہ (جب یہ لوگ روانہ ہو گئے اور شاہی کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا اور نہ پایا تو ان پر شبہ ہوا اور) ایک پکارنے والے نے (ان کے پیچھے) پکارا، اے قافلہ والو! (ٹھہرو) ہو نہ ہو تم ہی چور ہو"۔ (نمبر ۷۰)

پس حضرت یوسف علیہ السلام کا اس واقعہ سے اتنا ہی تعلق تھا کہ انہوں نے اپنے بھائی کے سامان میں خود یا کسی اپنے معتمد کارندے کے ہاتھوں شاہی کٹورا ان کے سامان میں رکھوا دیا (۱) اپنی نشانی کے طور پر (۲) یا اس خیال سے کہ میرے گھر والے اس کو فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیں گے، جیسے پہلی دفعہ بھی ایسا ہوا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی تمام پونجی ان کے سامان میں رکھوا دی تھی۔

آیت نمبر ۶۵ دیکھو......

یہ دوسری توجیہہ اس پہلے معاملہ کی روشنی میں زیادہ قرین قیاس ہے۔ اگرچہ مولانا آزاد کا ذہن اس طرف نہیں جا سکا۔ اب آگے بڑھو..... وہ برادرانِ یوسف پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا، تمہاری کونسی چیز کھو گئی ہے (نمبر ۷۱)

(شاہی کارندوں نے) کہا، ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا جو شخص اسے لا دے گا اس کے لیے ایک بار شتر (غلہ) انعام ہے اور (کارندوں کے سردار نے کہا) میں اس بات کا ضامن ہوں (نمبر ۷۲)

انہوں نے کہا، اللہ جانتا ہے ہم اس لیے یہاں نہیں آئے کہ ملک میں شرارت کریں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو (کہ پہلے بھی ایک مرتبہ آ چکے ہیں)

اور ہمارا یہ شیوہ نہیں رہا کہ چوری کریں۔ (۷۳)
(کارندوں نے کہا) اچھا! اگر تم جھوٹے نکلے تو بتلاؤ، چور کی سزا کیا
ہونی چاہیئے؟ (۷۴) انہوں نے کہا، چور کی سزا یہ ہے کہ جس کی بوری میں چوری
کا مال نکلے، وہ آپ اپنی سزا ہے (یعنی اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے) ہم
زیادتی کرنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں۔ (۷۵)
پس (کارندوں کے سردار نے) ان کی بوریوں کی تلاشی شروع کی قبل
اس کے کہ یوسف کے بھائی (بن یمین) کی بوری کی تلاشی لیتے اور کچھ نہ پایا
پھر یوسف کے بھائی کی بوری دیکھی اور اس میں سے پیالہ نکال لیا (تو دیکھو)
اس طرح ہم نے یوسف کے لیے (بن یمین کو پاس رکھنے کی) تدبیر کر دی۔ وہ
بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کو
روک لے، (اگرچہ ایسا کرنے کے لیے اس کا دل بے قرار تھا) مگر ہاں اسی
صورت میں کہ اللہ کو (اس کی راہ نکال دینا منظور ہوتا) سو اس نے غیبی سامان
کر کے راہ نکال دی) ہم جسے چاہتے ہیں، مرتبوں میں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم
والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے۔ (۷۶) ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲۲۷)
اس آخری آیت میں دوسرے حضرات شاہی پیمانہ نکالنے کے فعل کو
حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور (کدنا) کا ترجمہ
کرتے ہیں۔

یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو (شاہ صاحبؒ)

ہاں! حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہی ترجمہ ہے جو مولانا
آزادؒ کر رہے ہیں فرماتے ہیں "ہم چنیں تدبیر کردہ ایم برائے یوسف" لیکن حضرت

سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (فَبَدَأَ) کا فاعل حضرت یوسف علیہ السلام ہی کو بنا رہے ہیں (پس شروع کرد یوسف تبفحص) جس سے اس خفیہ کارروائی کی ساری نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ہو جاتی ہے۔ مولانا آزاد نے اس فعل کی تلاشی کا فاعل کارندوں کو قرار دیا ہے جو قرین قیاس بھی ہے کیونکہ بادشاہ کے لیے یہ مناسب بات نہ تھی کو وہ بطورِ خود تلاشی لیتا۔ یہ کام خدام وکارندوں کا ہی ہوتا ہے۔

مولانا آزاد کے ہاں یہ معاملہ تلاشی کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے آتا ہے اس سے پہلے سارا معاملہ کارندوں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے درمیان رہتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثہ میں خداوند تعالٰے کا ہاتھ کام کر رہا ہے...... وہ خاموش رہے۔ (حاشیہ ترجمان ص۲۲۹)

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے قصص القرآن میں یہ جملہ اور بڑھا یا۔
"ادھر بن یمین بھی جو کہ قبل ہی اپنے برادر بزرگ یوسف علیہ السلام سے واقف ہو چکا تھا اس واقعہ کو مرضی کے مطابق پا کر خاموش رہا۔ ص۳۰۲

اس توجیہہ و تاویل کے مطابق زیادہ سے زیادہ حضرت یوسف علیہ السلام پر جو بات آتی ہے وہ یہ کہ آپ نے سارا معاملہ سن کر سکوت اختیار فرمایا...... ورنہ اگر آپ بات صاف کر دیتے تو یہ چوری کا معاملہ نہ بنتا اور بن یمین کنعان واپس چلے جاتے...... لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے پورے واقعہ پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ان واقعات میں حضرت یوسف علیہ السلام

کو رازداری قائم رکھنے کی خاص طور پر ہدایت رہی اور بالآخر آپ کو انکشاف حال کی اجازت ملی۔ جب آپ نے فرمایا...... اَنَا یُوْسُفُ وَھٰذَا اَخِیْ..... اور تکوینی اور تقدیری معاملات میں انبیاء علیہم السلام کو خاموش رہنے اور رازداری قائم رکھنے کی ہدایت ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں واضح کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقدیری معاملات پر خاموش نہ رہا گیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں رخصت کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ خاموشی، آپ کی سیرت کو توریہ اور جوڑ توڑ جیسے الزامات کی طرح کمزور نہیں کرتی......

مولانا آزادؒ کی یہ تفسیر" تفسیر کے ایک قولِ شاذ (نادر قول) پر مبنی ہے، جیسے امام رازی اور دوسرے مفسرین نے نقل کیا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے قصص القرآن ج ۱ ص۳۰۵ پر مولانا آزادؒ کی اسی تشریح کو اختیار کیا ہے اور پھر لکھا ہے۔ اس طرح جب (حضرت یوسف علیہ السلام) پر جھوٹ کا الزام عائد ہونے لگتا ہے تو اس کو یہ (مفسرین) توریہ[1] سے

[1] ابن کثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں۔ وھذا ھو الذی اراد یوسف علیہ السلام ولھذا بدأ باوعیتھم قبل وعاء اخیہ ای فتشھا قبلہ توریۃ (ج ۲ ص۴۸۲) مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔ "ظاہر ہے کہ انکم لسارقون کی ندا باذن یوسف علیہ السلام ہوئی تو اس کے صدق کی کیا توجیہہ ہے؟ احقر کے نزدیک یہ توریہ ہے، مراد وہ سرقہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ

تعبیر کرکے ان (حضرت یوسف کی معصوم شخصیت کو اس الزام سے بری کرتے ہیں حالانکہ قرآن عزیز کے اسلوب بیان میں کوئی ایسا اشارہ تک موجود نہیں ہے جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت پر جھوٹ کا شبہ بھی ہو سکتا ہو یا توریہ کی ضرورت پیش آتی ہو۔

۱:- قرآن حکیم حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق صرف یہ کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے سفر واپسی کی تیاری کرائی۔ سامانِ سفر بندھوایا اور اس موقعہ پر شاہی کٹورا بن یمین کے سامان میں خفیہ طور پر رکھ دیا۔ اس میں ان کی نیت کیا تھی؟...... قرآن خاموش ہے، قرینہ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جو اوپر مذکور ہیں۔

۲:- اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام بے تعلق اور بے خبر ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک منادی اس قافلہ کے پیچھے جاتا ہے، وہی منادی اپنے طور پر ان لوگوں کو چور کہتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اس سے نہ کوئی ربط ہے۔ اور نہ کوئی مشورہ۔

۳:- پھر قافلہ والوں اور کارندوں کے درمیان گفتگو رہتی ہے یہی شاہی کارندے ان کے سامان کی تلاشی لیتے ہیں، انہیں کے ہاتھوں وہ شاہی کٹورا ابن یمین کے بورنے میں سے نکلتا ہے۔

۴:- اس کے بعد یہ شاہی عملہ اس قافلہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی

السلام سے غائب کر دیا جو کہ "انتم شر مکانا" کا مفہوم اور سامعین معنی قریب یعنی سرقہ سقایہ سمجھے اور توریہ یہی ہے (بیان القرآن ج ۵ ص ۵۳)

خدمت میں پیش کرتا ہے، اب حضرت یوسف علیہ السلام کو حالات کی خبر ہوتی ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام وحی الٰہی کے اشارہ پر خاموشی اختیار فرماتے ہیں اور بن یمین بھی خاموش رہتا ہے۔

عربی تفسیروں پر ایک نظر۔

مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ نے صحیح لکھا ہے کہ ہمارے قدیم وجدید مفسرین نے بلاضرورت شاہی پیمانے کے واقعہ کو حضرت یوسفؑ کی طرف نسبت دے کر ایک درد سر مول لے لیا۔

ان عربی مفسرین میں امام رازیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے تو دونوں قسم کے اقوال جمع کر دیئے ہیں۔

لیکن ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح المعانی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تو حضرت یوسفؑ پر توریہ اور کید کا الزام لگانے والی تاویلات کی پرزور وکالت کی ہے۔

صاحب روح تفسیر بحر المحیط کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ "یہ حیلہ اور چوری کا الزام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو مزید غم واندوہ میں ڈالنا سب حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا اور آپ نے اس کی تعمیل کی ہے۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۴۲)

صاحب مظہری لکھتے ہیں۔

انکم لسارقون ..... کارندوں نے کس کے اشارہ پر کہا؟

اپنی طرف سے کہا، یوسف علیہ السلام کے اشارہ پر کہا..... اور صحیح یہ ہے کہ خدا

کے حکم سے کہا۔

والصحیح عندی انہ قال ذالک بامر اللہ تعالیٰ وللہ تعالیٰ لا یُسئل عما یفعل وھم یُسئلون والحکمۃ فی ذالک ابتلا یعقوب علیہ السلام

یعنی خدا تعالیٰ نے حکم دیا تھا، اور خدا کے کسی حکم اور فعل پر ہم کوئی بازپرس نہیں کر سکتے۔ البتہ وہ ہمارے ہر کام کی بازپرس کر سکتا ہے اور اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا امتحان لیا جائے۔ (مظہری عربی ج ۵ صد ۱۸۲)

قاضی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم تکوینی کے مطابق یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

صاحب روح المعانی نے ایک اثر کسی صحابی کا نقل کیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی مکمل براءت کرتا ہے، اس پر بھی غور کرنا چاہیئے تھا۔

لما بلغت التوبۃ الی دعائہ قال ما اظن ھٰذا اخذ شیئًا فقالوا واللہ لا تترک حتی تنظر فی رحلہ فانہ اطیب لنفسک وانفسنا ففعل ثم استخرجھا۔

یعنی جب سب بھائیوں کی تلاشی کے بعد بن یمین کی تلاشی لینے سے بچنا چاہتے تھے، کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ بن یمین پھنس جائے گا یہی تلاشی میں باقی رہ گیا ہے۔

مگر برادرانِ یوسفؑ جوش میں آگئے اور بڑے اعتماد کے ساتھ بولے، نہیں اس کا سامان بھی دیکھ لو، تاکہ ہمیں اور تمہیں اطمینان ہو جائے...... اس

پر حضرت یوسف علیہ السلام مجبور ہو گئے اور چار و ناچار بن یمین کی تلاشی خود یا کسی کارندے کے ذریعہ لینی شروع کر دی اور پھر وہی خطرہ سامنے آ گیا۔ اور شاہی پیمانہ ان کے سامنے سامان میں سے نکل آیا۔

اس اثر سے صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تمام واقعہ اتفاقیہ طور پر پیش آیا اور اس کا فائدہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنچ گیا۔

ورنہ جان بوجھ کر بھائیوں کو چور بنانا حیلہ اور مکر سے کام لینا اپنے بوڑھے باپ کو جو صدموں سے نڈھال ہو چکے تھے، پھر ایک بیٹے کا صدمہ پہنچانا، کسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

اور حضرت قاضی صاحب کا یہ لکھنا کہ اس کارروائی سے خدا تعالیٰ کی مصلحت تکوینی پوری ہوئی، تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہے لیکن اس مصلحت تکوینی کے پورا کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام واسطہ تھے یا شاہی کارندے واسطہ اور ذریعہ بنے؟

حقیقت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی ان تکوینی مصلحتوں کی تکمیل کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو استعمال نہیں کرتا جن کے پورا کرنے سے عوام کی نظروں میں انبیاء علیہم السلام کا دامنِ عصمت و نبوت مجروح ہوتا ہے۔

یہی سبب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان تین واقعوں کے بعد جدائی عمل میں آ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ ذمہ داری ہر واقعہ پر حضرت خضر علیہ السلام کو ٹوکتی رہی اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

ادبِ رسالت کا غلبہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ادبِ رسالت کا اسقدر غلبہ ہے کہ بعض مقامات پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نگاہوں سے صحیح حدیث اوجھل ہو جاتی ہے، جیسے سورۃ النصر کی حسب ذیل آیت ہیں۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (سورۃ النصر) — اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے

فوائد میں لکھتے ہیں۔

"اب امت کے گناہ بخشوایا کر، درجہ شفاعت کا ملے"۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استغفار کا مطلب یہ لیا ہے کہ اپنی امت کے گناہوں کی بخشش مانگا کیجئے، تاکہ آپ کو محشر کے دن شفاعت کرنے کا درجہ ملے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل بظاہر اس حدیثِ مرفوع کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

وکان صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ان یقول فی رکوعہ سبحانك اللھم و بحمدك اللھم اغفر لی یتاول القراٰن۔ (بحوالہ بخاری شریف حاشیہ جلالین صہ ۵۰۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں کثرت سے "سبحانک اللھم وبحمدك اللھم اغفرلی" پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ قرآنِ مجید کے اس حکم کی یہی تعمیل ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے استغفار کا حکم ہوا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے لیے استغفار کرنے کا حکم ملا۔

جہاں تک تفسیر میں احادیث صحیحہ کی رعایت کا سوال ہے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا پورا پورا احترام کرتے ہیں، جیسا کہ جناب ابو طالب کے کفر وایمان کا مسئلہ ہے۔

اس مسئلہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محدثین کا مسلک اختیار کیا ہے اور ابو طالب کے حق میں اسلام کا فیصلہ نہیں کیا۔ حالانکہ بعض کمزور روایات ابو طالب کے مسلمان ہونے کے حق میں ہیں مگر شاہ صاحبؒ نے صحیح احادیث کو ترجیح دی ہے۔

(دیکھو سورۂ القصص نمبر ۵۶ کا تشریحی فائدہ)

استغفار کے بارے میں جو توجیہ جمہور کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حق میں بھی استغفار فرماتے تھے اس سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو انکار نہیں، چنانچہ سورہ المومن نمبر ۵۵ کے فوائد میں لکھتے ہیں۔

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو سو بار استغفار کرتے گناہ سے، ہر بندہ سے قصور ہے۔ اس کے موافق ہر کسی کو ضرور ہے استغفار"....

ترجمہ میں اضافہ

الشوریٰ آیت ۴۷ اس طرح ہے۔

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ   اور کوئی میوے نہیں جو نکلتے ہیں اپنے

أَكْمَامِهَا۔ غلاف سے اور گابھ۔

اور گھابہ" تمام نسخوں کے اندر موجود ہے، یہ اضافہ کاتب کی غلطی ہے یا مترجم رحمۃ اللہ علیہ کا سہو ہے۔

سورۂ ق آیت ۱۰" میں طَلْعٌ نَضِيدٌ ہے جس کے معنی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیے ہیں (گابھا تہ برتہ) شاہ رفیع الدین صاحبؒ (خوشہ) اور مولانا تھانویؒ نے گپھے خوب گندھے ہوئے" ترجمہ کیا ہے۔

الشوریٰ میں "گابھ" کا لفظ زائد ہوتا ہے۔

ترجمہ میں اضافہ

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ۔ (العلق ۱۸) ہم بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو۔

"سیاست کرنے کو" کے الفاظ بطور تفسیر کے بڑھائے گئے ہیں، ورنہ متن میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا اسے ترجمہ کہا جا سکے۔ یہ لفظ تمام نسخوں میں ملتا ہے۔

کمزور ترجمہ

سباء آیت نمبر ۴۸ اس طرح ہے۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ۔ تو کہہ میرا رب پھینکتا جاتا ہے سچا دین۔

فائدہ میں اس کا مطلب واضح کرتے ہیں یعنی اوپر سے اتارتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں قذف کا لغوی ترجمہ کیا ہے۔

قذف کہتے ہیں پتھر پھینکنے کو، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو لفظ حاشیہ پر لکھا وہ ترجمہ کے اندر استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ پھینکنا اور اتارنا مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے قریب ہی ہیں۔ اسی وجہ سے شاہ صاحبؒ نے پھینکنے کا لفظ رکھ دیا۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ بھی لفظی ترجمہ کرتے ہیں اور اس لفظ کی جگہ.... "ڈالتا ہے" لکھتے ہیں...... "میرا پروردگار ڈالتا ہے حق"..... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کو حق کے ساتھ پھینکنے کا لفظ پسند نہیں آیا ورنہ وہ لفظی ترجمہ کا اسلوب ترک نہ فرماتے۔

اردو کے ان ترجموں سے پہلے فارسی والوں نے بھی قذف کا لغوی ترجمہ چھوڑ دیا۔ شیخ جرجانی نے لکھا۔ "پروردگارِ من مے گوید براستے" حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ "مے برتابد از علم غیب وحی را" یعنی روشن کرتا ہے اور واضح کرتا ہے علم غیب سے وحی کو"......

حضرت شیخ الہندؒ، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نامانوس الفاظ کو بدل دیتے ہیں۔ مگر یہاں شیخ صاحبؒ نے صیغہ بدل کر یوں لکھا۔ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین"۔

شاہ صاحبؒ کے بعد ڈپٹی صاحب کا ترجمہ آتا ہے، ڈپٹی صاحب نے اس آیت کو دوسری نظر سے دیکھا اور یہ سمجھا کہ یہاں خدا تعالےٰ کے لیے قذف کا لفظ استعمال کر کے حق کو ہتھیار سے تشبیہ دے رہا ہے۔ یعنی جس طرح ہتھیار یا پتھر سے کسی کا سر پھوڑ دیتے ہیں اسی طرح دینِ حق بھی باطل کو زخمی اور کمزور کر دیتا ہے ڈپٹی صاحب نے اپنے ترجمہ میں لکھا..... "میرا پروردگار، غلط بات کو مٹانے کے

لیے حق (کے حربے) چلا رہا ہے"۔ حضرت تھانوی ؒ نے بھی اسی مفہوم کو اختیار کیا اور بڑا اچھا ترجمہ فرمایا ہے "میرا رب حق کو غالب کر رہا ہے"۔

اور قرآن کے سیاق و سباق کو سامنے رکھا جائے تو اس آیت کا یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

اس سے اگلی آیت یہ ہے۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ۔ تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ نہ پہلا واکرے نہ دوسرا

یعنی باطل کا ہر وار حق کے مقابلہ میں خالی رہے گا ناکام رہے گا۔

انہی الفاظ میں یہ بات الانبیاء نمبر (۱۸) میں کہی گئی ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ یوں نہیں، پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے پھر تب وہ بٹک جاتا ہے۔

یہی مفہوم اس آیت کا بھی معلوم ہوتا ہے جو سبا (۴۸) میں لائی گئی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ لفظی ہے جس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لغتِ عربی کا لحاظ رکھا ہے اور اسی کے مطابق نہایت سادہ اردو زبان میں اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لفظی ترجمہ کی جگہ بامحاورہ ترجمہ کا کمال دکھایا ہے اور ان مقامات سے یہ بات کھلتی ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ بھی اگر بامحاورہ ترجمہ کا التزام فرماتے تو اس میں بھی آپ کا ترجمہ ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

آیت قرآن	ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ	تفصیل
هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (المومنون)	بولا، یہ ہوا شیطان کے کام سے	کہا، یہ حرکت شیطان کی ہے	حرکت کا لفظ اگرچہ عربی ہے لیکن اس کے استعمال سے ترجمہ محاورہ میں آگیا۔
ثُمَّ اَغْرَقْنَا (بقرہ)	پھر ڈبایا ہم نے	پھر ڈبو دیا ہم نے	اب ڈبو دیا ہی مستعمل ہے

تفصیل	ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ صاحب	ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ صاحب	آیت قرآن
چڑھائی کے لفظ نے مرادِ خداوندی اور محاورہ دونوں کا حق ادا کردیا۔	اور چڑھائی کرتے بعضے ان کے اوپر بعضوں کے	اور چڑھ جاتا ایک پر ایک	وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (المؤمنون)
جد کے مقابلہ میں ناتا رشتہ عام فہم ہے	پس کیا واسطے ان کے ناتا اور سسرال	پھر ٹھہرایا اس کا جد اور سسرال	فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا (الفرقان)
اب دلی میں سینکنا بولا جاتا ہے۔ تاپنا یوپی کے دیہات میں مستعمل ہے۔	تو کہ تم سینکو	شاید تم تاپو	لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (النمل)
مہم کا لفظ سیاق وسباق کے لحاظ سے بہت موزوں ہے۔	پس کیا مہم ہے تمہاری اے بھیجے ہوؤ	پھر بولا، پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ؟	فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ (الذاریات)
آگے زمین پھاڑنے کا ذکر ہے اس کی رعایت سے اکڑنے	اور مت چل بیچ زمین کے اکڑتا ہوا	اور نہ چل زمین پر اتراتا	لَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا (بنی اسرائیل)

آیت قرآن	ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ صاحب	ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ	تفصیل
" "	" "	" "	کا لفظ نہایت موزوں ہے۔
وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا۔ (عنکبوت ۶۰)	اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی	نہیں اٹھائے پھرتے رزق اپنا	دونوں محاورے بہت عمدہ ہیں
يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ (الروم)	اور جس دن اٹھے گی قیامت	اور جس دن برپا ہو گی قیامت	برپا فارسی کا عام لفظ ہے اس سے ترجمہ با محاورہ ہو گیا۔
يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ (ابراہیم رکوع ۶)	مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور رکھتا ہے	مٹا ڈالتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے	شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجمہ میں زور زیادہ ہے۔
أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا (الرعد آیت ۴۱)	کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے	کیا نہیں دیکھا انہوں نے یہ کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے ہوئے کنارے اس کے سے۔	شاہ رفیع الدینؒ صاحبؒ کا ترجمہ با محاورہ ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالماجد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دریاآبادی

عربی میں اَلَاَ حرف تنبیہ ہے یہ لفظ مخاطب کو ہوشیار کرکے کسی بات کا یقین دلانے کے لیے لایا جاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس کلمہ کا ترجمہ کئی طرح کرتے ہیں۔

اَلَا اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (البقرہ)	سن رکھو! وہی ہیں بگاڑنے والے پر نہیں سمجھتے۔
اَلَا اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ۔ (البقرۃ)	سنتا ہے! وہی ہیں بے وقوف پر نہیں جانتے۔

دوسرے حضرات کے تراجم یہ ہیں۔

خبردار ہو!	شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
یاد رکھو!	مولانا تھانوی صاحبؒ
اور بس سنو جی!	ڈپٹی صاحبؒ
خبردار!	مولانا مودودی صاحبؒ

دوسری آیات میں حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی جگہ ..... سن رکھو .... (یونس رکوع ۶)..... کسی جگہ ...... سن لو ...... (ہود رکوع ۲) کے الفاظ لکھے ہیں۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی نے اپنے تمام پیشرو مترجمین سے الگ راہ اختیار کی۔ مولانا بھی اپنے عہد کے صاحب طرز ادیب ہیں۔ مولانا

لکھتے ہیں :-

اَلَا کلمہ تنبیہ ہے ۔ عربی میں خبردار ہوجاؤ، آگاہ رہو کے معنی ہیں ۔ یہاں (سورۂ بقرہ کے اندر) سیاق میں اس کا پورا مفہوم اردو کا "کیا خوب" یا ... "کیوں نہ ہوتا" سے ادا ہوتا ہے ۔

مولانا ترجمہ کرتے ہیں ۔ "کیا خوب ! یہی تو بگاڑ کرنے والے ہیں" ..... (تفسیر ماجدی اردو ج ۱ صـ ۳۵)

اب اس کا فیصلہ ماہرین زبان پر چھوڑا جاتا ہے کہ مولانا کا یہ لفظ تنبیہ کا مفہوم ادا کرتا ہے یا نہیں ۔ ؟

عام طور پر اردو میں یہ لفظ استعجاب کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح عربی میں .... کلمہ اِنَّمَا .... حصر کے لیے آتا ہے ۔ اور اس سے تاکید پیدا کی جاتی ہے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ ہر موقعہ پر نہایت موزوں انداز میں کرتے ہیں ۔ پہلے اس کی کچھ تفصیل بیان کی جا چکی ہے ۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے سورہ البقرہ میں اس لفظ کا ترجمہ بڑا عجیب کیا ہے ۔

لکھتے ہیں :-

قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ تو کہتے ہیں کہ ارے ! ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۔ (البقرہ)

حاشیہ میں لکھتے ہیں ...... انما کلمہ حصر ہے ۔ اردو میں زور کا یہ مفہوم "ارے" سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ۔ (ج ۱ صـ ۳۴)

الکہف کی مشہور آیت ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ   تو کہہ! میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے
(۱۱۰)   تم"

اس آیت کا ایک ترجمہ یہ ہے۔

میں تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں۔

یہ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

غور کرو! ان دونوں ترجموں کے اندر کیا فرق نظر آرہا ہے؟ مولنا تھانویؒ کے ترجمہ میں مثلیت پر بہت زور پیدا ہو گیا ہے۔ جب کہ شاہ صاحبؒ نے ایک ہلکا لفظ...... جیسے تم...... رکھ کر مراد خداوندی کی رعایت فرمائی ہے۔

اس حقیقت پر تمام مسلم فرقے متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر بشر ہونے کے باوجود ایک منفرد اور بے مثال بشریت کے مالک تھے کمالات و اوصاف باطنی و ظاہری کے اعتبار سے نہ آپ جیسا کوئی بشر پہلے ہوا اور نہ قیامت تک ہو سکے گا۔ اسی کی طرف خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ جب بعض صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں صوم وصال کا سلسلہ شروع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
ایکم مثلی، یطعمنی ربی و یسقینی...... تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میرا پروردگار تو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو خداوند تعالےٰ نے جو امتیاز عطا فرمایا ہے یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

اسی عقیدت کو سامنے رکھ کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کہف کا ترجمہ کیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس کی رعایت کی ہے مگر ان کا ترجمہ الفاظ قرآنی کے دائرہ سے باہر ہو گیا ہے۔

لکھتے ہیں :۔

"تم فرماؤ، ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں"۔

مطلب کی حد تک یہ ترجمہ صحیح ہے۔ مگر ترجمہ کے اصول پر اسے ترجمہ کے بجائے مطلب و تشریح کہنا زیادہ صحیح ہے۔

مشکل اور متروک الفاظ کے متعلق ضروری تشریح

آگے موضح قرآن کے جن الفاظ کو نامانوس اور مشکل و متروک کہا گیا ہے وہ دلی کی موجودہ فصیح اور ترقی یافتہ عوامی زبان کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہندوستان کے ہر حصہ سے ان الفاظ کا استعمال ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ آگے ذکر کیے گئے الفاظ میں سے اکثر الفاظ ایسے ہیں جو میرٹھ اور اس کے اطراف میں بولے جاتے ہیں۔

بعض الفاظ راجستان میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں اور بعض الفاظ کا پنجاب کے علاقہ میں اب تک چلن موجود ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے اردو زبان کی حقیقت اور اس کی ترقی کے مختلف عہدوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

مختصر تاریخ ادب اردو کے مصنف لکھتے ہیں۔

ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اردو زبان نہ برج بھاشا سے بنی نہ پنجابی سے بلکہ مخلوط زبانوں سے متاثر ہو کر کھڑی بولی پر اس نے اپنی بنیاد رکھی[1]

ڈاکٹر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں۔

---

[1] صفحہ ۲۶

سلاطین دہلی کے ابتدائی عہد میں چونکہ فوج میں پنجابیوں کی کثیر تعداد تھی اس لئے سرزمین پنجاب کے لسانی اثرات اس نئی بولی پر حاوی تھے لیکن بہت جلد بازار کی زبان فوج پر حاوی ہوگئی، جہاں تک بازار کی زبان کا تعلق ہے، تحقیق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس پر دہلی کے جمنا پار والے (میرٹھ اور اس کے اطراف) مضافات کا اثر غالب رہا ہے۔

اکبر نے بعض مصلحتوں سے آگرہ کو دارالخلافہ بنایا تو اس نئی زبان پر برج بھاشا (متھرا کے علاقہ کی ہندی) اور راجستانی زبان کا اثر پڑا، کیونکہ دربار میں راجپوت رانیوں کا زور تھا۔

شاہجہاں نے پھر دلی کو دارالخلافہ بنایا اور اب دہلوی زبان کو پھر عروج ہوا، اور کھڑی بولی نے اُپ بھرنش (میرٹھ کے اطراف کی ہندی) کی قدیم روایات اور پنجابی اثرات کا جوا اپنے سر سے اتار پھینکا اور اس کا نام شاہجہانی اردو پڑ گیا، اورنگ زیب کے عہد میں اس زبان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی اور اس وقت اس کا نام اردوئے شاہی بھی کہیں کہیں ملنے لگتا ہے[1]

اردو نثر شمالی ہند میں

سرزمین دکن میں اردو نثر کا آغاز شمالی ہند سے سو سال پہلے ہو چکا تھا اور اس سرزمین کے صوفیائے حق نے اردو نثر میں تصوف کی کتابیں لکھنی شروع کر دی تھیں لیکن شمالی ہند میں اردو نثر کی پہلی کتاب فضلی کی کربل کتھا

---

[1] مختصر تاریخ ادب اردو صہ ۲۹

۱۱۴۵ھ میں تصنیف ہوئی۔

شمالی ہند میں فارسی کا زور تھا، اردو میں لکھنا لوگوں کے نزدیک معیوب بات تھی۔ اس کے علاوہ یہاں نظم کو قبول عام حاصل تھا، لوگ رقعے وغیرہ بھی نظم میں لکھتے تھے۔

اردو نثر اگر کچھ تھی بھی تو وہ فارسی کے طرز پر مقفّیٰ اور مسجّع لکھی جاتی تھی؛ جیسے کربل کتھا کا انداز ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی توجہ

اب وقت آیا کہ اردو نثر مقفّیٰ اور مسجع رنگین انداز چھوڑ کر سلیس سادہ اور پرکار انداز اختیار کرے۔ چنانچہ کمپنی کو ایسے افسران کے لیے ایک عوامی زبان کی ضرورت پیش آئی اور وہ اردو تھی، کمپنی نے ۱۹ ویں صدی کے اوائل میں کلکتہ کے اندر فورٹ ولیم کالج قائم کیا، اس کالج کے منتظم اعلیٰ ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے ملک کے بہترین انشاء پردازوں کو وہاں جمع کیا اور ان سے اردو نثر میں کتابیں تیار کرا کر چھپوائیں ڈاکٹر صاحب نے لوہے کے ٹائپ کا اردو پریس بھی قائم کیا جو کچھ عرصہ چل کر بند ہوگیا[1]

ڈاکٹر اعجاز حسین کے خیال میں" اس کالج کا اثر تمام ملک پر پڑا رفتہ رفتہ سبھوں نے فرسودہ طریقہ چھوڑ کر سادگی اختیار کی، دہلی والوں نے بہت

---

[1] ۱۸۳۱ء میں لیتھو پریس کانپور میں اور پھر ۱۸۳۷ء میں لکھنؤ میں کھولا گیا، تاریخ ادب اردو ص ۳۵۔

جلد اس روش کو قبول کیا، البتہ اہلِ لکھنؤ نے کچھ دیر تردد اور تکلف سے کام لیا۔ [1]

لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ ابھی فورٹ ولیم کالج کی کتابیں چھپ کر بازار میں بھی نہیں آئی تھیں، بلکہ کالج کے ادیبوں اور علماء کرام نے ادب و اخلاق اور ترجمۂ قرآن کا کام شروع کیا ہی تھا کہ عین اسی وقت دہلی کی ایک مسجد (اکبر آبادی) میں حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الہام الٰہی کے اشارہ پر قرآن کریم کا ترجمہ شروع کر دیا، اور کسی نمونہ کی تقلید کے بغیر نثر اردو کا بہترین ذخیرہ تخلیق فرما دیا۔

رام بابو سکسینہ نے، فورٹ ولیم کالج سے باہر ہونے والی کوششوں میں خاندانِ ولی اللّٰہی اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن کو اردو ادب کی خدمات کے سلسلہ میں بڑے وقیع انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے [2] لیکن ڈاکٹر اعجاز صاحب کے پاس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد صاحبؒ بریلوی کے رفقاء کی اردو خدمت کے لیے برائے نام بھی دو سطریں نہیں تھیں، ہاں سر سید احمد خاں کی دہلی کالج سوسائٹی کے تذکرہ کے لیے ان کے صفحات میں جگہ ضرور تھی، جب کہ اس کی سرگرمیوں کا دور ۱۸۶۵ء لکھا گیا ہے اور اس سے ساٹھ ستر سال پہلے شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسمعیل شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد صاحبؒ

---

[1] ص ۳۲۶

[2] تاریخ ادب اردو ص ۵۹۳۔

بریلوی کے رفقاء اپنی اصلاحی کتابوں کے ذریعہ اردو نثر کی تعمیر کا بنیادی کام کر چکے تھے۔

اردو کی ترقی اور اس کی پیدائش کی اس مختصر تاریخ سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اردو زبان ... شاہجہان کی اردوئے معلٰی اور نگ زیب کی اردوئے شاہی بن چکی تھی پھر بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موضح قرآن کی فصیح و بلیغ اردو کو ہندی نام سے موسوم کیا ہے اور اس زبان کا یہ پہلا نام حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فارسی اور عربی الفاظ کے غلبہ سے محفوظ رکھا ہے [1]

دوسری بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استعمال کیے ہوئے وہ الفاظ جو دلی اور لکھنؤ کی موجودہ فصیح اردو کے لحاظ سے نامانوس اور متروک کہے جا سکتے ہیں ان میں سے اکثر الفاظ جمنا پار کے مضافات میں اب بھی عام بول چال میں شامل ہیں۔ اور اس کی یہی وجہ ہے جو ارباب تحقیق نے لکھی ہے کہ اردو پر اس علاقہ کی اب بھرنش (بگڑی ہوئی ہندی بقول اہل سنسکرت) کا اثر غالب رہا ہے۔

اسی طرح اردو زبان پر راجستان، ہریانہ اور پنجاب کی بولیوں کا بھی اثر

---

[1] دوسرے یہ کہ اس میں زبان ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو۔ مقدمہ موضح قرآن میں شاہ صاحبؒ کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

پڑا ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں ان علاقوں میں بولے جانے والے عام فہم الفاظ بھی داخل ہیں۔

فارسی، عربی اور ترکی الفاظ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے اکبر اور شاہجہاں کے دور میں اردو میں داخل نہیں ہونے لگے تھے کیونکہ فارسی زبان حکومت کی زبان تھی۔ .... اس کے علاوہ اس کے الفاظ سننے میں اچھے لگتے تھے اور زور دار تھے اور ان کے بولنے والے خواہ مخواہ تعلیم یافتہ سمجھے جاتے تھے [۱]

مگر شاہ صاحبؒ نے اپنے ترجمہ کو عربی فارسی الفاظ اور ان کی ترکیبوں کے غلبہ سے پوری طرح بچائے رکھا۔ ہاں، جہاں ہندی کا کوئی لفظ شاہ صاحبؒ کو قرآن کریم کے مفہوم کو ادا کرنے والا نہیں ملا وہاں شاہ صاحبؒ نے عربی اور فارسی کے الفاظ رکھدیئے جو ہندی الفاظ کے مقابلہ میں معدودے چند ہیں۔

سنسکرت کے الفاظ بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ضرورۃً استعمال کیے ہیں، چند سے زیادہ نہیں، کیونکہ سنسکرت زبان ایک محدود علمی طبقہ میں سمٹ کر رہ گئی تھی، اور عوام میں اسے سمجھنے والا کوئی نہ تھا۔ اب دیکھئے پھیر جانا، الوپ ہو جانا، چیتو گے، سینس چلانا، توڑا پڑ جانا، پیٹھنا، کھدیڑنا، نوے ہیں وغیرہ کے الفاظ یوپی کے اضلاع میرٹھ، ہاپوڑا اور بلند شہر میں بولے جاتے ہیں اور سمجھے جاتے ہیں لیکن ہم دلی والوں کے لیے یہ الفاظ بالکل پرانے اور متروک ہو چکے ہیں۔

---

[۱] تاریخ ادب اردو ص ۲۹

اسی طرح بندی خانہ، جڑاول، راچھر، تھانگ، چٹا، لڑمیتئے، پنڈا، وغیرہ الفاظ ہمارے لیے نامانوس ہو گئے ہیں لیکن پنجاب میں ان الفاظ کا استعمال عام ہے۔

بیورا، پیہراوا، بھینٹ، بھنٹیا کے الفاظ عام طور پر راجستان میں بولے جاتے ہیں، نرادھار، گہہ، گرہ، چٹی کے چند الفاظ خالص سنسکرت کے ہیں جو اب سنسکرت ملی، ادبی، ہندی کے ذریعہ رواج پانے لگے ہیں۔ محظوظ، افزود، فارغ خطی صاحب، چیز بست، خاصے، خاصی، گچ گیری، دریغ وغیرہ عربی اور فارسی کے عام فہم الفاظ ہیں۔

ایک محاورہ شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔ "حاضر آئے" یہ حیدر آباد میں عام طور پر بولا جاتا ہے۔ ہمارے اطراف میں مستعمل نہیں۔

مستند موضح قرآن میں ہم نے ہر لفظ کے سامنے حاشیہ پر اس کی تشریح کر دی ہے۔

بہر حال اس قسم کے تمام الفاظ مل کر بھی پورے ترجمہ قرآن میں معدودے چند ہی کہلائے جا سکتے ہیں۔ .... ورنہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عام زبان اور ترجمہ کی عام عبارت ہندوستان کے ہر خطہ میں بولی جانے والی اردو ہے، جسے ہم مولانا آزاد اور مولانا تھانویؒ کی عربی فارسی الفاظ سے بوجھل زبان کے مقابلے میں ہندی بھی کہہ سکتے ہیں اور ہندوستانی بھی، میٹھے اور دلکش محاوروں کے لحاظ سے وہ اردوئے معلی بھی ہے اور اردوئے شاہی بھی۔

---

[1] ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے ۱۸۰۰ء میں سب سے پہلے اردو کو ہندوستانی نام سے پکارا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ اور کتابت کی غلطیاں

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی عام تعلیمات کو نہایت آسان اور عام فہم ہندی، (اردو) میں بیان کیا ہے لیکن جہاں کہیں قرآنِ حکیم نے عقیدہ اور حکمت کی کوئی گہری بات کہی ہے یا کوئی علمی نقطہ بیان کیا ہے وہاں شاہ صاحبؒ مجبور ہو گئے ہیں کہ قرآن حکیم کی اس گہری بات کو عربی فارسی اور سنسکرت کے کسی جامع اور گہرے لفظ سے ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ کوئی علمی بات سیدھے سادھے لفظ میں ادا نہیں کی جا سکتی، .... یہی وہ علمی اور جامع المعانی الفاظ ہیں جن کو عام کاتب اور ناقل اپنی کم علمی کی وجہ سے نہیں سمجھ سکے ہیں۔ اور ہر دور میں کتابت اور نقل کا کچھ نہ کچھ سہو واقع ہوا ہے۔

اِن جامع اور گہرے قرآنی الفاظ کی تشریح کے لیے کہیں کہیں حضرت شاہ صاحبؒ کو اردو اور ہندی کی ترکیبیں خود وضع کرنی پڑی ہیں۔ کیونکہ ایک ابتدائی زبان میں اتنی وسعت کہاں ہو سکتی تھی کہ اس کے ذریعہ اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ ہو سکے .... اور تفسیر کے علمی نقطے اس میں بیان کیے جا

سکیں۔

اور حق یہ ہے کہ اس قسم کے جامع الفاظِ قرآنی کے ترجمہ کے لیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تخلیق و ایجاد کا جو کمال دکھایا ہے اس میں حضرتِ حق تعالےٰ کی الہامی امداد و توفیق کی کارسازی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

اس توفیقِ غیبی کا کرشمہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم سے نہ صرف یہ کہ ایک بے نظیر ترجمہ قرآن مجید وجود میں آگیا بلکہ اردو زبان بھی اچھی اچھی نادر ترکیبوں اور محاورات سے مالا مال ہوگئی۔

یہی وجہ ہے کہ کتابت اور نقل کے سہو نے شاہ صاحبؒ کے ایجاز واختصار اور نادر ترکیبوں والے ترجمہ کی بلیغ عبارت کو کہیں کہیں ایسا بگاڑ دیا ہے کہ مفہوم قرآنی ہی بدل کر رہ گیا ہے، ورنہ سہو کتابت کا معاملہ ایسا نہیں کہ اس نے کسی انسانی تحریر کا پیچھا چھوڑا ہو، شاہ صاحبؒ کے ہاں اگر اس سہو نے اہمیت اختیار کر لی ہے تو صرف اس کے بلاغت ایجاز کی وجہ سے۔

پھر موضح قرآن کوئی آسمانی کتاب نہیں، جس کی حفاظت کا وعدہ خود محافظ حقیقی نے کیا ہو...... یہ ایک انسانی تحریر ہے جو بلا روک ٹوک پونے دو سو برس سے ہزاروں ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے اور ہر ناشر اسے چھاپ رہا ہے اس تحریر کا اتنا محفوظ رہنا بھی اس کے مصنف کی کرامت نہیں تو کیا ہے

ہاں! اگر یہ علمی ترجمہ شروع ہی سے اہل علم کے ہاتھوں میں رہتا تو شاید کتابت اور نقل کی غلطیوں سے محفوظ رہتا اور ولی اللّٰہی مکتب فکر سے گہری وابستگی رکھنے والے طبقۂ اہل کی علم کی یہ ذمہ داری تھی بھی کہ وہ اس علمی ذخیرہ سے اس طرح

بے تعلق ہو کر محض ناشرین کتب کے رحم وکرم پر اسے نہ چھوڑتے۔

شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی علمی نزاکت کے پیش نظر سب سے پہلے سید عبداللہ صاحب لاہوری نے ۱۲۴۵ھ میں مشکل ہندی الفاظ کی ایک فہرست قرآن کریم کے ساتھ شائع کی جو ۱۰۳ الفاظ پر مشتمل ہے اور ہر پندرہ پاروں کے بعد ایک فہرست لگی ہوئی ہے۔

اس کے بعد ۱۳۱۵ھ میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا سید احمد حسن صاحب دہلوی ڈپٹی کلکٹر حیدرآباد نے بڑے شاہ صاحبؒ کا فارسی ترجمہ اور دونوں صاحبزادوں کے اردو ترجمے ایک ساتھ شائع کیے اور مشکل الفاظ کی ایک فہرست بھی لگائی جس میں پہلی فہرست پر کچھ اضافہ ہے۔

راقم نے اب تیسری دفعہ موضح قرآن کے مشکل الفاظ کی چھان بین کی اور اس میں تقریباً ساڑھے تین سو الفاظ ایسے نکلے جو اس وقت عام بول چال میں نہیں آتے اگرچہ بالکل متروک بھی نہیں ہیں .... اور بالکل متروک[1] الفاظ کی تعداد پوری تحقیق کے بعد دس گیارہ سے زیادہ نہیں نکلی، .... اور پونے دو سو برس میں زبان کی تبدیلی کا یہ اثر کہ قرآن کریم کے چھیاسی[2] ہزار چار سو تیس کلمات کے ترجمہ کی عبارت میں ساڑھے تین سو الفاظ کچھ پرانے معلوم ہونے لگے

---

[1] متروک و نامانوس جس لحاظ سے کہا جا رہا ہے اس کی تشریح اوپر کر دی گئی ہے

[2] قرآن کریم میں کل حروف کی تعداد تین لاکھ تئیس ہزار سات سو ساٹھ ہے۔ اور ان کے اردو ترجمہ کے الفاظ کلمات کے ترجمہ کے الفاظ سے الگ ہیں۔

یں کچھ تعجب انگیز بات نہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل اور علمی الفاظ کی تشریح میں اپنے قارئین کو لغت کی کتابوں کا محتاج نہیں رکھا ہے۔ بلکہ خود ہی ایسے الفاظ کی تشریح کردی ہے اور اس کی دو صورتیں شاہ صاحبؒ کے ہاں نظر آتی ہیں۔

۱:۔ ایک یہ کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے الفاظ کی تشریح اپنے فوائد میں فرمادی ہے۔

۲:۔ دوسرے یہ کہ مختلف مقامات پر ہم معنی قرآنی الفاظ کی تشریح میں اردو اور ہندی کے الفاظ الگ الگ استعمال کیے ہیں۔ عربی کا لفظ ایک ہے اور ہر مقام پر موقع و محل کی رعایت سے ایک نیا لفظ اس کے ترجمہ کے اندر نظر آتا ہے، اس اسلوب سے ترجمہ میں لائے گئے تمام الفاظ کا مفہوم واضح ہوگیا ہے جیسے لفظ اَلرَّبُّ کے ترجمہ میں "صاحب" کا لفظ رکھا ہے اور پھر اس لفظ صاحب کو ہر مقام پر ایک الگ معنی میں استعمال کیا ہے تاکہ تمام مقامات پر ایک نظر ڈالنے والا "صاحب" کے تمام معنوی پہلوؤں سے واقف ہو جائے۔

اسی طرح سنسکرت کا لفظ گہہ، گھوا اور گہا، ہے اس لفظ کو شاہ صاحبؒ نے کئی مقام پر استعمال کیا ہے اور بڑے اچھے انداز سے اس لفظ کے حقیقی مفہوم کو واضح کر دیا ہے۔

یہ وہ الجھنیں تھیں جن سے گھبرا کر لوگوں نے موضح قرآن کو پرانا اور ناقابلِ فہم کہنا شروع کر دیا اور اس کی جگہ نئے نئے ترجمے آنے لگے۔ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق نئے اردو ترجموں کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں لیکن شاہ صاحبؒ کے

علمی ترجمہ کو باقی اور محفوظ رکھنا بھی اپنی جگہ ایک اہم ذمہ داری ہے اور اس کا طریقہ سیدھا سادھا یہ ہے کہ دوسرے علوم وفنون کی کتابوں کو واضح کرنے اور انہیں عام فہم بنانے کے لیے جس طرح حواشی و شروح لکھی جاتی ہیں اسی طرح موضح قرآن کی بھی تشریح کر دی جائے۔ اور پونے دو سو برس کے اندر اس میں جتنی غلطیاں داخل ہو گئی ہیں انہیں دور کر دیا جائے۔

راقم نے اپنی محدود استعداد کے مطابق یہی کیا ہے۔

۱:۔ محاسن موضح قرآن پر تفصیلی تبصرہ "آپ کے ہاتھ میں ہے"۔

۲:۔ مستند موضح قرآن، تصحیح شدہ ترجمہ، حاشیہ پر مشکل الفاظ کی تشریح کے ساتھ ان شاء اللہ بہت جلد پبلش کیا جائے گا۔

مشکل الفاظ کی تشریح اور سہو کتابت کی تحقیق میں جو نسخے راقم کے سامنے رہے ہیں ان کا تذکرہ حوالوں کے ذیل میں ملے گا، جدید اور تازہ ایڈیشنوں میں راقم نے تاج کمپنی لاہور پاکستان کے ایڈیشن ۱۹۷۴ء کو سامنے رکھا ہے، یہ ایڈیشن دوسرے تمام ایڈیشنوں کے مقابلہ میں بہت معیاری ہے، لیکن تاج کمپنی نے متنِ قرآن کی صحت کے لیے جو معیار قائم کیا ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ کے الہامی ترجمہ کی تصحیح و تحقیق میں کمپنی نے بہت معمولی توجہ سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اس نسخہ میں کتابت کی معمولی غلطیاں بھی کافی ہیں اور اہم غلطیاں بھی نظر آ رہی ہیں اور دوسرے نسخوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔

کمپنی کے مرتّب صاحب نے تشریحِ الفاظ کے لیے ایک کام بہت ہی غیر موزوں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض مقامات پر تشریحی توسین ترجمہ کے

اندر بڑھا دیئے ہیں، اس سے ایک تو ترجمہ کی روانی میں فرق پڑ گیا ہے اور دوسرے بعض جگہ آیت کا صحیح مفہوم صاف ہونے کے بجائے اور الجھ گیا ہے جیسا کہ آگے تبصرہ سے معلوم ہوگا۔

راقم اردو کے قدیم الفاظ کی تحقیق کے کام میں محترم مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف ابن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ سے قدم قدم پر مشورہ لیتا رہا ہے اور راقم کو مولانا سے بڑی مدد ملی ہے اس کے لیے راقم موصوف کا شکر گزار ہے۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے محاسن موضح قرآن کی ترتیب و طباعت کو آسان فرما دیا اسی طرح مستند موضح قرآن کی طباعت کے بڑے کام کو بھی آسان فرمادے آمین۔

تاکہ ولی اللٰہی علوم کا یہ بیش قیمت ذخیرہ صحیح اور صاف ہو کر امت کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور آئندہ ناشرین اسی کے مطابق اسے چھاپتے رہیں، مستند موضح قرآن کی اشاعت کے کام میں امت کے اصحابِ خیر اور اہل علم حضرات اور خاص طور پر علوم ولی اللٰہی کے قدردان توجہ فرمائیں گے۔ تو انشاء اللہ یہ بڑا کام بھی وجود میں آجائے گا۔

جہاںتک اس فقیر ناتواں کی قلمی جدوجہد کا تعلق ہے وہ موجودہ حالات کی ہنگامہ آرائیوں کے باوجود پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ اور یہ صرف خداوند تعالےٰ کی توفیق اور خاندانِ ولی اللٰہی

کے صاحب فیض بزرگوں کا روحانی تصرف ہے۔

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

۱۹ر اکتوبر ۔ ۱۹۷۶ء

قدیم نسخوں میں کتابت کی غلطیاں

(۱) اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے ترجمہ میں کتابت کا سہو

قرآن کریم کی پہلی سورت میں کتابت کی غلطی کا پہلا نمونہ یہ ہے۔
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ   تجھ ہی کو ہم بندگی کریں اور تجھ ہی سے مدد چاہیں۔

یہ سب ترجمہ سید صاحب والے نسخہ (انگریزی، رومن اور پانچ ترجموں والے قرآن کے مطابق ہے۔

اس لیے ہم اس کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی ترجمہ قرار دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قدیم وجدید نسخوں میں کتابت کے سہو نے اپنا کرشمہ دکھایا ہے۔

غلام نجف خاں والے نسخہ اور حسب ذیل نسخوں میں کسی جملہ کے اندر بھی ضمیر "ہم" موجود نہیں ہے

۱:- ۱۲۶۸ھ[1] مصطفائی ۲:- ۱۳۰۰ھ ۳:- ۱۳۳۲ھ آگرہ اور

---

[1] مطبوعہ ۱۲۶۴ھ سلطانی پریس دلی

تاج کمپنی لاہور کے کاتب نے اس کے برعکس دونوں جملوں میں "ہم" لگا دیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے بھی دونوں جملوں میں "ہم" کا اضافہ اختیار کر کے ترجمہ کیا ہے۔

ضمیروں کے استعمال میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو عام اسلوب ہے وہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ سید صاحب والا ترجمہ درست ہے۔

ضمیروں کے استعمال میں شاہ صاحبؒ کا اسلوب

ضمیروں کے معاملہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا اسلوب خاص یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ ایجاز و اختصار کے پیش نظر بقدر ضرورت ضمائر لاتے ہیں، ضمائر کی تکرار ایک ہی آیت میں ترجمہ کو لطافت سے خالی کر دیتی ہے اور شاہ صاحبؒ اسی لیے اس سے بچتے ہیں۔

اس کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں، البقرہ میں فرمایا،

قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي	کہا، میں نے نہ کہا تھا تم کو مجھ کو
أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ	معلوم ہیں پردے آسمان اور زمین کے
الْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا	اور معلوم ہے جو تم ظاہر کرو، اور جو
تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ	چھپاتے ہو،
تَكْتُمُوْنَ (۳۳)	

غور کرو! پہلے أَعْلَمُ میں ضمیر متکلم "مجھ کو" ظاہر کر دی اور دوسرے أَعْلَمُ میں چھوڑ دی۔ پھر تُبْدُوْنَ میں ضمیر خطاب "تم" ظاہر کر دی اور تَكْتُمُوْنَ

میں اسے چھوڑ دیا۔

دوسری مثال سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں دیکھو،

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ	اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد
وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ	کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا
الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ	میں اور روزی دی ان کو ستھری چیزوں
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ	سے اور زیادہ کیا ان کو اپنے بنائے ہوئے
عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا	بہت شخصوں پر بڑھتی دے کر،
تَفْضِيْلًا (۷۰)	

اس آیت پاک میں صرف پہلے فعل "کرّمنا" کے ترجمہ میں ضمیر "ہم" کو ظاہر کیا اس کے بعد حَمَلْنٰهُمْ اور رَزَقْنٰهُمْ اور فَضَّلْنَا کے ترجمہ میں ضمیر کے اظہار سے گریز کیا،

یہ ہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عام اسلوب جس سے ترجمہ میں سلاست اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے اور ضرورت کے لیے پہلے فعل کے ترجمہ میں ضمیر متکلم کا اظہار کافی ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں آیتوں کا مذکورہ ترجمہ سید صاحب اور رومن ترجمہ کا متفق علیہ ہے۔

اِن دو نسخوں کے علاوہ دوسرے قدیم و جدید نسخوں میں اختلاف نظر آتا ہے۔

۱۳۰۰ھ والے نسخہ میں "رزقناہم" کے نیچے بھی ضمیر متکلم درج ہے، اور تاج کمپنی والے نسخہ نے بھی اسی کی تقلید کی ہے،

☆

ایک فاش غلطی!

دلی کے مشہور مطبع نعمانی نے ۱۳۱۲ھ ہجری کے نام سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موضح قرآن شائع کیا ہے، اس پر سرسری نظر ڈالنے سے راقم کے سامنے سورۂ طٰہٰ میں کتابت کی ایک فاش غلطی نظر آئی۔

وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ — اور اس سے جن نے ہم کو بنایا، سو

مَا اَنْتَ قَاضٍ، — تو کر چک جو کرتا ہے۔

اس ترجمہ کے بجائے پہلے جملہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

اور جس کو ہم نے بنایا" (ص ۲۸۶) یہ ایک ایسی غلطی ہے جسے اگر جان بوجھ کر اور سمجھ کر پڑھ لے تو حدِ کفر تک پہنچ جائے۔

لیکن سالہاسال سے یہ ترجمہ شائع ہو رہا ہے اور لوگ اسے بے سمجھے بوجھے پڑھتے چلے آرہے ہیں۔

اس قرآن کریم کے فوائد میں بھی کاٹ چھانٹ کی گئی ہے، بعض فوائد درج نہیں ہیں مثلاً ص ۲۴۱ سورہ الحجر پر "حتی یاتیك الیقین" کا حاشیہ درج نہیں کیا گیا اور صفحہ ۱۸۲ پر موضح قرآن کا عنوان درج ہے۔ اور تشریحی نوٹ کسی دوسرے صاحب کا ہے۔ یہ بات سخت مغالطہ انگیز ہے۔

یَخْلُ لَکُمْ وَجْهُ اَبِیْکُمْ (یوسف ۹)

اس فقرہ کا ترجمہ تین طرح منقول ہے:۔

۱:۔ کہ اکیلا رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کا — سید عبداللہ اور بعض

قدیم نسخے۔)

۲:۔ اکیلی رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی (مطبوعہ تاج کمپنی)

۳:۔ اکیلے رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی (مطبوعہ اقبال پرنٹنگ پریس)

رومن والے میں بھی "اکیلا رہے" لکھا ہوا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں توجہ کا لفظ مذکر بولا جاتا ہو اور بعد والوں نے اپنے استعمال کے لحاظ سے اسے مونث بنا لیا ہو اور اکیلے کا لفظ کتابت کا سہو معلوم ہوتا ہے۔

كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (النور ۳۵)

"جیسے ایک تارا ہے جھمکتا"۔ بعض قدیم نسخوں میں "چمکتا" کا لفظ ہے۔ لیکن صحیح لفظ جھمکتا ہے۔

عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا

(الواقعہ ۱۵)

اس آیت کے ترجمہ میں دو طرح کی عبارتیں ملتی ہیں۔

۱:۔ بیٹھے ہیں پلنگوں پر سونے سے بنے، تکیہ دیئے ان پر" نسخہ ۱۳۰۰ھ و ۱۲۶۸ھ، ۱۳۳۲ھ آگرہ والا و تاج کمپنی لاہور

۲:۔ بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر، تکیہ دیئے ان پر"..... سید عبداللہ، رومن والا، اور پانچ ترجموں والا، مطبع کریمی بمبئی، لغت میں موضونۃ، وضن

سے ہے جس کے معنی بُننے کے ہیں یعنی بُنے ہوئے اس کی رعایت سے "سُرُر" کا ترجمہ پلنگ ہی موزوں ہے۔ چنانچہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بھی چارپائی لکھا ہے۔

مفسرین نے "موضونۃ" کی تفسیر کی ہے

منسوجة بقضبان الذهب والجواهر — سونے کی ٹہنیوں سے اور جواہرات سے بنے ہوئے۔

اس تفسیر کی وجہ سے مترجمین نے سونے کے تاروں سے بنے ہوئے ترجمہ کر دیا ہے۔

بہرحال! پہلا ترجمہ قرآن کریم کے الفاظ سے قریب تر ہے اور اسی کو ہم اصلی ترجمہ کہہ سکتے ہیں

فارسی والوں نے چونکہ تخت لکھا ہے اس لیے کچھ حضرات نے اردو میں بھی تخت کا لفظ پسند کیا ہے اور سید عبداللہ صاحب نے اسی کے مطابق شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کو بدلا ہے۔

۷۔ وَلْيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰىهُ اللّٰهُ — چاہیئے خرچ کشائش والا اپنی کشائش سے اور جس کو مپی ملتی ہے اس کی روزی تو خرچ کرے اس کو جیسا دیا اس کو اللہ نے۔

"مپی ملتی ہے" شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اس طرح کر دیا۔ "نپی تلی ملتی ہے"۔ سید عبداللہ والے اور روشن ترجمہ میں پورا ترجمہ بدلا ہوا ہے۔ جو اس طرح ہے۔ "چاہیئے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق

اور جو کہ تنگ ہوئی اس پر اس کی روزی تو خرچ جتنا دیا اس کو اللہ نے، اوپر والا ترجمہ تمام قدیم وجدید نسخوں میں ملتا ہے، سوائے سید عبداللہ اور رومن[لہ] والے نسخہ کے۔ .... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے پوری آیت کے ترجمہ کو اپنی اصلاح کی نذر کیا ہے،

سید عبداللہ کا اصلاح شدہ ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کے موافق نظر آتا ہے۔ حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کی عبارت ہے، باید کہ خرچ کند صاحب وسعت از وسعت خود و آنکہ تنگ کردہ شد بر وے رزق او ر پس باید کہ خرچ کند از آنچہ عطا کردہ است"۔

(۸) عُتُلٍّ بَعْدَ ذَالِكَ زَنِيْمٍ (القلم ۱۳) اُجڈ، اس سب کے پیچھے بدنام

اُجڈ اردو میں نہایت بدمزاج، بدتمیز اور اکھڑ آدمی کو کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں یہ لفظ (اجڑ) (ڑ) سے لکھا ہوا ہے اور بعض نسخوں میں (آخر) ہو گیا ہے

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ (الحاقۃ ۳۲) پس ایک زنجیر میں جس کا ماپ ستر گز ہے اس کو پرو دو

لہ اردو رومن کے سامنے چونکہ وہ بدلا ہوا ترجمہ تھا اس لیے اس نے وہی نقل کر دیا۔

پانچ ترجمہ والے نسخہ میں "جکڑ دو" لکھا ہوا ہے اور یہ سید عبداللہ والے نسخہ سے چلا ہے۔ سید صاحب نے یہ اصلاح فرمائی ہے۔ رومن والے نے بھی یہی لفظ لکھا ہے، ان کے علاوہ کئی قدیم نسخوں میں "پرو دو" کا لفظ ہے جو لغت عربی کے لحاظ سے زیادہ قریب المتن ہے اس لیے ہم شاہ صاحبؒ کا اصلی ترجمہ اسی کو سمجھتے ہیں۔

اَسْلَكَ الشئَ فی الشیٔ ...... ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا۔ فارسی والوں نے لکھا ہے۔ "درآرید اور درادراں" شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لکھا ہے۔ "پس داخل کرو اس کو"...... یہی اس لفظ کا صحیح مفہوم ہے، مفسرین نے بھی ...... ادخلوا فیھا ...... لکھا ہے (جلالین ص ۴۷۶)

اردو والوں میں سب سے پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ہے، انہوں نے "جکڑ دو" کا لفظ لکھا ہے۔ اسی سے بعد والوں نے اس لفظ کو اختیار کیا ہے۔

سوائے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے، خاں صاحب نے شاہ صاحبؒ ہی کے لفظ کو پسند کیا ہے۔

مرادِ خداوندی اس مقام پر دوزخیوں کو پہنچائی جانے والی اذیت کا اظہار کرنا ہے اور اذیت جکڑ نے کے مقابلہ میں پرونے اور اس زنجیر کو ان کے جسموں کے اندر داخل کرنے میں زیادہ ہے۔

وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ "اور اس علم کے جو اترا دو فرشتوں پر"

(البقرہ ۱۰۲)

اس آیت میں ہاروت ماروت اور ان کے جادو کا قصہ بیان کیا گیا ہے
پوری آیت یہ ہے۔

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

اور پیچھے لگے ہیں اس علم کے جو پڑھتے شیطان سلطنت میں سلیمان کے، اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا۔ لوگوں کو سکھاتے سحر اور اس علم کے جو اترا دو فرشتوں پر بابل میں ہاروت و ماروت پر۔

تمام قدیم و جدید نسخوں میں "مَا اُنْزِلَ" کا عطف تتلو پر کر کے وہ ترجمہ کیا گیا ہے، جو اوپر درج ہے، لیکن مطبع نعمانی دلی اور پانچ ترجمہ والے نسخہ میں (کے) کی بجائے (کو) لکھا ہوا ہے اس سے اس کا عطف "السحر" پر ہو جاتا ہے۔

پہلی صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ وہ شیاطین گمراہ جنات اور بدکردار انسانوں (شیاطین) کے جادو ٹونے کی پیروی کرتے ہیں اور اس جادو کی پیروی کرتے ہیں جو ہاروت و ماروت پر اتارا گیا تھا۔

دوسری صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ وہ شیاطین لوگوں کو سحر سکھاتے تھے اور یہ جو جادو ہاروت و ماروت پر اترا تھا وہ سکھاتے تھے،

صاحب جلالین نے 'مَا اُنْزِلَ' کا عطف السحر پر لکھا ہے اور مولانا تھانوی ؒ نے حاشیہ پر اس کی وضاحت بھی کی ہے کہ دونوں صورتوں میں مطلب

ایک ہی ہے، صرف فرق اعتباری ہے یا اس لحاظ سے السحر پر عطف کیا گیا ہے کہ ہاروت ماروت کا سحر ان شیاطین کے سحر سے زیادہ قوی تھا، (بیان القرآن ج ۱ ص۴۵)

علامہ مہائمی نے لکھا ہے کہ شیاطین کے سحر میں کفر کی آمیزش تھی اور ہاروت ماروت کا سحر خالص کفر تھا (تبصیر الرحمٰن ص۵۵)۔

حاصل یہ نکلا کہ نحوی ترکیب کے لحاظ سے عطف کی دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن تمام فارسی اور اردو مترجمین نے اپنے تراجم میں اس کا عطف تتلوا پر کیا ہے کسی مترجم نے ترجمہ کے اندر السحر پر عطف نہیں کیا۔

حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے ..... و پیروی کردند آنچہ مے خواندند شیطاناں و پیروی کردند بانچہ فرود آوردہ شد بر دو فرشتہ الخ۔

غالباً اسی بنا پر تمام بعد والوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی اتباع کی ہے اور اسی لیے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بھی وہی درست ہے جس میں "تتلوا" پر عطف ہے۔ دلی کے مطبوعہ تراجم میں کتابت کی غلطی سے لفظ (کے) (کو) سے بدل گیا ہے۔

اردو مترجمین میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ما اُنزِلَ میں "ما" کو نافیہ قرار دے کر آیت کا ترجمہ کیا ہے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت ابن عباسؓ اور مفسرین میں امام قرطبی اور ربیع ابن انسؒ نے ہاروت و ماروت پر سحر کے خدا کی جانب سے نزول کا انکار کیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان حضرات کے اقوال نقل کر کے یہ لکھا ہے، کہ

تابعین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے اور وہ آزمائش کے طور پر لوگوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ (ابن کثیر ج ۱ ص ۱۳۸)

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ "ما" کو نافیہ قرار دینے میں پوری آیت کا مفہوم مربوط نہیں ہوتا۔ اسی لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اکثریت کی تاویل کو تسلیم کیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ فرشتے ایسی چیز کی تعلیم کیوں دیتے تھے جو گناہ و معصیت تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ پولیس کا بے وردی سپاہی کسی رشوت خور افسر کو نشان زدہ سرکاری نوٹ لے جا کر رشوت کے طور پر پیش کرتا ہے اور پھر اسی حالتِ جرم میں اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے تاکہ رشوت خور افسر کیلئے عذرِ بے گناہی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ یہی صورت یہود کے اندر ہاروت و ماروت دو فرشتوں کے نازل ہونے سے پیش آئی۔

خدا کے فرشتے آسمانی بادشاہت کے کارکن ہیں اور خداوند عالم ان سے اپنی سلطنت کے مختلف کام انجام دلواتا ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے اردگرد کتنے فرشتے مختلف شکلوں میں نمودار ہو کر کتنے کام کرتے ہیں اور مشیت الٰہی کے مصلحتوں کو پورا کرتے ہیں۔

تاج کمپنی لاہور کے نسخہ میں کتابت کی غلطیاں

ایک حرف کی کمی سے محاورہ بدل گیا

ذیل کی مثال سے اندازہ لگائیں گے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں محاوروں کا معاملہ کس قدر نزاکت رکھتا ہے کہ ایک حرف کی کمی سے محاورہ کا مفہوم کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔

هُدًى لِلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ اور ہدایت لوگوں کے واسطے جس کو تم
قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ نے ورق ورق کر کے دکھایا اور بہت
تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا (نمبر ۹۲) چھپا رکھا،

یہ خطاب یہود مدینہ کو ہے، جو تورات کے اکثر احکام اور خبریں عوام سے چھپاتے تھے اور کچھ ظاہر کر دیا کرتے تھے.... مفسرین نے اس آیت کا مطلب یہ لکھا ہے۔

تکتبونہ فی دفاتر مقطعۃ لیتمکنوا مما داموا من الابداء والاخفاء - (جلالین صفہ ۱۲۰)

حضرت امام سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اسی تفسیر کے مطابق فتح الرحمٰن میں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں .... مے گردانید اوراد وقسم ورقہا، آشکارا مے کنید۔

"آں را و پنہاں مے کنید بسیارے را۔"

یعنی یہودِ مدینہ نے توراۃ کو الگ الگ کاغذوں اور علیحدہ علیحدہ دفتروں میں لکھ رکھا ہے۔ تاکہ جو حصے ان کے مقصد کے خلاف نہ ہوں وہ ظاہر کر دیں۔

اگر توراۃ مسلسل ایک مستقل کتاب کی صورت میں ہوتی تو ایک ہی دفعہ پوری کی پوری لوگوں کے سامنے آتی رہتی اور نبوت محمدی کا تذکرہ عوام کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہتا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پورا ترجمہ سید عبداللہ والے نسخہ اور رومن نسخہ اور حکیم غلام نجف خاں والے نسخہ تینوں میں اسی طرح یعنی ..... "جس کو تم نے ورق ورق کر کر دکھایا" مذکور ہے۔

اس کے بعد جب ہم دوسرے نسخوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں اختلاف نظر آتا ہے۔

سید شفیع الدین دہلوی کے پانچ ترجموں والے قرآن میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے ...... اور ہدایت لوگوں کے واسطے جس کو تم نے ورق ورق کر دکھایا۔

تاج کمپنی لاہور میں اس طرح ہے۔ "اور ہدایت لوگوں کی، جس کو تم نے ورق ورق کر دکھایا"

اب غور کرو کہ دوسرے جملہ کے ترجمہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے جو محاورہ استعمال کیا ہے اسے دونوں نسخوں کی سہو کتابت نے کہاں پہنچا دیا، یعنی اس کا مفہوم ہی بدل دیا۔

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ورق ورق کر کر دکھایا" یعنی الگ الگ کر کے دکھایا۔ کتابت کی غلطی نے ایک "کر" چھوڑ دیا اور محاورہ بن گیا "ورق ورق" نے پیش نظر مطبوعہ نسخوں میں حکیم صاحب کے اہتمام سے چھپا ہوا یہ نسخہ مطبوعہ ۱۲۶۴ھ سب سے قدیم نسخہ ہے

کرنا....... اس کے معنی آتے ہیں پھاڑ دینا۔ ضائع کر دینا، کہا جاتا ہے، اس نے
اس کتاب کو ورق ورق کر دیا یعنی پھاڑ کر پھینک دیا۔
حالانکہ قرآنِ کریم یہ نہیں کہہ رہا کہ یہود نے تورات کو پھاڑ کر پھینک دیا
تھا بلکہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہود نے تورات کو الگ الگ کاغذوں اور الگ الگ حصوں
میں لکھ رکھا تھا۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (النساء ۱۲۶)

(اور اللہ کے ڈھب میں ہے سب چیز)
تمام قدیم و جدید نسخوں میں اور انگریزی رومن میں (DHAB)
لفظ ڈھب ہی لکھا ہوا ہے۔
اس کا مفہوم کیا ہے۔؟ اسے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ
ہود آیت نمبر ۹۲ میں خود ہی بیان فرمادیا ہے..... اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
مُحِيْطٌ...... (ترجمہ) تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کرتے ہو......
معلوم ہوا کہ یہ لفظ (ڈھب) قابو اور قبضہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ یہ محیط کا ترجمہ
ہے۔

اب اردو لغت میں اس لفظ کی تحقیق کیجئے .... صاحب فرہنگ
آصفیہ نے لکھا ہے کہ ڈھب کے معنی طور، طریق۔ اسلوب کے آتے ہیں۔
(ج ۲ ص ۳۲۸) .... اور (ڈب) ھ کے بغیر، جیب، کیسہ، قابو، قبضہ
اور مجازاً گمردان کے معنی میں آتا ہے۔ (ج ۲ ص ۲۳)
پس اس تحقیق کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اصل میں لفظ "ڈب"

ہی تھا۔ لفظ ڈھب کی شہرت کے باعث کاتبوں اور ناقلوں نے اسے اختیار کر لیا۔ شاہ صاحبؒ کے اصل نسخہ میں ڈب ہی ہوگا...... شاہ صاحب نے لفظ "ڈھب" کو بھی اس کے صحیح مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ النساء نمبر ۴۶ میں ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ

ترجمہ وہ جو یہودی ہیں، بے ڈھب کرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے...... تحریف کا ترجمہ بے ڈھب کرنا کیا ہے۔

المائدہ میں اسی لفظ "تحریف" کا ترجمہ دوسرا کیا ہے آیت اس طرح ہے يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ...... (نمبر ۴۱) (ترجمہ) بے اسلوب کرتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر،...... اب بات صاف ہو جاتی ہے کہ ڈھب کے معنی شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی طریقہ اور اسلوب ہے اور اسی مفہوم میں شاہ صاحبؒ اسے استعمال فرماتے ہیں۔

يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ یوسف ۱۲

"کچھ چرے اور کھیلے"

تمام نسخوں میں اسی طرح ہے۔ فعل لازم کا ترجمہ کیا گیا ہے، لیکن تاج کمپنی کے مرتب نے "چرائے"، فعل متعدی کا ترجمہ لکھ دیا ہے جو صحیح نہیں ہے قرآن کریم کا مطلب یہ ہے برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ ہمارے ساتھ کھائے پیئے اور کھیلے کودے۔"

وَخَافَ وَعِيْدِ (ابراہیم ۱۴)

("اور ڈرا میرے ڈر کے سے")

تمام قدیم نسخوں میں یہی لفظ ہے لیکن پانچ ترجمہ والے نسخہ میں اس کی جگہ یہ لفظ ملتا ہے "اور ڈرا میرے عذاب کے وعدہ سے" اور تاج والے نسخہ میں اس طرح ہے "اور ڈرا میرے ڈر سے"...... پہلا ترجمہ تو بالکل بدلا ہوا ہے اور دوسرے ترجمہ میں کتابت کی غلطی سے (کے) کا حرف رہ گیا ہے۔ وعید کے معنی ڈر اور خوف کے نہیں بلکہ ڈر اور خوف کی خبر کو وعید کہتے ہیں، یعنی دھمکی۔

لَبُوْسٍ لَّكُمْ (الانبیاء ۸۰)

("اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہراوا کہ بچاؤ ہو تم کو")

سید عبداللہ والے اور رومن والے نسخہ میں "پہراوا" ملتا ہے بعد والوں نے اسے پہناوا کر دیا ہے، یہ زبان کی تبدیلی ہے شاہ صاحبؒ کے وقت میں پہراوا ہی بولا جاتا تھا، اب بھی راجستھان وغیرہ میں یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے۔

اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ ۱۲)

("میں ہوں، میں تیرا رب، سو اتار اپنی پاپوشیں")

یہ ترجمہ چند قدیم نسخوں کے مطابق ہے، سید عبداللہ، رومن والے

اور مطبع کریمی بمبئی کے نسخوں میں دوسرا "میں" نہیں ہے۔ تاج کمپنی والے نے بھی اسے حذف کر دیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصلی الفاظ اوپر والے ہی ہیں، کیونکہ شاہ صاحب کا اسلوب عام اسی کی تائید کرتا ہے شاہ صاحبؒ "اِنّی" اور "انا" کی تکرار سے تاکید کا مفہوم پیدا کرتے ہیں در قرآن مجید کی زبان بھی یہی ہے، شاہ صاحبؒ نے دوسرا "میں" بڑھا کر ترجمہ میں کتنا زور اور کتنا حسن پیدا کر دیا ہے ...... "میں ہوں، میں تیرا رب"....

اس سے اگلے فقرہ کا ترجمہ شاہ صاحبؒ کرتے ہیں۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ "میں جو ہوں، میں اللہ ہوں، کسی کی بندگی نہیں، سوائے میرے"۔

اس کے ترجمہ میں بھی "میں" کی تکرار موجود ہے اور تمام نسخے اس پر متفق ہیں۔ اس لیے ہمارا یہ خیال ہے کہ آیت نمبر ۱۲ کے ترجمہ میں دوسرا "میں" کسی نسخہ میں کتابت کی غلطی سے رہ گیا ہوگا، بعد والوں نے اسے مستقل ترجمہ بنا دیا۔

لَكَانَ لِزَامًا (طٰہٰ ۱۲۹)

("تو مقرر ہوتا بھینٹا")

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا تعلق دنیا سے قائم کیا ہے اور "لزاما" کے معنی بھینٹا یعنی مڈبھیڑ اور جنگ کا مقابلہ مراد لیا ہے، تاج کمپنی نے اپنے ہاں بھینٹا کو بھینٹ کر دیا ہے۔ تاج کمپنی نے حاشیہ کی عبارت میں بھی بھینٹ کا لفظ لکھا ہے دوسرے تمام نسخوں میں تفسیری فائدہ کی

عبارت یہ ہے ...... آخر وعدہ پر بھینٹا ہوا مسلمانوں میں اور کافروں میں"
.... مولانا عثمانیؒ نے اپنے حاشیہ میں اس اجمال کو کھولا اور لکھا، چنانچہ
بدر میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیا"۔ تاج کمپنی کے
مرتب نے بھینٹا اور بھینٹ کو ہم معنی سمجھا ہوگا۔ حالانکہ دونوں لفظوں کے
استعمال میں بہت لطیف سا فرق ہے "بھینٹا" لڑائی کے میدان میں آمنا
سامنا اور مقابلہ اور بھینٹ عام ملاقات اور نذرانہ اور پیش کش کے مفہوم
میں بولا جاتا ہے۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ

(شعراء ۱۸۷)

("سو دے مار ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا"......)

تاج کمپنی اور بعض دوسرے نسخوں میں "ٹکڑا" کی جگہ "پڑا" لکھا ہوا
ہے، جس کے کوئی معنی نہیں بنتے۔

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ (الاعراف ۸۶)

("اور مت بیٹھو ہر راہ پہ ڈر کے دیتے اور روکتے")

تاج کمپنی کے نسخہ میں اس طرح ترجمہ کیا گیا ہے۔ "مت بیٹھ ہر راہ
پر ڈر کے"...... اس عبارت کے معنی دوسرے بنتے ہیں، کتابت کی غلطی
سے "دیتے" کا لفظ رہ گیا ہے۔ یعنی ڈر کے دیتے۔ دھمکیاں دیتے اور
لوگوں کو ڈراتے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ (التوبہ ۸۱)

"خوش ہوئے پچھاڑی ڈالے گئے بیٹھ رہ کر"...)

یہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا صحیح ترجمہ ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اسے یوں کر دیا ہے "خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھے رہنے سے ...... شاہ صاحبؒ کے کچھ نسخوں میں "بیٹھ کر" لکھا ہوا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ بیٹھ رہ کر ہی سے مفہوم بنتا ہے۔ تاج کمپنی کے مرتب نے یہاں غلطی کی ہے۔ اگلی آیت نمبر ۸۳ کا ترجمہ سب نے اس طرح کیا ہے۔ ...... تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو ساتھ پچھاڑی والوں کے۔

كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ (یونس ۱۲)

"اسی طرح بن آیا ہے بے لحاظ لوگوں کو"......

اکثر نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، لیکن تاج کمپنی اور دوسرے بعض نسخوں میں لکھا ہے "بن پایا ہے"..... رومن نسخہ میں بھی "بن آیا ہے" ہے "زُيِّنَ" کا مفہوم یہی ہے کہ ان مجرموں کو یہ طریقہ پسند آ گیا ہے اور موافق آ گیا ہے۔ اس کے سوا یہ دوسرا راستہ اختیار نہیں کرتے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ (ہود ۸۸)

"اور بن جانا ہے اللہ سے"

یہ اس فقرہ کا صحیح ترجمہ ہے، شاہ صاحبؒ نے توفیق کا معنی "بن جانا" کیے ہیں، لیکن متعدد قدیم اور جدید نسخوں میں یہ فقرہ کئی طرح لکھا ہوا ملتا ہے مثلاً ...... اور بن جاتا ہے اللہ سے۔ (مطبوعہ ۱۲۶۹ھ ہجری اور ۱۳۰۰ھ ہجری)۔

اور بن لانا ہے اللہ سے (مطبوعہ ۱۲۴۵ھ) ...... اور بن آتا ہے اللہ سے (مطبوعہ تاج کمپنی لاہور) رومن اردو والے نسخہ میں "بن لانا" لکھا ہوا ہے (BANLANA RAi) (صفحہ ۲۰۵) شیخ الہندؒ کے نسخہ میں... بن آنا اللہ سے" لکھا[1] ہے۔ مذکورہ اصلی ترجمہ دو نسخوں میں ملا ہے، ایک مطبوعہ آگرہ ۱۳۳۲ھ میں اور دوسرے پانچ ترجمہ والے نسخہ مطبوعہ اقبال پرنٹنگ ورکس دلی ۱۳۴۴ھ میں

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى

(الدخان ۱۶)

"جس دن پکڑیں گے ہم بڑی گہہ۔"

تمام قدیم وجدید نسخوں میں یہی الفاظ ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب ہے کہ مصدر مطلق کے ترجمہ میں تنوع پیدا کرتے ہیں یہاں

---

[1] منشی ممتاز علی مطبوعہ مجتبائی ۱۲۸۳ھ والے نسخہ میں یہ الفاظ ہیں" اور نہیں آتا ہے مگر اللہ سے۔"

[2] منشی ممتاز علی کے نسخہ میں بھی "ڈگر ڈگر کرتی ہیں" لکھا ہوا ہے۔

یہ کیا کہ دوسرے بطش کے معنی سنسکرت کے لفظ گہہ سے کر دیئے اور پہلے بطش کے معنی اردو میں "پکڑ" کیے۔

تاج کمپنی والے نسخہ میں "گہہ" لفظ کو ہٹا کر "بڑی پکڑ" کر دیا ہے اور یہی الفاظ مطبع کریمی بمبئی اور مطبوعہ مجتبائی میں ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰہِ (الحج ۷۸)

("اور گہو اللہ کو")

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لفظ (گہہ) سنسکرت کا استعمال کیا ہے، یہ گرہن سے امر کا صیغہ ہے۔ تلفظ کی آسانی کے لیے اسے واؤ کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ ایک نسخہ میں گہو کے ساتھ پکڑو کا لفظ شرح کے طور پر لکھا گیا ہے، پھر بعد والوں میں سے کچھ نسخوں میں گہو کا لفظ نکال دیا اور پکڑو کا لفظ رہنے دیا۔ ایک نسخہ میں "گہہ پکڑو" بالکل ہی غلط لکھا ہوا ہے۔

وَاِنْ فَاتَکُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ اِلَی الْکُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ الخ

(الممتحنہ نمبر ۱۱)

(اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کوئی تمہاری عورتیں کافروں کی طرف پھر تم کھپا مارو تو دو ان کو الخ)

یعنی جس مسلمان کی بیوی کافرہ گئی اور کافروں نے اسے اپنے تصرف میں لے لیا لیکن وہ مشرک اس عورت پر کیا ہوا خرچ اس کافر عورت کے مسلمان شوہر کو واپس نہیں کرتا تو اب جس مشرک کی عورت مسلمان کے قبضہ میں آئے تو وہ بھی اس عورت پر کیا ہوا اس کے مشرک شوہر کا خرچ اسے واپس نہ کرے بلکہ اسی مسلمان کو دے جس کا حق مارا گیا ہے

یہاں "فعاقبتم" کا مطلب یہ ہوا کہ جب وہ مشرکین تمہارے ساتھ ایسی بدمعاملگی کریں اور پھر تمہیں ان کی عورتوں پر قبضہ کرنے کا موقعہ ملے تو تمہارے لیے یہ ہدایت ہے۔ اس لفظ کا ترجمہ مختلف حضرات نے الگ الگ کیا ہے۔

۱:- پس شما غزا کنید (حضرت شاہ ولی اللہؒ)

۲:- تم عذاب کرو (شاہ رفیع الدینؒ)

۳:- کھپا مارو (شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

۴:- تمہاری نوبت آئے (ڈپٹی صاحب، حضرت تھانویؒ، مولانا احمد سعید صاحبؒ)

۵:- پھر تم ہاتھ مارو (شیخ الہندؒ)

۶:- پھر تم بدلہ لو (مولانا عاشق الٰہی)

۷:- پھر تم کافروں کو سزا دو (مولانا احمد رضا خاں صاحب)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ تین طرح لکھا ہوا ملتا ہے

۱:- پھر تم کھپا مارو (سید عبداللہ والا نسخہ رومن اردو
KHAPA MARO
پانچ ترجموں والا۔

۲:- پھر تم کہا مارو (مطبع مجتبائی ۱۲۶۳ھ اور تاج کمپنی لاہور)

۳:- پھر تم کہا مار (۱۳۰۰ھ اور نسخہ ۱۳۲۲ھ)

"کھپا مارنے" کے لفظ کو کاتب نے کہیں کچھ اور کہیں کچھ کر دیا ہے

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا

(الحاقہ ۷)

"سات رات اور آٹھ دن کٹتے"

کٹتے کا لفظ متعدد نسخوں میں بگڑا ہوا ملتا ہے، کسی قدیم نسخے میں "کٹے"، کسی میں "کیٹتے" اور کسی میں کچھ اور لکھا ہوا ہے۔

سید عبداللہ والے نسخہ میں حاشیہ پر اس کا مطلب لکھا ہے۔ یعنی رات دن لگاتار۔

تاج کمپنی نے اس لفظ ہی کو بدل دیا ہے اور لکھ دیا "جڑ کاٹنے والے"...... اصل میں یہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ ہے

اہل لغت نے لکھا ہے "حسم" کے معنی "کسی بیماری پر پے در پے داغ لگانا" آتے ہیں پھر بطور مجاز اس کے معنی مسلسل آنے والا عذاب لیے جانے لگے۔ (جلالین ص۴۷۱)

چنانچہ صاحب جلالین نے "متتابعات" پے در پے ترجمہ کیا، اور اس کی توجیہہ میں لکھا کہ اس میں استعارہ ہے اور حاسم (داغ لگانے والے) کے فعل متواتر سے تشبیہہ دے کر اس کے معنی متتابعات کے گئے ہیں۔

مترجمین میں سے حضرت سید شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری آیت (ایام نحسات) کے مطابق اس کا ترجمہ کیا (نہایت نحس) مولانا تھانویؒ نے (متواتر) لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ نے (لگا تار) ترجمہ کیا

قرآن کریم میں (حُسُومًا) کا لفظ ایک ہی جگہ آیا ہے۔

اگر یہ لفظ دوسرے مقام پر بھی آجاتا تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کے مطابق کوئی دوسرا لفظ ترجمہ میں لاکر اس کی حقیقت کو واضح فرما دیتے۔

اردو رومن میں یہ لفظ (DIN KATTE) لکھا ہے، صفحہ ۵۲۸

اب اردو لغت پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ "کٹتے" ہی صحیح ہے "کٹنا" کے معنی کئی آتے ہیں ٹکڑے ہونا - گزرنا - بیتنا، شرمندہ ہونا، راستے کاطے ہونا، داغ کہتے ہیں، ؎

کاہش غم سے روح گھٹتی ہے

آنکھوں آنکھوں میں رات کٹتی ہے

(فرہنگ آصفیہ جلد ۴)

پس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سات رات اور آٹھ دن ان پر گزر گئے، بیت گئے، یعنی شروع ہو کر چلتے ہی رہے۔ رکے نہیں بیچ میں وقفہ نہیں ہوا ...... یہ لگاتار ہی کا مفہوم ہے۔ شاہ صاحبؒ نے "کٹتے" کو فعل استمراری کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ جیسے سورہ نوحؑ میں آتا ہے۔

وَاَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان برستا

مِدْرَارًا

مِدْرَارًا، اَلدَّرُّ وَدَرٌّ سے مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی کثیر الدرور، "کثرت سے بہنے والا"

یَآ اَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا (الانشقاق)

اس آیت پاک کا ترجمہ مختلف نسخوں میں اس طرح ملتا ہے،

۱:- اے آدمی! تجھ کو پہنچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں بچ بچ کر (سید عبداللہ) (POHANCHNAH HAIE) اردو رومن صفحہ ۵۶۵

۲:- تجھ کو پچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں بچ بچ کر ۱۲۶۸ھ

۳:- تجھ کو پچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں بچ بچ کر (تاج کمپنی) رومن نسخہ اور آگرہ والا، نمبر ۱ کے مطابق ہے، اور پانچ ترجموں والا نمبر (۲) کے مطابق ہے اور ۱۳۰۰ھ والا نسخہ بھی نمبر (۲) کے مطابق ہے۔

شاہ صاحبؒ کا اصلی ترجمہ نمبر ۲ ہے، لغت میں "پچنا" کے بہت معنی لکھے ہیں...... کمال سعی کرنا، ہمہ تن مشغول ہونا، ہضم ہونا، تحلیل ہونا، طرف داری کرنا، ہار ماننا (فرہنگ آصفیہ ج ۱ ص ۵۰۶)۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ "کادِحٌ" از کَدَحَ، بمعنی محنت اور مشقت کرنا، کالغوی...... صحیح مفہوم ادا کیا ہے۔ یعنی اے انسان تجھ کو اپنے رب تک ہر حال میں بڑی محنت اور نہایت جد و جہد کے

ساتھ پہنچنا ہے، زندگی کو نیک راہ پر چلایا۔ بری راہ پر جدوجہد میں کسی حال چھٹکارا نہیں ..... کمال محنت اور سخت مشقت جو زندگی میں بہر حال ضروری ہے، اس کی تعبیر ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس طرح کی ہے۔

اے آدم زاد! تو اسی طرح گھسٹ گھسٹ کر اپنے پروردگار کی طرف چلا جا رہا ہے۔ پھر (ایک نہ ایک دن) تو اسے جا ملے گا۔

اور لغت والوں نے لکھا ہے۔

گھسٹنا، کھنچ آنا، زمین سے رگڑتا ہوا چلنا..... کشاں کشاں چلنا زندگی بسر کرنے کی یہی حقیقت ہے، قرآن مجید نے کتنی صحیح تصویر کھینچی ہے......

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (الانفال ۹)

"اور میں مدد بھیجوں کا تمہاری، ہزار فرشتے لگاتار آنے والے"

تمام قدیم نسخوں میں یہی الفاظ ہیں "مُرْدِفِيْنَ" کے معنی "لگاتار آنے والے" لکھے ہیں...... ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بھی یہی لفظ رکھا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے "سلسلہ وار" لکھا ہے۔ مولانا آزادؒ نے "یکے بعد دیگرے" لکھا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے "پے در پے" لکھا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے لکھا ہے، "ہزار فرشتوں کی قطار سے"..... مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے ان تمام حضرات سے مختلف ترجمہ کیا۔ ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جن کے پیچھے دوسرے فرشتے ہوں گے۔ مولانا حضرت سید شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی پیروی کی۔

حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں" از پس خود جماعت دیگر را آوردہ ...... اسی کو شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اردو میں منتقل کیا...... "پیچھے سے اور لانے والے"

ان بزرگوں نے سورہ آل عمران کی آیات کو پیش نظر رکھا ہے جن میں پہلے ایک ہزار کا وعدہ ہے۔ پھر جب بدر کے حالات میں شدت پیدا ہوئی تو تین ہزار کا اعلان کیا گیا اور اس کے بعد پھر پانچ ہزار کا اعلان کیا گیا۔

شاہ عبد القادرؒ صاحب نے " مُرْدِفِیْنَ کے جو معنی اختیار کیے ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ قدیم نسخوں میں سید عبد اللہ صاحب اور اردو رومن میں بھی یہی الفاظ ہیں لیکن مطبع نعمانی دلی کے نسخہ میں یہ الفاظ بن گئے ہیں۔ ہزار فرشتے جن کے پیچھے لگے آویں .... ان الفاظ کا مفہوم کچھ نہیں بنتا۔ پھر تاج کمپنی لاہور کے مرتب کے سامنے بھی یہی الفاظ آئے اور اس نے اپنی عقل پر زور دے کر "جن کے" کے لفظ کو مہمل جانا اور اسے بامعنی بنانے کے لیے اسے "جنگی" کر دیا اور لکھا" ہزار فرشتے جنگی پیچھے لگے آویں"...... چونکہ غزوہ بدر کا تذکرہ ہے۔ تاج کمپنی کے مرتب نے یہی سمجھا کہ وہ آنے والے فرشتے جنگی ہوں گے۔ حالانکہ مصنف ترجمہ کا نہ یہ مطلب ہے اور نہ قرآن کریم کی یہ مراد ہے اور نہ کسی مفسر نے آج تک یہ مفہوم لکھا ہے۔

اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا الخ (المائدہ ۳۳)

تاج کمپنی اور دوسرے قدیم نسخوں میں اس آیت کے ترجمہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں...." ان کو قتل کرے یا سولی چڑھائے یا کاٹے ان کے ہاتھ

اور پاؤں مقابل کا یا دور کر دے اس ملک سے"۔

اس صورت میں یہ سب امر غائب کے صیغے معلوم ہوتے ہیں، لیکن دَر حقیقت یہ امر حاضر کے صیغے ہیں۔ سید عبد اللہ والے نسخہ اور رومن[1] اردو میں پہلا ترجمہ اس طرح ہے۔"ان کو قتل کیجئے"..... اس سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے موجودہ نسخوں میں مطبع نعمانی دلی والے نسخہ میں یہ الفاظ صاف طور پر اسطرح لکھے ہوئے ہیں...... قتل کر دیئے، سولی چڑھا دیئے۔ کاٹیئے۔ دور کر دیئے، قرآنِ مجید نے مضارع مجہول کے صیغے استعمال کیے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ترجمہ امر حاضر کے صیغوں سے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے توسط سے مسلم حکام کو مخاطب کیا ہے۔

اس خطاب میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ مجرموں کو سزا دینے کا کام حکام وقت سے متعلق ہے اور اس حکم کے مخاطب وہی لوگ ہیں، عوام کو یہ حق نہیں کہ وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

جب یہ حکم نازل ہوا اس وقت اسلامی حکومت قائم تھی اور سزا دینے کا کام حکام ہی سے متعلق تھا۔ اس لیے قرآن نے مضارع مجہول کے صیغے استعمال کر کے (سزا پانے والوں) کو نمایاں کیا اور فاعل (سزا دینے والوں) کو محذوف کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امت کے عام حالات کو سامنے رکھا کہ کہیں مسلم حکام ہیں اور کہیں غیر مسلم حکومت ہے۔ اس لیے اَمرِ حاضر کے صیغے لا کر فاعل کو اہمیت دے دی تاکہ یہ پہلو واضح ہو جائے کہ فوجداری سزائیں مسلم حکام وقت ہی دے سکتے ہیں۔ عوام براہِ راست کسی کو سزا نہیں دے سکتے

---

[1] UN KO qatl kijiye

تاج کمپنی کے تشریحی قوسین میں غلطیاں

۱:- وَمَا تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ (یونس-۱۰)

ترجمہ...... اور کچھ کام نہیں آتی نشانیاں اور ڈرانے (ڈراوے) ان لوگوں کو جو نہیں مانتے۔

ڈرانے والے رسول دنبی ہیں۔ یہاں شاہ صاحبؒ نے (النذر) کو جمع قرار دے کر ڈرانے والا ترجمہ کیا ہے۔ ڈراوے اس کا ترجمہ غلط ہے، صاحب جلالین لکھتے ہیں...... والنذر جمع نذیر ای الرسل (ص۱۷۹)

سورۂ قمر میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے۔ آیت ۱۶ میں ہے...... فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ...... ترجمہ...... پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرکا، یہاں نُذر بمعنی اِنذار (مصدر) ہے یعنی میرا عذاب اور میرا ڈرانا، ڈرانا کا حاصل مصدر اردو میں ڈراوا آتا ہے، دھمکی کے معنی ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں، ڈراوے کی جگہ ڈرکا بولتے تھے۔ مفسرین نے نُذُر کو جمع نذیر بمعنی مُنذر بھی بتایا ہے۔ یعنی وہ واقعات و حوادث جن کے ذریعے ڈرایا گیا ہے۔

۲:- اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ...... (انفال ۱۶)...... (ترجمہ) مگر یہ (سوائے اس کے) کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا۔ بریکٹ کے بغیر، ترجمہ بالکل صاف ہے

بریکٹ نے ترجمہ کو الجھا دیا ہے۔

۱۳۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ (اعراف ۱۳۹) (ترجمہ)
یہ لوگ جو ہیں تباہ ہونا ہے (ان کو) جس کام میں لگے ہیں ...... یہ بریکٹ بالکل غلط ہے۔ مُتَبَّرٌ مفعول کا صیغہ ہے اور اس کا مفعول بہ مَا هُمْ ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ یہ ہے۔ یہ لوگ تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں ...... یعنی ان کا مذہب شرک برباد ہونے والا ہے۔

پانچ ترجمہ والے نسخہ میں...... انہیں تباہ ہونا ہے ... لکھا ہے یہ بھی غلط ہے۔ حضرت تھانویؒ کے ترجمہ نے مفہوم کو بالکل واضح کر دیا ہے ...... یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا....

۱۴۔ وَمِنَ الَّیْلِ (ترجمہ) اور کچھ رات جاگتا رہ،
فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اس میں یہ بڑھتی (فائدہ) ہے تجھ کو
(بنی اسرائیل ۷۹)

اس مسئلہ میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ تہجد کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واجب تھی، پانچ نمازیں عام امت پر فرض ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک زائد واجب ہے۔ اس قول پر نافلۃ کے معنی حکم زائد کے ہیں اور یہ لفظ لغوی معنی میں بولا گیا ہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تاویل اختیار کی ہے۔ فوائد میں لکھتے ہیں " یعنی نیند سے جاگ کر قرآن پڑھا کر یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ بڑا دینا ہے" ...... مصنف کی تشریح کے بعد اس کے ترجمہ کے مفہوم کو بدلنا کسی طرح صحیح نہیں۔

مفسرین کا دوسرا قول یہ ہے کہ تہجد کی نماز آپ کے حق میں بھی فضیلت تھی، جس طرح عام امت کے لیے یہ نماز فضیلت کا موجب ہے، اس وقت "نافلۃ" بمعنی فضیلۃ ہوگا، (جلالین ص ۲۲۷)

شیخ الہندؒ کا ترجمہ ہے ..... "یہ زیادتی ہے تیرے لیے" ......

۵:- وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ اور جان (جنوں) کو بنایا ہم نے۔ مِنْ قَبْلُ ۔ ...... (الحجر ۲۷)

یہاں جان سے مراد ابوالجن (جنات کا باپ) ہے جیسے بشر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ اس لیے یہ تشریحی بریکٹ صحیح نہیں ہے۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں .....

والجان، ابوالجن وھو ابلیس .... یعنی ابوالجن وہ ابلیس ہے، یہ قول ہے حضرت ابن عباسؓ کا، اور ایک قول یہ ہے کہ جان (ابوالجن) الگ ہے اور ابلیس ابوالشیاطین ہے (ص ۲۱۲)

۶:- اَوْ یَاْخُذَهُمْ یا پکڑ لے ان کو ڈرانے کر ..... عَلٰی تَخَوُّفٍ (النحل ۴۷) (خوف اور دہشت) ..... یہ بریکٹ ..... صحیح نہیں ہے، تخوف مقابلہ میں ہے تقلبھم کے، اس کے معنی آزادی اور خوشحالی کی حالت میں اور تخوف کے معنی خوف و ہراس کی حالت میں (ص ۲۴۵)

دو غلطیاں

تاج کمپنی کے نسخہ میں دو عام غلطیاں یہ ہیں کہ ایک تو ہر جگہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ "سوائے" کو "سوا" کہہ دیا ہے، حالانکہ بعض مقام پر سواء کا لفظ "سوائے" کے قائم مقام نہیں ہوتا اور ترجمہ کا معنوی حسن ختم ہو جاتا ہے، مثلاً

اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ..... ترجمہ کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے..... فقرہ میں جو فصاحت ہے وہ، سوائے سچ کے فقرہ میں کہاں ؟

دوسری عام غلطی یہ ہے کہ شروع سے آخر تک عہد اور میثاق کا ترجمہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں "قرار" کیا گیا ہے اور تاج کمپنی نے ہر مقام پر اس لفظ کو "اقرار" کر دیا ہے

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ جو توڑتے ہیں اقرار اللہ کا۔

اصل لفظ ہے،...... قرار اللہ کا........ مفہوم کے اعتبار سے جو بات قرار کے لفظ میں پائی جاتی ہے وہ اقرار میں نہیں پائی جاتی۔،

رسم الخط کی تبدیلی کا مسئلہ

موضح قرآن کے قدیم نسخوں کو چھوڑیئے ان میں تو اردو رسم الخط ہی استعمال کیا گیا ہے، لیکن جدید نسخوں بعض مقامات پر وہی پرانا رسم الخط نظر آتا

ہے اور اس کی وجہ سے ترجمہ کا مفہوم بدل گیا ہے،

حال کے ناشرین کو اس مسئلہ پر بھی توجہ دینی چاہیئے تھی، خاص طور پر تاج کمپنی کے مرتب صاحبان کو دیکھنا چاہیئے کہ آج کا پڑھنے والا ان لفظوں کو کیا پڑھے گا۔ اور آج کے رسم الخط کے مطابق اِن لفظوں کے معانی کیا بن جائیں گے۔

ہم نے ترجمہ کی تصحیح میں اس تبدیلی کا بھی پورا پورا لحاظ کیا ہے ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں تاکہ آئندہ دوسرے ناشرین بھی اس کا خیال رکھیں،

۱۔ المائدہ (۳۲) کے ترجمہ میں تین لفظ ہیں........ قتل کرے سولی چڑھائے، دور کرے۔ ...... یہ تینوں لفظ پرانے نسخوں میں اس طرح ملتے ہیں........ آج کے رسم الخط کے لحاظ سے ان لفظوں کو اس طرح لکھنا[1] چاہیئے تھا، قتل کریئے۔ سولی چڑھائیے، دور کریئے، یعنی اصل میں یہ امر حاضر کے صیغے ہیں۔ امر غائب کے صیغے نہیں ہیں۔ سید عبداللہ کے ایڈیشن میں پہلا لفظ اس طرح لکھا ہوا ہے۔........ قتل کیجئے........ چونکہ نزول آیت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے اس لیے سید عبداللہ صاحب نے اسے احترام کے لفظ میں تبدیل کر دیا ہے اور اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ امر حاضر کا صیغہ ہے۔

---

[1] اس کے برعکس متعدد جگہ تاج کے نسخہ میں دکھائے۔ لائے۔ بنائے کو دکھائیے۔ لائیے۔ بنائیے کر دیا گیا ہے، ہم نے مستند موضع میں اس کا خیال رکھا ہے۔

اردو رومن کے نسخہ میں یہ لفظ اس طرح لکھا ہوا ہے۔

(Kiun ko qale rijiy ya sull charhaiye, ya katiye um ke hilth ourpanwon maqa-bil ka)(100)۔

۲:۔ مریم (۵۸) کے ترجمہ میں ایک لفظ ہے "جب ان کو سنائے" ...... یہ بھی آج کے رسم الخط میں "سنائیے" لکھا جانا چاہیئے، موجودہ شکل میں یہ مضارع کا مفہوم دے رہا ہے، حالانکہ لفظ امر حاضر ہے،

رومن نسخہ میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔(صفحہ ۲۸)

(Sunaiye ayalen Rahman ki)

۳:۔ مریم (۷۳) میں بھی یہ لفظ آیا ہے اور تاج کمپنی کے نسخہ میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔ "اور جب سنائے ان کو ...... یہاں بھی واضح طور پر "سنائیے" ہونا چاہیئے۔ یہی لفظ بنی اسرائیل (۱۰۷) میں آیا ہے اور وہاں تاج کمپنی نے اسے صحیح شکل میں لکھا ہے۔ یعنی "جب ان کے پاس اسے پڑھیئے"

۴:۔ طٰہٰ (۸۷) میں ہے "وہ پھینک دے"

۵:۔ الانبیاء (۹) میں ہے "اور کھپا دے" اسے واضح طور پر اس طرح لکھنا چاہیئے۔ "کھپا دیئے" رومن میں یہ فقرہ اس طرح لکھا ہوا ہے

Aur khapa diye hath chhorne (ص ۲۹۴) ware.

۶:۔ بنی اسرائیل ۱۰۷ میں لکھا ہوا ہے "اس کو پڑھے"...... اسے واضح طور پر "پڑھیئے" لکھنا چاہیئے رومن میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔

صفحہ (263) Ia unpos us ko parhiya.

۶:- الانبیاء (۱۵) میں ہے "جب تک ڈھیر کر دے" اسے "کر دیئے" ہونا چاہیئے

۷:- النور (۲۵) میں ہے "دے گا اللہ ان کی سزا جو چاہیے..... یہ لفظ "چاہیئے" ہونا چاہیئے، موجودہ صورت میں "چاہیئے" پڑھا جاتا ہے۔

اسی طرح دوسرے الفاظ بھی ہیں، جن سے مفہوم تو نہیں بدلتا لیکن آج کے رسم الخط میں وہ درست نہیں ہیں۔ جیسے تاج کمپنی میں لکھا ہے۔ "کنوے" نعمانی کے نسخہ میں "کوے" ہے اور اصل میں یہ لفظ "کنوئیں" ہے۔

تاج کمپنی کی غلطیاں

سورہ النساء (۳۴) میں فَالصّٰلِحٰتُ کا ترجمہ "نیک کار" لکھا ہوا ہے، حالانکہ اکثر قدیم نسخوں میں "نیک بختیں ہیں" درج ہے، رومن اردو کے الفاظ یہ ہیں (صفحہ نمبر ۷۵)

(So nekbakhten).

سورہ النساء (۷۷) میں وَالْاٰخِرَةُ، ترجمہ میں (کا) زائد ہے، اس صورت میں اس کا عطف "متاع" پر ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اس لیے (کا) زائد ہے۔ رومن نسخہ، سید عبد اللہ اور مطبع نعمانی دلی کے نسخوں میں (کا) نہیں ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی لفظ (کا) کو حذف کر دیا ہے۔

النساء (۱۱۶) میں اِنَّ اللهَ لَا یَغْفِرُ کا ترجمہ یوں لکھا ہوا ہے۔
"اللہ نہیں بخشتا" حالانکہ دوسرے تمام قدیم نسخوں میں (یہ) کے ساتھ اس
طرح لکھا ہوا ہے۔ "اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرائے ....
مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (المائدہ ۶۶) کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھے
کیا ہے۔ یہاں اس لفظ کا یہی مطلب ہے جو اہل کتاب (حضرت عبداللہؓ
بن سلام وغیرہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ وہ افراط و تفریط
سے بچ کر اسلام کی صراطِ مستقیم پر آگئے۔ ان حضرات کے لیے قرآن مجید نے
"مقتصدہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے مراد سیدھی راہ پر چلنے والے
ہیں۔ تاج کمپنی کے مرتب نے قوسیں لگا کر (میانہ رو) لکھ دیا ہے۔ اس سے
مطلب صاف ہونے کی بجائے الجھ گیا ہے.....

الفاطر (۳۲) میں بھی یہ لفظ (مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ) آیا ہے۔ وہاں
اس کا ترجمہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "بیچ کی چال" کیا ہے۔ کیونکہ وہاں
قرآن مجید کی مراد یہی ہے۔

موضح قرآن کے متروک الفاظ کی تشریح

ایسے قدیم الفاظ جو آجکل بالکل متروک ہیں، اس کی تعداد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں دس سے زیادہ نہیں،

ان میں سے "کھپا مارو" چپر جاویں، نرا دھار، ڈھکیں کی تشریح اغلاط کے باب میں آچکی ہے۔ چند الفاظ کی تشریح حسب ذیل ہے۔

چیتوگے

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا اِلَّا اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ تو کہہ تم کیا چیتوگے ہمارے حق میں مگر دو خوبی میں سے ایک

حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"بگو! انتظار نمے برید در حق ما، مگر یکے از دو خصلت نیک را"......

مطلب یہ ہے کہ اے دشمنانِ حق! تم ہمارے بارے میں اچھے انجاموں (فتح یا شہادت) میں سے کسی ایک انجام کا انتظار کر سکتے ہو اور بس۔

فارسی اور اردو والے تمام حضرات "انتظار" ترجمہ کر رہے ہیں حضرت شیخ الہند نے "تم کیا امید کروگے" لکھا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ

چیتو گے" کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب شاہ صاحبؒ اسی آیت کے اگلے حصے میں دے رہے ہیں۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ۔	اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کچھ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے، سو منتظر رہو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ایک ہی آیت میں عربی لفظ تَرَبُّصْ کے تین معنی کیے ہیں۔ (۱) چیتو گے (۲) امیدوار ہیں (۳) منتظر رہو، پھر آگے چل کر آیت نمبر ۹۸ میں ہے۔

وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ "اور تاکتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشیں"

یہ چوتھا لفظ ہے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تَرَبُّصْ کیلئے استعمال کیا ہے۔ اور تاکتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں، دونوں کے ایک معنی ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس انداز سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ تَرَبُّصْ کا لغوی معنی (انتظار) میں لے رہے ہیں اور "چیتو گے" کا مفہوم بھی اس جگہ یہی ہے۔

اہلِ لغت نے لکھا ہے "چیتنا۔ خوش حال ہونا، ہوشیار ہونا، سمجھ میں آنا اور آرزو کرنا دلی میں بولتے ہیں، ان کی آج کل خوب چیت رہی ہے۔ کاروبار خوب چیت رہے ہیں یعنی ترقی پر ہیں۔ کامیابی قدم چوم رہی ہے۔

واضح رہے کہ تربص کے معنی امید و آرزو کرنا، یہ معنی مجازی ہیں اور اسے معنی لازمی کہتے ہیں، انتظار کے لیے آرزو لازم ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تربص کو اس کے لغوی معنی انتظار میں لے رہے ہیں

انتظار کے لیے آرزو لازم ہے، اگر کسی چیز کی آرزو دل میں نہ ہو تو اس کا انتظار کیا؟ آیت ۹۸ میں تاکتے ہیں۔ لکھا، جو انتظار ہی کے ہم معنی ہے۔

اب پہلے لفظ "چیتو گے" کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے یعنی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چیتنا کو آرزو کرنے کے معنی میں لے رہے ہیں جو معنی لازم ہیں"۔

اس تحقیق سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایک لفظ کو کس کس طرح تول کر اور گہرائی میں جا کر استعمال کیا ہے اور شاہ صاحبؒ کس عمدہ طریقہ سے اپنے لائے ہوئے الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں۔

بعض نسخوں میں قوسین کے اندر چیتینگے (سونچو گے) لکھا ہے یہ مفہوم بھی بن سکتا ہے۔ چیت سنسکرت میں ذہن کو کہتے ہیں۔ اردو میں بولتے ہیں، یہ ہمارے بارے میں یہی سونچتے ہیں یعنی یہ ہمارے بدخواہ ہیں"۔

❖

(۲) الوپ ہو جانا

مَا لَکُم مِّن مَّلجَاٍ یَّومَئِذٍ — نہ ملے گا تم کو بچاؤ اس دن اور نہ
وَمَا لَکُم مِّن نَّکِیرٍ — ملے گا الوپ ہو جانا۔

(الشوریٰ ۴۷)

نکیر کا ترجمہ الوپ ہو جانا بالکل انوکھا اور عجیب ہے۔

دوسرے حضرات نے مختلف ترجمے کیے ہیں۔

۱:۔ نیست برائے شما ہیچ باز خواست (حضرت شاہ ولی اللہؒ)
کنند۔

۲:۔ بناشد شمارا ہیچ انکارے (شیخ شریفؒ)

۳:۔ نہیں واسطے تمہارے انکار (شاہ رفیع الدینؒ)

۴:۔ اور نہ تمہارے بارے میں کوئی خدا سے (حضرت تھانویؒ)
روک ٹوک کرنے والا ہے

مطلب ان تمام ترجموں کا یہ ہوا کہ مشرکین قیامت کے دن اپنے گناہوں کا انکار نہ کر سکیں گے کیونکہ سارا ریکارڈ محفوظ ہوگا اور نہ ان کی طرف سے مددگار بن کر خدا تعالےٰ سے کوئی باز پرس کر سکے گا اور نہ روک ٹوک کر سکے گا۔

شاہ صاحبؒ کا لفظ الوپ ہو جانا ہے، سنسکرت میں الوپ ہو جانے کے معنی مخفی اور پوشیدہ ہو جانا (فرہنگ آصفیہ ج ۱ صفحہ ۲۳۰)۔

اس طرح شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے دو مطلب

نکل سکتے ہیں۔

۱:۔ مشرکین خداوند تعالیٰ کے سامنے سے غائب نہیں ہو سکتے بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکتے۔

۲:۔ منکرین خداوند تعالیٰ کے سامنے اجنبی اور غیر معروف نہیں بن سکتے اپنی صحیح شخصیت کو چھپانا خدا تعالیٰ کے سامنے ممکن نہ ہوگا۔ جو حقیقت ہوگی وہ سامنے آجائے گی۔

مولانا عثمانیؒ نے لکھا ہے۔ ابن کثیر نے یوں معنی کیے ہیں کہ کوئی موقع ایسا نہ ملے گا جو تم پہچانے نہ جاؤ۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ یہ لفظ یو۔ پی کے اضلاع میرٹھ وغیرہ میں بولا جاتا ہے۔

۳۔ سین کرتے

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ اور جب ہو نکلتے ان پاس آپس میں سین کرتے۔ (التطفیف)

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بھی اپنے ترجمہ میں شاہ صاحبؒ والا لفظ استعمال کیا ہے لکھتے ہیں۔

اور جب ان کے پاس سے ہو کر گزرتے ان پر سینیں چلاتے ...... حاشیہ پر اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

سین آنکھ مارنے کو کہتے ہیں۔ عربی میں اس کا مقابل غمزہ ہے۔ حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ..... چشم مے زدند

حقارت کردہ ..... لکھا ہے۔ یعنی حقارت سے اِن مسلمانوں پر آنکھیں مارتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی صاحب کے وقت (آج سے ۸۲ سال پہلے) تک "سین کرنا اور سینیں چلانا" کے محاورے بولے جاتے تھے۔ تب ہی ڈپٹی صاحب نے یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔

قرآن کریم میں "غمز و تغامز" کا لفظ صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے اگر اور کسی جگہ بھی یہ لفظ آتا تو شاہ صاحب اپنے ..... اصول کے مطابق سین کرنے کی تشریح کسی دوسرے لفظ کے ذریعہ کر دیتے۔

اردو لغت والوں نے لکھا ہے ..... سین دینا، چلانا، مارنا، آنکھ مارنے کے معنی میں آتا ہے اور یہ محاورہ ہندو طبقہ میں مستعمل ہے (فرہنگ آصفیہ ج ۳ صـ ۱۵۱)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں "سین کرنا" بھی بولا جاتا ہوگا

ڈپٹی صاحب نے "سینیں چلانا" کا محاورہ لکھا ہے جس کا ذکر ہمیں فرہنگ آصفیہ کے اندر نہیں ملتا، ہو سکتا ہے کہ یہ محاورہ ڈپٹی صاحب کے وطن مالوف بجنور کے آس پاس بولا جاتا ہو[۱]۔

نیچی رکھیں اپنی آنکھیں

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور نمبر ۲۰) — کہدے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں۔

---

[۱] یوپی کے مغربی علاقوں میں اب بھی بولا جاتا ہے۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (ایضا نمبر ۲۱)   کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ "ٹک" کو "ذرا" سے بدل دیا ہے اور لکھا ہے "کہدے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں"۔

ان دونوں آیتوں کے ترجمہ میں شاہ صاحبؒ نے (ٹک) کا لفظ لکھ کر ان آیات کے حقیقی مطلب کو بیان کیا ہے۔

اور حضرت شیخ الہندؒ نے لفظوں کی تبدیلی کے ساتھ شاہ صاحبؒ کی اس رعایت کو برقرار رکھا ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس رعایت کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے، اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس سے وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بے ساختہ نظر پڑتی ہے از راہ شہوت و نفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لیے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔

شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں "مِنْ" کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو (حمائل شریف ص۴۸۵)

حاصل یہ کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (ٹک) کا لفظ لکھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ مسلمان ذرا آنکھیں نیچی رکھا کریں۔

ٹک کا لفظ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں (ذرا) کے

مفہوم میں بولا جاتا ہے۔

میر کا مشہور شعر ہے ؎

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سوگیا ہے

ہمارے ہاں بھی ذرا کا لفظ بطور تکیہ کلام کے ہر جملہ کے ساتھ بولا جاتا ہے ..... ذرا یہاں تک چلیئے۔ ذرا ہماری بات سن لیجئے ..... اس کا مقصد اپنی درخواست میں ادب و تواضع پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ مخاطب کو گرانی نہ ہو اور وہ "تحکم" نہ سمجھے بلکہ درخواست سمجھے۔

قرآن کا بھی یہی مقصد ہے ہمیشہ نیچی رکھنا، انسان کے بس کی بات نہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ذرا نیچی رکھا کرو یعنی اس وقت جب کوئی بری چیز سامنے ہو۔

متروک ترکیب

قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (یوسف) اس فقرہ کا ترجمہ سیدھا سادھا یہ کیا گیا ہے "جو حسب ذیل ہے۔

درخطائے قدیم خود (حضرت شاہ ولی اللہ رح)

تو البتہ بیچ اپنے وہم قدیم کے ہے (شاہ رفیع الدین)

آپ تو اپنے اسی غلط خیال میں مبتلا ہیں (تھانوی صاحب)

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس فقرہ کا ترجمہ یہ کیا ہے ..... تو ہے اپنی اسی غلطی میں قدیم کی ..... صفت موصوف کے

ترجمہ میں "کی" کا استعمال صرف اسی جگہ کیا گیا ہے اور یہ ترکیب آج کل بالکل متروک ہے۔ حالانکہ اسی سورۃ میں "ضلال مبین" کا ترجمہ کیا ہے ہمارا باپ خطا میں ہے صریح"۔ شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں ایک نہایت مشکل لفظ سنسکرت کا "نرادھار" سورۂ اخلاص میں "الصمد" کے ترجمہ میں آیا ہے۔

اَلصَّمَدُ

اَللّٰہُ الصَّمَدُ — اللہ نرادھار ہے۔

الصمد کا لفظ قرآن کریم میں صرف ایک ہی جگہ آیا ہے، اگر یہ لفظ قرآن پاک میں دو چار جگہ آجاتا تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مختلف الفاظ لاکر "نرادھار" کے مفہوم کو واضح کر دیتے،

البتہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نرادھار ...... پر ایک حاشیہ تحریر فرما دیا جو باوجود دو لفظی ہونے کے نہایت جامع ہے، فرماتے ہیں ...... یعنی کھاتا پیتا نہیں۔

مطلب یہ کہ بغیر کسی آدھارا اور سہارے کے زندہ اور قائم ہے عالم مادیت میں زندگی کا سب سے بڑا سہارا کھانا پینا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے۔

نرادھار کے معنی کی گہرائی میں اگر جایا جائے تو اس کے دو پہلو سامنے آتے ہیں، ایک یہ کہ وہ ہستی جو خود کسی کی محتاج نہ ہو اور دوسرے یہ کہ سب کائنات اس کی محتاج ہو۔

یہی مفہوم ہے عربی لفظ "الصمد" میں جس کی ترجمانی کے لیے اردو

اور فارسی میں "بے نیاز"، "بے احتیاج" کے سوا دوسرا کوئی لفظ نہیں۔
یہی مفہوم ہے عربی لفظ (الصمد) میں، جس کی ترجمانی کے لیے
(اسی لیے) تمام فارسی اور اردو والے حضرات "صمد" کا ترجمہ بے
نیاز کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ لفظ صمدیت کے صرف ایک منفی پہلو کو بیان کرتا ہے
اور اس کے اندر جو مثبت پہلو ہے، یعنی "سب اس کے محتاج ہیں"
وہ اس لفظ سے ادا نہیں ہوتا۔

سنسکرت کے ایک عالم نے "نرادھار" کی تشریح اس طرح کی ہے
"جو سب بن جئے اور اس بن کوئی نہ جئے"...... غور کیجیے، صمدیت کے وسیع
ترین معانی رکھنے والے عربی لفظ کا ترجمہ سنسکرت کے اس ایک لفظ کے سوا
کس لفظ سے کیا جا سکتا ہے

يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ (المائدہ ۱۹)

"اے کتاب والو! آیا ہے تم پاس رسول ہمارا توڑا پڑے پیچھے رسولوں کا"۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فَتْرَةٌ کا ترجمہ لغت عربی اور مراد خداوندی
دونوں کے بالکل مطابق کیا ہے۔ اہل لغت نے لکھا ہے، فَتَرَ یَفْتُرُ فُتُوْرًا و
فتارًا، مضبوطی کے بعد نرم پڑ جانا یا تیزی کے بعد سست ہو جانا، سکون اختیار
کرنا، بصلۂ عن، کسی کام میں سستی کرنا، فَتْرَةٌ کے معنی سستی، انکساری، کمزوری

ص ۵۹۱

شریعت کی اصطلاح میں فَتْرَةٌ دو رسولوں کے درمیان کے وقفہ کا
نام ہے کیونکہ اس وقفہ میں شریعت کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے۔
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فَتْرَةٌ کا ترجمہ ٹھیٹ اردو میں "توڑا پڑے

پیچھے" کیا ہے، توڑا پڑ جانا، کمی اور قلت کا ہو جانا، اردو میں بولا جاتا ہے۔
اب دوسرے تراجم پر غور کیجئے

۱:۔ درحالتیکہ آخر شدہ است زمانِ فرستادن از رسولاں (شیخ شریف[؟])

۲:۔ درحالتِ انقطاع (شاہ ولی اللہؒ)

۳:۔ موقوف ہو جانے پیغمبروں کے (شاہ رفیع الدینؒ)

یہی لفظ حضرت تھانویؒ اور مولانا احمد علی لاہوری نے اختیار کیا(۴)
حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کا لفظ لیا اور لکھا۔

۵:۔ رسولوں کے انقطاع کے بعد

۶:۔ جب رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا۔ "یہ ڈپٹی صاحب ہیں" انہوں نے اور فارسی کے پہلے ترجمہ نے قرآنی مراد کو ادا کیا ہے۔
اس کے بعد مولانا آزادؒ نے صحیح مفہوم اختیار کیا اور لکھا۔

۷:۔ رسولوں کا ظہور مدتوں سے بند تھا" مولانا کے بعد مولانا مودودیؒ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحبؒ نے مولانا آزادؒ ہی کے الفاظ کو پسند کیا۔

۸:۔ جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا (مودودی صاحبؒ)

۹:۔ جب کہ رسولوں کا آنا ایک عرصہ سے بند تھا (مولانا احمد سعیدؒ)

---

[۱] مولانا احمد سعید صاحب اس لفظ کی تحقیق کے سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے،۔

۱۰۔ بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا۔ (بریلوی صاحب)

جن تراجم میں انقطاع کا لفظ ہے اور اس کے ساتھ مدت یا عرصہ کا لفظ موجود نہیں ہے ان سے ایک عام قاری کو شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا...... ؟۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ...... اور مطلب ان حضرات کا بھی یہی ہے کہ ایک مدت کے لیے انقطاع ہوا۔

اس کے مقابلہ میں "موقوف" کا لفظ قریب المراد معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں کچھ وقفہ کے لیے ملتوی کرنے کا مفہوم ہے۔ البتہ اردو میں موقوف کا استعمال انقطاع ہی کے ہم معنی ہے۔ (ختم نبوت کے مرزائی معتقد نے اس مسئلہ کو اہم بنا دیا ہے) اس لیے ترجمہ میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی تو بات ہی کیا ہے وہ تو اردو محاورے کے ساتھ قرآنی مراد کو واضح کرنے کی بہترین مثال ہے اور شاہ صاحب کی دور اندیشی کی بھی۔

فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ (یٰس ۸) پھر ان کے سر اُلٹے رہے ہیں۔

لغت میں قَمَحَ یَقْمَحُ، قُمُوْحًا کے معنی آتے ہیں، اونٹ نے پانی سے سیر ہو کر سر اٹھایا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا لفظی ترجمہ کیا "پس سر اونچا کرے ہیں"۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ کیا۔

ڈپٹی صاحب نے اور مولانا تھانوی نے بھی شاہ صاحب ہی کے

الفاظ استعمال کیے۔

۱:۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو ان کے سر اُلل کر رہ گئے ہیں۔ (ڈپٹی صاحب)

۲:۔ اوپر کو اُلل[1] رہے ہیں۔ (تھانوی)

حاشیہ پر ڈپٹی صاحب نے لکھا...... اونچا ہو جانے کو اللنا بولتے ہیں۔ گاڑی کا اگلا حصہ اونچا ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ گاڑی اللو ہو گئی (ص۷۱۵)

مولانا احمد سعید صاحب نے اچھا ترجمہ کیا...... ان کے سر اوپر کو اٹھے کے اٹھے رہ گئے

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

(البقرہ ۱۵۶)

(اس نے پکڑی گہہ مضبوط")

عربی میں عروہ اس چیز کو کہتے ہیں جسے سہارے کے طور پر پکڑا جاتا ہے، جیسے حلقہ۔ دستہ۔ زنجیر۔ رسی کی گرہ یا جگہ...... یعنی پکڑ کر سہارا حاصل کرنے کی چیز...... سنسکرت میں گہہ کا لفظ گرہن سے بنا ہے۔ گرہن کہتے ہیں گرہ لگانا، اس سے مضبوط پکڑنے کے معنی نکلے ہیں،

اوپر والی آیت میں گہہ مخفف ہے گرہ کا...... رسی میں جو گرہ ہوتی ہے اسے پکڑنے سے رسی ہاتھ سے نہیں چھوٹتی

---

[1] یوپی میں یہ لفظ عام بول چال میں داخل ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص خداوند تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے ایک مضبوط سہارا (عروہ) تھام لیا..... یہی آیت سورہ لقمان (نمبر ۲۲) میں ہے۔
اس جگہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ "اس نے گہا محکم کڑا"۔
یعنی (استمسک) کا ترجمہ سنسکرت کے لفظ (گہا) پکڑا اسے کیا اور پھر عروہ کا ترجمہ کڑا کر دیا........ یہ معانی کے اندر تنوع پیدا کر کے الفاظ کے مفہوم کی وضاحت کرنا ہے، جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا خاص اصول ہے۔

لقمان میں "گہا" کے لفظ کو بعض نسخوں میں بگاڑ دیا گیا ہے۔ کسی نسخہ میں "کہا" ہے۔ کسی نے گہا کو نکال کر اس کی جگہ پکڑا لکھ دیا ہے۔ اصلی لفظ "گہا" ہے۔

اسی طرح البقرہ کی آیت میں دلی کے مطبع نعمانی نے "گہہ" کے لفظ کو بگاڑ کر "رگہہ" کر دیا ہے، یعنی جس نے پکڑ ہی رگہہ مضبوط.... جو صریح تحریف معنوی ہے۔

(۱۲-) كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ (التوبہ ۸)

("کیوں کر صلح رہے اور اگر وہ تم پر ہاتھ پاویں")

پانچ ترجمہ والے نسخہ میں لکھا ہے: "اگر وہ تم پر قابو پاویں"۔ اس ایک نسخہ کے علاوہ تمام ایڈیشنوں میں اوپر والا ترجمہ ملتا ہے۔ ہاتھ پاویں کا محاورہ اب استعمال نہیں ہوتا اس کی جگہ ہاتھ پڑنے کا محاورہ بولا جاتا ہے، یعنی اگر ان کا ہاتھ تم پر پڑ جائے اور وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے ساتھ کوئی رعایت

روا نہ رکھیں۔

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا (التوبہ ۴۰)

"اور مدد کو اس کی بھیجیں وہ فوجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں"

یہ صحیح ترجمہ ہے، کچھ قدیم نسخوں میں بھیجیں کی جگہ پہنچیں لکھا ہوا ہے یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ "اَيَّدَهٗ" فعل متعدی ہے اور خداوند تعالٰے اس کا فاعل ہے۔

۱۴ وَاخْتَلَطَ بِهٖ (یونس ۲۴)

"پھر ایک مل نکلا اس سے سبزہ"

یہ تاج کمپنی کا ترجمہ ہے، جو صحیح ہے اس کے علاوہ تمام قدیم نسخوں میں جو میرے سامنے ہیں "میل" یاء کے اضافہ کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جس کے کوئی معنی نہیں بنتے، اختلاط کے معنی ملنا آتے ہیں، انگریزی رومن والے نسخہ میں بھی "مل" صحیح لفظ لکھا ہوا ہے۔

۱۵ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ (الاحزاب ۱۹)

"ڈگراتی ہیں آنکھیں ان کی"

تمام نسخوں میں یہی لفظ ہے۔ سید عبداللہ والے اور رومن نسخے میں "ڈگر ڈگر کرتی ہیں" لکھا ہوا ہے۔

شاید سید صاحب نے ڈگرانے کی تشریح میں یہ لفظ لکھا ہوگا ورنہ

شاہ صاحبؒ کا لفظ یہی معلوم ہوتا ہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا

(حٰمٓ سجدہ ۱۶ .... القمر ۱۹)

۱:۔ ("پھر بھیجی ہم نے ان پر باؤ ٹھری زور کی")
۲:۔ ("باؤ ٹھری سناٹے کی")

صحیح ترجمہ یہ ہے۔ تاج کمپنی اور دوسرے بعض نسخوں میں یہی الفاظ ملتے ہیں۔ بعض قدیم نسخوں سے لفظ ٹھری نکال دیا گیا ہے۔ شاید اِن نسخوں کے ناقلین اس لفظ کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اسے مہمل لفظ سمجھ کر خارج کر دیا ہے۔

صَرۡصَرٌ .... کے مفہوم میں سردی اور آواز ہے، یعنی وہ ہوا جس میں سردی اور زور شور ہوتا ہے۔ اسے صَرۡصَرٌ کہتے ہیں، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ کا ترجمہ فرما رہے ہیں ...... ٹھری یعنی ٹھنڈی اور زور کی اور سناٹے کی یعنی تیز آندھی، جس میں سردی اور پالا بھی تھا۔

اردو لغت میں ٹھر کا لفظ بمعنی سردی ملتا ہے۔ (فرہنگ ج ۱ ص ۱۶)
لیکن ٹھری کا لفظ نہیں ملتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے دور میں یہ لفظ ٹھر سے صفت کے صیغہ کے طور پر بولا جاتا تھا یا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لفظ خود وضع فرمایا تھا۔

☆

(۱۷) حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد ۴)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تک جنگ ختم نہ ہو، اس وقت تک یہ ضرب وحرب اور قید و بند کا سلسلہ دشمنانِ حق کے ساتھ جاری رہنا چاہیئے۔ شاہ صاحبؒ نے اس فقرہ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنا راچھ ہ".....

مفسرین نے لکھا ہے ...... اثقالها من السلاح۔
یعنی اوزار جمع ہے "وزر" کی اور وزر کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں اور مراد اس بوجھ سے اسلحہ جنگ ہے، عرب بطور استعارہ کے کہا کرتے تھے، لڑائی نے اپنا بوجھ پھینک دیا۔ یعنی جنگ کرنے والوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے۔ (جلالین صفحہ ۴۲۰)

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الرحمٰن میں لکھا ہے۔
"جنگ موقوف شود واحتیاج بسلاح نماند"۔ اس آیت کے مختلف ترجمے اس طرح ہیں۔

۱:۔ تا آنکہ بنہد جنگ سلاخ خود را (شاہ ولی اللہؒ) یہاں تک کہ رکھ دیوے لڑائی بوجھ اپنے۔ (شاہ رفیع الدین) یہاں تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں (تھانویؒ) حضرت شیخ الہندؒ نے بھی ہتھیار کا لفظ رکھا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ دشمن لڑائی کے ہتھیار رکھ دیں"۔

پھر حاشیہ پر لکھتے ہیں "لفظی ترجمہ تو یہ تھا کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے، یہ عرب کا محاورہ ہے۔ ہمارے ہاں لڑائی کا ہتھیار ڈالنا نہیں بولتے"

اب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے لفظ "راچھہ" پر غور کیجئے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مطبوعہ تراجم میں عام طور پر یہی لفظ ہے، سوائے سید عبد اللہ والے نسخہ کے...... اس میں "راچھہ" کے بجائے "بوجھ" کا لفظ لکھا ہے، جو شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ہاں ہے۔ نیز یہی لفظ مطبع مجتبائیؒ کے نسخہ مطبوعہ ۱۲۸۳ھ میں[1] ہے

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب و مذاق اس سے انکار کرتا ہے کہ شاہ صاحب نے اوزار کا لفظی ترجمہ "بوجھ" کیا ہوگا، یہ لفظ سید عبد اللہ والے نسخہ کے مرتب کرنے والوں نے بطورِ اصلاح کے لکھا ہے، اسی سے کچھ نسخوں میں یہ لفظ لیا گیا ہے۔ رومن انگریزی میں بھی (Bojh) کا لفظ ملتا ہے (ص۴۷۴) جو کسی غلط نسخہ سے نقل ہوگیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ لکھ کر عربی محاورہ کا مفہوم ادا کیا ہے۔ "راچھہ" کا لفظ اوزار، پاڑ، تلوار، چھری۔ ہتھوڑی وغیرہ کیلئے بولا جاتا ہے۔ یہ ایک عام لفظ ہے جس میں ہتھیاروں کے علاوہ دوسرے کام کاج کے اوزار و آلات سب داخل ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ ج ۲ ص۳۴۱)

یہ لفظ پنجاب اور میوات کے علاقوں میں بھی بولا جاتا ہے۔

---

[1] اس نسخہ میں متن کے اندر شاہ ولی اللہ اور شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ہے۔ حاشیہ پر شاہ صاحبؒ کی موضح قرآن اور فوائد ہیں اور شاہ ولی اللہؒ کے فارسی فوائد بھی ہیں۔

اَنْ یَّسْبِقُوْنَا (العنکبوت ۴)

"کیا یہ سمجھے ہیں وہ لوگ کرتے ہیں برائیاں کہ ہم سے چھپر جاویں"
یہ لفظ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل آیات میں بھی لکھا ہے۔

۱:- وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ اور تم چھپر جانے والے نہیں زمین میں (ایضاً ۲۲)

۲:- وَمَا کَانُوْا سَابِقِیْنَ اور نہ تھے چھپر جانے والے (ایضاً ۲۹)

۳:- وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ اور ہم سے چھپر نہ جاویں گے (المعارج ۴۱)

یہ لفظ چونکہ بہت پرانا ہے اس لیے اس کی کتابت میں بڑا عجیب عجیب تغیر ہوا ہے کسی نسخہ میں (پ) کی جگہ (ی) بن گئی ہے اور "چیر" ہو گیا ہے۔ نسخہ مطبوعہ ۱۳۰۰ھ اور رومن انگریزی میں یہی ہوا ہے۔ رومن کے الفاظ یہ ہیں

(Chir Jane wale.) (3700)

سید عبد اللہ صاحب نے اور پانچ ترجموں والے نے اصلی الفاظ ہٹا کر (جیت جانے والے کر دیا ہے) اور شاہ صاحبؒ کا لفظ ہی ہٹا دیا ہے۔ یہی الفاظ مطبع کریمی بمبئی میں ہے۔

آیت نمبر ۲۹ میں پانچ ترجموں والے نے اصلی الفاظ ہٹا کر (جیت

جانے والے کر دیا ہے ۔)

چھپر جانے کے معنی مطبع فاروقی دلی کے نسخہ کی فہرست میں لکھے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو جانا، اور تاج کمپنی کے نسخہ میں (المعارج نمبر ۴۱) کے ترجمہ میں قوسین کے اندر چھپڑھ نہ جاویں گے" لکھا ہے۔

مطبع کریمی بمبئی کے نسخہ میں آیت نمبر ۴ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے ...... کہ ہم سے چڑھ جاویں" اور المعارج نمبر ۴۱ کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور ہم سے چپڑھ نہ جاویں گے"۔

اردو لغت کے لحاظ سے یہ لفظ اصل میں "چپر جانا ہے"، اور یہ لفظ بڑے وسیع معانی رکھتا ہے۔ مقابلہ کرنا۔ نکر جانا۔ زبردستی کرنا۔ دھینگا دھینگی کرنا (فرہنگ آصفیہ ج ۲ صـ ۹۴)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زبردستی کرنے کا مفہوم اختیار کیا ہے۔ یعنی یہ مشرکین ہمارے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے، ہمارے مقابلہ میں نہیں آسکتے، دھینگا، دھینگی کر کے ہمیں ہرا نہیں سکتے ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

نوٹ :۔ میرٹھ کے اطراف میں کہیں کہیں یہ لفظ اب بھی بولا جاتا ہے۔

مَا نَبۡغِیۡ کے ترجمہ میں اختلاف

سورۂ یوسف میں ہے۔

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا (۶۵)	اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی اپنی پونجی پھر آئی ان کی طرف، بولے، اے باپ! وہی جو ہم مانگتے ہیں، یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو۔

ہم نے یہ ترجمہ حکیم غلام نجف خاں کے نسخہ مطبوعہ ۱۲۶۴ھ ہجری سے نقل کیا ہے اور نسخہ ۱۳۰۰ھ و ۱۲۶۸ھ و ۱۳۳۲ھ اور تاج کمپنی لاہور کے نسخوں میں بھی یہی ترجمہ درج کیا گیا ہے۔

اس آیت میں "مَا نَبْغِي" کا ترجمہ کیا گیا ہے ...... وہی جو ہم مانگتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مفسرین سے بالکل الگ "مَا" کو موصولہ قرار دیا ہے اور اس کے مطابق ترجمہ کر کے بتایا ہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اپنے سامان کے اندر اپنی پونجی واپس دیکھ کر کہا اے باپ! یہ دیکھ جو ہم مانگتے ہیں اور چاہتے ہیں وہ ہمیں مل گیا، شاہِ مصر کی کرم نوازی اور اس کی عنایات یہ ہمارے سامنے ہیں۔ ہمیں اور کیا چاہیے؟

حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم کو اور کیا چاہیے؟ یہی ترجمہ حضرت تھانویؒ اور دوسرے مترجمین نے کیا ہے۔

اب جملہ کے ترجمہ میں موضح قرآن کے قدیم نسخوں کا اختلاف قابلِ غور ہے۔ سید عبداللہ والے ایڈیشن میں ضمیر جمع غائب کے لیے ہندی قاعدہ کے مطابق "وے" اور واحد غائب کے لیے "وہ" لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اس نسخہ میں "مَا نَبْغِي" کے نیچے یہ ترجمہ درج ہے۔ "وے جو ہم مانگتے ہیں"

دوسری مثالیں یہ ہیں۔

وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (۵۸) اور وے نہیں پہچانتے۔

وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور وہ سچا ہے۔

(۵۱)

دو تین صفحات کے اندر ہی یہ مثالیں موجود ہیں،

انگریزی رومن کے مصنف سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے "مَا نَبْغِيْ" کے ترجمہ کے "وے" بالواو کو "دے" دال کے ساتھ لکھ دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

De Jo Ham Mangte Hain

آیت نمبر ۵۸ کا ترجمہ یہ ہے

Aur wu Nahin Pachante

آیت نمبر ۵۱ کا ترجمہ یہ ہے۔

Aur wuh Sachcha Hai (217-216)

صفحات (۲۱۶ - ۲۱۷)

یہاں ایک بات تو ثابت ہوتی ہے کہ رومن مطبوعہ لدھیانہ کے سامنے موضح قرآن کا جو نسخہ (مطبوعہ مطبع محمدی بمبئی ۱۲۶۹ھ) ہے اس میں بھی واحد کے لیے "وہ" کا لفظ لکھا ہے اور جمع کے لیے "وے" کا لفظ لکھا ہے

پانچ ترجموں والے نسخہ مطبوعہ ۱۳۴۴ھ اقبال پرنٹنگ ورکس (دہلی) میں اس جملہ کے ترجمہ میں یہ الفاظ درج ہیں۔ "اے باپ! دے جو ہم مانگتے ہیں۔"

یہ صاف طور پر دال سے " دے " پڑھا جاتا ہے کیونکہ اس نسخہ میں کسی جگہ بھی " دیے " واو کے ساتھ موجود نہیں ہے ۔

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (الاعراف ۷۶)

"لیکن وہ گرا پڑے زمین پر"

تمام قدیم و جدید نسخوں میں یہی ترجمہ ملتا ہے ۔ صرف نسخہ مطبوعہ مطبع کریمی بمبئی ۱۳۱۸ھ میں " گر پڑے " لکھا ہوا ہے ۔ یہی الفاظ منشی ممتاز علی کے نسخہ مطبوعہ مجتبائی میں ہیں ۔

آج کی بول چال میں گر پڑے ہی آتا ہے ۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے اس لفظ کو متعدی بنا کر استعمال کیا ہے یعنی وہ لوگ اپنے آپ کو گرا پڑے ، انہوں نے اپنے آپ کو ذلیل کر دیا ، گر پڑے سے یہ مفہوم نہیں نکلتا ، اس میں قصد و ارادہ کا دخل نہیں معلوم ہوتا ، اہل لغت نے لکھا ہے گرانا ، گرنا کا متعدی ہے ۔ بمعنی نیچے ڈالنا ، ٹپکنا ، مرتبہ کم کرنا ، قیمت کم کر دینا ۔

(مصادر نامہ ص ۳۰۴)

شاہ صاحبؒ کے وقت میں گرا اور پڑے مرکب ہو کر استعمال ہوتے ہوں گے ، چنانچہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مرکب الفاظ کافی ملتے ہیں ۔ (۱) بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ (ہار گری ان کی دریافت) (۲) ثُمَّ اَنْشَاْنَا (اٹھا کھڑے کیے) (۳) فسجدوا (سجدہ کر پڑے) (۴) فطال (بڑھ پڑا)

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ (الانبیاء ۴۲)

"تو کہہ کون چوکی دیتا ہے تمہاری رات دن"

تمام نسخوں میں یہی لفظ ہے، سید عبداللہ والے اور رومن نسخہ میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے۔ یعنی "کون بچا دیتا ہے"..... اردو لغت والوں نے لکھا ہے..... چوکی دینا۔ نگہبانی کرنا، (فرہنگ آصفیہ ج ۲ ص ۱۳۰)

عربی لغت میں لکھا ہے کلاء اللہ یکلؤہ ای یحفظہ اللہ تعالیٰ (جلالین ص ۲۷۳) اس لحاظ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآنی لفظ کی بہت صحیح تشریح ہے، اگرچہ چوکی دینا اب نہیں بولا جاتا۔ اب اس کی جگہ چوکیداری کرنا آتا ہے۔

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (آلِ عمران ۷۹)

"لیکن تم ربی ہو جاؤ۔"

عام طور پر قدیم و جدید نسخوں میں "مربی" کا لفظ لکھا ہوا ہے جس کے معنی تربیت کرنے والے کے ہیں اور یہاں یہ معنی نہیں بنتے..... یہ لفظ اصل میں یہود کے ہاں بطور[1] اصطلاح کے بولا جاتا تھا اور مذہبی عہدیداروں کو ربی اور ربانی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، قرآن کریم میں دوسری جگہ آیا ہے۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ.....

ان کے ربانی اور ان کے علماء انہیں کیوں منع نہیں کرتے۔

اسی طرح عیسائیوں کے ہاں (Divine) بھی ربی اور ربانی ہی کے ہم معنی ہے۔

[1] یہ لفظ یو۔پی میں عام بولا جاتا ہے۔

قدیم رومن انگریزی نسخہ کے اندر بھی غلط لفظ لکھا ہوا ہے ... یعنی (Murabbi ←) صفحہ ۹۴ ۵ - البتہ تاج کمپنی لاہور کے نسخہ میں صحیح لفظ "ربی" لکھا ہوا ہے۔

اول تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عام دستور یہ ہے کہ وہ مخصوص اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ نہیں کرتے۔

دوسرے اس آیت کے فائدہ میں شاہ صاحبؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لفظ (ربیؒ) ہے مُرَبّی نہیں ہے لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نبی کرے اور وہ لوگوں کو کفر سے نکال کر مسلمانی میں لا دے پھر کیوں کر ان کو کفر سکھا دے۔ مگر تم کو یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ نہیں رہی اب میری صحبت میں وہی کمال حاصل کرو"..... یہ حاشیہ بتا رہا ہے کہ ربانین کا مفہوم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دینداری رکھنے والے لوگ ہیں۔ اس کے علاوہ (المائدہ ۶۳) لولا ینھاھم الربانیون..... میں ربانی کا ترجمہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے درویش کیا ہے اور احبار کا (ملاں) کیا ہے۔ آلِ عمران میں شاہ ولی اللہ کے ہاں "ربانی" کا ترجمہ ربانی ہی ہے اور حاشیہ پر لکھا ہے یعنی مرشد خلق شدند۔ (فتح الرحمٰن) یعنی وہی درویشی اور تصوف کا مفہوم واضح فرما رہے ہیں۔

⁂

بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ربی کی جگہ مربی

ہو جانا کتابت کا معمولی سہو ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ یہ سہو اور غلطی بہت قدیم نسخوں میں نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور آج تک کسی نے توجہ نہیں کی۔

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (المطففین ۲۶)

اس آیت کا ترجمہ قدیم و جدید نسخوں میں اسطرح ملتا ہے

۱:۔ چاہیئے دھوکیں دھوکنے والے ۲: Parchahiye Dhaunke Dhaunkne-wale ۳:۔ ڈھکیں ڈھکنے والے	سید عبداللہ (۱۲۶۸ھ کانپور)

یہی الفاظ دوسرے قدیم نسخوں میں ہیں۔

۴:۔ ڈھکیں (رغبت کریں) ڈھکنے (رغبت کرنے والے	تاج کمپنی

مطبع کریمی بمبئی کے نسخہ میں حاشیہ پر لکھا ..... ڈھکیں الخ.....

یعنی رغبت کریں۔

☆

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیا لفظ ہے، اور اس کے معنی شاہ صاحبؒ کے ہاں کیا ہیں؟ چنانچہ اس کے لیے ہمیں آیت (الاحزاب ۱۹) کے ترجمہ پر غور کرنا ہوگا۔

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ	پھر جب جاتا ہے ڈر کا وقت چڑھ
سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ	چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے
اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ	ڈھکے پڑتے ہیں مال پر۔

(الاحزاب ۱۹)

ڈھکیں پڑنے کا مفہوم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کیا ہے؟...... اسے دوسری آیات کے ترجموں کی مدد سے متعین کیا جا سکتا ہے۔

اسی آیت کے شروع میں کہا گیا ہے ...... اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ...... دریغ رکھتے ہیں تمہاری طرف سے یعنی کوتاہی، بخیلی اور انکار کھتے ہیں، دوسرے حضرات نے دونوں جگہ "شحّ" کے معنی بخل کیے ہیں مولانا تھانویؒ نے دوسرے فقرہ میں اَشِحَّةً کے معنی حرص کے کیے ہیں۔

معلوم ہوا کہ "ڈھکے پڑتے ہیں" کا مطلب مال کی حرص میں اس پر گرے پڑتے ہیں۔

یہی لفظ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ تطفیف میں لکھا ہے۔

"چاہیئے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے" بعض نسخوں میں اس جگہ ڈھوکیں لکھا ہوا ہے جو غلط ہے۔

اس مقام پر دوسرے حضرات نے تَنَافَسُ کا ترجمہ رغبت کرنا کیا ہے۔ اور مولانا تھانوی نے حرص کرنا لکھا ہے۔

اہل لغت نے لکھا ہے، ڈھکانا، (بفتح اول وسکون ثانی) بہکانا اور ترسانا دھوکا دینا)

ظفر کا شعر ؎ ایک پیمانے سے مستوں کو نہ ساقی ڈھکا
خم چڑھا جاتے ہیں کیا ہوتا ہے پیمانے سے

دوسرے شاعر کا شعر ہے ؎

(وزیر) تو نے ڈھکا کے ہمیں غیر کو ساغر جو دیا
ساقیا پی گئے ہم آنکھوں میں بھر کر آنسو

یہاں وہی شوق دلانے، رغبت دلانے، ترسانے کا مفہوم ہے وہی مفہوم شاہ صاحبؒ کے ہاں نکلتا ہے۔

تاج کمپنی کی بقیہ غلطیاں

(۱) المائدہ (۸۹)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزہ تین دن کا۔

مطلب یہ ہے قسم کھانے کے بعد قسم کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا دس محتاجوں کو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور جو اتنی طاقت نہ رکھتا ہو وہ تین روزے رکھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محاورہ کے مطابق "پیدا نہ ہو" ترجمہ

کیا، حضرت شیخ الہندؒ نے "اسے میسر نہ ہو" کر دیا، مولانا تھانویؒ نے "مقدور نہ ہو" لکھا، تاج کمپنی کے مرتب نے اسے قوسین کے اندر . . .
(توفیق نہ ہو) کر دیا، اردو میں اس کا مفہوم اور "پیدا نہ ہو" کا مفہوم الگ ہے
"توفیق نہ ہو" کا جملہ اردو میں دو معنی میں بولا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اسے کوئی چیز میسر ہی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اسے میسر تو ہو لیکن اس میں خرچ کرنے کی ہمت نہ ہو۔ کہا جاتا ہے۔ خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے مگر اسے توفیق نہیں ہوتی یعنی اس کے نصیب میں یہ سعادت نہیں۔ وہ بدنصیب ہے

"پیدا نہ ہو" دلی میں اب بھی عام طور پر بولا جاتا ہے، تاج کمپنی کے مرتب دلی کی اردو سے بے گانہ معلوم ہوتے ہیں، اس لیے جگہ جگہ ایسی تشریح کرتے ہیں، جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ناواقفیت کا ثبوت دیتی ہے۔

۲ :۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ جو موضع ستھرا ہے۔

(اعراف ۵۸)

سید عبد اللہ۔ اردو درمن اور دوسرے قدیم نسخوں میں . . . . .
ضلع ستھرا . . . . لکھا ہوا ہے، صرف مطبع نعمانی کے نسخہ میں موضع ہے۔
اسی سے تاج کمپنی نے لیا ہے۔

۳ :۔ مِنْ بَعْدِ پیچھے وہاں کے لوگ جاکر

اَهْلِهَا (اعراف ۱۰۰)

یہ جملہ بالکل بے معنی ہے اور اکثر قدیم و جدید نسخوں میں یہی عبارت

لکھی ہوئی ہے۔ البتہ سید عبداللہ اور رومن کے نسخہ میں اور پانچ ترجمہ والے نسخہ اور مطبع کریمی بمبئی میں صحیح عبارت درج ہے جو یہ ہے۔

"جو قائم ہوتے ہیں ملک میں وہاں کے لوگوں کے جانے کے بعد"

رومن کی عبارت یہ ہے...... اس میں دوسرا (کے) رہ گیا ہے۔

Hwakan Ke Logon Ke Jane Bad

(صفحہ ۱۴۵)

۴:۔ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ اور خراب کیا ہم نے جو بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور ان کو چڑھاتے چھتریوں پر۔ (اعراف ۱۳۷)

قرآنی فقروں کی نحوی ترکیب اور مفہوم کے لحاظ سے یہ ترجمہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

یہ ترجمہ پانچ ترجمہ والے نسخہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ تاج کمپنی اور بعض دوسرے نسخوں میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں "اور انگور چڑھاتے چھتریوں پر"...... ان الفاظ سے آیت کا مفہوم مربوط نہیں ہوتا کیونکہ ترکیب میں "ما کانوا" کا عطف "ما کان" پر ہو رہا ہے، اس ترجمہ میں یہ باقی نہیں رہتا۔

بعض نسخوں میں "انگور" کا لفظ کیسے بنا؟ اس تحریف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مطبع کریمی بمبئی ۱۳۱۸ھ کے نسخہ میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں "اور انکو جو چڑھاتے" یہ الفاظ بے معنی ہیں، کسی ناقل نے اسے بامعنی بنانے کے لیے اسے (انگور) کر دیا، کیونکہ اس فقرہ میں اختلاف

انگور کی بیلوں ہی کی طرف ہے، وہی ٹٹیوں اور چھتریوں پر چڑھائی جاتی ہے۔

لفظی تحریف کی یہ کس قدر دلچسپ داستان ہے۔

۵:۔ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ یعنی تم کیا چیتو گے ہمارے حق میں (التوبہ ۵۲)

ترجمہ کیا ہے۔ تاج کمپنی نے بریکٹ لگائی (سوچو گے) چیتنا کے معنی کئی آتے ہیں۔ ہوشیار ہونا، ترقی کرنا اور آرزو کرنا، سمجھ میں آنا .... اس لیے اس جگہ چیتو گے کی تشریح (سوچو گے) کے الفاظ سے درست ہو تو سکتی ہے۔ لیکن تمام مترجمین نے اس کا انتظار کرتے ہو" کیا ہے۔ یعنی امید و آرزو میں رہتے ہو۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت میں اسی لفظ تربص کا آگے ترجمہ کیا ہے۔ "امیدوار" ہیں۔ پھر تیسری جگہ کیا "منتظر رہو"۔

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ... ("چیتو گے") کو اسی مفہوم میں استعمال فرما رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کی تشریح میں اس پر مکمل بحث کی جا چکی ہے۔

سید عبداللہ کی ایک اور اصلاح

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اور جب چپ ہوا موسیٰ سے غصہ (الاعراف ۱۵۴) ......

اکثر قدیم و جدید نسخوں میں یہی لفظ لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن

عبداللہ لاہوری، ردمن انگریزی اور پانچ ترجمہ والے نسخہ میں یہ الفاظ ہیں۔ "اور جب فرو ہوا موسٰی سے غصہ"..... ہمارے خیال میں یہ سید عبداللہ صاحب کی اصلاحات میں سے ایک اصلاح ہے۔ دوسرے بعض نسخوں کے سامنے وہی الفاظ آئے اور انہوں نے بھی وہ نقل کر دیئے

ہم کس قرینہ سے اس بات کا فیصلہ کر رہے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کے الفاظ پہلے ہیں؟ قرینہ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ سے پہلے ان کے والد کا ترجمہ یہ ہے "چوں ساکن شد" پھر ان کے بڑے بھائیؒ نے اسی دور میں یہ ترجمہ کیا۔ "جب چپکا ہوا موسٰی سے غصہ"۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں سکت کے لیے چپ ہوا۔ چپکا ہوا ساکن ہوا، ہی کے الفاظ چل رہے تھے۔

اور کوئی ایسا اردو محاورہ نہیں آیا تھا جو الفاظ قرآنی سے قریب ہو۔ سید عبداللہ صاحب نے اس ترجمہ کو ادبی رنگ دینے کے لیئے فارسی کا لفظ اختیار کیا اور "فرو ہوا" لکھا۔ سید عبداللہ سے پہلے شیخ شریف جرجانی نے فارسی میں یہ لفظ لکھا ہے۔ "چوں فرو نشست از حضرت موسٰی علیہ السلام"

بعض نسخوں میں حاشیہ پر یہ الفاظ ملتے ہیں۔ "یعنی جب فرو ہوا"۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ناقلین نے سید عبداللہ کے الفاظ صرف حاشیہ پر لکھے اور بعض نے اصل ترجمہ میں رکھ دیئے۔

شاہ صاحبؒ کے بعد جب ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا دور آیا تو ظاہر ہے کہ ڈپٹی صاحب کے وقت میں غصہ دور ہونے کے لیے کئی دوسرے

اردو محاورے آچکے تھے ۔مگر ڈپٹی صاحبؒ نے ۱۳۱۴ھ میں "غصہ فرو ہوا" کے الفاظ ہی اختیار کیے، پھر حضرت تھانویؒ کا ترجمہ مرتب ہوا اور تھانوی صاحبؒ نے بھی ڈپٹی صاحب کے الفاظ اپنائے، حضرت تھانویؒ کا ترجمہ ۱۳۲۶ھ میں لکھا گیا ہے۔

اس کے بعد مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ ۱۳۳۰ھ میں لکھا گیا یا چھپا، اس میں خاں صاحب نے جدت پیدا کی اور اردو کا یہ محاورہ لکھا "اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھما"..... اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ کا دور ہے اور حضرتؒ کے ہاں بھی خاں صاحب والا لفظ ملتا ہے ۔کچھ تبدیلی کے ساتھ ۔ اور جب تھم گیا موسیٰ علیہ السلام کا غصہ"..... تھمنے کا لفظ قرآنی لفظ سے قریب ہے ۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ترجمان القرآن جلد دوم کی تصنیف کا زمانہ ۱۹۳۶ء ہے ۔مولانا نے ترجمہ کیا ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خشمناکی فرو ہوئی" مولانا نے ڈپٹی صاحب کے الفاظ کو پسند کیا صرف غصہ کی جگہ فارسی لفظ خشمناکی رکھ دیا ۔

اس کے بعد مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے ترجمہ کو لیجیے جو ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء میں مکمل ہوا ۔مولانا کے الفاظ یہ ہیں..... اور جب موسیٰ علیہ السلام کے غصہ کو سکون ہوا" مولانا نے یہ جدت پیدا کی کہ بالکل پیچھے ہٹ کر حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنا دیا ۔

اس کے بعد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ کی تفہیم القرآن کا حصہ اول شائع ہوا جس کا سن اشاعت ۱۹۵۱ء ہے ۔ حضرت مولانا نے اپنے

اپنے ترجمہ میں وہ محاورہ استعمال کیا جو اردو کا صحیح اور باموقعہ محاورہ ہے
"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔"

اس کے بعد مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا ترجمہ ۱۳۸۲ھ ھ
بمطابق ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا اور مولانا نے مودودی صاحب کے اسی
محاورہ کو پسند فرمایا۔

لیکن یہ محاورہ الفاظ قرآنی سے بالکل الگ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ
اسی وجہ سے پہلے مترجموں میں سے کسی مترجم نے اسے اختیار نہیں کیا۔

فوائد میں کتابت کی غلطی کی مثال

کتابت کی غلطی نے جس طرح اصل ترجمہ میں غضب ڈھایا ہے، اسی طرح فوائد کی عبارت کو بھی بگاڑا ہے۔ اس کی صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

الانعام آیت نمبر ۷۶ پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فائدہ تحریر فرمایا۔

حق تعالیٰ کے کلام میں (تا) کے ساتھ (اور) آتا ہے .... پورا نوٹ طویل ہے اور علمِ کلام کے ایک اہم مسئلہ کی تشریح سے متعلق ہے، اس میں اشارہ اس فقرہ کی طرف ہے

وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ...... اور تا اس کو یقین آوے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔

اس عبارت (آتا ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ بطور کلیہ کے یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جہاں تا (لام کے) ہوتا ہے وہاں اور (واو عاطفہ) بھی ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت دیکھ کر راقم نے قرآن کریم پر ایک نظر ڈالی اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں کسی جگہ لام مکسور بمعنی تاکہ

واو کے ساتھ آیا ہے اور کسی جگہ واو کے بغیر آیا ہے۔ واوٗ کے ساتھ کی مثالیں..... وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الفتح نمبر ۲۰)(ترجمہ) اور تا ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے....... وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (البقرۃ نمبر ۱۸۵)۔(ترجمہ) اور اس واسطے کہ پوری کرو گنتی اور بڑائی کرو اللہ کی ...... وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (العنکبوت ۶۶)(ترجمہ)..... اور برتتے رہیں۔ اب آگے جان لیں گے۔

واو کے بغیر مثالیں......

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان ۱)(ترجمہ) کہ رہے جہان والوں کو ڈر....... لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (الحج ۳۷) (ترجمہ) کہ اللہ کی بڑائی پڑھو۔

یہ مثالیں دی گئی ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت میں جو کچھ لکھا ہے قرآنِ کریم اس کی نفی کرتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کی عبارت مرتب کے سہو کا شکار ہو گئی اور اصل عبارت میں (آیا ہے) تھا۔ یعنی اس جگہ ایسا آیا ہے "آتا ہے" کر دیا گیا گویا یہ عام اصول ہے۔

تعجب ہے کہ یہ غلطی سید عبداللہ والے نسخہ سے لے کر بعد کے تمام نسخوں میں نظر آرہی ہے اور ناشرین قرآن غور و خوض کے بغیر اسے لکھتے اور نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو صرف الانعام والی زیرِ بحث آیت کے

متعلق بتار ہے ہیں کہ اس جگہ تا کے ساتھ اور آیا ہے اور اس میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے ...... اس تفسیری فائدہ کی پوری وضاحت محاسن موضح قرآن میں کی گئی ہے ۔

فائدہ میں ایک فاش غلطی یا الحاق

سورہ الطارق نمبر ۸ میں فرمایا :۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ترجمہ :۔ بے شک وہ اس کو پھیر لا سکتا ہے ۔

اس آیت پر فائدہ نمبر ۲ بعض نسخوں میں اس طرح ہے "یعنی اللہ دنیا میں پھیر لاوے گا مرنے کے بعد"۔

حد یہ ہے کہ یہ غلطی سید عبداللہ والے نسخہ میں موجود ہے جو قدیم ترین نسخہ ہے اسی سے دوسرے نسخوں نے نقل کیا ہے ۔

دنیا میں دوبارہ زندہ ہو کر آنا، قرآن کریم کی عام تصریحات کے خلاف ہے ۔ اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فحش غلطی کس طرح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی میں داخل ہوئی اس غلطی سے ہندو تصورات کے مطابق آواگون ثابت کیا جا سکتا ہے ۔

حالانکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے المومنون .. ا کے تحت جو فائدہ لکھا ہے اس میں وضاحت کے ساتھ آواگون کے تصور کو باطل قرار

دیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ جو لوگ کہتے ہیں، آدمی مر کر پھر آتا ہے، سب غلط ہے۔ قیامت کو اٹھیں گے اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنے تشریحی نوٹ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فائدہ پورا تحریر کیا ہے، اس میں یہ اضافہ درج نہیں ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:۔ یعنی اللہ پھیر لاوے گا مرنے کے بعد (موضح قرآن)
اب یا تو مولانا کے سامنے موضح کا جو نسخہ تھا اس میں یہ اضافہ نہیں تھا یا مولانا نے غلط سمجھ کر اسے حذف کر دیا۔ موجودہ نسخوں میں تاج کمپنی لاہور اور مطبوعہ ۱۳۱۸ھ بمبئی اور سید احمد حسن ڈپٹی کلکٹر حیدر آباد کے نسخوں میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ البتہ دلی کے کتب خانوں کے مطبوعہ نسخوں میں یہ غلطی نظر آتی ہے۔

الرحیم .... نعمت دینے والا

موضح قرآن کا ایک قدیمی نسخہ مولانا قاری محمد میاں صاحب استاذ مدرسہ عالیہ فتحپوری دلی نے دکھایا، یہ بڑے سائز پر ہے۔ ایک کالم میں تفسیر جلالین دوسرے کالم میں فتح الرحمٰن اور تیسرے میں موضح قرآن ہے۔ مطبع اسلامی کا چھپا ہوا ہے۔ ۱۳۱۲ھ سن طباعت ہے۔ مقام طباعت کا ذکر نہیں ہے۔ پہلے پندرہ پاروں کی جلد اول ہے۔ خاص مقامات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ سید عبداللہ والے نسخہ سے چھاپا گیا ہے مگر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ترجمہ میں تمام جگہ "الرحیم" کا ترجمہ نعمت دینے والا کیا

گیا ہے۔

یہ ترجمہ کہاں سے لیا گیا؟ تعجب ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں لوگوں نے کس کس طرح دست اندازی کی ہے۔

اس نسخہ میں فتح الرحمٰن کا فارسی مقدمہ بھی شامل ہے۔

مزید اہم غلطیاں اور متروک الفاظ

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ (الرعد ۱۱)	ترجمہ:۔ اس کے پہرے والے ہیں بندے کے آگے سے اور پیچھے سے اس کو بچاتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں

الملئکۃ الحفظۃ معقبات لکثرۃ تعاقب بعضھم بعضا فی التداول (جلالین ص۲۰۰)	وہ حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اس لیے انہیں معقبات (ایک کے پیچھے ایک) کہا گیا ہے۔

تاج کمپنی کے مرتب نے اسے "پھیری والے" لکھا ہے مطبوعہ آگرہ ۱۳۳۲ھ کے نسخہ میں (پھیرے والے) لکھا ہوا ہے۔ مطبع نعمانی دلی میں (پھیرے والے) کا لفظ لکھا ہوا ہے، اور مطبوعہ ۱۳۰۰ھ کے نسخہ میں بھی "پھیرے" ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے

سید عبداللہ والے نسخہ اور اردو رومن میں یہی الفاظ ہیں۔
(Pahrewala) 224ص

جو مختلف نسخوں میں بگڑتے رہتے ہیں۔
مراد شاہ صاحبؒ کی پہرے دار فرشتے ہیں جو لوگوں کی حفاظت پر مقرر کیے جاتے ہیں۔
اردو میں "پھیری والا" اس سودا بیچنے والے کو کہتے ہیں جو گلیوں میں آتا جاتا رہتا ہے۔ پھیرے والے، اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ البتہ پھیرے لگانا آتا ہے۔ یعنی بار بار آنا جانا۔

وَلَاهُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ اور نہ ان سے توبہ مانگے۔

(النحل ۸۴)

یعنی خدا تعالےٰ قیامت کے دن منکرین سے توبہ کرنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہاں کسی کی توبہ قبول ہی نہیں ہوگی۔
حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ "ونہ از ایشاں رجوع بمرضیات الٰہی طلب کردہ شود" مولانا تھانوی صاحبؒ نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا" اور نہ ان سے حق تعالےٰ کو راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی"۔
لغت میں عتاب کے معنی ناراضگی اور غصہ، باب افعال میں لاکر ہمزہ سلب لگایا اور اَعْتَبَ کے معنی خوش کرنا ہو گئے، اسی سے اِسْتَعْتَبَ باب استفعال میں طلب کے معنی پیدا ہو گئے، قرآن میں اسی باب سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ کو "خوش کرنے" کا مفہوم لفظ توبہ سے ادا کیا ہے اور فعل مجہول کا ترجمہ فعل معروف کا کیا ہے۔

بعض قدیم نسخوں اور تاج کمپنی نے اس لفظ کو "توبہ ملنگے" کر دیا ہے اردو رومن کے الفاظ یہ ہیں۔

(Aur na unse tauba mage)(248)

یہ صحیح ہے تاج کا ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

۳ (آیت ۳۳) بنی اسرائیل، سید عبداللہ اور اردو رومن میں ترجمہ اس طرح ملتا ہے۔ ..... تو دیا ہم نے اس کے وارث کو زور، سو اب ہاتھ نہ چھوڑے خون پر، اس کو مدد ہوتی ہے۔

ان دو نسخوں کے علاوہ تمام قدیم وجدید نسخوں میں اسطرح لکھا ہوا ہے۔ "تو ہم نے دیا اس کے وارث کو زور، سو اب ہاتھ نہ چھوڑ دے خون پر، اس کو مدد ہوتی ہے"۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ ہر کسی کو لازم ہے کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے۔ اس سے دوسرے ترجمہ کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

تاج کمپنی، مطبع نعمانی اور مطبوعہ آگرہ میں ترجمہ صحیح لکھا ہوا ہے

۴ سورہ طٰہٰ (آیت ۱۱۱) وَعَنَتِ الْوُجُوهُ ..... "اور رگڑتے ہیں منہ آگے، اس جیتے ہمیشہ رہتے کے ..... سید عبداللہ اور رومن اور دوسرے قدیم نسخوں میں یہی ترجمہ لکھا ہوا ہے۔ مطبع نعمانی میں یہ الفاظ ہیں ...... اور لرتے ہیں منہ آگے ..... پھر تاج کمپنی نے اسے اس طرح کر دیا ہے۔

"اور کرتے ہیں منہ آگے"۔

یہ دونوں ترجمے غلط ہیں، شاہ صاحبؒ نے ذلیل ہونے کو گرتے ہیں، سے تعبیر کیا ہے یعنی اس کے آگے منہ (چہرے) عاجز اور ذلیل ہوں گے۔

اردو رومن کے الفاظ یہ ہیں۔

Ragarte hain munh.

۵ الحج (۵۱) کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ اور جو دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ ہیں الخ...... تمام قدیم نسخوں میں اور اردو رومن میں یہی ترجمہ لکھا ہوا ہے۔

Aur Jo daure hamari ayalon ke Harane ko (308).

تاج کمپنی میں لکھا ہے...... "ہماری آیتوں کو ہراتے"...... یہ تحریف ہے۔

۶ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ کہ رہے جہاں والوں کو ڈراؤ، نَذِيْرًا۔

تمام قدیم وجدید نسخوں میں یہی لفظ ملتا ہے، تاج کمپنی نے "ڈر" لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اردو رومن کے الفاظ یہ ہیں۔

ki rahe jahan walon ko darao.

(Page 329)

۷ النحل ۳۹۱ میں ہے...... قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ

"بولا راکشس جنوں میں سے ...... میں لاتا ہوں"۔
بلقیس کے تخت شاہی لانے کے سلسلہ میں عفریت کا ذکر آیا ہے
اس سے مراد طاقت ور جن لیا گیا ہے ۔ اس کا ترجمہ فارسی والوں نے دیو کیا ہے ۔
اور حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "تہم تنے" یعنی آہنی جسم والے
ترجمہ کیا ہے، اور پھر اردو والوں نے اسے ہی اختیار کیا ہے ۔ شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے راکشس کا لفظ رکھا ہے جو سنسکرت کا لفظ ہے ۔ اس کے
معنی بھی قوی ہیکل جن کے ہیں ۔

یہ لفظ شروع ہی سے قدیم نسخوں کے اندر غلط لکھا ہوا ملتا ہے۔
سید عبداللہ والے نسخہ میں (رکس) لکھا ہوا ہے ۔ اردو رومن یہ ہے ۔
Bola ek sakas jinnon men se,
جدید نسخوں میں پانچ ترجمہ والے نسخہ میں "راکس" لکھا ہوا ہے اور
اکثر نسخوں میں بھی اسی طرح ہے، جیسے تاج کمپنی نے بھی جوں کا توں (راکس)
لکھ دیا ہے ۔

(۸) حَسِبَتْهُ لُجَّةً خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا
یہ بلقیس کا تذکرہ ہے، تمام نسخوں میں "گہرا" لکھا ہوا ہے اور تاج کمپنی
نے اسے (کھڑا) کر دیا ہے، جو غلط ہے ۔ اہل لغت نے "لُجّۃ" کے معنی معظم
الماء (زیادہ پانی) کیے ہیں ۔ اس کا ترجمہ فارسی والوں نے آبِ بسیار کیا
شیخ رح اور (حوض آب) حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور اردو
والوں نے "گہرا" پانی، شاہ رفیع الدین صاحب رح نے کیا ہے ۔
اردو رومن کے الفاظ یہ ہیں ۔

us ko Khiyal Kuyo. ki pani Hai gahra.

(۹) القصص (۸۲) کا صحیح ترجمہ یہ ہے

"اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام مناتے تھے اس کا سا درجہ۔ ارے خرابی! یہ اللہ کھولتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں۔"

تاج کمپنی کے نسخہ میں ایک لفظ رہ گیا اور چند لفظوں کی ترتیب بگڑ گئی اور ترجمہ کی عبارت اس طرح ہو گئی "اور فجر کو لگے کہنے جو مناتے تھے اس کا سا درجہ، ارے یہ تو خرابی"

(۱۰) ایک متروک معنی

اس آیت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمنا کا ترجمہ مناتے تھے کیا ہے۔ جب کہ دوسرے حضرات نے آرزو کرتے تھے کیا ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس لفظ کے مختلف معانی لکھے ہیں۔

۱:۔ منانا، عاجزی کر کے کسی کو راضی کرنا۔ غم یا خوشی کا اظہار کرنا غم منانا، جشن منانا۔ داغ کا شعر ہے۔

رہتا ہے دم خفا میرے سینے میں ہر گھڑی
روٹھے ہوئے کو ہائے کہاں تک منائے دل

۲:۔ منت ماننا، چاہنا، دعا کرنا۔ جیسے ہم تو خدا سے مناتے ہیں کہ تم پڑھنا شروع کرو۔ (ج ۴ ص ۱۴۱)

منانا کے یہ دوسرے معنی اب مستعمل نہیں، صرف ایک محاورہ میں

مستعمل ہیں، کہا جاتا ہے۔

خیر مناؤ، یعنی خیر کی دعا کرو، خیر چاہو، داغ ہی کا ایک شعر ہے ؎

یہ جان تم نہ لوگے اگر آپ جائے گی
اس بے وفا کی خیر کہاں تک منائیں ہم

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "مناتے تھے" کو خواہش کرتے تھے "آرزو کرتے تھے" کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے حاشیہ پر "مانگتے تھے" لکھا ہے۔

(۱۱) فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ سورۃ روم ۱۹ — سو سنتاپ میں پکڑے آئے ہیں۔

سنتاپ سنسکرت کا لفظ ہے، اس کے معنی دکھ، عذاب، تپش، (فرہنگ آصفیہ ج ۳ صـ ۱۰۲)

یہ لفظ صرف پانچ ترجمہ والے نسخہ میں صحیح لکھا ہوا ہے۔ کسی نسخہ میں "تنتاپ" (سید عبد اللہ، مطبع نعمانی دلی، مطبع آگرہ وغیرہ) اور تاج کمپنی کے نسخہ میں "شتاپ" لکھا ہوا ہے۔ اردو رومن میں بھی یہ لفظ صحیح لکھا ہوا ہے صفحہ ۵۷۴

Sontap. (Page 574)

۱۲ حٰمٓ السجدہ کی پہلی آیت ہے۔

تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — ترجمہ:- اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے سے۔

یہ صحیح ترجمہ ہے جو سید عبد اللہ، اردو رومن اور پانچ ترجمہ والے نسخہ میں لکھا ہوا ہے، رومن کے الفاظ یہ ہیں۔

Utara hua hai bare. P.444

لیکن تاج کمپنی، مطبع نعمانی دلی اور آگرہ کے نسخوں میں اس طرح لکھا ہوا ہے "کچھ اتارا ہے بڑے مہربان رحم والے سے ...... یہ (کچھ) کا لفظ کون سے قرآنی لفظ کا ترجمہ ہے اور اس کا یہاں کیا مفہوم نکلتا ہے؟ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔ کچھ اتارا ہے کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ تمام قرآن مجید خدا کی طرف سے اتارا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ کچھ تھوڑا سا اتارا ہوا ہے "تَنْزِیْلٌ" کا لفظ قرآن کریم میں اس کے علاوہ حم السجدہ (۴۲) الواقعہ (۸۰) الحاقہ (۴۳) اور تَنْزِیْلًا، طٰہٰ[1] (۴) آیا ہے اور ہر جگہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "تنزیل" کو مفعول کے معنی میں لے کر اتارا یعنی (اتارا ہوا) ترجمہ کیا ہے، کہیں (کچھ) کا لفظ موجود نہیں ہے اس لیے یہاں یہ اضافہ ترجمہ میں کھلی تحریف ہے۔

۱۳ ایک قطعی متروک لفظ

قرآن کریم میں کہیں کہیں[2] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خدا تعالیٰ کے لیے "شخص" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس وقت یہ اطلاق ہوتا ہوگا، لیکن اب بالکل متروک ہے۔ ہے۔ اس لیے اس لفظ کی جگہ "ہستی"

---

[1] طٰہٰ (۴) کے علاوہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں پڑا۔

[2] البتہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ میں اکثر جگہ استعمال کیا ہے۔

کا لفظ لکھا جائے یا پھر اسے بالکل حذف کر دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے طٰہٰ آیت (۴) میں کیا ہے۔ ترجمہ اس طرح ہے "اتارا ہے۔ اس شخص کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے...... حضرت شیخ الہندؒ نے شخص کا لفظ حذف کر دیا ہے۔

عربی میں شخص کے معنی بلند ہونا، شخص کے معنی وجود اور ہستی، اس لیے لغوی معنی کے لحاظ سے شخص کا اطلاق خدا تعالےٰ کی ہستی پر ہو سکتا ہے لیکن اردو میں اب یہ لفظ جسمانی اور مادی وجود کے لیے خاص ہو گیا ہے اور خدا تعالےٰ مادیت اور جسمانیت سے پاک ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شخص کے لفظ کا لڑکی پر بھی اطلاق کیا ہے اور یہ ہستی اور ذات کے معنی میں بولا گیا ہے۔

اَوَمَنْ یُنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ اور ایسا شخص کہ پلتا ہے گہنے میں یعنی وہ ہستی (لڑکی) جو زیور میں پرورش پاتی ہے (الزخرف آیت ۱۸) اور فرشتوں پر بھی ایک جگہ اطلاق کیا ہے۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ اس پر مقرر کیا انیس شخص، مراد فرشتے ہیں۔

(۱۴) حٰمٓ السجدہ میں آیت (۲۴) ہے۔ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ "..... صحیح ترجمہ یہ ہے، "اور لگا دیئے ہم نے ان پر تعیناتی، پھر انہوں نے بھلا رکھا ہے ان کو" اردو میں تعیناتی دو معنی میں بولا جاتا ہے، ایک مصدری معنی بمعنی تقرر و تعین، دوسرے بمعنی مفعول جو عملہ مقرر کیا جائے۔

سید عبد اللہ، اردو رومن اور بعض قدیم نسخوں میں اس فقرہ کا ترجمہ

اس طرح لکھا ہوا ہے " اور لگادی ہم نے ان پر تعیناتی "..... اس صورت میں یہ لفظ مصدری معنی میں ہوگا۔

لیکن قرآن نے " قرناء " کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا ترجمہ ہمنشینان (شاہ ولی اللہ رح) اور ہم نشین (شاہ رفیع الدین) کیا گیا ہے، قرناء کا مفہوم تعیناتی بمعنی مقرر کیے ہوئے عملہ سے ادا ہوتا ہے، مصدری معنی سے ادا نہیں ہوتا۔ اس لیئے ہم نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی ترجمہ اسے قرار دیا ہے جو پانچ ترجمہ والے اور سن ۱۳۰۱ھ والے نسخہ میں لکھا ہوا ہے۔

ہمارا اصول اگرچہ یہی ہے کہ جن الفاظ پر سید عبد اللہ، اردو رومن اور سن ۱۲۶۴ھ والا نسخہ متفق ہو جاتے ہیں۔ ہم انہیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصلی الفاظ قرار دیتے ہیں۔ لیکن جہاں قرآن کریم کے الفاظ کے لغوی اور مرادی دونوں معنی کی رعایت کا سوال پیدا ہوتا ہے وہاں کسی ایک قدیم نسخہ کے الفاظ بھی ہمارے اعتماد کے لیے کافی ہوتے ہیں، یہی بات اس آیت کے ترجمہ میں پیش آتی ہے۔

(۱۵) لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ نہیں ساتھ سلایا ان کو کسی آدمی نے، (الرحمٰن ۵۶) اس سے پہلے۔

یہ ترجموں تین نسخوں کے اندر ملا ہے۔ سید عبد اللہ، اردو رومن Sulaya unko wahin sath صفحہ ۵۰۲ اور پانچ ترجمہ والے ہیں...... ان کے علاوہ اکثر قدیم و جدید نسخوں میں اور تاج کمپنی والے نسخہ میں یہ الفاظ ہیں۔ ....

نہیں بیاہا ان کو کسی آدمی نے"
سابق مترجمین میں حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "جماع نہ کردہ است"
شاہ رفیع الدینؒ نے۔ "نہیں نزدیک ہوا ان کے"
حضرت شیخ الہندؒ۔ "نہیں قربت کی" مولانا تھانویؒ نے "نہیں تصرف کیا ان میں"..... ترجمہ کیا ہے۔ لغت عربی میں طمث بمعنی چھونا، اور عورت کا حیض والی ہونا۔ طمث، خون حیض،
ہمارے نزدیک شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی ترجمہ وہ ہے جو تاج کمپنی اور دوسرے نسخوں میں ملتا ہے۔ یعنی نہیں بیاہا ان کو کسی نے.. سید عبداللہ صاحب..... نے لغت عربی اور حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ دیکھ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں اصلاح و ترمیم کر دی، پھر اردو رومن اور بعض دوسرے نسخوں نے اسی کو نقل کر دیا۔ اصلاح کرنے والوں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی نزاکت پر غور نہیں کیا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حورانِ جنت اس قدر محفوظ و معصوم ہوں گی کہ کسی کا ان کے ساتھ قربت کرنا تو کجا، کوئی ان کے ساتھ بیاہ و نکاح بھی نہ کر سکے گا۔
ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے "نہ تو کسی انسان نے ان پر ہاتھ ڈالا ہوگا"..... لکھا ہے، لیکن یہ بالکل بازاری محاورہ ہے، جو ترجمۂ قرآن میں استعمال کرنا مناسب نہیں تھا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کردہ تعبیر و پیرائے سے حورانِ بہشتی کی...... طہارت و نفاست کا کمال ظاہر

ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصول احترام پسندی کی شان بھی واضح ہوتی ہے ہم نے دوسرے باب میں احترام پسندی کے عنوان کے تحت اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

۱۶:۔ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً پھر پکڑی ان کو پکڑ دم چڑھنی .....

یعنی جس پکڑ سے سانس پھول جائے، دم چڑھنا، سانس پھولنا، اس میں اشارہ ہے نہایت سخت پکڑ کی طرف جس سے آدمی کا سانس پھول جائے۔

عربی میں "رَبَا۔ رَبْوًا" کے دو معنی آتے ہیں۔ زیادہ ہونا اور گھوڑے کا سانس پھولنا شاہ صاحبؒ نے دوسرے معنی اختیار کیئے جس سے لغت عربی کی رعایت کے ساتھ ساتھ ترجمہ اردو محاورے میں آگیا،

یہ ترجمہ اکثر قدیم وجدید نسخوں میں لکھا ہوا ہے، سوائے سید عبداللہ اور اردو رومن کے ان میں "پکڑا ان کو بڑی پکڑ" کے الفاظ درج ہیں، یہ اصلاح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں جو بلاغت ہے وہ اس اصلاح شدہ ترجمہ میں کہاں؟

۱۷:۔ اَلرُّجْزَ..... (المدثر ۵) کا ترجمہ کتھری یعنی گندگی یا بت کیا ہے اردو رومن والے کی سمجھ میں یہ لفظ نہیں آیا اور اس نے یہ لکھا صفحہ ۵۴۸

Our ginehari ko

۱۸:۔ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ .... (القیامہ ۲۸) اور وہ اٹکلا کہ اب آیا چھوٹنا .... یعنی دنیا کی قید سے چھوٹنے کا وقت آگیا، سید عبداللہ

نے اور ان کی نقل میں رومن والے نے یہ ترجمہ کیا ہے .... اب آیا وقت جدائی کا" پانچ ترجمہ والے نسخہ نے بھی اسی کی نقل کی ہے اور یہ ترجمہ در اصل شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فارسی والوں کا ہے .... شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی لفظ "چھوٹنا" ہے۔ جو تاج کمپنی اور دوسرے نسخوں میں ملتا ہے

۱۹:- ذوالقرنینؒ نے کہا:-

فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا — تو مدد کرو میری محنت میں، بنادوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک "دھابا"

دوسرے مترجمین نے ....."حجاب محکم"..... (حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)....."دیوار موٹی"..... (شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ)... ....خوب مضبوط دیوار...... (مولانا تھانویؒ)

رَدْمًا کے مرادی معنی یہی ہیں کہ ذوالقرنینؒ نے ایک مضبوط دیوار لوہے اور تانبے کے سامان سے تیار کر دی، حضرت شاہ صاحب کا اصول بھی مرادی معنی بیان کرنے کا ہے۔ لیکن اس جگہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "رَدْمًا"، کا ترجمہ "دھابا" کر کے بظاہر اپنے اصول کو ترک کر دیا ہے۔

"دھابا" کچی دیوار یا کچے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ عربی لغت میں "رَدْم" دیوار کا ملبہ، دیوار سے گری ہوئی چھل۔

"رَدْمْ" کے معنی دراز یا دروازہ کو بند کرنا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ دھابا میں رَدْمْ کے لغوی مفہوم کی رعایت ضرور پائی جاتی ہے مگر لوہے کے تختوں اور پگھلے ہوئے تانبے سے جو دیوار بنائی جانے والی تھی

اسے دھابا کہنا قرآن کی مراد کے لحاظ سے کہاں تک درست ہو سکتا ہے، ؟
یہ سوال دل میں کھٹکتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب لفظ دھابا کی تحقیق کی گئی
تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب سامنے آیا۔

فرہنگ آصفیہ والے نے "دھابا" کی اصل پر روشنی نہیں ڈالی عوام
سے تحقیق کرنے کے بعد پتہ چلا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ "تھاپا" ہو تھاپنا،
مٹی ڈال کر دیوار اٹھانا، دودھ کا وہ کھویا جو تھال میں جمایا جاتا ہے، اسے
تھاپ کا کھویا کہا جاتا ہے اور جو موٹے ڈلے کے شکل میں ہوتا ہے اسے
پنڈی کہتے ہیں اپلے کا تھاپنا، بولا جاتا ہے[1]

ہو سکتا ہے کہ دھابا اصل میں تھاپا ہو، یعنی تھاپ تھاپ کر اٹھائی
جانے والی دیوار ...... اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی حقیقت
واضح ہو جاتی ہے، فائدہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود لکھتے ہیں ۔
اول لوہے کے بڑے بڑے تختے بنائے۔ ایک پر ایک دھرتا گیا" یہی شکل
ہوتی ہے تھاپنے کی۔

۲۰: فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ...... سو ڈھیل
دے منکروں کو، فرصت دی، ان کو تھوڑے دن ۔

---

[1] ان سطروں کے لکھنے کے بعد ہندی لغت میں تحقیق کی اس میں دھابا کے ایک
معنی ڈھانکنا اور اوٹ میں کرنا لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ
علیہ نے دھابا بمعنی اوٹ استعمال کیا ہے۔
اب مزید توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

یہ ترجمہ سید عبداللہ والے نسخہ اور اردو رومن میں لکھا ہوا ہے۔ رومن کے الفاظ یہ ہیں۔

So dhie de Mukoron ko Fursat de un ko thore din. P. 568 (الطارق ۸۷)

اور ہمارے نزدیک شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصلی الفاظ یہ ہو سکتے ہیں ایک تو اس لیے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تنوع لفظی سے کام لیتے ہیں۔ پہلے لکھا ڈھیل دے، پھر لکھا فرصت دے، دوسرے اس لیے کہ رُوَیدًا کے لغوی معنی قلیلا ہے۔ یعنی "اندک زمانے" ایک مدت، اسی کو شاہ صاحبؒ نے تھوڑے دِن کر دیا۔

اب دوسرے نسخوں میں جو اختلاف ہو رہا ہے اسے دیکھئے

ا۔ ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے صبر کر، تاج کمپنی مطبوعہ آگرہ مطبوعہ مصطفائی۔

۲۔ ڈھیل دے ان کو تھوڑے دِن۔ پانچ ترجمہ والا نسخہ اور مطبع نعمانی

ان تراجم میں ڈھیل دے، ڈھیل کی تکرار شاہ صاحب کے مذاق فصاحت کے خلاف ہے، دوسرے رویدًا کا ترجمہ لغت عربی سے بالکل دور ہے۔ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لغت سے اتنی بے پرواہی اختیار نہیں کرتے۔

بقیہ مضمون تصحیح

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى "اس کے سب نام ہیں خاصے۔"

خاصے اور خاص عربی لفظ "خاص" سے نکلے ہیں۔ خاص کے معنی اچھا، عمدہ
چھانٹا ہوا، شروع میں یہ لفظ اردو میں بھی اپنے اصلی مفہوم میں بولا جاتا تھا۔
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے اور متعدد جگہ "طرفہ تم
المثل"، "رزقا حسناً"، "رزقا کریماً" میں بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لفظ
لکھا ہے، لیکن بعد میں یہ لفظ درمیانی درجہ کے مفہوم میں بولا جانے لگا، کہا جاتا
ہے، یہ چیز خاصی ہے، یعنی نہ زیادہ اچھی ہے، نہ زیادہ بری۔ یہ زبان کی
تبدیلی ہے۔

پورے ترجمہ میں صرف یہ دو لفظ (شخص اور خاصے) ایسے نظر آتے ہیں
جو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے لیے لائے گئے ہیں اور ان کا مفہوم اب
بالکل بدل گیا ہے، اس ترجمہ کو غلط فہمی سے بچانے کے لیے ان دونوں لفظوں
کو بدل دینا ہی مناسب ہے۔

اعتذار

آخر میں راقم الحروف کو قارئین سے اس بات کی معذرت کرنی ضروری
ہے کہ راقم تصحیح اغلاط میں سورتوں کی ترتیب قائم نہ رکھ سکا اور اس کی وجہ یہ
ہوئی کہ تصحیح اغلاط کا کام پہلی بار مکمل ہو جانے کے بعد اسے کتابت کے لیے دے
دیا گیا تھا کہ پھر خیال آیا کہ ایک دفعہ پورے ترجمہ پر اور نظر ڈالی جائے تاکہ موضح
قرآن میں کوئی غلطی یا اضافہ نشان دہی سے نہ رہ جائے، چنانچہ اس بار نظر ڈالنے
کے بعد اور غلطیاں سامنے آئیں اور ان کا اضافہ کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ترتیب
قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

بقیہ تصحیح اغلاط الیقین بمعنی موت کا استعمال

قرآن کریم نے سورۃ الحجر کی آخری آیت میں کہا ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین۔

گمراہ صوفیوں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں یقین سے مراد قلبی یقین وا ذعان ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب انسان میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا یقین پیدا ہو جائے اس وقت اس کے لیے عبادت وریاضت ختم ہو جاتی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں یقین سے مراد موت ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے فوائد میں لکھا ہے ...... "یعنی موت کہ یقینی ہے"

مطلب یہ کہ چونکہ موت کا آنا یقینی ہے اس لیے قرآن مجید میں موت کو یقین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی قسم کی آیت سورۃ المدثر میں بھی آئی ہے۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ اور تھے ہم جھٹلانے والے انصاف کے دن کو جب تک آپہنچی ہم پر یقین آنے والی۔

یہاں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ نے اندر ہی یہ بات صاف کر دی ہے کہ الیقین سے مراد موت ہے جس کا آنا یقینی ہے۔

الحجر کی آیت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے اندر تو یقین

کا ترجمہ لفظی (یقین) ہی کیا، لیکن حاشیہ پر اس کی تشریح کردی تاکہ گمراہ صوفیوں کا استدلال ختم ہوجائے۔ لیکن مطبع نعمانی دلی کے نسخہ میں شاہ صاحبؒ کا یہ تشریحی فائدہ درج نہیں ہے، جس سے ان گمراہ لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا موقعہ مل سکتا ہے اس لیے مطبع کی یہ غفلت افسوس ناک ہے۔

نقلی موضح قرآن کی اشاعت

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے ساتھ دوسری ستم ظریفی یہ کی گئی کہ "تفسیر قادری" کو تفسیر موضح القرآن کے نام سے مشہور کردیا گیا ہے۔

لکھنو کے ایک عالم مولانا فخر الدین قادریؒ نے فارسی کی مشہور "تفسیر حسینی" کا اردو ترجمہ کیا جسے تفسیر قادری کے نام سے چھاپا گیا۔ یہ تفسیر مطبع نول کشور نے آٹھویں مرتبہ ۱۳۲۴ھ میں شائع کیا۔

اس کے بعد دہلی کے مطبع خادم الاسلام نے اپنی طرف سے اسے چھاپا اور اس کا نام رکھا۔ تفسیر قادری یعنی تفسیر موضح القرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ" یہ انتساب نہایت غیر ذمہ داری کے ساتھ جان بوجھ کر کیا گیا یا ناشر کو دھوکا ہوا۔ اس کے متعلق کچھ کہنا مناسب نہیں، یہ تفسیر مدرسہ حسین بخش دلی کے کتب خانہ میں ہے۔

اس کے بعد مطبع مجیدی کانپور نے ۱۳۳۲ھ میں اسے چھپوایا ور تفسیر قادری کا لفظ بالکل خارج کرکے اسے صرف موضح قرآن کے نام سے طبع کیا۔

اس تفسیر کا مطالعہ میں نے جمعیۃ علمائے ہند

کے کتب خانہ میں کیا ہے۔

یہ تفسیر قادری پاکستان میں کسی جگہ قلمی بھی موجود ہے جو قرآن نمبر کے مرتب کو نظر آگئی ہے اور اس نے اسے موضح قرآن ہی کے طور پر متعارف کرایا ہے اور بعد میں لکھا ہے۔ اس کی زبان مطبوعہ تراجم کے مقابلہ میں پرانی ہے۔ "مجھ کو اور نیں" کے الفاظ کا عام استعمال ہے۔

مرتب نے یہ نہیں سوچا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موضح قرآن میں اس طرح کے متروک الفاظ کہاں ہیں پھر اسے موضح قرآن کیوں کہا جائے (قرآن نمبر مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء)

راقم نے ۲۵ مارچ کو جامعہ رحمانیہ مونگیر کے کتب خانہ میں اس نقلی موضح قرآن پر ایک قدیمی نسخہ دیکھا جس کے سرورق کے حاشیہ پر حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر شدہ ایک نوٹ ملا جو درج ذیل ہے۔

یہ نسخہ حضرت مولانا لکھنویؒ نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیہ کیا تھا۔ جب مولانا مونگیری ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مقیم تھے۔ نوٹ ملاحظہ ہو۔

"یہ تفسیر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر ابن شیخ حضرت شاہ سید ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کی نہیں ہے بلکہ تفسیر حسینی کا ترجمہ ہے۔ مطبع والوں نے غلط طور پر حضرت ممدوحؒ کی طرف اس کو منسوب کر دیا۔

ذہو التحقیق: محمد عبدالشکور عفا عنہ

۷ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ

ایک صاحب فکر و نظر عالم کے اس تحقیقی نوٹ کے بعد راقم کو پوری طرح انشراح ہو گیا۔

نقلی موضح قرآن کی زبان کا نمونہ

اس موضح قرآن کی زبان کا نمونہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس زبان سے بالکل مختلف ہے جو شاہ صاحب رح کے اصلی موضح قرآن میں ملتی ہے۔ نمونہ دیکھئے۔

شروع اس کتاب کا اللہ صاحب کے نام سے جو اللہ صاحب بہت مہربان مہربانی کرنے والا ہے۔

الحمد للہ الخ سب تعریفیں اور بڑائیاں خاصی سے خاصی اور ستھری سے ستھری اول سے آخر تلک جو ہوئی ہیں اور ہوں گی تمام خدا تعالےٰ ہی کو لائق ہیں جو پیدا کرنے والا ہے اور پالنے والا ہے سب طرح کی ساری خلقت کا ہے۔ الخ

اس موضح قرآن کے شروع میں جو مقدمہ ہے اور جسے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ مقدمہ اصلی موضح قرآن سے بالکل بدلا ہوا ہے۔ چند جملے دیکھئے۔

اس بندے عاجز عبد القادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے حضرت شیخ سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ عبد الرحیم کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے، فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے۔ الحمد للہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء میں حاصل

ہوئی ۔ جائزہ تراجم ص۱۶

راقم نے شاہ صاحب کے مستند قدیم نسخے سے شروع میں مقدمہ نقل کیا ہے جو سید عبداللہ صاحب والے اور دوسرے قدیم نسخوں کے اندر بھی موجود ہے ۔ اس سے مقابلہ کر کے صاف نظر آتا ہے کہ کسی ناشر نے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ فرضی کارروائی کی ہے ۔

جائزہ تراجم کے مؤلف پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس نقلی موضح قرآن سے مقدمہ کے چند الفاظ نقل کر دیئے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مستند نسخہ کی طرف رجوع کرنے کی زحمت نہ اٹھائی ۔

تفسیر مرادیہ اور مؤلف جائزہ تراجم کا مغالطہ

صاحب جائزہ نے اس تفسیر کے متعلق لکھا ہے ۔ قرآن کریم کے اردو تراجم میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اولیت کا شرف شاہ مراد اللہ شاہ انصاری سنبھلی کو حاصل ہے ، انہوں نے ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰ء میں تفسیر مرادیہ کے نام سے قرآن مجید کا پارۂ عم کا ترجمہ کیا ۔

یہ تفسیر مرادیہ کے ساتھ ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء میں ہوگلی میں چھپا ۔ مگر گورنمنٹ بنگال نے اس کو وہابی لٹریچر سمجھ کر ضبط کر لیا تھا ، پابندی اٹھ جانے کے بعد دوسری مرتبہ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں کلکتہ میں طبع ہوا ، بعد ازاں تیسرا ایڈیشن مطبع ستار کلکتہ سے ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا ۔ اس کے بعد تفسیر مرادیہ کے متعدد ایڈیشن مختلف مطابع سے نکلے ، (ص۱۹)

راقم کے سامنے تفسیر مرادیہ کا وہ ایڈیشن ہے جو مطبع برکتی محلہ مصری

گنج متصل مدرسہ عالیہ کمپنی بہادر کلکتہ میں ۱۲۸۰ھ میں چھپا ہے۔
یہ سورۂ نبا سے سورۂ الناس تک کی تفسیر ہے، انداز یہ ہے کہ قرآن
کریم کی ایک آیت اس کے بعد اس کا ترجمہ اور پھر اس ترجمہ کی مختصر تشریح،
اس کی زبان واقعی نہایت شستہ اور سلیس ہے۔ اردو نثر کے ابتدائی دَور
میں تفسیر مرادیہ کی زبان کو واقعی نمونہ کی زبان کہا جاسکتا ہے۔

صاحب جائزہ نے تفسیر مرادیہ سے نمونہ کے طور پر الفاتحہ کا ترجمہ نقل
کیا ہے، اسے دیکھ کر راقم کو بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ
اللہ علیہ کو کیسا عجیب توارد ہوا کہ موضح قرآن کا ایک ایک لفظ تفسیر مرادیہ
کے مطابق ہے۔ لیکن جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں تفسیر
مرادیہ کا مذکورہ بالا نسخہ دیکھا تو وہ حیرت دور ہوگئی۔

دراصل صاحب جائزہ کو مغالطہ ہوا، انہوں نے سرسری طور پہ
ایک نظر ڈالی اور الفاتحہ کا ترجمہ اس سے نقل کر دیا۔

حالانکہ تفسیر مرادیہ النبا سے الناس تک ہے ناشر نے اپنی طرف سے
اس میں الفاتحہ اور اس کا ترجمہ شامل کیا۔ اور صاف طور پر یہ عبارت
تحریر کر دی "اور یہ فائدہ اصل قرآن شریف مترجم ہندی کا ہے" پھر الفاتحہ
پر جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فائدہ تحریر ہے وہ لکھا ہے۔

---

[1] یہ تفسیر راقم کو بعد میں محمد حسین خاں صاحب ساکھر کر ساکن بان کوٹ (کوکن)
کے ذاتی کتب خانہ سے حاصل ہوگئی جو آگے پیچھے سے ناقص ضرور ہے۔ لیکن
لیتھو پر بہت عمدہ چھپی ہوئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نسخہ کے ناشر نے موضح قرآن سے سورہ الفاتحہ اور اس کے ترجمہ کا اس میں اضافہ کیا ہے۔

اس تفسیر کے مصنف شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی ہیں جو آج تک ملک شاہ صاحب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اور سنبھل میں مدفون ہیں۔

موضح قرآن کے قدیم وجدید نسخے

راقم نے جن قدیم وجدید نسخوں کو دیکھ کر اغلاط کی نشان دہی کی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱:- سید عبد اللہ والا نسخہ مطبوعہ ۱۲۴۵ھ، یہ پیش نظر نسخوں میں سب سے پہلا مطبوعہ نسخہ ہے اس میں سید عبد اللہ صاحب نے ترجمہ اور فوائد کے اندر جو جزوی ترمیم واصلاح کی ہے، راقم نے دوسرے قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس پر مفصل تبصرہ کیا ہے، جو پہلے باب میں گزر چکا۔ یہ نسخہ راقم کو جناب رحمت قطبی صاحب احاطہ کالے صاحب دہلی نے مرحمت فرمایا۔

اس نسخہ کی ترمیم واصلاح کو اس دور کے اہل علم نے ناپسند کر کے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی ترجمہ سید احمد علی صاحب خواہرزادہ سید

احمد صاحب بریلوی کے مسودہ کے مطابق طبع کرایا اور اس کی طباعت ۱۲۵۷ھ سے پہلے پہلے کسی وقت ہوئی۔

یہ پہلا اصلی مطبوعہ نسخہ اگرچہ ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا لیکن اکثر قدیم نسخے جو اب تک سامنے آچکے ہیں وہ سید عبداللہ صاحب کی اصلاحات سے محفوظ ہیں اور موضح قرآن کے اصلی مسودہ کے مطابق ہیں۔ اور شاہ صاحب کی حیات کا تحریر شدہ قلمی نسخہ جو حیدر آباد میں موجود ہے وہ ان قدیم نسخوں کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔

ذیل میں ان قدیم و جدید نسخوں کا تعارف پیش ہے۔

۱:۔ نسخہ مطبوعہ ۱۲۶۴ھ باہتمام حکیم غلام نجف خاں طبیب خاص بہادر شاہ ظفر۔

۲:۔ یہ نسخہ خانقاہ شاہ ابوالخیر صاحب دلی میں محفوظ ہے اور یہ نسخہ ہندوستان کے مشہور مجددی بزرگ مولانا شاہ ابوالخیر کی تلاوت میں رہتا تھا اور اصلی نسخہ کے مطابق چھاپا گیا ہے۔

۲:۔ نسخہ مطبوعہ ۱۲۶۸ھ جو باہتمام مصطفےٰ خاں در مطبع مصطفائی ولظامی کانپور صفحات ۶۳۴، ۱۳ سطری، ترجمہ بین السطور۔

یہ نسخہ راقم نے مولنا قاری محمد میاں صاحب مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری سے برائے استفادہ مستعار حاصل کیا تھا، یہ بھی اصلی نسخہ کے مطابق ہے۔

۳:۔ اسی مطبع کا ایک نسخہ ۱۲۶۰ھ کا مطبوعہ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ کے کتب خانہ میں نظر سے گزرا

۴:۔ اردو رومن ترجمہ جسے عیسائی مشن لدھیانہ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ۶۱ برس بعد ۱۸۷۶ء بمطابق ۱۲۹۳ھ میں شائع کیا۔

اس ترجمہ کے مقدمہ نگار نے شروع میں لکھا ہے۔

شاہ صاحب کے ہندی اردو ترجمہ کو اردو رومن رسم الخط میں پہلی دفعہ الہ آباد مشن پریس نے ۱۸۴۴ء میں چھاپا تھا۔ یعنی حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے صرف ۲۹ سال بعد آپ کا اردو ترجمہ اردو رومن رسم الخط میں منتقل ہو چکا تھا۔

لدھیانہ والا رومن ترجمہ مقدمہ نگار کے اعلان کے مطابق اس اردو ترجمہ کے مطابق ہے جو مطبع محمدی بمبئی میں ۱۸۵۳ء مطابق ۱۲۹۹ھ ہجری میں طبع ہوا۔

لدھیانہ والا رومن ترجمہ اٹھارہ × بائیس، آٹھ سائز کے قریب قریب ہے اس کے صفحات ۶۵۰ ہیں اور بغیر متن قرآن کے صرف ترجمہ چھاپا گیا ہے یہ ترجمہ حافظ جمیل الرحمٰن صاحب اکاونٹنٹ کلاں مسجد دلی نے اپنے کتب خانہ سے راقم کو عنایت فرمایا۔

۵:۔ نسخہ مطبع سکندری بھوپال ۱۲۷۸ھ باہتمام شیخ عبدالواحد صاحب۔ اس میں پہلا ترجمہ پشتو ہے، دوسرا موضح قرآن اور تیسرا فارسی فتح الرحمٰن جو حاشیہ پر درج ہے۔

۶:۔ مطبوعہ مطبع احمدی دلی ۱۲۸۳ھ

۷:۔ مطبوعہ فاروقی دلی ۱۲۹۴ھ (یہ تمام نسخے درگاہ شاہ ابو الخیر

صاحب دلی میں موجود ہیں۔

۸:۔ مطبوعہ مطبع کریمی بمبئی (مدرسہ تجوید القرآن مونگیر بہار) میں نظر سے گزرا۔ ۱۳۱۸ھ۔

۹:۔ مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۲۸۳ھ۔ منشی ممتاز علی کی کتابت جس کی کتابت میں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ بلتی[۱] کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

اس میں پہلا ترجمہ حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا، دوسرا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درج ہے، یہ نسخہ مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف کے پاس موجود ہے۔

۱۰:۔ پانچ ترجموں والا نسخہ مطبوعہ ۱۳۴۴ھ، ۱۹۲۶ء باہتمام سید شفیع الدین صاحب مالک اقبال پرنٹنگ ورکس دلی۔

اس میں پہلا ترجمہ شیخ شریف جرجانی کا فارسی میں، جسے غلطی سے ناشر نے شیخ سعدیؒ کا ترجمہ لکھ دیا ہے۔ دوسرا فارسی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

---

[۱] بلت موضع ہے۔ ضلع مظفر نگر میں، یہ خاندان غدر کے بعد دلی سے وہاں چلا گیا تھا اس لیے مولانا فقیر بلتی کی نسبت بھی لکھتے ہوں گے۔ مولانا فقیر رحؒ کے تین صاحبزادے تھے، مولانا راسخ صاحب، مولانا محمد اسحٰق صاحب واعظ دہلوی، مولانا محمد زبیر صاحب قریشی اور مولانا عرفان صاحب مولانا اسحٰق صاحب، محمد ابراہیم صاحب کے صاحبزادے ہیں۔

کا، تیسرا "شاہ رفیع الدین صاحب" کا۔ چوتھا "شاہ عبد القادر صاحب" کا، پانچواں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا۔

۱۱:- مطبوعہ مطبع آگرہ اخبار ۱۳۳۲ھ یہ نسخہ ڈاکٹر اظہر صاحب استاد فارسی نہرو یونیورسٹی دلی نے راقم کو مرحمت فرمایا اور یہ ایڈیشن بھی عام کتابتی غلطیوں کے علاوہ بعض قابل اعتراض اضافوں پر مشتمل ہے۔

۱۲:- حمائل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۶ھ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا تصحیح شدہ حاشیہ پر حضرت سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی ترجمہ اور فارسی حواشی درج ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی فوائد موجود نہیں ہیں۔

حضرت نانوتوی نے طباعت کی تاریخ بھی کہی ہے۔۔۔ لا کمثال ۸۶

لهاد لا مماثل ۱۲ھ

۱۳:- مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے اہتمام میں طبع شدہ نسخہ ۱۳۵۳ھ جس کے حاشیہ پر فوائد کے علاوہ مولانا کے حواشی بھی ہیں۔

۱۴:- آزاد لائبریری میں شاہ صاحب کے ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ بھی نظر سے گزرا جو رجب علی صاحب سرور نے ۱۲۵۲ھ میں شہر لکھنو کے اندر لکھا ہے۔ یہ نسخہ سید عبد اللہ والے نسخہ کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ فوائد حاشیہ پر خالص شاہ صاحب کے ہیں۔ اس کے صفحات ۶۹۹ ہیں۔

۱۵:- ۱۲۶۴ھ سید محمد صاحب نے اپنے مطبع اسلامی پریس کلکتہ میں اردو ٹائپ کے اندر دو جلدوں میں شاہ صاحب کا ترجمہ شائع کیا۔ یہ نسخہ بھی سید عبد اللہ والے نسخہ سے چھاپا گیا ہے، کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد

دہلی میں راقم کی نظر سے یہ نسخہ گزرا ہے۔

۱۶:- ایک پرانی حمائل شریف بلا فوائد کے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی مسجد محلہ ٹیلہ شمالی فیروز آباد میں نظر سے گزری مطبع مصطفائی دلی میں عبد الغنی صاحب خلف الصدق جناب منشی ممتاز مہاجر مکہ نے چھپوایا تھا۔ یہ حمائل بھی سید عبد اللہ والے نسخہ سے چھاپی گئی ہے۔ اس کی طباعت کی تاریخ یہ ہے ۱۲۷۱ھ برحمائل شریف لاثانی ۱۸۹۸۰ء وضع دارہ آمد حمائل مترجم

۱۷:- شیخ محمد اصغر علی مالک مطبع قاسمی لودیانہ "پنجاب" نے ۲۶ر جنوری ۱۹۰۷ء کو پارہ عم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور فوائد کے ساتھ چھپوایا اور اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان کی خدمت میں پیش کیا، جب امیر موصوف ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو ہندوستان کی سیاحت کے لیے تشریف لائے۔

امیر موصوف نے اس پارہ کو بہت پسند فرمایا اور پھر پورا قرآن مجید اسی انداز کا محمد اصغر صاحب نے طبع کرایا۔ اس نسخہ کی تاریخ یہ ہے۔

مصحف ہفت رنگ و دلکش گفت ۲۳۲۶ء

بولا مرغوب اولیاء ہے یہ ۱۹۰۸ء

یہ قرآن کریم بڑی تقطیع پر نہایت خوش رنگ اور سنہری بیل بوٹوں کے ساتھ بڑی لاگت سے چھپوایا گیا ہے اور شاہ موصوف کی شایانِ شان اس پر توجہ دی گئی ہے، یہ نسخہ سید عبد اللہ والے نسخہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ نسخہ علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

حضرت مولٰنا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے ساتھ حاشیہ پر تفسیر بغوی کا ترجمہ تحریر فرمایا ہے، جسے لامع النور پریس آگرہ نے چھاپا ہے اس کا سن طباعت ۱۳۱۷ھ ہے، یہ نسخہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کے کتب خانہ ندوہ المصنفین دلی میں موجود ہے، اس نسخہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی طباعت میں کافی احتیاط برتی گئی ہے، البتہ کتابت کی پرانی غلطیاں پھر بھی موجود ہیں۔

تاج کمپنی لاہور کا نسخہ

تاج کمپنی لاہور نے شاہ صاحب کے ترجمہ اور فوائد کو ۱۹۷۴ء میں بڑے اہتمام سے چھاپا ہے اور جدید ایڈیشنوں میں یہ سب سے زیادہ اچھا ایڈیشن ہے لیکن جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا کہ یہ ایڈیشن تمام ایڈیشنوں کے مقابلہ میں سہو کتابت اور ناکام اصلاح و تشریح پر مشتمل ہے اور راقم نے کتابت و طباعت کی عمدگی کی وجہ سے اغلاط کی نشاندہی کے لیے اسی ایڈیشن کو سامنے رکھا ہے۔

دلی کے مطبوعہ نسخے

دلی کے مطبع نعمانی اور مدینہ بک ڈپو جامع مسجد نے بھی موضح قرآن طبع کرایا ہے اور ان نسخوں کا جو حال ہے ہم تصحیح اغلاط میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

راقم نے تصحیحِ اغلاط کے سلسلہ میں جن نسخوں کو مستقل طور پر اپنے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) سید عبداللہ والے نسخہ ۱۲۴۵ھ (۲) مطبوعہ

مطبع مصطفائی ۱۲۶۸ھ ۳ مطبوعہ اقبال پرنٹنگ پریس دلی ۱۳۴۴ھ
۴ اردو رومن ۱۲۹۳ھ ۵ مطبوعہ مطبع نعمانی دلی ۶ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
ان کے علاوہ دوسرے نسخوں کی طرف ضرورت کے وقت رجوع
کیا جاتا رہا۔

انڈیا آفس لندن کی فہرست

انڈیا آفس لندن کی فہرست میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کافی تراجم کا ذکر ملتا ہے جو چودھویں صدی ہجری کے مطبوعہ ہیں۔
اس فہرست میں تامل، پنجابی، ہندی، افغانی زبان کے وہ تراجم بھی موجود ہیں جو شاہ صاحبؒ کے ترجمہ سے ان زبانوں میں منتقل کیے گئے۔
اسی فہرست میں انگریز مصنف کی ایک تصنیف کا ذکر کیا گیا ہے جو شاہ صاحبؒ کے ترجمہ اور فوائد کے انڈکس پر مشتمل ہے یہ لدھیانہ میں ۱۸۹۹ء میں طبع ہوئی ہے[1]

موضح قرآن کا قدیمی قلمی نسخہ

انجمن ترقی اردو پاکستان کی قاموس الکتب اردو میں کتب خانہ آصفیہ

---

[1] قدیم نسخوں کے حوالوں کی چھان بین میں میرے بڑے لڑکے ڈاکٹر شریف حسین قاسمی استاد شعبہ فارسی دلی یونیورسٹی نے میری بڑی مدد کی۔
(فجزاہ اللہ خیر الجزاء)

حیدر آباد کی جس قلمی تفسیر کا تذکرہ گیا ہے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا۔ وہ موضح قرآن کا سب سے قدیمی نسخہ ہے۔

یہ ابتدائی پندرہ پارہ ہیں، جو کہ ۲۷۰ صفحے ہیں، صفحہ ۲ پر شاہ صاحبؒ کا مقدمہ ہے آخر صفحے پر حسب ذیل عبارت تحریر ہے۔

"تمام شد تصنیف تفسیر کلام است در زبان ہندی، گفتہ حضرت مولوی وقبلہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ برادر حضرت مولوی صاحب وقبلہ مولوی عبدالعزیز صاحب سلمہ اللہ تعالی بدستخط گناہ گار خاکپائے درویشاں بلکہ نعل کفش الیشاں محمد شریف الدین حسین تحریر یافت۔"

"بتاریخ نہم شہر جمادی الاول ۱۲۲۴ھ در زمان محمد اکبر شاہ بادشاہ منع اللہ عمرہٗ وسلطنتہٗ آمین ۱۴ سنہ جلوس، ہر کہ خواہد بدعائے خیر باد کند۔"

یہ مخطوطہ موضح قرآن کا سب سے قدیمی نسخہ ثابت ہوتا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات مبارکہ میں نقل کیا گیا ہے یعنی شاہ صاحب کی وفات ۱۲۳۰ھ سے ٦ سال پہلے لکھا گیا۔

اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث ہند بھی حیات تھے۔

کتابت و طباعت میں یہ غفلت کیسے واقع ہوئی؟

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور تفسیری فوائد میں اضافے کیوں داخل ہوئے۔؟ .... اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں جب طباعت کے فن کا رواج ہوا، اس وقت مسلم حکومت بڑی تیزی سے زوال کی منزلیں طے کر رہی تھی اور ملک کے مختلف حصوں میں نیم خودمختار حکومتیں قائم تھیں۔ اور صرف امراء و سلاطین ہی کے اندر نہیں بلکہ عوام میں بھی وہ برائیاں پھیل چکی تھیں جو زوال و انحطاط کے دور میں قوموں پر مسلط ہو جاتی ہیں۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کے اندر دینی اور علمی خدمت کا شوق و ولولہ کہاں ہو سکتا تھا اور قرآن کریم کی طباعت اور اس کے ترجموں کی چھپائی پر کیسے توجہ دے سکتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں جن مسلمانوں نے مطابع قائم کیے انہوں نے قرآن کریم کے طباعت کا بڑا اہتمام کیا لیکن یہ محض انفرادی کام تھا، جسے امراء و سلاطین کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں غیرمسلم صاحبان نے طباعت کے کام پر قبضہ کرلیا کیونکہ ان کے پاس مسلمانوں کے مقابلہ میں وسائل زیادہ تھے۔

ان غیرمسلموں میں بعض ناشرین نے بھی بڑے اہتمام سے قرآنِ حکیم اور دینی کتابوں کی چھپائی کا کام انجام دیا۔ لیکن ان کا مقصد تجارت تھی مسلمانوں

کی طرح یہ لوگ اشاعتِ قرآن کے کام کو دینی عقیدت سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔

پھر طباعت کے اہتمام پر توجہ کرنے والے بعض اہلِ مطابع نے بھی اگر توجہ کی تو وہ متنِ قرآن تک محدود رہی، اردو اور فارسی کے قدیم تراجم اس اہتمام سے پھر بھی محروم رہے۔ جس کا واضح ثبوت خاندان ولی اللّٰہی کے فارسی اور اردو ترجموں میں ملتا ہے۔

یہاں تک کہ ۱۹۳۰ء میں تاج کمپنی قائم ہوئی اور اس کمپنی نے اشاعت قرآن میں بے مثال اہتمام کا ثبوت پیش کیا اور متن قرآن میں صحتِ الفاظ واعراب اور قرآن کریم کے مخصوص طریقہ املاء کی حد تک قرآن کریم کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا اور جدید اردو تراجم بھی بڑی لاگت سے معیاری طور پر شائع کیے۔ لیکن شاہ صاحبؒ کے ترجمہ موضح قرآن کی طباعت میں جو لاپرواہی چلی آرہی تھی اسے کمپنی دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

پونے دو سو برس کے بعد اس فقیر کو خدا تعالیٰ نے اس خدمت پر لگایا۔ اور شاہ صاحبؒ کی توجہ سے یہ اہم کام اس طالب علم پہ آسان ہوا۔...... فالحمد للہ علی ذالک۔

اب اہل علم حضرات کے سامنے یہ کوشش پیش کی جارہی ہے اس امید کے ساتھ کہ وہ توجہ فرمائیں گے۔

تصحیح الاغلاط باب سوم

محاسن موضح القرآن کا تیسرا باب بہت جلدی میں چھپوایا گیا، اس باب میں موضح قرآن کی کتابتی اغلاط پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ان غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ خود اس کی عبارتوں میں کوئی فاش غلطی نہ ہو، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے یہ باب غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکا

پیش نظر سطریں اس باب کی غلطیوں کی تصحیح کے طور پر شامل کی جا رہی ہیں امید ہے کہ قارئین توجہ فرما کر تصحیح کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔

استاذ محترم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے ان اغلاط کی طرف راقم کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی ہے۔ اس پر راقم حضرت موصوف کا شکر گزار ہے۔

حضرت محترم کا گرامی نامہ حسب ذیل ہے۔

موضح قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کے بارے میں آپ نے جو قدم اٹھایا ہے وہ مبارک ہی نہیں وقت کی ایک اہم ضرورت بھی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے بارے میں نامانوس الفاظ کی بہت ہی اچھی توجیہہ فرمائی گئی ہے۔ خصوصیت سے اردو کی تدریجی ترقی کو تاریخی بلکہ فقہ اللغۃ کے اصول پر آپ نے بہترین انداز میں واضح فرمادیا

ہے۔ بڑی خوشی اس سے ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف
سے محققانہ انداز سے قابلِ قدر مدافعت فرمائی ہے جو ہم سب خدام ممدوح
کا فریضہ تھا۔ جسے آپ نے پورے حلقہ کی طرف سے لبطور فرض کفایہ ادا کر
دیا ہے۔ جزاکم اللہ تعالےٰ۔

لیکن طباعت کی تصحیح کتابت میں کافی خامیاں ہیں، اعراب صحیح نہیں
رہے، کہیں کلمۂ وحدت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس پر توجہ فرمائی جائے۔۔۔

محمد طیّب غفرلہٗ از دیوبند۔ ۲۲۔۳۔۹۷ ھ

تصحیح نامہ

۱:۔ (صفحہ ۲۴) وَخَافَ اور ڈرا میرے ڈر کے سے۔۔۔۔۔

وَعِیْدِ (ابراہیم ۱۴)

بمعنی ڈراوا، ایسا ہے جیسے دھڑکا، دھماکا، بھبکا، لفظ ڈر کا شاید
حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد ہے "ک" حاصل مصدر کے لیے
آتا ہے جیسے دھڑک، دھمک، بھبک، الف بڑھانے سے مرۃ کے معنی
پیدا ہوتے ہیں، جیسے دھڑکا اور دھماکا ہیں۔

۲:۔ صفحہ ۲۷۔۔۔۔۔ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ۔۔۔۔۔ صحیح یہ ہے کاتب صاحب
نے اس کلمہ کو تقسیم کر دیا۔

۳:۔ صفحہ ۲۸۔۔۔ کھپا مارنا، یعنی ہلاک کر دینا۔ آج کل بولتے ہیں
کھپا دیا یعنی برباد کر دیا۔

۴:۔ صفحہ ۳۲۔۔۔۔۔ کی سطر، کو اس طرح پڑھا جائے " اسے جنگی

کردیا اور لکھا۔ "ہزار فرشتے جنگی پیچھے لگے آویں"۔ چونکہ غزوۂ بدر کا تذکرہ ہے

۵:- صفحہ ۴۳..... اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ (انفال ۱۶)

۶:- صفحہ ۴۴..... سطر نمبر ۱۸ اس طرح پڑھی جائے۔ اس میں یہ بڑھتی فائدہ ہے تجھ کو۔

۷:- صفحہ ۴۵..... جو بات قرار میں پائی جاتی ہے وہ اقرار میں نہیں پائی جاتی۔ اقرار سے مفہوم الٹا ہو جاتا ہے۔

۸:- صفحہ ۴۲..... مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ..... یہ کلمہ واحدہ ہے اسے الگ الگ لکھا گیا ہے۔

۹:- صفحہ ۴۳..... لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ..... کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا ہے "تو ہے اپنی اسی غلطی میں قدیم کی"

راقم نے اسے متروک لکھا ہے۔ لیکن مولانا واصف صاحب مدظلہ کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے "قدیم" کا لفظ زمانہ کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے اسی معنی میں بولا ہے۔ یعنی تو اپنی اسی زمانہ قدیم کی غلطی میں ہے، پہلے قدیم کو بغیر موصوف کے بھی بولا جاتا تھا، اب زمانہ قدیم کہا جاتا ہے۔

۱۰:- صفحہ ۵۲..... اَخْلَدَ ..... لیکن وہ گر آپڑے زمین پر کتاب کی عبارت میں ہر جگہ "گرا پڑے" لکھا ہوا ہے۔ اسے درست کر لیا جائے۔ الف پہ مد لگا لیجئے، صاحب اقرب الموارد نے لکھا ہے ..... اَخْلَدَ ای مال الیہ وسکن" یعنی وہ زمین پر گرا اور اس پر ٹھہرا

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں مفہوم ادا کیئے ہیں، گرنا اور آپڑنا کا مرکب بنایا، یعنی وہ زمین پر گر آپڑے۔"

۱۱:- صفحہ ۵۴...... فَلْيَتَنَافَسِ الخ ....(سورہ تطفیف ۲۶)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کئی طرح لکھا ہوا ملتا ہے۔ راقم نے لکھا ہے کہ یہ لفظ ڈھکیں ہے، ڈہکنا سے، لیکن واصف صاحب کا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ ڈھوکیں ہے۔ ڈھوک لگانا، بمعنی تاک لگانا، انتظار کرنا۔

ہندی کے قدیم لغت سے اس لفظ کی مزید تحقیق ضروری ہوگئی ہے بعض قدیم نسخوں میں ڈھوکیں لکھا ہوا ہے، واصف صاحب اسے درست سمجھتے ہیں۔

۱۲:- صفحہ ۵۶...... وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ .... اعراف ۸۰۔ جو موضح سنھر اہے۔ غلطی سے کتاب میں موضح (ح سے) لکھا گیا ہے۔

۱۳:- صفحہ ۶۶ ...... فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ

اس آیت کا حوالہ رہ گیا ہے (سورۂ روم آیت نمبر ۱۶)

انشاء اللہ تعالیٰ مستند موضح القرآن کے حواشی کی کتابت کے وقت پوری احتیاط کی جائے گی قارئین دعاء فرمائیں۔

فوائد کا تعارف

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیری فوائد میں نہایت سادہ زبان، چھوٹے چھوٹے مختصر مگر پرتاثیر فقروں میں قرآنی علم وحکمت کے جو بیش قیمت موتی بکھیرے ہیں وہ بھی شاہ صاحبؒ کے ترجمہ ... (موضح قرآن) کی طرح پڑھنے والے کی روح میں اتر جاتے ہیں۔

علم کلام اور فلسفہ والٰہیات کے مسائل ہوں یا تاریخی حقائق اور اخلاقی نصائح ہوں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہر مشکل سے مشکل مسئلہ کو نہایت سادگی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ قرآن حکیم جس فطری انداز سے انسانی وجدان کو اپیل کرتا ہے اسی طرح شاہ صاحبؒ نہایت سادگی کے ساتھ چند فقروں میں اس کی تشریح کر دیتے ہیں۔

زمانہ حال کے بڑے بڑے صاحب طرز ادیب جس بات کو زبان و ادب کے بہترین قالب میں پیش کر کے بڑی مشکل سے ایک بار قاری کے ذہن میں اتارتے ہیں۔ اسے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی پرانی زبان کے چند سادہ فقروں کو اس کی روح میں پیوست کر دیتے ہیں۔

یکسوئی کے ساتھ پڑھنا شرط ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک لفظ میں نورانیت بھری ہوئی ہے۔ قلم کاری اور

ادبیت کا مظاہرہ فوری طور پر تو قاری پر بڑا رعب ڈالتا ہے لیکن وہ ایک وقتی تاثر ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ ایک صاحب نسبت اور صاحب تصرف درویش تھے جو صرف اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے گھر سے آنے والے دونوں وقت کے کھانے اور سال بھر میں صرف دو جوڑے کپڑے پر قناعت کر کے اپنا سارا وقت ترجمہ و تفسیر پر صرف کرتے تھے۔

سرسید علیہ الرحمۃ نے آثار الصنادید میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی مجلسوں کے روحانی وقار و اثر اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی وقار و اثر اور شاہ صاحبؒ .... کے روحانی جلال کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد میں قرآنی علم و حکمت کے جواہرات ملتے ہیں ان میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علمی اور روحانی کمال یا دوسرے لفظوں میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی الہامی بصیرت اس مقام پر زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ جہاں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام فوائد سے کوئی نادر اور عجیب استنباط کرتے ہیں۔

راقم نے محاسن موضح القرآن کی دوسری جلد میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام فوائد کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا ہے۔ تاکہ تفسیر قرآن کے طالب علم اور علمائے کرام ان بیش قیمت تفسیری علوم کو ایک جگہ دیکھ سکیں

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری شاہ صاحبؒ

رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری فوائد کے مطالعہ کی اپنے شاگردوں کو بہت ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان فوائد میں جو جو عجیب عجیب نکتے بیان فرمائے ہیں وہ تفسیر کی بڑی کتابوں میں نہیں ملتے

یہ واضح رہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا صاحب بصیرت عالم عقائد اور کلام کے مسائل میں جہاں اپنی انفرادی عظمت کا سکہ دلوں پر بٹھاتا ہے وہاں فقہی مسائل میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادی دائرہ کا پابند نظر آتا ہے۔

مسائل میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صرف ناقل نظر آتے ہیں حالانکہ بڑے شاہ صاحب حضرت امام سید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فقہی مسائل میں کہیں کہیں اجتہاد ضرور کرتے ہیں ۔لیکن شاہ عبدالقادر صاحبؒ فقہ میں حضرت امامؒ اعظم کی اجتہادی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں ...... عقائد و کلام میں البتہ ان کی اجتہادی شان دوسرے مفسرین سے یہاں تک کہ بڑے شاہ صاحبؒ سے بھی اپنی الگ راہ اپنائی ہے۔

راقم نے مستند موضح قرآن کی ترتیب میں بڑے شاہ صاحبؒ کے تفسیری فقرے جگہ جگہ نقل کرکے فتح الرحمٰن اور موضح قرآن کے اجتہادی فرق کو قارئین کے سامنے رکھا ہے۔

اسلام اور دوسرے مذاہب

اسلام کیا ہے اور کس مذہب کا نام ہے

لَا یَنَالُ عَھْدِ الظّٰلِمِیْنَ   نہیں پہنچتا میرا اقرار بے انصافوں کو

(البقرہ ۱۲۴)

......فائدہ......؛ "دین اسلام ہمیشہ ایک ہے۔ سب پیغمبر اور سب امتیں اسی پر گذریں، وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ، سو قبول کرنا اب مسلمان ہیں اسی پر اور تم اس سے پھرے ہوئے ہو"

مطلب:۔ یہود و نصاریٰ اور دوسری قومیں مخاطب ہیں جو اس دور آخر کے پیغمبر کو نہیں مانتیں۔

دین کامل اسلام ہے

وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا

ترجمہ...... اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل کہ تم ہو بتلانے والے لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتلانے والا۔

(البقرہ ۱۴۳)

فائدہ:۔...... تمہارے پاس ہے پوری بات اور مخالفوں پاس ہے ناقص، ایک یہ کہ تم سب نبیوں کو مانتے ہو اور یہود اور نصاریٰ کسی کو مانتے ہیں کسی کو نہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے مقرر ہوا ہے، ابراہیمؑ پیشوا ہے سب کا اور یہود و نصاریٰ کا قبلہ پیچھے ثابت ہوا، اسی طرح ہر بات میں تم پورے ہو اور امتیں ناقص، ان کو حاجت ہے کہ تم بتاؤ اور تم کو حاجت نہیں کہ کوئی امت بتاوے۔ مگر تمہارا نبی،

اسلام کا مادی غلبہ بطورِ اعجاز صرف ایک دفعہ

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ (یونس ۲۰)

(ترجمہ)...... "اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے، سو تو کہہ کہ چھپی بات اللہ ہی جانے سو راہ دیکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں راہ دیکھتا۔"

"فائدہ ...... فرمایا، آگے دیکھو، حق تعالیٰ اس دین کو روشن کریگا۔ اور مخالف ذلیل ہوں گے برباد ہوں گے، سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے۔ اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے۔ فیصلہ کا دن دنیا نہیں۔"

(مطلب)..... بطورِ اعجاز اسلام کو سربلندی عہدِ رسالت میں حاصل

ہوئی اس کے بعد قیامت تک ظاہری اسباب پر فتح و شکست کا دار و مدار رہے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی بات نہ کہتے تھے

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا	اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں
بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِم	لے آتا ہم کے پاس کوئی نشانی اپنے
بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ	رب سے کیا پہنچ نہیں چکی ان کو
(طٰہٰ ۱۳۳)	نشانی ؟ اگلی کتابوں میں کی۔"

(فائدہ): یہ معنی کہ پہلے پیغمبروں کی نشانی کفایت ہے، یہ پیغمبر بھی انہی باتوں کا تقلید کرتا ہے، کوئی نئی بات نہیں کہتا۔ یا یہ نشانی کہ اگلی کتابوں کے موافق قصے بیان کرتا ہے۔

حق ایک ہے اور باطل بہت ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي	سب تعریف اللہ کو جس نے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَ	بنائے آسمان و زمین اور ٹھہرایا اندھیرا
جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّورَ ۔	اور اجالا۔

(الانعام ۱)

فائدہ :۔ اندھیرا، اجالا یہی رات دن ہے اور اشارہ میں راہ غلط کو اندھیرا کہیے اور صحیح کو اجالا، سو راہ صحیح ایک ہے اور اس کے سوائے سب غلط ہیں وہ بہت ہیں۔

حق ایک ہے اور باطل بہت ہیں

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِیْدًا (النسا ۱۱۶۔)

فائدہ :۔ اوپر سے ذکر تھا منافقوں کا جو پیغمبر کے حکم پر راضی نہ ہو، اور جدی راہ چلے، یہ آیت فرمائی کہ اللہ شرک نہیں بخشتا تو شرک فرمایا، حکم میں شریک کرنے کو، یعنی سوائے دینِ اسلام کے اور دین پسند رکھے اور اس پر چلے، پس جو دین ہے سوا اسلام کے سب شرک ہے، اگرچہ پوجنے میں شرک نہ کرتے ہوں۔

الانعام ۱۲۲ میں فرمایا...... اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے، کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم مشرک ہوئے۔

فائدہ :۔ یعنی شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو خدا کے پوجے بلکہ شرک حکم میں ہے کہ اور کا مطیع ہووے۔

اصل دین ایک ہی ہے شرائع میں اختلاف ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا	ہر فرقہ کو ہم نے ٹھہرا دی ہے
مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا	ایک راہ بندگی کی کہ وہ اس طرح
يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ	کرتے ہیں بندگی،

اِلیٰ رَبِّكَ (الحج ۶۷)

فائدہ :- یعنی اصل دین ہمیشہ سے ایک ہے اور احکام ہر دین میں جدا آتے ہیں۔ ہر حکم کا واسطہ کیوں پوچھتے ہو؟

شوریٰ نمبر ۱۳ کے فائدہ میں لکھا ہے،" اصل دین ہمیشہ ایک ہے اس کو قائم کرنے کے طریق ہر وقت میں جدا ٹھہرائے ہیں اللہ نے"

سورۂ محمدؐ نمبر ۲ کے فائدہ میں تحریر فرمایا۔ پہلے زمانے میں سب خلق کو تکلیف نہ تھی ایک شرع کی، اس وقت سب جہاں کو ایک حکم ہے، اب سچا دین یہی ہے اور کام بھلے اور برے مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف اور نہ ماننے کی سزا یہ ہے کہ نیکی برباد، گناہ لازم......

البقرہ ۲۱۳ کا فائدہ بھی بہت مفصل ہے، اسے بھی دیکھو"

دین فطرت کے بنیادی اصول ایک ہیں

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (الروم ۳۰)

تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو، بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو، یہی ہے دین سیدھا۔

فائدہ :- یعنی اللہ سب کا حاکم، مالک، سب سے نرالا، کوئی اس کے برابر نہیں، کسی کا اس پر زور نہیں، یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اس پر چلنا

چاہیئے، ایسے ہی کسی کی جان مال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا، ہر کوئی برا جانتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا، ہر کوئی اچھا جانتا ہے اس پر چلنا وہی دین سچا ہے ان چیزوں کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ نے سکھلا دیا۔

نجات کسی ایک قوم کیلئے مخصوص نہیں ایمان و عمل شرط ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَ الصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۸۲)	ترجمہ یوں ہے، جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین، جو کوئی یقین لایا۔ اللہ پر اور پچھلے دن پر اور کام کیا نیک تو ان کو بھی ان کی مزدوری اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاویں۔

(فوائد) :۔ یعنی کسی فرقہ پر موقوف نہیں، یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک اپنے اپنے وقت جس نے یہ کیا ثواب پایا۔

(مطلب) اس آیت پر کئی شبہے وارد کیے گئے ہیں۔

(۱) مومن تو پہلے ہی مومن ہے، پھر اس کے ایمان لانے کا کیا مطلب؟

(۲) یہاں نبوت محمدی پر ایمان لانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور ایمان و عمل کا دعویٰ آج بھی ہر مذہبی گروہ کر رہا ہے تو کیا وہ بھی نجات

کا مستحق ہے؟

مفسرین نے ان شبہات کو دور کرنے کے لیے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کا تعلق پچھلی قوموں سے ہے اور آمنوا (سے مراد اصطلاحی مومن نہیں .....) فرمانبردار لوگ ...... مراد ہیں جو یہودیت و نصرانیت کی گروہ بندی سے الگ تھے

اور اس آیت میں دراصل جواب ہے اس بات کا کہ یہود و نصارٰے جو آپس میں نجات کو اپنے اندر محدود سمجھتے ہیں، وہ غلط ہے نجات کا تعلق "نسلی گروہ بندی سے نہیں، ایمان و عمل سے ہے۔

رہی یہ بات کہ اسلام کامل کے آنے کے بعد نجات کی راہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب دوسری آیات کے اندر موجود ہے۔

شریعتوں میں نسخ کیوں جاری ہوا

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ	جو موقوف کرتے ہیں ہم کوئی آیت
اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا	یا بھلا دیتے ہیں تو پہنچاتے ہیں اس
اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ	سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

فائدہ :۔ یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیت نسخ ہوتی ہے، اگر اللہ کی طرف سے تھی تو پھر کیا عیب دیکھا کہ موقوف کی، اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی میں تھا نہ پچھلی میں، پر حاکم ہر

وقت جو چاہے سو حکم کرے۔

النحل ۱۰۱ میں فرمایا:۔ اور جب بدلتے ہیں ایک آیت
وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً کی جگہ دوسری، اور اللہ بہتر جانتا
مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا ہے جو اتارتا ہے۔
يُنَزِّلُ

فائدہ :۔ اس کلام میں اللہ تعالیٰ نے اکثر نسخ فرمایا ہے تو کافر شبہ کرتے ہیں، اس کا جواب سمجھا دیا، یعنی ہر وقت پر موافق اس کے حکم بھیجے تو یقین والوں کا دل قوی ہو کہ ہمارا رب ہر حال سے خبردار ہے"

غلبۂ اسلام کی تکمیل خلفائے راشدین کے ذریعہ

سورہ یونس ۴۶ کے فائدہ میں لکھا ہے ..... یعنی غلبۂ اسلام کچھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوا اور باقی اگلے خلیفوں سے"

اسلام تمام ادیان کا مجموعہ ہے

المومنون ۵۲ ف ۲ ص ۴۷۵

یقین کامل، والا دعویٰ سے ڈرتا ہے

منافقین دعوے کرتے تھے

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ترجمہ:۔ کہتے ہیں گنوار ہم ایمان
قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا لائے تو کہہ، تم ایمان نہیں لائے،

اَسْلَمْنَا　　　پر کہو مسلمان ہوئے۔

فائدہ :- ایک کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یعنی دین مسلمانی ہم نے قبول کیا، اس کا مضائقہ نہیں۔ ایک کہتا ہے کہ ہم کو پورا یقین ہے، جو یقین پورا ہے تو اس کے آثار کہاں، جس کو سچ یقین ہے اس کو دعویٰ سے ڈر آتا ہے۔"

اخلاقی نیکیوں کے طریقے مختلف ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں

الانعام آیت (۱۶۰) پر لکھتے ہیں "

دین میں جو باتیں یقین لانے کی ہیں، ان میں فرق نہ چاہیئے۔ اور جو کرنے کی ہیں، ان کے طریقے کئی ہوں تو برا نہیں۔"

نوٹ عبادات مراد نہیں اخلاقی نیکیاں مراد ہیں، عبادات کے جو طریقے اسلام نے مقرر کر دیئے ہیں ان کے سوا کوئی طریقہ مقبول نہیں

اسلام کا عقلی غلبہ ہمیشہ کے لیے ہو چکا

التوبہ (۳۳) فائدہ (۴) دیکھو

توحید و شرک کیا ہے؟ شرک و کفر کے اثرات

شرک کیا ہے؟

خدا تعالےٰ نے مشرک عورت اور مشرک مرد کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے کی ممانعت فرمانے کے بعد کہا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (البقرۃ ۲۲۱)

اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے، اور بتاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو، شاید وہ چوکس ہو جائیں۔

(فائدہ نمبر ۲) شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانیں، مثلاً کسی کو سمجھے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جان کر (البقرہ آیت نمبر ۲۲۱ کی تشریح میں ف ۲، ص ۵۵)

٭

مشرکین کے دل میں ہیبت کیوں ڈالی جاتی ہے

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا

اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں حیرت، اس واسطے، کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا، جس کی اس نے سند نہیں اتاری۔

(آل عمران ۱۵۱ ع۱۱)

(فائدہ ۲) یعنی وہ چور ہیں اللہ کے، اور چور کے دل میں ڈر رہتا ہے۔ اس واسطے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ہیبت ڈال دے گا۔

متضاد اور رنگارنگ عالم دلیل توحید ہے

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۗ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (الرعد ع۱)

وہ وہی ہے، جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں اور ہر میوے کے رکھے اس میں جوڑے دو ہرے، ڈھانکتا ہے دن پر رات، اس میں نشانیاں ہیں ان کو جو دھیان کرتے ہیں۔

(فائدہ) ہر میوے کے جوڑے یعنی ایک قسم کا مل ایک قسم اور

ناقص اور رات اور دن ایک اندھیرا ایک اجالا رنگا رنگ چیزیں بنائیں نشان ہے کہ اپنی خوشی سے بنایا۔ اگر ہر چیز خاصیت سے ہوتی تو ایک سی ہوتی۔ ف۴۰

غیر اللہ کی نیاز کا حکم

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ	اور ٹھہراتے ایسوں کو جن کی خبر نہیں رکھتے، ایک حصہ ہماری روزی میں سے قسم اللہ کی، تم سے پوچھنا ہے جو جھوٹ باندھتے تھے

(النحل ۵۶ ف۴۹)

فائدہ ۲ یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں مویشی میں، تجارت میں اللہ کے سوائے کسی کی نیاز ٹھہراتے ہیں، سب مال اللہ کا ہے اور کسی کا حق نہیں مگر اللہ کی راہ میں دے اپنے ثواب کو پھر اپنے بدلے ثواب کسی کو دلوا دے۔ .... اس کے ساتھ الحج ۳۵ کا فائدہ بھی دیکھو۔

اللہ تعالےٰ کے فعل میں غرض نہیں

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ (الانعام ۶، ف۲۲)	اور اس طرح دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان کی اور زمین کی تا اسکو یقین آوے۔

(فائدہ ۳) حق تعالٰی کے کلام میں تا کے ساتھ اور آیا ہے یعنی اللہ کو ہر کام خود بھی مقصود ہے اور واسطے دوسرے کے بھی مقصود ہے یہ نہیں کہ واسطے بغیر کام نہ کر سکے۔ مثلاً بندہ تخم ڈالے واسطے درخت ہونے کے، اس بغیر درخت نہیں ہو سکتا۔ اللہ کو اس بغیر بھی ہو سکتا ہے لیکن درخت بھی مقصود ہے اور اس طرح اگانا بھی مقصود ہے

"یہی معنی ہیں کہ اللہ کے فعل میں غرض نہیں"

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تشریحی نوٹ علمِ کلام کے ایک اہم مسئلہ سے متعلق ہے۔ شاہ صاحبؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس جگہ خدا تعالیٰ کے کلام میں تا (لام کے) ساتھ اور واؤ عطف آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سیر ملکوت کرائی اور اس میں خدا تعالٰی کا ایک مقصد اپنا تھا اور وہ تھا اپنی قدرت کا اظہار اور اپنی عظمت کا اظہار، دوسرا مقصد تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یقین کی مزید طاقت پیدا کرنا۔

اب اس آیت پر ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ کیا خدا تعالٰی سیر ملکوت کے بغیر ابراہیم علیہ السلام میں یقین پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا۔ شاہ صاحبؒ اس کا جواب دے رہے ہیں۔

اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالٰی اسباب و وسائل کے بغیر بھی ہر کام کر سکتا ہے، وہ قادرِ مطلق سیر ملکوت کے بغیر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر یقین پیدا کر سکتا تھا مگر خدا تعالٰی کے نزدیک وہ وسیلہ اور واسطہ بھی مقصود ہوتا ہے اور وہ عمل بھی جو اس واسطہ و ذریعہ سے

وجود میں آئے۔

جیسے ایک انسان بیج کے بغیر درخت نہیں اگا سکتا، مگر حق تعالےٰ بیج کے بغیر بھی درخت اگا سکتا ہے، وہ بیج کا محتاج نہیں، البتہ اس کا طریقہ یہی ہے کہ بیج سے درخت اگاتا ہے کیونکہ اگانا بھی ایک مقصد رکھتا ہے وہ مقصد ہے بندوں کو فائدہ پہنچانا اور اگانے کا مقصد ہے، اپنی قدرت کا اظہار کرنا۔

یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فعل میں غرض نہیں جس سے خود خداوند تعالےٰ کو فائدہ پہنچے۔ بلکہ اس غرض کا فائدہ بندوں کو پہنچتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالےٰ نے ملکوت کی سیر کرائی۔ یہ فعل خود ایک مقصدِ خداوندی تھا، یعنی قدرت کا اظہار، ہاں اس کا فائدہ ذاتِ الٰہی کو نہیں پہنچا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچا اور وہ یقین کا حصول تھا۔

شاہ صاحبؒ کی عبارت میں "آتا ہے" لکھا ہے لیکن یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ "آتا ہے" سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے، حالانکہ قرآنِ کریم میں اس آیت کے سوا کسی جگہ "ل" لام کے ساتھ واو عطف نہیں ہے۔

شروع میں پورے حوالوں کے ساتھ اس کی وضاحت کی جا چکی ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اصل عبارت "آیا ہے" ہونی چاہیئے کتابت کی غلطی نے آتا ہے کر دیا۔ تمام نسخوں میں "آتا ہے" لکھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ سید عبداللہ والے نسخہ میں بھی یہی ہے۔

بے صورت معبود کی عبادت سے جاہل کو تسکین نہیں ہوتی

بنی اسرائیل نے دریائے نیل کے پار ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے لیے بھی ایک بت بنانے کی درخواست کی اس پر حضرت موسےٰ علیہ السلام نے کہا

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (الاعراف ۱۳۸ ص ۲۷۳) - کہا، تم لوگ جہل کرتے ہو۔

فائدہ جاہل آدمی نرے بے صورت کو عبادت کر کے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو، وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتے تھے، ان کو بھی ہوس ہوئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔

خدا کا یقین، دل کے اندر موجود ہے، عہدِ ازل،

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ، اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی ...... شَهِدْنَا ...... (الاعراف

اور جس وقت نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پیٹھ میں سے ان کی اولاد، اور اقرار کروایا ان سے ان کی جان پر کیا میں نہیں ہوں رب تمہارا؟ بولے البتہ ہم قائل ہیں۔

(۱۷۲ صـ۲۸۳ ـ)

فائدہ مدعا یہ کہ خدا کے ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت ہے، باپ کی تقلید نہیں اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا، پھر کیا حاصل ؟ تو یوں سمجھو کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں رہا ہے اور ہر زبان کو مشہور رہا ہے کہ سب کا اللہ ہے، سارا جہاں قائل ہے۔

اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقلِ ناقص کے خلل سے، پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے۔

کفر کے ساتھ آسمانی علم (الہام) جمع نہیں ہوتے

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ	جب حکم بھیجا تیرے رب نے
اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ	فرشتوں کو کہ میں ساتھ تمہارے ہوں
فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ	سو تم دل ثابت کرو مسلمانوں کے،
فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا	میں ڈال دوں گا دِل میں کافروں کے
الرُّعْبَ ..... (الانفال ۱۲	دہشت۔

صـ۲۹۲)

فائدہ ۲ کافروں کے دِل قابل نہیں فرشتوں کے الہام کے، سو رعب ڈالنا اپنی طرف لیا اور مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کا حکم فرمایا۔

مطلب بدر کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، عجیب استدلال ہے۔

کفر سے مکمل بیزاری کے بعد ہی الہام حق کی راہیں کھلتی ہیں

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ	ترجمہ میں نے چھوڑا دین اس قوم
لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ	کا کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت
بِالْاٰخِرَۃِ کَافِرُوْنَ	سے وہ منکر ہیں

(یوسف ۳۷ ص۳۹۳)

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اعلان ہے جو انہوں نے جیل خانہ میں کیا۔

(فائدہ ۴) حق تعالے نے قید میں یہ حکمت رکھی کہ ان کا دل کافروں کی محبت سے ٹوٹا تو دل پر اللہ کا علم روشن ہوا۔

بزرگ لوگ وقت آنے پر کسی کو پناہ نہیں دے سکتے

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ	ترجمہ وہ لوگ جن کو یہ پکارتے
یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی	ہیں، ڈھونڈھتے ہیں اپنے رب تک
رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ	وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے
اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ	اور امید رکھتے ہیں اس کی مہر کی اور
یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ	ڈرتے ہیں اس کی مار سے بے شک
عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا	تیرے رب کی مار ڈرنے کی چیز ہے

بنی اسرائیل ۷، ۵ ص۷۵

(فائدہ ۱) یعنی کو کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ جو بندہ بہت نزدیک ہو اسی کا وسیلہ پکڑیں اور وسیلہ سب کا پیغمبر ہے آخرت میں انہی کی شفاعت ہوگی۔

آیت نمبر ۵۸ پر یہ فائدہ ہے :۔

(فائدہ نمبر ۲) یعنی تقدیریں لکھ چکے، ہر شہر کے لوگ بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اس کی رعیت ہیں اور اس کی پناہ میں ہیں، اس وقت آنے پر کوئی نہیں پناہ دے سکتا۔

مردہ بزرگوں کو پوجنے والوں کی مذمت

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ	ترجمہ :۔ اور جن کو پکارتے ہیں ،
دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ ...	اللہ کے سوا، کچھ پیدا نہیں کرتے اور
شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝	آپ پیدا ہوتے ہیں، مردے ہیں جن
اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ...	میں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کب
(النحل ۲۱ ص۴۴۳)	اٹھائے جائیں گے۔

(فائدہ ۳) شاید یہ ان کو فرمایا جو مرے بزرگوں کو پوجتے ہیں۔

(مطلب :۔) "شاید" کا لفظ لاکر یہ اشارہ فرمایا کہ اس آیت میں بتوں کے پجاری بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

طاغوت کیا ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

(النحل ۳۶ ۔ ۴۲) ترجمہ :۔ اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑدنگے سے

(فائدہ ۲) ہڑدنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے ، کچھ سند نہ رکھے ایسے کو طاغوت کہتے ہیں ۔ بت اور شیطان اور زبردست ظالم ، سب یہی ہیں ۔

شرک کی تردید میں جامع فائدہ

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (العنکبوت ۴۱ ۔ ۴۲ ص ۶۶۵)

ترجمہ :۔ کہاوت ان کی ، جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی ، کہاوت مکڑی کی ۔ بنا لیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا ، سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی ۔ اللہ جانتا ہے جس کو پکارتے ہیں ، اس کے سوا کوئی چیز ہو اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا

فائدہ ۱ یعنی گھر اس واسطے کہ جان ومال کا بچاؤ ہو ۔ مکڑی کا جالا کہ دامن کے جھٹکے سے ٹوٹ پڑے ، ویسا ہی جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچاؤ سمجھے ۔

(فائدہ ۲) :- یعنی کبھی سننے والا تعجب کرنے کہ سب کو ایک لکڑی ہانک دیا۔ بعضی خلق بت پوجتی ہیں، بعضے آگ پانی کو، بعضے اولیاء انبیاء کو سوا اللہ نے فرمادیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں اور اگر کوئی کچھ کر سکتا تو اللہ سب کو یک قلم موقوف نہ کرتا اور اللہ کو کسی کی رفافت نہیں چاہیئے زبردست ہے اور مشورہ نہیں چاہیئے حکمتیں اسی کو ہیں

محض شبہ میں بھی کسی کی پوجا نہ کر

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى | اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس
اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ | پر کہ شریک مان میرا جو تجھ کو معلوم نہیں
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا | توان کا کہنا نہ مان،

لقمان ۱۵

فائدہ ۳ شریک نہ مان جو معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان۔ اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے

غیر اللہ کی نذر کا حکم کیا ہے

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ | اور جو خرچ کروگے کوئی خیرات یا
نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ | یا قبول کروگے کوئی منت سو اللہ
نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ | کو معلوم ہے۔
وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
اَنْصَارٍ البقرۃ ۲۷۰

نبوت و رسالت کی حقیقت، نبوت محمدیہ کی عظمت

ہر قوم میں نذیر آیا ہے

وَاِنْ مِنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ الفاطر ۲۴ — اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈرانے والا۔

فائدہ ڈرانے والا خواہ نبی ہو، خواہ نبی کی راہ پر۔

مطلب نبی براہ راست ہو یا نبی کا کوئی جانشین نائب اور داعی ہو...... اس مفہوم کی دو آیتیں اور ہیں۔

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ یونس ۴۷ — اور ہر فرقہ کا ایک رسول ہے۔

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ الرعد ۷ — تو تو ڈر سنانے والا ہے اور ہر قوم کو ہوا ہے راہ بتانے والا۔

بعض مفسرین نے ولکل کا عطف انت پر کیا ہے۔

جز ایں نیست کہ تو بیم کنندہ و مر ہر گروہے کا ہدایت کنندہ،

شیخ شریف

نبی اور غیر نبی میں فرق

هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ... الانعام ۵

ترجمہ :۔ کب برابر ہو سکے اندھا اور دیکھتا، کیا تم دھیان نہیں کرتے

فائدہ یعنی پیغمبر آدمی کے سوا کچھ اور نہیں ہو جاتے کہ ان سے محال باتیں طلب کرے، ایک اندھے اور دیکھتے کا فرق ہے۔

رسولوں سے عتاب آمیز خطاب کیوں کیا جاتا ہے

قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا المائدہ ۱۷

فائدہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا ان کو ان کی امت بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھا دیں والا نبی اس لائق کا ہے، کو ہیں ؟

رسولِ آخر الزماں کی بعثت کیوں ضروری تھی

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۔ البینۃ ۱۷

ترجمہ :۔ نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں کتاب والے اور شریک والے باز آتے، جب تک پہنچے ان کو کھلی بات۔

فائدہ :- حضرتؐ سے پہلے سب دین والے بگڑ گئے تھے، ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور، اب چاہیے کہ حکیم کے یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھائے راہ پر آویں، سو ممکن نہ تھا۔ جب تک ایسا رسول نہ آوے عظیم القدر ساتھ کتاب اللہ کے اور مدد قومی کے، کئی برس میں ملک ملک ایمان سے بھر گئے۔

حضورؐ کے فیضِ صحبت کی مثال

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ — ترجمہ :- روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی، کہاوت اس کی روشنی کی،

(النور ۳۵)

فائدہ یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی الخ یا پیغمبر کو فرمایا کہ دل کا نور ملتا ہے ان سے، وہ ملک عرب میں پیدا ہوئے نہ مشرق میں نہ مغرب میں اس کا تیل بن آگ سلگنے کو تیار ہے یعنی مومن کے دل میں بے ریاضت ان کی صحبت سے روشنی پیدا ہوتی ہے آگے فرمایا روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ بندگی کرتے ہیں صبح و شام وہاں لگا رہے۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کیا ہے

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ — ترجمہ :- بھید والا ہے۔ جاننے والا بھید کا، سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ الجن ۲۷

کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار

فائدہ یعنی رسول کو خبر دیتا ہے غیب کی پھر چوکیدار رکھتا ہے اس کے ساتھ کہ اس میں شیطان دخل نہ کرنے پاوے اور اپنا نفس غلط نہ سمجھے، یہی معنی ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو عصمت ہے اوروں کو نہیں اور ان کا معلوم بے شک ہے، اوروں کے معلوم میں شبہ ہے۔

وحی الٰہی اور نبی کے اجتہاد میں کیا فرق ہے

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ الحج ۵۲

ترجمہ: اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی، سو جب لگا خیال باندھنے، شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں، پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا، پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا۔

الحج نمبر ۵۲

فائدہ نبی کو ایک حکم اللہ سے آتا ہے اس میں ہرگز تفاوت نہیں اور ایک اپنے دل کا خیال اس میں جیسے اور آدمی کبھی خیال ٹھیک پڑا، کبھی نہ پڑا۔

جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ سے

مکہ میں گئے عمرہ کیا، خیال میں آیا کہ شاید اب کے برس، وہ ٹھیک پڑا اگلے برس۔

یا وعدہ ہوا کافروں پر غلبہ ہوگا، خیال آیا کہ اب کے لڑائی میں، اس میں نہ ہوا۔

پھر اللہ تعالےٰ جتا دیتا ہے، لڑائی کا حکم تھا، اس میں تفاوت نہیں۔

نبی کی اجتہادی غلطی میں کیا مصلحت ہوتی ہے

الحج ۴ ۵۳ میں اس کی مصلحت بیان فرمائی "یعنی اس میں گمراہ اور بہکتے ہیں، سو ان کا کام ہے بہکنا، اور ایمان والے اور مضبوط ہوتے ہیں کہ اس کلام میں بندے کا دخل نہیں، اگر ہو تو یہ بھی بندے کے خیال کی طرح کبھی صحیح کبھی غلط ہوتا اور جس کی نیت اعتقاد پر ہو، اس کو اللہ یہ بات سمجھا تا ہے"۔

اجتہادی لغزش عتاب نہیں تربیت

قرآن کریم میں کئی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجتہادی لغزش پر خفگی آمیز کلام نازل ہوا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے لیے "تربیت" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عتاب یا ناراضگی وغیرہ کے الفاظ .... استعمال نہیں فرماتے، غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے دشمنوں کے لیے غصہ کے الفاظ نکل گئے۔ اس پر " لَیْسَ لَکَ مِنَ

الامر الخ آل عمران ۲۸ نازل ہوئی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر فائدہ تحریر فرمایا۔

"حق تعالےٰ نے پیغمبروں کو "تربیت" فرمائی کہ بندے کو اختیار نہیں، اللہ تعالےٰ جو چاہے سو کرے، اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے ان کو ہدایت دے اور چاہے عذاب کرے، اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔ مقامِ نبوت کا کس قدر احترام ہے۔

رسول و نبی میں اسبابِ ظاہری پر اعتماد پیدا نہیں ہونے دیا جاتا

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ

(یوسف)

ترجمہ اور کہہ دیا اس کو جس کو اٹکلا کہ بچے گا ان دونوں میں کہ میرا ذکر کر لو اپنے خاوند پاس، سو بھلا اس کو شیطان نے ذکر کرنا۔

فائدہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسباب کی سعی کی کہ میرا ذکر کر لو، بادشاہ پاس وہ بھول گیا، تا پیغمبر کا دل اسباب پر نہ ٹھہرے کئی برس قید رہے، اکثر لوگ کہتے ہیں سات برس رہے"۔

اولاد کے غم کو دبائے رکھنا نبی ہی کا کام ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد جب بن یمین بھی حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہو گیا تو بوڑھے باپ کے منہ سے نکلا ...

قَالَ يَاَسَفٰى عَلٰى — بولا، اے افسوس یوسف پر!
يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ — اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کی غم
مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ — سے، سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا

(یوسف ۸۴)

فائدہ غم کی بات منہ سے نہ نکالتا تھا، مگر اس وقت بے اختیار اتنا نکلا، ایسا درد دبا رکھنا کس کا کام سوائے پیغمبر کے

حضور کا بلند حوصلہ تھا

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا — ترجمہ:۔ اور ہم نے زیادہ کیا ہے
بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ — بعضے نبیوں کو بعضوں سے اور دی
وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا — ہم نے داؤد کو زبور

(بنی اسرائیل ۵۵)

(فائدہ) یعنی بعضے نبی تھے کہ جھنجھلا گئے، تیرا حوصلہ ان سے زیادہ رکھا ہے۔

(نوٹ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کا مطلب کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کے اعلان کا مطلب کیا ہے؟ نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضلالت کو کس معنی میں منسوب کیا؟ ...... ان تمام مسائل پر "محاسن موضح القرآن"

میں روشنی ڈالی جا چکی ہے

نبوت سے پہلے نبی "ولی" ہوتا ہے

نبوت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی فرعونی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دیا تھا پھر اس پر توبہ کی۔...... خدا نے معاف فرما دیا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا شکریہ ادا کیا....

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ القصص ۱۷ — بولا! اے رب جیسا تو نے فضل کیا مجھ پر، پھر میں کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا۔

فائدہ شاید اس فریادی کی بھی کچھ تقصیر تھی، اور بخشنا انہوں نے الہام سے جانا۔ پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔

مطلب اگر فریادی کی کچھ تقصیر نہ ہوتی اور سارا قصور اس قبطی کا ہی ہوتا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توبہ کی ضرورت کیوں پڑتی۔ اس توبہ سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے۔ پھر أَنْعَمْتَ عَلَيَّ سے قبول توبہ کا اشارہ نکلتا ہے اس کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الہام سے ہوا۔

استغفار کا حکم، نبی پاک کو خاص اپنے لیے بھی تھا

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ — ترجمہ:۔ سو ٹھہرا رہ بے شک وعدہ ۱۱ ترجمہ:۔ سو ٹھہرا رہ بے شک وعدہ اللہ تعالیٰ کا ٹھیک ہے اور بخشوا

بِالْاِبْكَارِ ۞ اپنا گناہ اور پاکی بول اپنے رب کی
۞ خوبیاں، شام کو اور صبح کو۔

(المومن ۵۵)

فائدہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو بار استغفار کرتے گناہ سے، ہر بندہ قصور وار ہے اس کے موافق ہر کسی کو ضرور ہے استغفار

نبی کا قلب عذاب و رحمت کے چھپے آثار کو محسوس کر لیتا ہے

قوم لوط کو ہلاک کرنے والے فرشتے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ بشکل انسان

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ (ھود ۷۰) ۞ پھر جب دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر، اوپری سمجھا، اور دل میں ان سے ڈرا، وہ بولے مت ڈر، ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے۔ ۞

(فائدہ) ان کے ساتھ جو عذاب تھا اس کا ڈر پڑا ان کے دل پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج مطہرات کے درمیان مساوات واجب نہ تھی

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ (الاحزاب ۵۱)

پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں اور جگہ دے اپنے پاس تو جس کو چاہے۔

فائدہ کسی مرد کو جو کئی عورتیں ہوں اس پر واجب ہے باری سے سب کے پاس رہنا۔ اور حضرت پر واجب نہ رکھا، اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کر لیں، یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرق نہیں کیا، سب کی باری برابر رکھی۔

مطلب کثرت ازواج کا اصل مقصد تعلیم اور تبلیغ تھا، اور اس مقصد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب سمجھتے تھے کہ کس بیوی میں اس کام کی کتنی صلاحیت ہے۔ اس لیے برابری قانوناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم نہ تھی۔

پیغمبروں کی شفاعت پر مغرور نہ ہونا چاہیئے

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (المائدہ ۱۰۹)

ترجمہ:۔ جس دن جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا۔ بولیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات کا جانتا۔

فائدہ یہ اللہ صاحب پوچھے گا کہ کافروں کے سنانے کو کہ میں نے تم کو جن کی طرف بھیجا تھا انہوں نے قبول کیا یا نہ کیا اور پیغمبر حوالہ رکھیں گے اللہ کے علم پر کہ ہم کو دل کی خبر نہیں ظاہر کی ہے۔ یہ ان کو سنایا جو مغرور

ہیں پیغمبروں کی شفاعت پر، تا معلوم کریں کہ اللہ کے آگے کوئی کسی کے دل پر گواہی نہیں دیتا، اور کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرتا۔

ولا تکونن من المشرکین

کے خطاب کا کیا مطلب

وَادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ ترجمہ: اور بلا اپنے رب کی طرف
وَلَا تَکُوْنَنَّ الخ (القصص ۸۷) اور نہ ہو شریک والوں میں

فائدہ یعنی اپنی قوم کی خاطر نہ کر دین کے کام میں اور آپ کو ان میں گن، گو کہ اپنے قرابتی ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق امت پر کیا ہے

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ.. ترجمہ: نبی سے لگاؤ ہے، ایمان
مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ... والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس
اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب ۶) کی عورتیں ان کی مائیں ہیں۔

فائدہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نائب ہیں اللہ تعالیٰ کے، اپنی جان مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنی روا نہ نہیں اور نبی حکم کرے تو فرض ہے۔

(فائدہ ۱) اوپر فرمایا کہ پیغمبر سب لوگوں پر تصرف رکھتا ہے ان کی جان سے زیادہ یہاں فرمایا کہ یہ درجہ نبیوں کو ملا کہ ان پر محنت بھی زیادہ ہے۔ ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف و رجاء نہ رکھنا،

اولوالعزم رسول پانچ ہیں

ان پانچ پیغمبروں کو کہتے ہیں الوالعزم کہ ان کی ہدایت کا اثر ہزاروں
برس رہا، اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔
ان میں پہلے نام فرمایا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔(الاحزاب)
(مطلب) باقی چار رسول[۱] حضرت نوح[۲]۔ حضرت ابراہیم[۳] حضرت
موسیٰ[۴] اور حضرت عیسیٰ[۵] علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔
"اولوالعزم" ہمت والے رسول (الاحقاف ۳۵)

بے اعتقاد منافق اور صاحب اعتقاد مومن میں فرق

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا ~ تو ان کے حق میں بخشش مانگ یا نہ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ ~ مانگ، اگر ان کے واسطے ستر بار بخشش
لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ ~ مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے ان کو اللہ۔
اللّٰهُ لَهُمْ (التوبہ ۸۰ ص۳۲۷)

(فائدہ) یہاں سے فرق نکلتا ہے بے اعتقاد کا اور گنہگار
کا۔ گناہ ایسا کون سا ہے کہ پیغمبر کے بخشائے نہ بخشا جائے۔ اور
بے اعتقاد کو پیغمبر کے ستر استغفار فائدہ نہ کریں اب جو بے اعتقاد
لوگ بھروسہ کریں پیغمبر کی شفاعت پر کس دلیل سے۔؟
مثلاً آدمی سے بدی ہو یا نماز روزہ نہ ہو اور وہ شرمندہ ہے
اور نادم ہے تو وہ گنہگار رہے اور جو کوئی بدکام کو عیب نہ جانے اور

فرض خدا کو کرنا نہ کرنا برابر سمجھے اور کرنے والوں کو طعن کرے وہ بے اعتقاد ہے۔

نبی، صدیق، شہید اور صالح کون ہیں

النساء نمبر ۶۹ پر فائدہ لکھا ہے

فائدہ نبی وہ لوگ جن کو اللہ کی طرف سے وحی آوے یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ جاوے اور صدیق وہ کہ جو وحی میں آوے ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے اور شہید وہ جن کو پیغمبر کے حکم پر ایسا صدق آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں اور نیک بخت وہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے۔

تو جو لوگ ایسے نہیں لیکن حکم برداری میں لگے رہتے ہیں تو ان کو بھی ان کے ساتھ گنے گا۔ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا کا مطلب بیان کیا۔

آخرت کی زندگی، برزخ، حقائق غیب

آخرت کا دن کیوں ضروری ہے

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ المؤمنون ۱۱۵

ترجمہ:۔ سو کیا تم خیال رکھتے ہو؟ کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے

فائدہ یعنی دنیا میں تو نیکی اور بدی کا اثر نہیں ملتا اگر دوسرا عالم نہ ہو بدلے کا تو یہ سب کھیل تھا۔

عالم غیب کب ظاہر ہوگا۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ	ترجمہ:۔ اور اگر ہم فرشتے اتاریں تو فیصل ہو چکے کام پھر ان کو فرصت نہ ملے

(انعام ۸)

(فائدہ) کہتے تھے کہ ہمارے دیکھتے فرشتے اتریں، سو جب آدمی فرشتوں کو دیکھیں تو عالم غیب ظاہر ہووے۔ پھر عمل کی جزا بھی غیب سے ظاہر آنے لگے گی۔

دل کے کان ضروری ہیں اور عقل کی آنکھیں

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ	ترجمہ:۔ وہ مانتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اٹھاوے گا اللہ پھر اس کی طرف جاویں گے

(الانعام ۳۶)

فائدہ یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں، جن کے دل میں اللہ نے کان نہیں دیئے، وہ سنتے نہیں، تو کس طرح مانیں مگر یہ کافر کہ مثال مردے کے ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے۔ الکہف نمبر ۲ ف صد ۵۰۳ بھی دیکھو۔

جلدی حساب لینا کیا ہے

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ ۔ الانعام ۶۲ ترجمہ: تحقیق سن رکھو حکم اسی کا ہے اور وہ شتاب لیتا ہے حساب

فائدہ :۔ یعنی ایک لحظہ میں آدمی کی عمر کی بھلائی برائی واضح کردے

ماں کا پیٹ اور قبر کیا ہے

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ (الانعام ۹۹) ترجمہ :۔ اور اسی نے تم کو نکالا ایک جان سے پھر کہیں تم کو ٹھہراؤ ہے اور کہیں سپرد رہنا۔

فائدہ :۔ اول سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں۔
کہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثر پیدا کرے پھر ایک ٹھہرنا ہے دنیا میں۔

پھر سپرد ہونا ہوگا قبر میں کہ آہستہ آہستہ آخرت کے اثر پیدا کر کے پھر جا ٹھہرے گا جنت میں یا دوزخ میں۔

مطلب :۔ قبر نام برزخ کے عالم کا جو دنیا و آخرت کی درمیانی منزل ہے۔

دیدار الٰہی کیسے ہوگا

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ ترجمہ :۔ اس کو نہیں پا سکتیں

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ — آنکھیں، وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو۔
(الانعام ۱۰۴) — اور وہ بھید جانتا ہے خبردار۔

فائدہ :- یعنی آنکھوں میں طاقت نہیں کہ اس کو دیکھ لے مگر جو وہ آپ کو دکھا دے اس واسطے کہ لطیف ہے۔

عذاب جہنم دائمی ہوگا

قَالَ النَّارُ مَثْوٰاکُمْ — فرما دے گا آگ ہے گھر تمہارا
خَالِدِیْنَ فِیْهَا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ — رہا کرو اس میں مگر جو چاہے اللہ۔
اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ — تیرا رب حکمت والا خبردار ہے۔
الانعام ۱۲۹

فائدہ :- یہ جو فرمایا کہ آگ میں رہا کریں مگر جو چاہے اللہ، اس واسطے کہ اگر عذاب دوزخ دائم ہے تو اسی کے چاہنے سے، وہ چاہے تو موقوف کرے لیکن ایک چیز چاہ چکا۔

نوٹ :- ہود آیت ۱۰۷ و ۱۰۸ پر مفصل فائدہ ملاحظہ ہو۔

شہدا کی حیات کیسی ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ .... یُرْزَقُوْنَ (آل عمران ۱۶۹)

ترجمہ :- اور تو نہ سمجھ جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے

فائدہ :۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک طرح کی زندگی ہے کہ وہ مُردوں کو، کھانا پینا اور عیش اور خوشی پوری ہے اوروں کو قیامت کے بعد ہوگی۔

مطلب :۔ یہ برزخ کے عالم کی بات ہے۔

عالم برزخ کا ثبوت فرعون پر عذاب ہو رہا ہے

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن ۴۶)

فائدہ :۔ یہ عالم قبر کا حال ہے، کافر کو اس کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے اور قیامت کو اس میں بیٹھے گا اور مومن کو بہشت۔

آواگون کی تردید

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (المومنون ۱۰۰)

ترجمہ :۔ کہے گا، اے رب! مجھ کو پھر بھیج، شاید میں بھلا کام کروں، اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا، کوئی نہیں یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے اور ان کے پیچھے اٹکاؤ ہے جس دن تک اٹھائے جاویں۔

فائدہ :۔ معلوم ہوا یہ جو لوگ کہتے ہیں، آدمی مر کر پھر کر آتا ہے

سب غلط ہے، قیامت کو اٹھیں گے اس سے پہلے ہرگز نہیں صـ۵۷۲

جنت میں درجہ اور حیثیت کے مطابق خواہش پیدا ہوگی

وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوء منھا حیث یشاء فنعم اجر العملین (الزمر ۷۴)

ترجمہ :- اور وہ بولے، شکر اللہ کا جس نے سچ کیا ہم سے اپنا وعدہ، اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا، گھر پکڑیں بہشت میں جہاں چاہیں، سو کیا خوب نیگ ہے محنت کرنے والوں کا۔

فائدہ :- ان کو حکم ہے کہ جہاں چاہیں رہیں لیکن ہر کوئی وہی جگہ پائے گا جو اس کے واسطے رکھی ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ

(حم السجدہ - ۳۲)

قیامت کے دن لڑکے بوڑھے ہوں گے

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا (المزمل ۱۷)

ترجمہ پھر کیوں کر بچو گے اگر منکر ہو گئے اس دن جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا۔

فائدہ :- اس دن کی شدت سے یا درازی سے، اگرچہ وہاں

جیسے ہیں تیسے رہیں گے پر مدت اتنی ہے کہ لڑکے بوڑھے ہو جائیں۔

ہر امت کا حساب باری باری ہوگا

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ — ترجمہ:- اور جب رسولوں کا وعدہ ٹھہرے۔

المرسلات ۱۱

فائدہ:- یعنی ہر امت کا حساب باری باری لینا ٹھہرے۔

نزع موت کی جسمانی تکلیف مومن اور کافر دونوں کو ہوتی ہے

النازعات ۲۰۱ کے فائدہ میں لکھتے ہیں

ایک فرشتے کافر کی جان گھسیٹ کر نکالیں، اس کی رگوں میں ڈوب کر، ایک مسلمان کی جان کو بدن سے گرہ کھول دیں، وہ اپنی خوشی سے عالم پاک کو دوڑے، جیسے کسی کے بند کھول دیئے لیکن بدن کی تکلیف اور ہے اس میں دونوں برابر ہیں۔

یہ ذکر ہے روح کا، نیک خوشی سے دوڑتا ہے، بدبھاگتا ہے پھر گھسیٹا جاتا ہے۔

٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

٭

کافر و مومن کی موت میں کیا فرق ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا — قسم ہے گھسیٹ لانے والوں
وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا — کی، ڈوب کر اور بند چھڑا دینے والوں
کی، کھول کر۔

ان آیات میں فرشتوں کی مختلف جماعتوں کی قسمیں کھائیں ہیں ۔ اور مفسرین نے ان اوصاف کی بہت سی تشریحات کی ہیں، شاہ صاحب نے راجح قول اختیار کیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (حاشیہ جلالین ص۴۸۸ بحوالہ مدارک)

لغت میں نزع کے معنی سختی سے کھینچنا آتے ہیں اور نشط کے معنی کنویں میں سے ڈول نکالنا ۔ چونکہ ڈول کو کنویں سے آہستگی کے ساتھ نکالتے ہیں اس لیے نشط کے معنی آہستگی سے نکالنے کے لیے آنے لگے ہیں ۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ناشطات کا ترجمہ مرادی معنی کے لحاظ سے کیا ہے یعنی مومن کے جسم کا بندھن کھول دیتے ہیں اور پھر روح آسانی سے نکل جاتی ہے، بخلاف منکرین حق کے ۔ اس گروہ کے جسم کے جوڑ جوڑ کے اندر فرشتے گھستے ہیں اور ان کی روح کو کھینچ لاتے

ہیں۔ کیونکہ ان کی روح اپنے مولیٰ کی ملاقات سے بھاگتی ہے، مومن کی روح انتظار اور اشتیاق میں رہتی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے دونوں فارسی ترجموں میں سختی سے کھینچنے اور نرمی سے نکالنے کا مفہوم ادا کیا گیا ہے

ان کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں ترجمہ یکساں ہیں۔ بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بند کھول دیتے ہیں جان کا بدن سے کھول دینے کر (شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ)

اب نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مرادی اور استعاراتی ترجمہ اصل میں کس کا ہے۔ کس بھائی نے کس کی پیروی کی یا دونوں پر یکساں طور پر القاء ہوا ہے۔

اِن بزرگ بھائیوں کے بعد تمام اردو مترجمین نے انہی حضرات کی پیروی کی ہے۔

۱ ان فرشتوں کی قسم جو کافروں کے بدن میں کونے کونے گھس کر ان کی جان سختی سے نکالتے ہیں اور ان فرشتوں کی قسم جو ایسی آسانی سے نکالتے ہیں جیسے بند کھول دیئے ہیں۔

ڈپٹی صاحبؒ۔

۲ قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی غوطہ لگا کر اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر۔ شیخ الہند

۳ قسم ہے ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں

مولانا احمد رضا خاں۔

۴ جوڑوں میں گھس کر نکالنے والوں کی قسم اور بند کھولنے والوں کی (مولانا احمد علی۔)

قضاء و قدر مسئلہ تقدیر و تدبیر

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ	ترجمہ:۔ مہر کر دی اللہ نے ان کے
وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَ عَلٰی	دل پر، اور ان کے کان پر اور ان کی
اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ	آنکھوں پر پردہ ہے

البقرۃ ۷

اس قسم کی آیات قرآن کریم میں کئی مقامات پر آئی ہیں اور ان میں استعارہ کے طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ سوچنے کی قوت قلب دیکھنے کی قوت بصر اور سننے کی قوت سمع پر خدا تعالےٰ مہر لگا کر انہیں بے کار کر دیتا ہے۔

قرآن پاک نے دل کو ایک برتن سے تشبیہ دی اور اس کے لیے مہر کرنے اور سیل بند کرنے کے الفاظ استعمال کیے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پر ایک برتن سیل بند ہو جانے کے بعد باہر کی چیز سے محروم ہو جاتا ہے، اسی طرح دل، کان، اور آنکھیں حق و ایمان کی باتوں سے

محروم ہو جاتے ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا تعالےٰ منکروں کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے؟ اور اگر کرتا ہے تو پھر انکار و عناد کی ذمہ داری ان پر کیوں عائد ہوتی ہے؟

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کا یہ اسلوب ہے کہ وہ قانون قدرت کو خدا تعالےٰ کا فعل بنا کر پیش کرتا ہے اور قرآن کا اصل مطلب یہ ہوتا ہے کہ قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب انسان جسم کی کسی قوت کو یا کسی حصے کو کام میں نہیں لاتا اور بے کار چھوڑ دیتا ہے تو وہ حصہ فطری طور پر معطل اور بے کار ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ کو حرکت سے محروم کر کے بیکار کر دے تو وہ ہاتھ شل ہو جائے گا۔ اور ہاتھ کا یہ شل ہو جانا بالکل قانون فطرت کے مطابق ہو گا۔ اس کی ذمہ داری خود انسان پر عائد ہو گی، قانون بنانے والے خداوند تعالےٰ پر عائد نہ ہو گی۔

اسی طرح جب کوئی ضدی انسان پیغام حق اسلام کی طرف سے اپنے دل اور کان اور آنکھوں کو بند کر لیتا ہے۔ حق بات پر دھیان ہی نہیں دیتا، تو اس کی یہ تمام قوتیں حق و صداقت کے معاملہ میں بے کار ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ قوتیں زندگی کے دوسرے معاملات میں بڑی کامیاب ثابت ہوتی ہیں؟ کیونکہ وہ انسان ان قوتوں کو کاروبارِ دنیا میں لگا دیتا ہے، زندگی کی ہر بات پر غور کرتا ہے، غور سے سنتا ہے، دیکھتا ہے، تو قانون قدرت کے مطابق وہ ان معاملات میں خوب ترقی کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے اس اسلوب کی طرف آلِ عمران نمبر ۱۵۱ کے فائدہ میں اشارہ کیا ہے

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ — اب ڈالیں گے کافروں کے دل
الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا — میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے
اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ — شریک ٹھہرایا اللہ کا۔

اس پر فائدہ لکھا ہے "یعنی وہ چور ہیں اللہ کے، اور چور کے دل میں ڈر ہوتا ہے اس واسطے ان کے دِل میں اللہ تعالےٰ ہیبت ڈال دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے دِل میں اسلام کی طرف سے جو ہیبت ہوتی ہے وہ قانونِ قدرت کے تحت ہوتی ہے وہ مشرک دراصل خدا کا چور ہے اور چور کے دل میں فطری طور پر خوف و دہشت بیٹھ جاتی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قضاو قدر کی گتھی کو کئی مقام پر واضح کیا ہے الکہف ۴۹ کے فوائد میں لکھا۔

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا — اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے
حَاضِرًا — اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا۔

فائدہ :۔ اب جو کرے سو ظلم نہیں سب اسی کا مال ہے پر ظاہر میں جو ظلم نظر آوے وہ بھی نہیں کرتا، بے گناہ دوزخ میں نہیں ڈالتا اور نیکی ضائع نہیں کرتا۔

اور جو کوئی کہے، گناہ میں ہمارا کیا اختیار، سو بات نہیں اپنے دل

سے پوچھ لے، جب گناہ پر دوڑتا ہے اپنے قصد سے دوڑتا ہے۔
اور جو کوئی کہے قصد بھی اسی نے دیا، سو قصد دونوں طرف لگ سکتا ہے
اور جو کہے اسی نے ایک طرف لگا دیا، سو بندے کی دریافت سے باہر
ہے۔ بندے سے معاملت ہے اس کی سمجھ پر، بندہ بھی پکڑے گا اسی کو
جو اس سے بدی کرے نہ کہے گا کہ اس کا قصور۔ اللہ نے کروایا۔
نوٹ الانفال ۲۳، ۲۴ کے فائدہ پر بھی نظر ڈال لیجئے

سورۃ الزخرف آیت ۲۰ کے فائدہ میں لکھا ہے۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ — اور کہتے ہیں، اگر چاہتا رحمٰن! نہ
مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ — پوجتے۔ ان کو کچھ خبر نہیں ان کو اس کی
بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا — یہ سب اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔
يَخْرُصُوْنَ

فائدہ :۔ یعنی سچ تو یہ ہے کہ بن چاہے خدا کے کوئی چیز نہیں، پر
اس کا بہتر ہونا نہیں نکلتا اس نے تریاق پیدا کیا اور زہر بھی، زہر کون
کھاتا ہے۔؟

مطلب یہ کہ خدا تعالےٰ نے قوت کی چیزیں بھی پیدا کیں اور ہلاک
کرنے والا زہر بھی پیدا کیا، اور ساتھ ہی ساتھ دونوں کے درمیان عقل
بھی عطا فرمائی اس کے باوجود اگر ایک آدمی گھی دودھ کی جگہ زہر کھالے
تو اس کی ذمہ داری اسی پر عائد ہو گی نہ کہ خدا تعالےٰ پر۔

اس آیت کے بعد فرمایا :۔

اَمْ اٰتَیْنٰھُمْ کتابا الخ۔ کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے ان کو اس سے پہلے ؟ سو یہ اس پر مضبوط ہیں۔

اس پر دو لفظی حاشیہ لکھتے ہیں

"یعنی بہتر ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے۔"

مطلب یہ کہ کتاب ہدایت کا دیا جانا اس بات کی دلیل ہے، کہ حق تعالےٰ اس راہ کو پسند کرتا ہے اور وہ راہ ہے اسلام کی نہ کہ کفر کی۔

سورہ النمل نمبر ۲۵ میں بھی اسی طرح کی ایک آیت ہے اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فائدہ بڑا اچھا تحریر ہے۔

فرماتے ہیں:۔

یہ نادانوں کے کلام ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا۔؟

آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام برے ہیں، پھر وہ کیوں ہوتے ہیں؟

یہاں جواب مجمل فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں، اسی سے جس کی قسمت تھی ہدایت پائی جو خراب ہوتا تھا خراب ہوا، اللہ کو یہی منظور ہے

تقدیر کی دو قسموں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا

یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور رکھتا

وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ ہے اور اسی پاس ہے اصل کتاب

الرعد ۳۹

فائدہ :۔ دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے، بعضے اسباب ظاہر ہیں، بعضے چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے، جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے۔ جب چاہے ویسی ہی رکھے آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور گولی سے بچتا ہے۔

اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے، وہ ہرگز نہیں بدلتا اندازہ کو تقدیر کہتے ہیں۔

یہ دو تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی۔ پہلی تقدیر کو معلق اور دوسری کو مبرم کہتے ہیں

مومن ماں باپ کی اولاد کافر کیوں ؟

تقدیر کے اس پہلو کو واضح کرتے ہوئے لکھا۔

اور وہ لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے، ایمان پر، پھر ہم ڈرے کہ ان کو عاجز کرے زبردستی اور کفر کر کر۔ (الکہف ۸۰)

فائدہ :۔ یعنی اگر وہ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اس کے ماں باپ اس کے ساتھ خراب ہوتے۔

بعضے آدمی کی بنیاد بری پڑتی ہے اور بعضے کی بھلی، جیسے ککڑی کھیرا، کوئی بیج میٹھا پڑا کوئی کڑوا، اگرچہ اصل میں ککڑی کھیرا میٹھا ہے آدمی کی بنیاد مسلمانی پر ہے۔ یعنی معنی سمجھنے چاہیں۔

مطلب :۔ حدیث میں آتا ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ

يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ ۔
ہر بچہ اصل فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے ۔ اس کے ماں باپ (ماحول) اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی ۔
حضرت خضرؑ نے جس بچہ کو ہلاک کیا، وہ واقعہ اس کلیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، شاہ صاحبؒ نے اس کا جواب دیا ہے

اتباع واطاعت سنت وبدعت وسیلہ وتوسل

محبت الٰہی شریعت الٰہیہ کے تحت ہونی چاہیئے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ	تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی
تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ	تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے اور
اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ	بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ ۔ قُلْ	والا مہربان ہے، تو کہہ حکم مانو اللہ کا
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ	اور رسول کا پھر اگر وہ ہٹ رہیں تو
تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ	اللہ نہیں چاہتا منکروں کو ۵۵
الْكٰفِرِيْنَ ال عمران ۳۱-۳۲	

فائدہ :۔ یعنی کوئی کسی کی محبت کا دعوےٰ کرے تو اسی طرح محبت کرے جس طرح محبوب چاہے نہ جس طرح اپنا جی چاہے اور اسی طرح چاہے تو محبوب اس کو چاہے اور اللہ بندوں کو چاہے تو یہی کہ ان پر مہربان

ہو اور گناہ پر نہ پکڑے اور خیالات عبث ہیں۔

فائدہ ۱؎ یعنی بندے کی محبت یہی شوق سے اللہ کے کام پر اور حکم پر دوڑے۔

فائدہ ۲؎ اب آگے مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محبت کے لفظ فرمائے ہیں یا پسند کے لفظ فرمائے ہیں ایسے لفظ سے شبہ نہ کھانا چاہیئے۔

بدعت کیا ہے؟

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ	اے ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے اور ضائع مت کرو اپنے کیئے ۱؎

(المحمد ۳۳)

فائدہ ۱؎ یعنی جہاد کرنا یا کچھ محنت کرنی اللہ کی راہ میں، جب قبول ہے کہ موافق حکم ہو، اپنے چاؤ پر کام نہ کرے۔

غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔	اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا ایسوں کو کہ مختار نہیں ان کی روزی کے آسمان و زمین سے کچھ اور نہ مقدور رکھتے ہیں۔

فائدہ :- مشرک کہتے ہیں کہ مالک اللہ ہی ہے یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ اس واسطے ان کو پوجتے ہیں۔ سو یہ غلط مثال ہے۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے کسی پر سپرد نہیں کر رکھا۔

سارا معاملہ بندوں کا اپنے خدا سے پڑتا ہے

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی	کیا کہتے ہیں؟ اس نے باندھا
عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَاِنۡ یَّشَاِ	اللہ پر جھوٹ سو اگر اللہ چاہے مہر
اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِکَ وَ	کر دے تیرے دل پر اور مٹا دے
یَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ وَیُحِقُّ	اللہ جھوٹ کو، اور ثابت کرتا ہے
الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ	سچ کو اپنی باتوں سے اللہ کو معلوم ہے
بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۔ الشوریٰ	جو دلوں میں ہے۔

(۲۴ ص ۸۰۳)

یعنی پیغام پہنچاتا ہے اور بندوں کو سب معاملات اپنے رب سے ہے۔

وسیلہ کا مطلب کیا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا	اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ
اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ	سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ
وَجَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ	اور لڑائی کرو اس کی راہ میں شاید
تُفۡلِحُوۡنَ ۔	تمہارا بھلا ہو۔

(المائدہ ۳۵-)

فائدہ :۔ یعنی رسول کی اطاعت میں جو نیکی کرے وہ قبول ہے اور بغیر اس کے عقل سے کرے سو قبول نہیں ۔

مطلب :۔ اصلی وسیلہ امت کے لیے "اطاعت رسول" یعنی حکم رسول کے مطابق نیکی کرنا ہے اسی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت آخرت میں چلے گی ۔ اور وسیلہ سب کا پیغمبر ہے ۔ آخرت میں انہی کی شفاعت ہوگی ۔ (بنی اسرائیل آیت ۵۷ پر فائدہ دیکھو ص۴۷۵)

صرف مذہبی حمیت اور جھگڑے کافی نہیں

نصاریٰ نے جب مذہب کی تعلیم پر عمل چھوڑ دیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے اندر بغض و عداوت ڈال دی (المائدہ ۱۴)

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کے کلام سے اثر پکڑنا اور حکم شرعی پر محبت سے قائم رہنا چھوٹ جاوے اور فقط مذہب کا جھگڑا اور حمیت رہ جاوے تو راہ سے بہکے ، آج یہی صورت حال ہے ۔

باپ دادا کی دعوی کا دعوای غلط ہے

وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا ۔ ۔ ۔ ۔ الاعراف ۲۸

سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

فائدہ :- یعنی سن چکے کہ پہلے باپ نے شیطان سے فریب کھایا پھر باپ کی کیوں سند لاتے ہو۔ ملا ۲۵

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہر نیکی کا ثواب دوگنا

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر، دیوے تم کو دو بوجھے اپنی مہر سے اور رکھ دے تم میں روشنی جس کو لیے پھرو اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا ہے۔

(الحدید ۵۷)

فائدہ :- یعنی اس رسول کے تابع ہو کر یہ نعمتیں پاؤ اور وہ دونا ثواب ہر عمل کا اور روشنی لیے پھرو۔ یعنی تمہارا وجود نورانی ہو جاوے

جہادِ اسلامی، جبر و اکراہ، حقیقت جہاد

جہادِ اسلامی کی حقیقت

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ	ترجمہ :- اور لڑو ان سے جب تک نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے اللہ کا

البقرہ ۱۹۳

فائدہ :۔ یعنی لڑائی کافروں سے اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور دین سے گمراہ نہ کر سکیں۔ اور حکم اللہ کا جاری رہے۔ اگر تابع ہو کر رہیں تو لڑائی کی حاجت نہیں اور ایمان تو دل پر موقوف ہے، زور سے مسلمان کرنا کیا حاصل، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتنہ کی تشریح یہ کی ہے۔ "والفتنۃ اکبر من القتل"۔ ترویج شرک فتح

"انفال نمبر ۶۷ ف ۳" یہ آیت اتری عتاب کی یعنی نبیوں کو جہاد سے مال سمیٹنا منظور نہیں بلکہ کافروں کی ضد توڑنی، وہ بات اسی میں ہے، کہ قتل کرے تا اس کے خوف سے کفر کی ضد چھوڑیں۔

ترک جہاد ہلاکت ہے

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا (البقرہ ۱۹۵)	ترجمہ :۔ اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں

فائدہ نمبر ۸ یعنی چھوڑ کر جہاد نہ بیٹھو اسی میں تمہارا ہلاک ہے۔

راہ جہاد میں کفر سے مکمل برأت ضروری ہے

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

النساء ۱۴۱)

ف ۱ جو شخص ایک مجلس میں اپنے دین کے عیب سنے پھر اہی

میں بیٹھے اگرچہ آپ نہ کہے وہی منافق ہے۔
ف ۲ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص راہِ حق میں ہو اور گمراہوں سے بھی بنائے رکھے یہ بھی نفاق ہے۔

علمِ دین حاصل کرنا اور جہاد کرنا، فرض کفایہ ہے

التوبہ نمبر ۱۲۲ "یعنی ہر قوم میں سے چاہیئے کہ بعضے لوگ پیغمبر کی صحبت میں رہیں تا علم سیکھیں اور پچھلوں کو سکھاویں، اب پیغمبر موجود نہیں لیکن علمِ دین موجود ہے، طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔

اسلام میں جبر و اکراہ

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ... الخ .... زور نہیں دین کی بات میں۔ کھل چکی ہے صلاحیت اور بے راہی۔

فائدہ :- یعنی جہاد کرنا یہ نہیں کہ زور سے اپنا دعویٰ قبول فرماتے ہیں بلکہ جس کام کو سب نیک کہتے ہیں اور کرتے نہیں وہی کرواتے ہیں۔
فائدہ نمبر ۲ :- "یعنی جہاد ہے کافروں کی ضد توڑنے کو اور ہدایت اللہ کرتا ہے جس کی قسمت میں رکھی ہے۔"
الانفال نمبر ۳۹ پر فائدہ ص ۳
لڑو جب تک فساد نہ رہے یعنی کافروں کو زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس آیت پر یہ نوٹ درج ہے۔

یعنی جہت اسلام ظاہر شود پس گویا جبر کردن
نیست اگرچہ فی الجملہ جبر باشد (فتح الرحمٰن)

جہاد تربیت خلق ہے

وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ — ترجمہ:۔ اور اللہ ظلم نہیں چاہتا، جہاں والوں پر۔

فائدہ:۔ یعنی جہاد اور امر بالمعروف کا جو حکم فرمایا، یہ ظلم نہیں خلق پر، ان کی تربیت ہے

نیکی اور بدی عذاب و ثواب لے اعتقاد اور گناہ گار میں فرق

گناہ کے ارادہ پر مواخذہ نہیں

قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَۃِ رَبِّہٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ الحجر ۵۶ — اور کون آس توڑے اپنے رب کی مہر سے، مگر جو راہ بھولے ہیں۔

فائدہ:۔ عذاب سے نڈر ہونا اور فضل سے ناامیدی دونوں کفر کی باتیں ہیں، یعنی آگے کی خبر اللہ کو، ایک بات پر دعویٰ کرنا یقین کر کر، یہی کفر کی بات ہے لیکن دل کے خیال پر پکڑ نہیں، جب منہ سے دعوے

کرے تب گناہ آتا ہے ۔

آیت نمبر ۶۰ پرف ۲

حق تعالےٰ بغیر تقصیر ظاہر کے عذاب نہیں کرتا، ایک حکم ایسا بھیجا کہ اس سے نہ ہوسکا وہ یہ کہ منہ پھر کر دیکھو پھر اس گناہ پر عذاب میں پکڑا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر ہے

مصیبت برے عمل کا نتیجہ مگر نبی اور بچے مستثنیٰ ہیں

وما اصابکم من	ترجمہ :۔ اور جو کوئی پڑے تم پر
مصیبۃ فبما کسبت	کوئی سختی سو بدلا اس کا جو کمایا تمہارے
ایدیکم و یعفوا عن کثیر	ہاتھوں نے، اور معاف کرتا ہے
الشوریٰ ۳۵ صـ ۸۰۴	بہت۔

فائدہ :۔ یہ خطاب عاقل بالغ لوگوں کو ہے، گناہگار ہوں، یا نیک مگر نبی نہیں داخل اور لڑکے ان کو اور کچھ واسطے ہوگا اور سختی دنیا کی بھی آگئی اور قبر اور آخرت کی بھی۔

مصائب کی شدت میں ناامیدی فطری ہے اس پر مواخذہ نہیں

حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ	ترجمہ :۔ اور ناامید ہونے گئے
الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ	رسول، اور خیال کرنے لگے کہ ان سے
کُذِبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا	جھوٹ کہا گیا تھا، پہنچی ان کو ہماری مدد
یوسف ۱۱۰ صـ ۴۰۵	

فائدہ :- یعنی وعدہ عذاب کو دیر لگی یہاں تک کہ رسول ناامید ہونے لگے کہ شاید ہماری زندگی میں نہ آیا پیچھے آوے اور ان کے بار خیال کرنے لگے کہ شاید وعدہ خلاف تھا۔

اتنے خیال سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ اگر جانتا ہے کہ یہ خیال بد ہے۔

مومن اور کافر ایک دوسرے کے لیے آزمائش

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ	ترجمہ :- اور ہم نے رکھا ہے تم میں
لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ	ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں
وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا	ثابت رہتے ہو

(الفرقان ۲۰ ص ۵۹۹)

فائدہ :- پیغمبر ہیں کافروں کا ایمان جانچنے کو اور کافر ہیں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔

مصیبت اپنے وقت پر جاتی ہے

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ	ترجمہ :- اور مانگتا ہے آدمی برائی
بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ	جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان
الْإِنْسَانُ عَجُولًا	اتاولا
(بنی اسرائیل ص ۶۷۴)	اور ہم نے بنائے رات دن دو نمونے الخ

فائدہ :۔ یعنی گھبرانے سے فائدہ نہیں، ہر چیز کا وقت و اندازہ مقرر ہے جیسے رات اور دن، کسی کے گھبرانے سے اور دعاء سے رات کم نہیں ہو جاتی، اپنے وقت پر آپ صبح ہوتی ہے اور دونوں نمونے اس کی قدرت کے ہیں۔

گناہ کا راست آنا ہلاکت ہے

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَاۗءَنَا الضَّرَّاۗءُ وَالسَّرَّاۗءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (الاعراف ۹۵ ص ۲۶۶)

ترجمہ :۔ پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی، جب تک کہ بڑھ گئے اور کہنے لگے پہنچتی رہی ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی، پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہاں اور وہ خبر نہ رکھتے تھے۔

فائدہ :۔ بندہ کو گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آگیا تو یہ اللہ کا بھلاوا ہے۔ پھر ڈر ہے ہلاک کا، جیسے کسی نے زہر کھایا، اگل دے تو امید ہے اور پچ گیا تو کام آخر ہوا۔

"لعنۃ اللہ" کا اثر کیا ہے

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ نمبر ۸۹

سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر

فائدہ :۔ حق بات اثر نہ کرے یہ نشان ہے لعنت کا۔

مطلب :۔ منکرین حق کے پاس دنیا کا سازو سامان عیش پرہیز گاروں سے زیادہ ہوتا ہے۔

پھر اس پر لعنت کے کیا معنی؟...... شاہ صاحبؒ نے اس کا جواب دیا ہے۔

گناہ کا احاطہ کیا ہے

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ ۸۱)

ترجمہ :۔ کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہ لوگ ہیں دوزخ کے، وہ اسی میں رہ پڑے۔

فائدہ :۔ یعنی گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا۔

مطلب :۔ یہ کہ ندامت و شرمندگی سے گناہ کا اثر دور ہو جاتا ہے، شرمندگی کے اظہار کا نام ہی توبہ ہے۔

اچھی دعا کی قبولیت میں جلدی کیوں نہیں

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ الخ

ترجمہ :۔ یعنی آدمی چاہتا ہے کہ نیکی کا بدلہ شتاب ملے یا نیک دعا شتاب لگے۔ سو اگر حق تعالیٰ تو اپنی بدی کے وبال سے فرصت نہ پاوے

مگر دونوں میں تحمل ہوتا ہے۔ نیک لوگ تربیت پاویں اور بد لوگ غفلت میں پڑے رہیں۔

تکلیف وراحت قسمت کی ہے کفر واسلام سے کوئی تعلق نہیں

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (الاعراف ۱۳۱ ص ۲۷۲)

ترجمہ: سن لو شومی ان کی اللہ ہی پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فائدہ: یعنی شومی قسمت بد ہے، سو اللہ کی تقدیر سے ہے بھلائی یا برائی کا اثر ہوگا آخرت میں، اس کا جواب یہ نہ فرمایا کہ شومی ان کے کفر سے تھی۔ کیونکہ کافر بھی دنیا میں عیش کرتے ہیں، اصل حقیقت بھی جو فرمائی کہ دنیا کے احوال موقوف بر تقدیر ہیں۔

گناہ نہ کرنے کا دعویٰ نہ کرے

اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ

ترجمہ: اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو نہ معلوم ہو مجھ کو۔ اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں خرابی والوں میں۔

فائدہ ۲: حضرت نوح علیہ السلام نے توبہ کی لیکن یہ نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندے کو کیا مقدور ہے۔ اسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر نہ ہو۔

صبر ہو تو بلا سے زیادہ عطا ملے

اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ وَ	البتہ جو کوئی پرہیز گار ہوا اور ثابت
یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ	رہے تو اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں
الْمُحْسِنِیْنَ	کا۔

فائدہ ۳ :- جس پر تکلیف پڑے اور وہ شرع سے باہر نہ ہو اور گھبراوے نہیں تو آخر بلا سے زیادہ عطا ملے۔

کفارۂ سیئات کے تین طریقے

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ	البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں
السَّیِّاٰتِ (ھود ۱۱۴ ص ۳۸۴)	کو۔

فائدہ :- نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو تین طرح۔

۱ :- اور جو نیکیاں کرے اس سے اس کی برائیاں معاف ہوں۔

۲ :- اور جو نیکیاں پکڑے اس سے خو برائیوں کی چھوٹے۔

۳ :- اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو وہاں ہدایت آوے اور گمراہی مٹے۔

لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہیئے۔ جتنا میل اتنا صابون۔

فوائد کا خلاصہ

طوفانِ نوحؑ کے بعد عذاب عام نہ آنے کا اعلان۔

عجیب استدلال ...... ہود ۹۸

دوزخ اور جنت بھی دائمی اور ذاتِ حق بھی دائمی مگر دونوں کے درمیان فرق ...... ہود ۱۰۸

قہر الٰہی اور مہر الٰہی ساتھ ساتھ کیوں

نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ وَاَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ۔ (الحجر ۵۰)

ترجمہ:۔ خبر سنادے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان اور یہ بھی کہ میری مار، وہی دکھ کی مار ہے۔

فائدہ:۔ اگلا قصہ فرمایا کہ ایک بار فرشتے اتارے، ایک جا خوشخبری دیتے اور ایک جا پتھر برساتے، تا معلوم ہو اس کی دونوں صفتیں پوری ہیں، بندے نہ دلیر ہوں نہ آس توڑیں

ان فرشتوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری دینے آئے تھے اور ساتھ ہی قوم لوطؑ پر پتھر برسانے بھیجے گئے تھے۔ صـ۴۳۶

نیکی پر وعدہ اور برائی پر سکوت کیوں

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ

جو کوئی لایا بھلائی اس کو ملنا ہے اس سے بہتر، اور جو کوئی لایا برائی سو برائیاں کرنے والے وہی سزا

اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ — پاویں گے جو کرتے تھے

(بنی اسرائیل ۸۴)

فائدہ :- نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا، وہ ملتا ہے مقرر، اور برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ شاید معاف ہو۔ مگر یہ فرمایا کہ اپنے کیے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔ ص ۶۵۶

کفر و گناہ ہی دراصل دوزخ ہیں

وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ — شتاب مانگتے ہیں تجھ سے عذاب

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ — اور دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو۔

(العنکبوت ۵۴)

فائدہ :- یعنی آخرت کا عذاب عبث مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر اور یہ برے کام، مرنے پر نظر آوے گا، دوزخ کی آگ ہے جلاتی۔

کافر کی نیکیاں کیوں کر برباد کی جاتی ہیں

وَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ — پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے ان کے کیے

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا — اور یہ ہے اللہ پر آسان۔

(الاحزاب ۱۹)

فائدہ :- جہاں حبطِ اعمال کا ذکر ہے تو فرمایا ہے، یہ اللہ پر آسان ہے، یعنی حکمت میں اللہ کے کسی کی محنت ضائع کرنی تعجب لگتی ہے لیکن

حبط کرنے پر آدے اس عمل ہی میں ایسا نقصان پڑے جس سے وہ درست ہی نہ ہو، جیسے عمل بے ایمان کا کہ ایمان شرط ہے ہر عمل کی۔

خوشخبری نہیں دی جاتی

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔

اور اگر تم چاہتیاں ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو، اللہ نے رکھ چھوڑا ہے ان کو جو تم میں نیکی پر ہیں، نیگ بڑا۔

(الاحزاب ۲۹)

فائدہ :۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ فقر و فاقہ تھا، اپنے اختیار رہوتا تھا، شتاب اٹھا ڈال دیتے تھے۔ پھر قرض لینا پڑتا، یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر رہیں ان کو بڑا نیگ ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں مگر حق تعالےٰ صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے، خاتمہ کا ڈر لگا رہے ص۶۹۸

بڑوں کو اجر بھی بڑا اور سزا بھی بڑی

ازواجِ مطہرات سے کہا گیا، اگر تم غلط راہ چلو گی تو۔۔۔۔۔۔۔

يُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔۔۔۔ دونی ہو اس کو مار دوہری

۔۔۔۔۔۔ اور اگر اطاعت گزار ہو گی تو۔۔۔۔۔۔۔۔

نُؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ۔۔۔۔ دیں ہم اس کو اس کا نیگ دوبار۔۔

الاحزاب۔ ۳۰۔ ۳۱

فائدہ :۔ یہ بڑے درجے کا لازمہ ہے، نیکی کا ثواب دونا، اور برائی کا عذاب دونا۔ پیغمبر کو بھی فرمایا . . . . .

الخ !!. . . . .

توبۃ النصوح کیا ہے

تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ تَوبَۃً نَصُوحًا (التحریم ۸)	توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ

فائدہ :۔ صاف دل کی توبہ یہ کہ دل میں خیال نہ رہے اس گناہ کا صـ ۹۳۴

جزا و سزا کا اصول

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّورِ	پھر جس وقت پھونک مارے صور
فَلَا اَنسَابَ بَینَھُم یَومَئِذٍ	میں تو نہ ذاتیں ہیں اس میں اس دن،
وَلَا یَتَسَاءَلُونَ	نہ آپس میں پوچھنا۔

فائدہ :۔ یعنی باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔ صـ ۵۷۶

المومن ، میں جو کچھ فرمایا وہ خالص فضل و کرم کی بات

رسول و نبی بے اختیار ہوتے ہیں

سزا دینے یا معاف کرنے کا اختیار نبی کو حاصل نہیں ہوتا۔
التوبہ ۱۰۶ کا فائدہ دیکھو، نبی کا کام حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔

عبادات، روزہ اور نماز اور زکوٰۃ کی حقیقت

عبادت سے دنیا قائم ہے

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ (نوح ۳)

بولا نوحؑ اے میری قوم! میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی اور اس سے ڈرو، اور میرا کہا مانو، کہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک ٹھہرے وعدہ تک۔

فائدہ :- یعنی بندگی کرو کہ نوع انسان رہے دنیا میں قیامت تک اور قیامت کو دیر نہ لگے گی اور جو سب مل بندگی چھوڑ دو تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ، طوفان آیا تھا ایسا ہی کہ ایک آدمی نہ بچے، حضرت نوح علیہ السلام کی بندگی سے ان کا بچاؤ ہو گیا۔

مطلب :- اصولِ قدرت تو یہ ہے کہ جب اکثریت بگڑ جائے تو ساری قوم کی ہلاکت ہو، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نیک بخت اقلیت کیسے بچی؟ اس کا جواب دیا کہ وہ حضرت کی عبادت سے

بچی، ورنہ وہ بھی مستحق ہلاکت ہو چکی تھی۔

سجدہ ہی میں انسان کی بڑائی ہے

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ (النحل ۴۹)

اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے کوئی جانور اور فرشتے اور وہ بڑائی نہیں کرتے۔

فائدہ :۔ مغرور لوگوں کو سر رکھنا زمین پر مشکل پڑتا ہے، نہیں جانتے کہ بندے کی بڑائی اسی میں ہے ص ۳۴۸

جنسی اختلاط کا مقصد

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (البقرۃ ۲۲۳)

فائدہ :۔ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تمہاری، سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے۔

فائدہ ۲ :۔ یعنی جس راہ سے چاہو جاؤ لیکن کھیتی ہی میں کھیتی وہی جہاں تخم ڈالے تو اوگے اور آگے کی تدبیر کرو۔ یعنی اس صحبت میں نیت چاہیئے۔ اولاد کی تا ثواب ہو۔

خیرات کھلی یا چھپی؟

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا

اگر کھلی دو خیرات کو کیا اچھی بات ہے اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ

فائدہ :۔ یعنی حق سمجھانے سے فراغت پاوے تو خلوت کی عبادت میں لگ "۔

عدل و سیاست، اجتماعیت اور غلبہ اسلام

غلبہ اسلام، عہدِ رسالت اور کچھ عہدِ خلافت میں

وَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ	اور اگر ہم دکھا دیں گے تجھ کو کوئی ان وعدوں میں سے جو دیتے ہیں ان کو پوری کر دیں گے تیری عمر، سو ہماری طرف ہے ان کو پھر آنا، پھر اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں۔
یونس ۴۶	

فائدہ :۔ یعنی غلبہ اسلام کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوا اور باقی ان کے خلیفوں سے ۔

نبوت کے ساتھ حکومت اور اس کے لئے تربیت

یوسف آیت ۲۱ - یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز کی غلامی میں کیوں پہنچایا اس پر فائدہ ...... اور یہ بھی منظور تھا کہ سرداروں کی صحبت دیکھیں۔ تا رمز و اشارہ سمجھنے کا کمال پکڑیں اور علم خدائی پورا پاویں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضورؐ کا زمانہ ہجرت آٹھ سال

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال وطن سے دور رہ کر حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کی اس سے استدلال کر کے شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

القصص نمبر ۲۷ کا فائدہ

ہمارے حضرتؐ بھی وطن سے نکلے، سو آٹھ برس پیچھے آکر مکہ فتح کیا ۔ اگر چاہتے اسی وقت شہر خالی کرواتے کافروں سے لیکن اپنی خوشی سے دس برس بعد پیچھے کافروں سے پاک کیا۔

تشریح :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ماہ رمضان کی بیس تاریخ کو مکہ فتح کیا پھر ماہ ذی الحجہ ۹ ھ میں کفار سے برأت و بیزاری اور حدودِ حرم سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔

اس حکم کی تفصیل یہ ہے کہ قبیلہ قریش کو ۱۰ھ محرم کے آخر تک مکہ سے نکل جانے یا توبہ کرنے کا حکم دیا۔ بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے ساتھ کیے گئے معاہدہ میں ۹ مہینے باقی تھے اس لیے انہیں دس رمضان المبارک ۱۰ھ تک مہلت دی گئی۔ عرب کے دوسرے قبائل کو جن سے کوئی معاہدہ نہ تھا یا معاہدہ تھا تو غیر میعادی تھا۔ انہیں دس ربیع الثانی ۱۰ھ تک مہلت دی گئی۔

اس طرح دس سال کے بعد مکہ معظمہ کلی طور پر منکرین حق سے پاک ہو گیا۔

بدعہدی زوال کا پیش خیمہ ہے

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي	اور نہ ہو جیسے وہ عورت ، کہ توڑا
نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ	اپنا سوت کا تا محنت کیے پیچھے ،
قُوَّةٍ أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ	ٹکڑے ٹکڑے کہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں
أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن	پیٹھنے کا بہانہ ایک دوسرے میں اس
تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ	واسطے کہ ایک فرقہ ہو کہ زیادہ چڑھ
أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ	رہا دوسرے سے ، تو یہ اللہ پرکھتا
(النحل ۹۲)	ہے تم کو اس سے ۔

مطلب :۔ تمہاری حالت اس عورت کی طرح نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت کاتا اور پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ، تم اپنی قسموں کو مکر و فریب کا ہتھیار بناتے ہو کہ ایک قوم سے زیادہ فائدہ حاصل کرے ۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ اِس عہد و پیمان کے ذریعہ تمہیں آزماتا ہے ۔

یعنی عہد و پیمان کو کچے دھاگے کے برابر سمجھنا کہ جب چاہا ، توڑ دیا اور جب چاہا جوڑ دیا سخت ناعاقبت اندیشی ہے ۔

فائدہ :۔ کوئی قول دے کر دغا کرتا ہے اسی واسطے کہ زبردست کو گرا دے اور کمزور کو چڑھا دے ۔ یہ اللہ نے آزمانے کو رکھا ہے کسی کے بدلے سے بدلا نہیں جاتا ، ادبار سے اقبال وہی لا دے ، تو آوے اور بد قولی کا خیال بھی آتا ہے جب ادبار آنا ہوتا ہے ۔

دوسرا گرا یا نہ گرا، اول آپ گرتا ہے۔ اپنے بنے کام خراب کرتا جیسے ایک عورت دیوانی تھی۔ مالدار۔ سارے برس سوت کتواتی کہ جڑا دوں کی اقرباء کو، جب جاڑا شروع ہوتا سوت کتر کر بوٹی بوٹی سب کو بانٹتی۔

مکہ معظمہ واپس لانے کی پیش گوئی

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص ۸۵)	جس شخص ہستی نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔

فائدہ :۔ پھیر لاوے گا پہلی جگہ، یہ آیت اتری ہجرت کے وقت یہ تسلی فرمائی کہ پھر مکہ میں آوگے، سو خوب طرح آئے پورے غالب ہوکر۔

تشریح :۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خدا تعالیٰ کی ذات پر لفظ شخص کا اطلاق کیا ہے جواب بالکل متروک ہے اس کی جگہ ہستی کا لفظ بہتر ہے۔

معاد کے لغوی معنے عود "لوٹنے" کی جگہ، لوٹنے اور واپس آنے کی جگہ موجودہ جگہ کے لحاظ سے پہلی جگہ ہوتی ہے اس لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی جگہ ترجمہ کیا، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لغوی معنی اختیار کیے۔

مولانا تھانویؒ نے شاہ صاحبؒ کی توجیہہ پسند کی لیکن ترجمہ

کیا، اصلی وطن مکہ معظمہ۔

بعض نے معاد سے "موت"، بعض نے جنت بعض نے آخرت اور بعض نے مقام محمود مراد لیا ہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباسؓ (کما رواہ البخاری) کے قول کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان تمام اقوال میں تطبیق دے کر اس طرح تقریر کی ہے کہ معاد سے اس جگہ مکہ مراد ہے۔ فتح مکہ اعلان تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال و موت کے قریب ہونے کا جیسا کہ سورۃ النصر میں اس اشارہ کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے۔ وصال کے بعد حشر و نشر کی منزل ہے پھر آخرت کی اور آخرت کے بعد جنت بمقام محمود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری مقام ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں بشارت ہے کہ آپ جس شان کے ساتھ پہلی جگہ اور دنیا کے اصلی وطن مکہ کی طرف واپس آئے ہیں اسی طرح آپ کی ہر واپسی پوری طرح شان و شوکت کے ساتھ واقع ہوگی۔

کبھی اسلام غالب اور کبھی کفر غالب

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ	رات پیٹھتا ہے (داخل کرتا ہے) دن میں اور دن پیٹھتا ہے رات میں اور کام میں لگایا سورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہرائے

مُسَمًّى الفاطر ١٣ وعدہ پر۔

فائدہ :۔ یعنی رات دن کی طرح کبھی کفر غالب ہے اور کبھی اسلام اور سورج چاند کی طرح ہر چیز کی مدت بندھی، دیر سویر نہیں ہوتی۔

دین کا مادی غلبہ اور علمی غلبہ

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ	وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ	راہ پر، اور سچے دین پر کہ اوپر رکھے
الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ	اس کو ہر ایک دین سے اور بس ہے
كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا	اللہ حق ثابت کرنے والا۔

الفتح ٢٨

فائدہ :۔ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سب سے غالب کر دیا ایک مدت اور دلیل سے غالب ہے ہمیشہ۔

اولوالامر کون لوگ ہیں

وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ جو اختیار والے تم میں۔

فائدہ :۔ اختیار والے پادشاہ اور قاضی اور جو کسی کام پر مقرر ہوا، اس کے حکم پر چلنا ضرور ہے جب تک وہ خلاف خدا اور رسول حکم نہ کرے اگر صریح خلاف کرے تو وہ حکم نہ ماننے۔

اجتماعِ امت رضائے حق ہے

وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ (النساء ۱۱۵) — اور چلے سب مسلمانوں کی راہ سے سوائے۔

فائدہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدی راہ پکڑی وہ جا پڑا دوزخ میں، پس جس بات پر امت کا اجماع ہوا، وہی اللہ کی مرضی ہے اور منکر ہو سو دوزخی ہے۔

اجتماعی اطاعت پر دنیا بھی اور آخرت بھی

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (النساء ۱۳۴) — جو چاہتا ہو انعام دنیا کا سو اللہ کے ہاں ہے انعام دنیا کا اور آخرت کا۔

فائدہ:۔ یعنی سب مل کر شرع پر قائم رہو تو اللہ دنیا بھی دے اور آخرت بھی۔

خلافت اور امامت میں کیا فرق ہے

الاعراف ۱۵۰ کے فائدہ میں لکھتے ہیں:۔

خلیفہ وہ کہ امت کو دین اور دنیا کے بندوبست میں رکھے جس طرح پیغمبر سنوار گیا تا نصرتِ حق ان کے ساتھ رہے

اور امام وہ کہ پیغمبر کا یادگار ہو جو خدمت اور نیاز پیغمبر سے منظور ہو سو امت ان سے کرے تا برکت اور قبول پاویں توریت میں امام کے

لوازم دیکھیں تو معلوم ہو۔

فلسفۂ انقلاب کیا ہے؟

وَلَوْلَا دَفْعُ النَّاسِ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ

فائدہ :۔ اللہ قادر ہے، جو چاہے ایک دم میں کرے، انسان سے یہی معاملہ ہے، بھلے برے آپس میں سزا پاویں۔

امت محمدیہ علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم

کی برتری اور بزرگی، بڑوں کی وجہ سے چھوٹوں کے درجات میں ترقی وسیلہ و شفاعت

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا (الاحزاب ۴۷)

یعنی سب امتوں سے برتر یہی امت ہے۔
(فائدہ نمبر ۳ ص ۰۱)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ .... النَّبِيّٖنَ ۔ (ایضا ۴۰)

یعنی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو، مگر رسول اللہ کا ہے، اس حساب سے سب اس کے بیٹے ہیں اور پیغمبروں پر مہر ہے اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں، یہ بڑائی اس کو سب پر ہے

اس امت کے اچھے اور برے دونوں بخشے جائیں گے

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (الفاطر ۳۲)

پھر ہم وارث کیے کتاب کے وہ جو چنے ہم نے اپنے بندوں میں سے۔ پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں سے ہے کہ آگے بڑھ گیا، لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی۔ باغ ہیں بسنے کے جن میں جاویں گے

فائدہ :۔ یعنی پیغمبر کے بعد کتاب کے وارث کیے ایک اور چنے بندے، یعنی یہ امت۔ ان میں تین درجے بتلائے، ایک گناہ گار، ایک میانہ، ایک اعلیٰ۔ سب گناہ چنے بندوں میں، امید ہے کہ آخر سب بہشتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارا گناہ گار قابل معافی ہے اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑھے، سو سب سے آگے بڑھے اللہ تعالیٰ کریم ہے اس کے ہاں کمی نہیں۔

مطلب :۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے چنے ہوئے اصطفینا سے استدلال کر کے پوری امت کو جنتی کہا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے اس استدلال کا ماخذ سلف کا یہ قول ہے،

وکذا روی من غیر واحد من السلف ان الظالم لنفسہ من ھذہ الامۃ من المصطفین علی ما فیہ من عوج و تقصیر۔	یعنی اکثر نے کہا ہے کہ گناہ گار ظالم بھی اسی امت میں شامل ہے اپنی تمام کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود جس امت کو خدا تعالٰے نے چنا ہوا فرمایا ہے۔

(ابن کثیر ج ۴ ص۵۵۴)

شاہ صاحب کی تائید میں احادیث اور آثارِ صحابہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں طبقوں کو اِس امت میں شامل فرمایا ہے، کیونکہ شاہ صاحبؒ کے سامنے مفسرین کی وہ تمام بحث تھی جو اس آیت کی تفسیر کے تحت اِن حضرات کے ہاں ملتی ہے چنانچہ ابن کثیر نے اس تمام بحث کا خلاصہ لکھا ہے اور حسبِ ذیل حدیثیں اور آثارِ صحابہ نقل کیے ہیں۔

۱ :- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ تینوں طبقے اسی امت کے ہیں جسے اللہ تعالٰے نے تمام آسمانی کتابوں کا وارث بنایا ہے، اس امت کے ظالم (گنہگار) کی مغفرت کی جائے گی اس کے میانہ درجہ والے کو آسان حساب لے کر بخش دیا جائے گا، اِس کے مقربین کو بلا حساب کتاب جنت میں داخل کیا جائے گا۔

مطلب :- ابن عباسؓ نے الکتاب پر الف لام استغراق کا قرار دیا ہے اور اس سے تمام کتابیں مراد لی ہیں۔

۲: عن عوف بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال امتي ثلاثة اثلاث، ثلث يدخلون الجنة بغير حساب ولا عذاب

وثلث يحاسبون حسابا يسيرا ثم يدخلون الجنة

وثلث يمحصون ويكشفون ثم تأتي الملئكة فيقولون وجدناهم يقولون لا اله الا الله وحده، يقول الله تعالى صدقوا، لا اله الا انا ادخلوهم الجنة بقولهم لا اله الا الله وحده واحملوا خطاياهم على اهل النار

حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے تین طبقے ہیں۔ ایک تہائی ان میں سے بے حساب اور بغیر عذاب جنت میں داخل ہو جائیں گے یہ سابقون ہوں گے ایک تہائی ان کا حساب آسان کر کے لیا جائے گا پھر وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے یہ مقتصد یعنی درمیانہ روش والے لوگ ہوں گے۔

ایک تہائی طبقہ کو تحقیق و تفتیش کے لیے میدانِ محشر میں روک لیا جائے گا، پھر تحقیق کے بعد فرشتے آ کر اللہ کی جناب میں عرض کریں گے، خداوندا! یہ لوگ لا الہ الا اللہ وحدہ کا اقرار کر رہے ہیں، خدا تعالے فرمائے گا یہ سچے ہیں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، اچھا انہیں جنت میں داخل کر دو۔ اس اقرار توحید کی وجہ سے اور ان کی خطاؤں کو اہلِ دوزخ پر ڈال دو۔

حضرت ابو درداء کی روایت میں ہے کہ بس میدانِ محشر میں اس گنہگار طبقہ کو رنج و غم پہنچے گا اور پھر جب انہیں نجات دی جائے گی تو یہ کہیں گے:۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ	اور شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم
الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ	سے غم! بے شک ہمارا رب بخشتا
اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ نِ الَّذِیْ	ہے قبول کرتا، جس نے اتارا ہم کو
اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ	رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے نہ
لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا	پہنچے ہم کو اس میں مشقت اور نہ پہنچے
يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۔	ہم کو اس میں تھکنا۔

ایک گروہ نے "ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ" کو امت سے خارج قرار دیا ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت کعب احبار فرماتے ہیں یہ تینوں گروہ اسی امت میں داخل ہیں اور جنتی ہیں کیونکہ اس آیت کے بعد ہی منکرین کا علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ

محمد ابن حنفیہ کا قول بھی یہی ہے اور امام محمد باقر فرماتے ہیں ظالم وہ طبقہ ہے جس کے پاس نیکیاں اور برائیاں دونوں ہیں۔ ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۳

فائدہ :۔ پہلے کہا پہلی امتوں کو اور پچھلے یہ امت، یا پہلے پچھلے اس امت کے یعنی اعلیٰ درجہ کے لوگ پہلے بہت ہو چکے ہیں پیچھے کم

ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں دونوں احتمال بیان کیے ہیں اس لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دونوں قول نقل فرما دیئے پہلے قول کے مطابق یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کا درجہ مجموعی طور پر امت محمدیہ علی صاحبہا السلام سے بلند ہے کیونکہ سابقین ان امتوں میں اس امت سے زیادہ ہیں حالانکہ یہ بات قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس موقعہ پر لکھا ہے کہ پہلا قول اگرچہ مجاہدؒ اور حسن بصریؒ کا ہے جسے ابن جریر نے اختیار کیا ہے اس کے بعد حافظ ابنِ کثیر نے اپنا فیصلہ اِن لفظوں میں دیا ہے۔

الغرض یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے اور اس امت کے مقربین کی تعداد پچھلی امتوں سے زیادہ ہے کیونکہ اس امت کے دین کو اور اس امت کے نبیؐ کو تمام دینوں اور تمام نبیوں پر فضیلت حاصل ہے (ابن کثیر ج ۴ ص ۲۸۴ -)

صاحب روح المعانی نے قولِ ثانی کی ترجیح میں ایک حدیث سندِ حسن کے ساتھ طبرانی وغیرہ سے بروایت ابوبکرہ نقل کی ہے جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے خود یہ فرمایا ہے۔

هما جميعا من هذه الامة

یہ دونوں گروہ ثُلَّۃٌ وَّقَلِیْلٌ اسی امت کے ہیں مولانا

عثمانی (ص۶۹۳ ترجمہ شیخ الہند ص۶۹۳)

شاہ صاحب نے خود بھی کئی مقامات پر اس امت کی فضیلت پر جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی قولِ اول کی تردید کرتا ہے۔

حضورؐ کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں امت کی مدد ہو گی

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ	سو تو سہتا رہ، جو کہیں اور پڑھتا
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ	رہ خوبیاں اپنے رب کی، سورج
طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ	نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے اور
غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَاۗءِ الَّيْلِ	کچھ گھڑیوں میں رات کے پڑھا کر
فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ	اور دن کی حدوں پر، شاید تو راضی
تَرْضٰى طٰہ ۱۳۰	ہو گا۔

فائدہ :۔ دن کی حدوں پر پہر پہر پر وقت ہیں نمازوں کے سوائے پہلے پہر کے اور تو راضی ہو گا یعنی امت کو مدد ہو گی دنیا میں اور بخشش گناہوں کی آخرت میں تیری سفارش سے۔

حضور کی وجہ سے یہ امت عذاب سے محفوظ ہے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ	اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا	اور اس کی مہر دنیا اور آخرت میں البتہ
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ	تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی
فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ النور ۱۴	آفت بڑی۔

فائدہ :۔ یعنی اللہ نے اس امت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔

مطلب :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لوگوں نے جو بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا تھا آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس امت پر عذاب کی شکل خانہ جنگی ہے

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ	تو کہہ اسی کو قدرت ہے کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے، یا ٹھہرا دے تم کو کئی فرقے کر کر۔ اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی، دیکھ کس پھیر سے ہم کہتے ہیں۔ باتیں شاید وہ سمجھیں الانعام ۶۵

فائدہ :۔ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا، یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا۔ آسمان سے یا زمین سے، اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ایکوں کو قتل یا قید یا ذلیل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اس امت پہ یہی ہوگا۔ اکثر عذاب الیم، عذاب مہین، عذاب شدید، عذاب عظیم الٰہی باتوں کو فرمایا ہے، اور آخرت کا عذاب بھی ہے ان پہ جو کافر ہی مرے۔

مطلب :- اس امت مسلمہ کے حق میں خانہ جنگی عذاب الیم نہیں اور شدید ہے۔ آخرت کا عذاب منکروں کے لیے ہے۔

اس امت پر بھی زوال آئے گا عجیب استدلال

وَمِنْكُمْ من یرد الی ارذل العمر لکی لا یعلم بعد علم شیئا (النحل ۷)	ترجمہ :- اور کوئی تم میں پہنچتا ہے نکمی عمر کو کہ سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔

فائدہ :- یعنی اس امت میں کامل پیدا ہو کر پھر ناقص ہونے لگیں گے۔

الواقعہ میں دوسرا استدلال بھی عجیب ہے فرمایا :-

والسابقون السابقون اولئك المقربون فی جنت النعیم ثلة من الاولین و قلیل من الآخرین	ترجمہ :- اگاڑی والے سو اگاڑی والے، وہ لوگ ہیں پاس والے، باغوں میں نعمت کے، انبوہ ہے پہلوں میں اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں۔

تیسرا عجیب استدلال الحج اہ سے کیا۔

الذین ان مکنّٰهم فی الارض الخ	ترجمہ :- وہ کہ اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک میں، کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برے سے اور اللہ کے

اختیار ہے آخر ہر کام کا۔

فائدہ:۔ یعنی یہ امت دین قائم کریں گے، ایک مدت، آخر اللہ ہی جانے۔"

حضورؐ کی امت میں عرب اور عجم سب نے دین کو سر بلند کیا ہے

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم۔ (الجمعۃ ۲،۳)	ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول، انہی میں کا، پڑھتا ان کے پاس اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا اور سکھاتا کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے پڑے تھے صریح بھلاوے میں اور ایک اوروں کے واسطے انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں، اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

فائدہ نمبر ۱:۔ ان پڑھے عرب لوگ تھے جن پاس نبی کی کتاب نہ تھی۔

فائدہ نمبر ۲:۔ یعنی یہی رسول دوسرے ان پڑھوں کے واسطے بھی ہے۔ وہ فارس کے لوگ، وہ بھی نبی کی کتاب نہ رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اول عرب پیدا کیے اس دین کو تھامنے والے پیچھے عجم میں ایسے کامل لوگ اٹھے۔"

عربی اور عجمی تمام امت پر نبیؐ کو شفقت کرنے کی ہدایت تھی

وَاخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين (الشعراء ۲۱۵)	ترجمہ :۔ اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے ۔

فائدہ :۔ یعنی شفقت میں رکھ ایمان والوں کو اپنے ہوں یا پرائے

اصحابِ رسولؐ کی فضیلت اور ان سے وعدۂ مغفرت

والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا ۔ (الفتح)	ترجمہ :۔ محمد رسول اللہ کا اور جو اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ۔

فائدہ :۔ جو تندی اور نرمی اپنی (یعنی ذاتی مؤلف) خو ہو وہ سب جگہ برابر ہے اور جو آسمان سے سنور آوے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ کہ وعدہ دیا ان کو جو ایمان لائے اور بھلے کام کرتے ہیں، حضرتؐ کے اصحاب سب ایسے ہی تھے، مگر خاتمے کا اندیشہ رکھا، حق تعالے بندوں کو ایسی خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جاویں مالک سے اتنی شاباش بھی غنیمت ہے ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ صاحب فضل تھے

وَلَا یَأْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ — ترجمہ:۔ اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں۔ (النور ۲۲)

فائدہ:۔ بڑائی والے کہا صدیق اکبر کو، جو ان کی بڑائی نہ مانے وہ اللہ سے جھگڑے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ کے پیش کار تھے

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ (طٰہٰ ۳۱) — ترجمہ:۔ اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا، ہارون میرا بھائی اس سے بندھا میری کمر، اور شریک کر اس کو میرے کام میں۔

فائدہ:۔ ایسے بڑے پیغمبروں کو خلق کی طرف بہت خیال نہیں ہوتا ایک پیش کار چاہیئے کہ خلق کو سچ میں سمجھا دے، ہمارے پیغمبر کے آگے حضرت ابوبکرؓ تھے، اول پیغمبری میں وقت بہت لوگ ان کے سمجھانے سے ایمان میں آئے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت حضرت عباسؓ پر

سورۂ توبہ کی ۱۸ سے ۲۲ تک آیتیں جب نازل ہوئیں تو اس پر کچھ گفتگو ہوئی۔ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ میں۔ حضرت عباسؓ نے آخر

کو ہجرت کی ہے۔ کہا حضرت علیؓ نے کہ اگر تم اول ہجرت کرتے تو جہاد میں حاضر ہوتے اور مرتبے بلند پاتے جیسے ہم نے پائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ ہم بھی خدا کے کام میں تھے۔ خدمت حاجیوں کی، اور آبادی مسجد حرام کی، سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کام ان کے برابر نہیں اور نہ مشرکوں کی خدمت قبول نہیں۔ کوئی مسلمان خدمت کرے تو قبول ہے۔

مطلب :۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرابتِ رسول کے ساتھ اگر عملِ صالح بھی ساتھ ہو تو اس کا درجہ بلند ہے، اس سے جس کے ساتھ قرابتِ قریبہ تو ہو مگر عملِ صالح نہ ہو۔ حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے، حضرت عباسؓ چچا تھے، چچا کا درجہ بڑا تھا مگر ایمان و عمل میں حضرت علیؓ ان سے بڑھ گئے۔

نبی، صدیق، شہید اور صالحین کے ساتھ گناہ گار بھی جنت میں جائینگے

النساء میں ۶۹ میں انعام یافتہ اور اللہ کے پیارے بندوں کی چار قسمیں بیان فرمائیں۔

ومن یطع اللہ و الرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین وحسن اولٰئک رفیقا

ترجمہ :۔ اور جو لوگ حکم میں چلتے ہیں اللہ کے اور رسول کے سو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت اور خوب ہے ان کی رفاقت۔“

فائدہ :- نبی وہ لوگ، جس کو اللہ کی طرف سے وحی آئے۔ یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ جاوے اور صدیق وہ کہ جو وحی میں آئے ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے، اور شہید وہ جن کو پیغمبر کے حکم پر ایسا صدق آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں اور نیک بخت وہ جن کی طبیعت نیکی پر پیدا ہوئی ہے، تو جو لوگ ایسے نہیں لیکن حکمبرداری میں لگے جاتے ہیں اللہ ان کو بھی ان کے ساتھ رکھے گا۔

تشریح :- حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ

۱:۔ نبی وہ ہے جس کا تعلق خدا تعالےٰ سے (وحی) کھلے پیغام کے واسطہ سے ہوتا ہے۔

۲:۔ صدیق وہ ہے جس کا تعلق حق تعالےٰ سے (الہام) پوشیدہ پیغام و کلام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں درجے علمی اور ذہنی ہیں اور ایمان و یقین کے لحاظ سے ہیں۔

۳:۔ شہید اور صالح دو درجے عملی مرتبہ کے لحاظ سے ہیں۔ شہید اسلام کی سچائی پر جان قربان کرتا ہے، صالح اسلامی احکام پر چلنے کی طبیعت اور ایسا مزاج لے کر پیدا ہوتا ہے اسے مادر زاد ولی کہتے ہیں۔

۴:۔ ان چاروں مقبول اور افضل طبقوں کے علاوہ ایک پانچواں طبقہ ہے، ظاہر ہے کہ وہ طبقہ عام اہل ایمان کا ہے، جو شاہ صاحب کے الفاظ میں " شریعت کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔ گرتے پڑتے

اسلام کی راہ پر چلتے رہتے ہیں، گناہ بھی ہوتے ہیں اور نیکیاں بھی کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالےٰ اِن چاروں کے ساتھ شمار کرے گا۔

اور یہ ان پر صرف خدا کا فضل ہوگا۔

ذالک الفضل من اللہ وکفی باللہ علیما

ورنہ اس طبقہ کا اپنا عمل اس قابل نہ ہوگا، صرف ان کے کوشش کرتے رہنے، لگے رہنے اور راہِ اسلام پر قائم رہنے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت قائم رکھنے کی وجہ سے وہ فضلِ خداوندی کے حقدار ہوں گے۔

مولانا تھانوی نے لکھا کہ اس جگہ اطاعت من یطع اللہ سے کامل اطاعت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ کامل اطاعت سے تو انسان صدیق اور صالحین میں شامل ہوجاتا ہے اور یہاں ان کے علاوہ لوگ مراد ہیں۔ (بیان القرآن ج ۲ صـ ۱۳۲)

مولانا تھانوی نے یہ بھی لکھا کہ قرآن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ عام اہلِ ایمان ان چاروں کے ساتھ ایک ہی جنت میں ہوں گے بلکہ انہیں وقتاً فوقتاً اِن حضرات کی زیارت ہوتی رہے گی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اِس رفاقت اور معیت کا علم نہیں رکھتے، ہم اجمالی طور پر اتنا جانتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ان کو بھی اُن کے ساتھ گنے گا۔ اِس گننے اور شمار کرنے کا کیا نتیجہ ہوگا؟ .... جنت میں رفاقت کی کیا صورت ہوگی؟ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا بس اسے خدا ہی خوب جانتا ہے،

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیا شاہوں کے خدمت گار شاہوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ جلوت اور خلوت دونوں میں ان کے رفیق ہوتے ہیں۔ اور درجہ کا فرق یہ کافی ہوتا ہے کہ ایک آقا ہوتا ہے اور ایک غلام۔

نیکوں کے بیوی بچے ان کے ساتھ بلند درجات پائیں گے

المومن ۷ میں فرمایا کہ حاملین عرش اور خدا کے مقرب فرشتے توبہ اور استغفار کرنے والے مسلمانوں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (المومن ۷)

ترجمہ:۔ اے رب ہمارے! اور داخل کر ان کو بسنے کے باغوں میں جن کا وعدہ دیا تو نے ان کو اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں بلاشک تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

فائدہ:۔ یعنی اگرچہ بہشت ہر کسی کو ملتی ہے اپنے عمل سے جورو۔ بیٹا اور ماں باپ کام نہیں آتا لیکن تیری حکمتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک کے سبب سے کتنوں کو اعلیٰ درجہ میں پہنچا دے اپنے ذاتی عمل سے زیادہ ۔"

ہاں یہ بھی بدلا ہوا اپنے ہی ذہنی اور فکری عمل کا وہ عمل یہ کہ آرزو رکھتے ہوں کہ ہم بھی اسی کی چال چلیں، یہ نیت قبول پڑ

جلائے۔

تشریح :۔ اس آیت پاک میں النساء ۶۹ سے بڑی بشارت ہے..... اسی مفہوم کی ایک آیت الطور ۲۱ میں موجود ہے.....

والذین امنوا و اتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التنٰھم من عملھم من شئ، کل امری بما کسب رھین

ترجمہ :۔ اور جو یقین لائے اور ان کی راہ چلی ان کی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ان سے ان کا کیا کچھ، ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے"۔

فائدہ :۔ نیکوں کی اولاد کو یہ فائدہ ہے کہ اگر ایمان رکھیں اور ان کی راہ چلیں تو ان کے درجے میں پہنچیں۔ نیکوں کا عمل ان کو نہیں بانٹ دیتے پر ان کی خوشی کو ان پر مہر کی اور ان کی راہ نہ چلیں، تو جیسے اور۔

اصولِ جزا و سزا کیا ہے؟

اوپر جو کچھ کہا گیا وہ ان کے فضل و کرم کی بات ہے ورنہ جزا و سزا کا جو اصول مقرر ہے اور جو قانونِ فطرت کے عین مطابق ہے وہ یہ ہے۔

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ و لا یتساءلون۔

فائدہ ۴:- یعنی باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔ ص ۵۷۶

یہ امت پیدا کی گئی ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران ۱۱۲) ترجمہ:- تم ہو بہتر سب امتوں سے جو پیدا ہوئے لوگوں میں حکم کرتے ہو پسند بات پر۔ الخ

یعنی یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سب سے اچھی امت ہے جسے انسانی دنیا میں پیدا کیا ہے۔

عربی میں اخراج نکالنا تخلیق پیدا کرنے کے معنی دے رہا ہے اس سے قرآنِ کریم یہ بتانا چاہتا ہے کہ امت محمدیہ کو خدا تعالے نے بالکل ایک نئی امت کے طور پر نکالا اور پیدا کیا ہے، یہ امت ماحول کی پیداوار نہیں ہے یہ امت پچھلی امتوں سے بالکل ممتاز ہے۔ اس امت کو وہ کام انجام دینا ہے جو آج تک کسی امت نے انجام نہیں دیا اور وہ کام دینِ حق کا تمام دینوں پر غالب کرنا ہے اس طرح سے کہ دینِ حق قیامت تک باقی اور محفوظ ہے۔

قرآن نے فعل متعدی مجہول لاکر مفعول "امت" کو نمایاں کیا۔ شاہ صاحبؒ نے فعل لازم معروف کا ترجمہ کر کے ..... کو اور زیادہ اہمیت دے دی۔

یہی اسلوب قرآن کا مقصد ہے۔

محاسن موضح قرآن میں ہم نے اس پر مستقل بحث کی ہے اور
شاہ صاحبؒ کے اسلوب کو خوب واضح کیا ہے۔
دوسرے حضرات نے اس آیت کے حسب ذیل تراجم کیے ہیں

۱:۔ بیرون آوردہ شد برائے مردماں
(دونوں فارسی والے)

۲:۔ ہو تم بہتر امت جو نکالے گئے واسطے لوگوں کے۔
یہ شاہ رفیع الدینؒ صاحب ہیں انہوں نے لفظی
ترجمہ کیا ہے۔

۳:۔ تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے
ظاہر کی گئی ہے (حضرت تھانویؒ)

۴:۔ جو عالم میں بھیجی گئی ہے (شیخ الہندؒ)

۵:۔ لوگوں کی راہنمائی کے لیے جس قدر امتیں پیدا ہوئی ہیں
ان میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو ڈپٹی نذیرؒ احمد۔
ڈپٹی صاحب نے "اُخرِجَت" کو "اُمّۃ" کی صفت بنایا ہے۔
جب کہ دوسرے حضرات نے خیر امت کی صفت بنایا ہے۔

۶:۔ اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت
و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ (مولانا مودودی)

۷:۔ تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو جو لوگوں کی ارشاد و اصلاح
کے لیے ظہور میں آئی ہے (مولانا آزادؒ)

قرآن اس امت کے لیے جو بات کہنا چاہتا ہے وہ "پیدا ہوئے"

کے لفظ سے زیادہ واضح ہوتی ہے، بمقابلہ ظاہر ہونے، بھیجنے اور میدان میں لانے کے .... الفاظ سے۔

انسان کی عظمت خالق و مخلوق کا تعلق

بشر، جن اور فرشتہ کیا ہے؟

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ

ترجمہ:۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر، کھنکھناتے سے گارے سے پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں اس میں اپنی جان تو گر پڑیو اس کے سجدے میں۔"

(الحجر ۲۹)

فائدہ نمبر ۳:۔ بشر وہ جو بدن رکھے کہ ہاتھ سے پکڑا جاوے، اور روح رکھے ہوشیار۔ اگلے مخلوقات یا حیوان تھے جن کو ہوش نہیں یا فرشتے یا جن تھے جن کا بدن نہ پکڑا جائے۔

فائدہ نمبر ۴:۔ اپنی جان یعنی خاص جس میں نمونہ ہے، اللہ کی صفات کا علم اور تدبیر اور یاد حق اور لگاؤ اللہ سے۔

روح کیا ہے؟

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل ۸۵)

ترجمہ:۔ تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو خبر دی ہے تھوڑی سی۔

فائدہ:۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہود نے پوچھا، سو اللہ نے نہ بتایا کہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا، آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے باریک باتیں نہیں کیں، اتنا جاننا بس ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی وہ جی اٹھا جب نکل گئی وہ مرگیا۔

اپنی روح ڈالی کیا مطلب؟

سورۃ سجدہ ۹ میں بھی نفخ روح کا تذکرہ ہے وہاں دو فائدے تحریر فرمائے۔

فائدہ نمبر ۱:۔ اپنی جان میں سے جو مخلوق ہے اسی کا مال ہے مگر جس کو عزت دی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا:۔

(اِنَّ عِبَادِیْ) میرے خاص بندے

سو انسان کی جان غیب سے آئی ہے، مٹی پانی سے نہیں بنی اس کو اپنی کہا اور یہ نہ سمجھے کہ اللہ کی جان، جان ہو تو بدن بھی ہو، بدن ہو تو ترکیب ہو ذات پاک کہاں رہی۔

فائدہ نمبر ۲:۔ یعنی تم آپ کو دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل گئے

تم جان ہو وہ فرشتہ لے جاتا ہے، فناء نہیں ہو جاتے ہو۔

دونوں ہاتھوں سے پیدا کرنے کا کیا مطلب

قَالَ یٰاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (ص ۷۵)

فرمایا! اے ابلیس! تجھ کو کیا اٹکاؤ ہوا، کہ سجدہ کرے اس چیز کو جو میں نے بنائی اپنے دونوں ہاتھوں سے

فائدہ :- دو ہاتھوں سے یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو غائب کے ہاتھ سے، اللہ غیب کی چیزوں بتاتا ہے ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے، اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی"۔

یہ گندی بوند ایمان سے پاک ہوتی ہے

کَلَّا اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِمَّا یَعْلَمُوْنَ المعارج ۳۹

کوئی نہیں! ہم نے ان کو بنایا ہے جس چیز سے جانتے ہیں۔

فائدہ :- یعنی منی سے اگھن کی چیز سے، وہ کہاں لائق ہے بہشت کے مگر جب ایمان سے پاک ہو۔

مخلوق، پردہ ہے خالق کا اسی حیثیت سے اس کی تعریف ہے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں اور اسی کی

وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ۔ (سباء ۱)

تعریف ہے، آخرت میں اور وہی ہے حکمتوں والا سب جانتا۔ سباء ۱۔

فائدہ :۔ دنیا میں ظاہراور کسی کی بھی تعریف ہوتی ہے کہ وہ پردہ ہے اللہ کے فعل کا آخرت میں پردہ نہیں، جو ہے سو اسی کی طرف سے۔

طبعی حقائق انسانی محسوسات کے لحاظ سے بنائے گئے ہیں

آسمان وزمین کھڑے ہیں انسان کو ایسا محسوس ہوتا ہے

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ (الروم ۲۵)

اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ کھڑا ہے آسمان وزمین اس کے حکم سے

فائدہ :۔ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کھڑا ہے، اس میں تارے چلتے ہیں جس کو اور جگہ فرمایا، تیرتے ہیں۔

الحجر ۱۶ میں فرمایا......

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور رونق دی اس کو دیکھتوں کے آگے۔

فائدہ:۔ حق تعالےٰ بندوں سے وہ خطاب کرتا ہے جو یہ سمجھیں ان کے عرف میں آسمان مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک بارہ پھاٹک ہے۔

قرآن حکیم کی عظمت و تاثیر

قرآن مکمل شفا ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۔ (بنی اسرائیل ۸۲)

اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ چنگے ہوں اور مہر ایمان والوں کو۔

فائدہ:۔ روگ چنگے ہوں، دل کے شبہے اور شک مٹیں اور اس کی برکت سے بدن کے روگ بھی دفع ہوں۔

قرآن الفاظ و معانی دونوں کا نام ہے

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکْثٍ

اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے اس کو بانٹ کر کہ پڑھے تو اس کو

وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيْلًا (بنی اسرائیل ۱۰۶)
لوگوں پر، ٹھہر ٹھہر، اور اس کو ہم نے اتار تے اتارا۔

فائدہ :۔ بعض کتاب سے مطلب معنی سمجھتے ہیں اور اس کے لفظ بھی پڑھنے سے غرض ہے کہ نور و برکت اترتا ہے اسی واسطے سورتیں اور آیتیں جدا جدا رکھیں اور تھوڑا تھوڑا اتارا ہر وقت اس کے موافق حکم۔

مطلب :۔ سبع مثانی" کا ترجمہ بھی شاہ صاحبؒ نے وظیفہ کیا ہے جو بار بار پڑھا جائے۔

قرآن سینوں میں محفوظ رہے گا

بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَا اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (العنکبوت ۴۹)
ترجمہ :۔ بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف سینے میں ان کے جن کو ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں میں مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔

فائدہ :۔ یعنی پیغمبر نے کسی سے نہیں سیکھا، نہیں پڑھا، بلکہ یہ وحی جو اس پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے جاری رہے گی، سینہ بسینہ اور کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں، یہ کتاب حفظ ہی سے محفوظ ہے لکھنا افزور ہے۔

❖ ❖ ❖
❖ ❖ ❖
❖

اسبابِ ظاہری پر نظر، کسبِ حلال کی فضیلت شرافت تقویٰ پر

انبیاء کرام بھی اسبابِ ظاہری پر نظر رکھتے ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی گئی اس پر حیرت زدہ ہو کر کہا۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنِ (الحجر ۵۴)

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ کامل بھی ظاہر اسباب پر بولتے ہیں۔

مطلب:۔ اسباب پر نظر رکھتے ہیں، اعتماد نہیں کرتے۔

کسب محنت کی وجہ سے رذیل کہا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے ایمان والوں کے متعلق کہا۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ — اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا

اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ — تیرا، مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں، اوپر

الترآن (هود ۲۵) کی عقل سے،

فائدہ :۔ کافروں نے مسلمانوں کو رذالہ ٹھہرایا اور چاہا کہ ان کو ہانک دو تو ہم تمہارے پاس بیٹھیں، بات سنیں، سو فرمایا کہ دل کی بات اللہ تحقیق کرے گا، جب اس سے ملیں گے۔ اگر مسلمانوں کو ہانکو تو اللہ سے کون چھڑاوے مجھ کو، اور رذالہ ٹھہرایا اس پر کہ وہ کسب کرتے تھے، کسب سے بہتر کمائی نہیں، اسی واسطے فرمایا کہ تم جاہل ہو،

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ

مطلب :۔ یعنی غور و فکر کے بعد یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے سرسری طور پر سوچا اور مسلمان ہو گئے۔

روزی کو فضل کیوں کہا ہے

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (بنی اسرائیل ۶۶)

تمہارا رب وہ ہے جو ہانکتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں کہ تلاش کرو اس کا فضل وہ ہے تم پر مہربان۔

فائدہ :۔ اس کا فضل یعنی روزی، روزی کو قرآن میں اکثر فضل فرمایا ہے۔ فضل کے معنی زیادتی، سو مسلمان کی بندگی ہے واسطے آخرت کے اور دنیا ملتی ہے بڑھتی ہے۔

❁

شرافت تقویٰ پر ہے

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۔ الحجرات ۱۳

مقرر عزت اللہ کے ہاں اسی کو جس کو ادب بڑا، اللہ سب جانتا ہے خبردار،

فائدہ :- یعنی بڑائیاں ذات کی اور قوم کی عبث ہیں۔ صفت نیک چاہیے، تیری ذات کس کام کی۔

دنیا کی نعمتیں مومن کے لیے، کافر شریک ہو گئے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (الاعراف ۳۲ -)

تو کہہ! کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی، جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے ستھری چیزیں کھانے کی؟ تو کہہ! وہ ہے ایمان والے کے واسطے دنیا کی زندگی میں تیری ان کی ہیں قیامت کے دن۔

فائدہ :- یعنی منع کام میں خرچ نہ کرے، باقی کھانا پینا سب روا ہے جو نعمت ہے مسلمانوں کے واسطے پیدا ہوئی ہے۔ دنیا میں کافر بھی شریک ہو گئے۔ آخرت میں فقط انہی کو ہے۔

٭

حرام روزی کیوں آسانی سے مل جاتی ہے

اصحاب سبت ہفتہ والوں کو اس دن شکار منع تھا مگر مچھلیاں اسی دن زیادہ رو پہ آتی تھیں، انہوں نے حیلہ کر کے ہفتہ کو بھی شکار شروع کر دیا۔ اس پر فرمایا:۔

كَذٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (الاعراف ۱۶۳)

یوں ہم آزمانے لگے ان کو اس واسطے کہ بے حکم تھے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو حلال روزی نہ ملے اور حرام چاہے تو ملے تو اس کو آزمائش ہے آخر وہ روزی وبال ہوگی اور معلوم ہوا کہ حیلہ اللہ کے پاس کام نہیں آتا۔

مال خدا کا انعام ہے غرور و تکبر سے عذاب آتا ہے

مغرور باغ والا اپنے غریب ساتھی سے کہتا ہے۔

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا (الکہف ۳۴)

مجھ پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ۔

فائدہ:۔ مال تو اللہ کی نعمت تھی پر اترانے سے اور کفر بکنے سے آفت آئی۔

اہل اللہ کے پاس مال کہاں

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو صرف نماز کی تلقین کی زکوٰۃ کی نہیں

يَا بُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ — اے بیٹے کھڑی رکھ نماز اور سکھلا

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ — بھلی بات الخ۔

فائدہ :۔ نماز کے ساتھ زکوٰۃ نہیں کہی، ایسے لوگوں کے پاس مال کہاں ؟

کافر کو سب کچھ دینا چاہتا ہے مگر......

الزخرف ۳۵ پر لکھتے ہیں۔ یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا۔ کہیں تو اس کو آرام دے آخرت میں تو عذاب ہے، دنیا ہی میں آرام ملتا، مگر ایسا ہو تو سب وہی کفر پکڑ لیں۔

نصاریٰ خوشحال کیوں ہیں ظاہری اسباب پر قناعت کرنی چاہیے

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ — بولا عیسٰے مریم کا بیٹا، اے اللہ

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً — رب ہمارے، اتار ہم پر خوان بھرا

مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا — آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہمارے

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَ — پہلوں اور پچھلوں کو اور نشانی تیری

ارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۔ — طرف سے اور روزی دے ہم کو

(المائدہ ۱۱۴) — اور تو ہے بہتر رزق دینے والا۔

فائدہ :۔ بعضے کہتے ہیں کہ وہ خوان اترا چالیس روز، پھر بعضوں نے ناشکری کی۔ بعضے کہتے ہیں نہ اترا، یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر

گئے، نہ مانگا، لیکن پیغمبر کی دعا عبث نہیں، اور اس کلام میں نقل کرنا بے حکمت نہیں۔ شاید اس دعاء کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت میں آسودگی مال ہمیشہ رہی اور جو کوئی ان میں ناشکری کرے، یعنی دل کے چین سے عبادت میں نہ لگے بلکہ گناہ میں خرچ کرے کہ اپنا مدعیٰ خرق عادت کی راہ سے نہ چاہے پھر اس کی شکرگزاری بہت مشکل ہے اسبابِ ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔

مالِ حرام سے توفیقِ طاعت کم ہو جاتی ہے

آل عمران آیت (۱۲۰) کا فائدہ دیکھو

نیکی و بدی میں کفو کا اعتبار ہے

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً

فائدہ:۔ مرد اگر بدکار ہو تو عورت پارسا نہ بیاہ لاوے اور اگر نیک ہو تو عورت بدکار نہ لاوے، دو واسطے ایک یہ کہ اس کا کفو نہیں۔ اس کو عار ہے، دوسرے یہ کہ علت نہ لگ جاوے۔ لیکن اگر کرے تو درست ہے یعنی بہتر نہیں ہے۔

علم ودانش، باطن کی صفائی، روحانی طاقت

باطن کی صفائی

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے، یہ قوم لوطؑ کو تباہ کرنے جا رہے تھے اور بشکل انسان آئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کو دیکھ کر ڈرے

قَالَ اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ	وہ بولا، ہم کو تم سے ڈر آتا ہے
قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ	بولے ڈر مت!
اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ	ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک
عَلِيۡمٍ (الحجر ۵۳)	ہوشیار لڑکے کی۔

فائدہ:۔ ظاہر کچھ سبب نہ تھا ڈر کا پر ان کے ساتھ جو حکم تھا عذاب کا حضرت ابراہیمؑ کے دل پر اس کا اثر پڑا، دل کی صفائی سے یہ ہوتا ہے۔

علماء سمجھ والے لوگ ہیں

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ	اسی طرح اللہ سے ڈرتے ہیں وہ لوگ
عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ	اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔
عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ۔	تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے
(الفاطر ۲۸)	والا۔

فائدہ :۔ یعنی سب آدمی ڈرنے والے نہیں، ڈرنا اللہ سے سمجھ والوں کی صفت ہے، اور اللہ کی معاملت بھی دو طرح ہے، زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے اور غفور بھی ہے کہ گنہگار کو بخشے۔

نوٹ :۔ اوپر "غلام علیم" کا ترجمہ ہوشیار لڑکا کیا، یعنی علم کا ترجمہ دانش کیا اور یہاں بھی۔

معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک صرف معلومات جمع کرنے والوں کو علماء نہیں کہا جا سکتا۔

ارواحِ کاملین سے ملاقات ہوتی ہے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا:۔

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۔ (الزخرف ۴۵۔)	ترجمہ آیت :۔ اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمان کے سوا اور حاکم کہ پوجے جاویں۔

فائدہ :۔ یعنی کسی دین میں شرک روا نہیں رکھا اور پوچھ دیکھ یعنی جس وقت ان کی ارواح سے ملاقات ہو یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کر۔

عالم کا قول کب سند ہے

توبہ آیت ۳۱ کا فائدہ ۲ دیکھو۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کی کیا کیا صورتیں ہیں

ہود نمبر ۱۰ کا فائدہ دیکھو۔

بڑھاپے میں ماں باپ سے نباہ ہو

تو نہ کہہ ان کو "ہوں" اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان کو بات ادب کی

آگے فرمایا:۔

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے جو تم نیک ہو گئے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے۔ بنی اسرائیل ۲۳ تا ۲۴۔

فائدہ:۔ یعنی دل میں آوے کہ بوڑھے ماں باپ سے یہ معاملت نباہنی مشکل ہے تو فرمادیا کہ جس کی نیت نیکی پر ہے اگر خفا کرے اور پھر رجوع لاوے تو اللہ بخشنے والا ہے!

آدم وحواء نمونہ تقدیر تھے

اعراف نمبر ۱۹ ف ۱

جو کچھ انسانوں میں ہونا مقدر تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام میں اول ظہور پکڑ گیا اس میں وہ نمونہ تقدیر تھے۔ اولاد کے گناہ ان میں نظر آئے، جیسے آئینہ میں صورت، چنانچہ

نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی...... یہ سب اولاد کی خوئیں ان میں نظر آئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو سلام رخصت، کافر باپ کا ادب :- مریم ۴۷

حضرت موسٰے علیہ السلام کو بروں کی صحبت سے روکا، پھر دوسروں کی حقیقت کیا ہے۔؟ طٰہٰ ۱۶-

نوٹ :- فوائد کے حوالوں میں بعض جگہ صفحہ کا حوالہ دیا گیا ہے - اِس سے "تاج کمپنی" پاکستان کے مطبوعہ موضح قرآن کی طرف اشارہ ہے -

مختلف آیات کے اہم تراجم

محاسن موضح قرآن کی کتابت کے بعد مؤلف موصوف کی طرف سے
بعض مختلف آیات کے اہم تراجم موصول ہوئے۔
مناسب خیال کیا گیا کہ قارئین کو ان اہم تفسیری نکات و لطائف کے
استفادہ سے محروم نہ رکھا جائے اور کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کو برداشت
کیا جائے۔

ہمیں امید ہے کہ مولف موصوف اپنا تحقیقی مطالعہ جاری رکھیں گے
اور موضح قرآن میں ولی اللہی ذوق و اجتہاد کے جو موتی بکھرے ہوئے ہیں وہ تفسیر
قرآن کریم سے عشق و شیفتگی رکھنے والوں کے سامنے آتے رہیں گے۔

(ناشر)

قَالُوا سَلَامًا

سورۂ فرقان میں رحمان کے اچھے بندوں کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ جب جاہل اور بے سمجھ لوگ ان سے اُلجھتے ہیں، تو وہ سلام کہہ کر ان سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں، جھگڑے میں نہیں پڑتے۔

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ (فرقان، ۶۳)

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے سلام تحیۃ مراد نہیں ہے، بلکہ ایسی اچھی بات مُراد ہے جسے کہہ کر جھگڑے سے بچ سکے۔ (جلالین: ۲۰۸)

عربی میں اسے سلام متارکت کہتے ہیں یعنی ترکِ تعلق کا سلام۔ یہی وہ سلام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے علیحدگی اختیار کرنے وقت کہا تھا۔

باپ نے کہا،

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ (مریم ۴۷)

یعنی اے ابراہیم! اگر تو کلمۂ توحید پیش کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھ پر پتھراؤ کر دوں گا، تو ابراہیمؑ نے اس کے جواب میں کہا: سَلَامٌ عَلَيْكَ، تجھ پر سلامتی ہو۔ یہ کہہ کر گھر سے چلے گئے۔ یہ بھی سلام متارکت ہے۔

اب فارسی اور اردو والوں کو دشواری پیش آئی کہ اس لفظ کا ترجمہ کیا کریں؟

شیخ شریف جرجانی اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تو دونوں جگہ "گفتند سلام اور

سلام بر شما لکھا ہے۔ اس ترجمہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ سلام کس قسم کا ہے۔
ایران کے مطبوعہ نسخہ میں قرآن کی مراد کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لکھا ہے:

گفت وداع بر تو (مریم)

ابراہیم علیہ السلام نے کہا، تجھ سے جدائی۔

گویند سلامی (فرقان)

وہ کہتے ہیں، سلام ہے۔

اس مترجم نے سلام متارکت کا مفہوم ادا کیا ہے۔ اردو مترجموں کے تراجم یہ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے قول کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔

کہا، سلام ہے اُوپر تیرے۔	(شاہ رفیع الدینؒ)
کہا، تیری سلامتی رہے۔	(شاہ عبد القادرؒ)
کہا، میرا سلام لو۔	(مولانا تھانویؒ)
ابراہیمؑ نے کہا، اچھا تو میرا سلام ہے۔	(ڈپٹی صاحب)
اچھا تجھ پہ میرا سلام ہو۔	(مولانا احمد سعیدؒ)
ابراہیمؑ نے کہا، سلام ہے آپ کو۔	(مودودی صاحب)
بس تجھے سلام ہے۔	(مولانا احمد رضا خانصاحب)

ان تراجم میں متارکت اور علیحدگی کا مفہوم ڈپٹی نذیر احمد صاحب اور مولانا احمد رضا خانصاحب کے الفاظ میں زیادہ ادا ہوتا معلوم ہو رہا ہے۔

فرقان کی آیت کا ترجمہ دیکھئے:

کہتے ہیں کہ سلام ہے۔	(شاہ رفیع الدینؒ)
کہیں صاحب سلامت	(شاہ عبد القادرؒ)
تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔	(مولانا تھانویؒ)

توان کو سلام کریں اور الگ ہو جائیں۔ (ڈپٹی صاحب)

توان سے سلامتی اور رفع شر کی بات کہتے ہیں۔ (مولانا احمد سعیدؒ)

تو کہتے ہیں بس سلام۔ (خانصاحب)

تو کہہ دیتے ہیں، تم کو سلام (مودودی صاحب)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو تاویلی ترجمہ کہنا چاہیئے، کیونکہ قرآنی الفاظ سے ترجمہ دور ہو گیا۔ اگرچہ مراد واضح ہو گئی۔

ڈپٹی صاحب نے دوسرا فقرہ بڑھا کر قرآن کی اصلی مراد بیان کی۔

ترجمہ کی حد تک "بس سلام" کے الفاظ میں جو ادائیگی مفہوم ہے اس کا کوئی جواب نظر نہیں آتا۔

مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب واصف کی رائے یہ ہے کہ اس طرح ترجمہ کیا جائے۔

"خوش رہو" محاورہ میں یہ جملہ اسی وقت ادا کیا جاتا ہے جب ناگوار بات کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

قرآن کریم نے "خطاب جاہلاں" کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس میں عموم ہے۔ تمام مترجم حضرات نے خطاب کا ترجمہ سخن گویند، بات کرتے ہیں۔ بات کرنے لگیں، ترجمہ کیا ہے۔

قرآن کریم کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ ناداں اور جاہل کی ہر بات میں کچھ نہ کچھ ناگواری ہوتی ہے۔ اس کا انداز اور اسلوب ہی شائستہ لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے نزدیک کتنی ہی اچھی بات کہنا چاہیں، لیکن اس کے انداز بیان میں جہالت ہوتی ہے۔ جس سے پڑھے لکھے آدمی کو کوفت ہوتی ہے۔

بعض مترجموں نے خطاب کا ترجمہ یہ کیا ہے:

"اور جاہل ان کو منہ آئیں تو وہ کہہ دیتے ہیں تم کو سلام" (مودودی صاحب)

ڈپٹی صاحب اور مولانا تھانویؒ نے یہ ترجمہ کیا:

"جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں"
یہ تفسیری ترجمہ ہوا۔

مرصد اور ارصاد کا ترجمہ

شاہ ولی اللہؒ کے فارسی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے اردو تراجم نے قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم ادا کرنے کے لیے جو الفاظ ہمیں دے دیئے ہیں بعد والے مترجم حضرات ان کا بدل تلاش کرتے ہیں اور ان کی جگہ نئے فارسی اور اردو الفاظ لانے میں بہت کم کامیاب نظر آتے ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن کریم نے اِرْصَاد کا لفظ تین جگہ استعمال کیا ہے۔

(۱) واقعدوا لھم کل مرصد (توبہ ۵)۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ صرف شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہوگا "کہ بیٹھو ان کے لیے ہر کمین گاہ میں"۔
شاہ ولی اللہؒ کے بعد ان کے دونوں صاحبزادوں نے اس قرآنی فقرہ کا بامحاورہ ترجمہ کیا اور اتفاق سے بالکل ایک ہی الفاظ استعمال کئے۔

"اور بیٹھ ہر جگہ ان کی تاک میں"۔ اسے اصطلاح میں مجازی لازمی معنی کہا جائے گا کیونکہ تاک لگانے کی جگہ جو شخص بیٹھے گا وہ تاک میں ہی بیٹھے گا۔ اس لیے دونوں بھائیوں کا اردو ترجمہ الفاظ قرآنی سے قریب تر بھی ہے اور بامحاورہ بھی۔

یہ ترجمہ اتنا چست اور فصیح ہے کہ بعد والوں کے لیے اس کا بدل لانا مشکل ہو گیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تو شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی عظمت کو تسلیم

کر لیا اور صرف اتنی ترمیم کی کہ بیٹھو کو مقدم سے مؤخر کر دیا۔ اس سے یہ فقرہ اُردو کے جدید قالب میں ڈھل گیا۔

شاہ صاحبانؒ نے الفاظِ قرآنی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا تھا۔ ان کے ہاں ترتیب میں بھی محاورہ کا اُسلوب پیدا ہو گیا۔

ان حضرات کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ آیا اور اُردو جدید کے اس معمار نے یہ ترجمہ کیا۔ "ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھو"

دونوں بھائیوں نے اس فقرہ کا یہ بہترین ترجمہ اس طرح کیا کہ مرصد کی ظرفیت کا مفہوم پہلے (جگہ) کے لفظ سے ادا کیا اور پھر لھم کے ترجمہ کے ساتھ مرصد کے لغوی مفہوم کو ادا کر دیا۔

اس طرح اس فقرہ قرآنی کا یہ فصیح ترین اردو ترجمہ وجود میں آیا۔

ڈپٹی صاحب نے مرصد کا لفظی ترجمہ (ہر گھات کی جگہ) کیا اور لھم کے ترجمہ میں شاہ صاحبؒ نے جو کمال دکھایا ہے وہ اپنے ہاں اختیار کر لیا، لیکن اہلِ زبان سمجھ سکتے ہیں کہ گھات اور تاک کے ہم معنے الفاظ کی تکرار سے ترجمہ کی فصاحت اور روانی میں فرق پڑ گیا ہے۔

محاوراتی ترجمہ کے لحاظ سے ڈپٹی صاحب نے شاہ صاحبانؒ کے مقابلہ میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کی، بلکہ پہلے کی نزاکت اور اختصار کی شان بھی ختم کر دی۔

مولانا مودودی صاحب نے بھی اپنی ترجمانی کو نئے الفاظ سے آراستہ کیا اور لکھا:

"ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو"

اول تو "ہر گھات" کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ مترجم کے نزدیک یہ لفظ ظرف مکان ہے۔ حالانکہ یہ لفظ حاصل مصدر ہے "گھات میں بیٹھنا اور گھات لگانا بولا جاتا ہے" گھات اسی کا حاصل مصدر ہے۔ دوسرے "خبر لینے کے لیے" کے الفاظ زائد ہیں۔ بلا ضرورت تشریحی اضافہ ہے۔ گھات کی جگہ جو شخص بیٹھے گا وہ کسی کی خبر لینے اور انتظار کرنے ہی کے لیے بیٹھے

گا۔ پھر یہ اضافہ غیر ضروری کیوں؟

مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ بھی صاحب زبان ہیں اور شاہ صاحبؒ کے قدردان ہیں، مگر مرحوم نے اپنے ترجمہ کو نیا اسلوب دینے کے لیے جو تبدیلی کی ہے وہ بھی عجیب ہے۔ لکھتے ہیں: "ہر کمین گاہ میں ان کی تاک کے لیے بیٹھو"

کمین گاہ کا فارسی لفظ اُردو میں بولا جاتا ہے، چلو اردو میں کھپ گیا، لیکن یہ "تاک کے لیے" کی ترکیب کیا ہے؟

اردو میں یہ ترجمہ مستعمل نہیں۔ تاک میں بیٹھنا بولا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ترجمہ کی عبارۃ میں (لگانے) کا لفظ حذف ہوگیا ہو۔

(۲) دوسری جگہ لفظ ارصاد اسی سورۃ توبہ میں اس طرح آیا ہے۔

وارصادا لمن حارب الله ورسوله۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس فقرہ کا لفظی ترجمہ فارسی میں کیا اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اپنے عام اُسلوب کے مطابق اس کا لفظی ترجمہ اُردو میں کیا۔ یعنی کمین گاہ ساختن اور گھات لگانے کو الخ

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے محاورہ میں لانے کی غرض سے ارصاد مصدر کو ظرف مکان کے مفہوم میں لیا اور اس طرح ترجمہ کیا۔ "تھانگ اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ اور رسول سے" یعنی منافقین نے وہ مسجد دشمنانِ اسلام کے لیے ایک تھانگ اور کمین گاہ کے طور پر بنائی۔

اب بعد والوں نے ان تراجم میں جو غیر ضروری تبدیلی کی ہے اس پر غور کیجیے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے "گھات لگانے کو" ہٹا کر یہ لکھا۔ "اور ان لوگوں کو پناہ دیں" یعنی دشمنانِ حق کو پناہ دینے کے لیے یہ مسجد بنائی ہے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ابو عامر نے ملک شام سے مدینہ کے منافقین کو یہ لکھا کہ تم مدینہ میں ایک مسجد تعمیر کرو جس میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف مشورہ ہو سکے۔ اور ان کے مقابلہ کے لیے تیاری کی جا سکے۔

۲۔ تحقیق دوزخ ہے گھات میں۔ (شاہ رفیع الدینؒ)

۳۔ بے شک دوزخ گھات میں لگی ہے۔ (ڈپٹی صاحب)

ڈپٹی صاحب نے تبدیلی کی، مگر محاورہ کے مطابق ہی ترجمہ رہا، ورنہ شاہ صاحبانؒ کے دونوں ترجمے بھی اپنی جگہ با محاورہ اور فصیح ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کا ترجمہ یہ ہے: "درحقیقت جہنم ایک گھات ہے"۔

اوپر تمام حضرات نے مرصاداً کو اسم فاعل مبالغہ کا صیغہ قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے اپنے ترجمہ میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی اور مرصاد کو معدر کے معنے میں لے کر زید عدل کے اسلوب کے مطابق اس کا ترجمہ کیا، لیکن اردو کے با محاورہ اسلوب کے لحاظ سے مودودی صاحب کا ترجمہ یا ترجمانی فصاحت سے گر گئی ہے اور اس میں اغلاق پیدا ہو گیا ہے۔

یہ مفہوم ہے جو ارصاداً لمن حارب اللہ کے فقرہ میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے گھات لگانے یا تھانگ ہی کے الفاظ زیادہ واضح معلوم ہوتے ہیں۔

"دشمنوں کو پناہ دیں" کے الفاظ شانِ نزول کے مفہوم کو ادا نہیں کرتے۔ "پناہ دینے کے لیے" الفاظ سے منافقین کی مظلومیت کا اظہار ہوتا ہے، حالانکہ یہ لوگ خود ظلم و عناد پر اُترے ہوتے تھے اور اسلام کے خلاف سازشی کارروائیوں میں مشغول تھے۔ اسی طرح مولانا تھانوی کے الفاظ "قیام کا سامان کریں" بھی بہت ہلکے معلوم ہوتے ہیں۔

قرآن منافقین کی جس شرارت کا اظہار کرنا چاہتا ہے وہ قیام کے لفظ میں موجود نہیں ہے۔ ترجمہ میں ایک نیا لفظ ضرور آگیا ہے، ورنہ مفہومِ قرآنی کی ادائیگی کے لیے گھات لگانے یا تھانگ بنانے سے بہتر الفاظ اردو میں ابھی تک نہیں لائے جا سکے۔

ان دو مترجم صاحبان کے علاوہ مولانا آزادؒ اور مولانا مودودی صاحب نے شاہ ولی اللہؒ کا لفظ کمین گاہ پیدا کریں (آزادؒ) اور کمین گاہ بنائیں۔ (مودودی صاحب) اختیار کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے تھانگ کو بدل کر شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے "گھات لگانے کے" الفاظ کو اختیار کیا۔ اس دائرہ سے باہر کا کوئی نیا لفظ لانے کی کوشش نہیں فرمائی۔

(۳) تیسری جگہ یہ لفظ سورۂ نبا میں اس طرح آیا ہے:

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا — مرصاد یا تو مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کے معنے ہیں بہت شدت سے انتظار کرنے والی۔ یعنی دوزخ سرکشوں کا بہت شدت سے انتظار کر رہی ہے کہ وہ لوگ کب آئیں اور میں کب ان کی بداعمالیوں کا مزہ انھیں چکھاؤں۔ اس کے مختلف تراجم یہ ہیں:

۱۔ بے شک دوزخ ہے تاک میں۔ (شاہ عبدالقادرؒ)

شاہ صاحبؒ کے ہاں

بارِ امانت کی انوکھی تشریح

انا عرضنا الامانة علی	ہم نے دکھائی امانت آسمان اور زمین
السماوات والارض والجبال	اور پہاڑوں کو۔ پھر سب نے قبول نہ
فابین ان یحملنھا	کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے
اشفقن منھا وحملھا	ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے
الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً	یہ ہے بڑا بے ترس نادان ۔

(الاحزاب : ۷۲)

فائدہ یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا ۔۔۔ کیا ؟ پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش روک کر ۔ زمین و آسمان میں اپنی خواہش کچھ نہیں یا ہے تو وہی ہے جس پر قائم ہیں ۔ آسمان کی خواہش پھرنا ، زمین کی خواہش ٹھہرنا ۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے ۔ اس پرائی چیز کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے ۔ اس کا انجام یہ کہ منکروں کو قصور پر پکڑنا اور ماننے والوں کا قصور معاف کرنا ۔ اب بھی یہی حکم ہے ۔۔۔ کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کرے تو بدلہ ہے ۔ اور بے اختیار ضائع ہو تو بدلہ نہیں ۔

شاہ صاحبؒ نے مختصر لفظوں میں اس اہم آیت کی بہترین تشریح فرمائی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے شریعتِ الٰہی کو امانت سے تعبیر فرمایا، کیونکہ امانت کہتے ہیں اس پرائی چیز کو جسے انسان اپنی خواہش روک کر محفوظ رکھتا ہے اور بوقتِ ضرورت اسے صاحبِ امانت کے سپرد کر دیتا ہے۔

آسمان، زمین اور جمادات کے اندر کوئی خواہش نہیں۔ یہ سب جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اس کو پورا کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ یہی ان کی فطرت و خواہش ہے۔

انسان کے اندر آزاد خواہش رکھی گئی ہے۔ فطری طور پر یہ کسی کام کے لیے مجبور نہیں بنایا گیا۔

اس لیے امانت رکھنے کی صلاحیت اس میں ہے۔ اپنی خواہش کو روک پرائی چیز (شریعت) کی حفاظت کرنے کا کام یہی کر سکتا تھا۔ ہاں، اس کی طرف سے امانت کو ضائع کر لے کا اندیشہ بھی تھا۔ آزاد خواہش کے دونوں تقاضے ہیں، اطاعت اور نافرمانی۔

امانت کو پیش کرنے اور قبول و انکار کے واقعہ کو حقیقت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اور اسے تمثیل بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

یعنی فطری طور پر انسان اس بارِ امانت کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہو گیا، کیونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کو اسی مقصد کے لیے بنایا تھا۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک ظلوم و جہول دونوں صفتیں بطورِ مذمت کے نہیں، بلکہ بطورِ مدح کے لائی گئی ہیں۔

خدا تعالیٰ انسان پر اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہے کہ یہ بڑا بے رحم ہے۔ اس نے اپنے اوپر رحم نہ کیا۔ ترس نہ کھایا، کتنا بڑا بوجھ اٹھا لیا۔

یہ اس کے لیے تیار ہو گیا کہ اطاعت کی صورت میں رحم و کرم کا حق دار ہو اور نافرمانی کی صورت میں خدا تعالیٰ کی خفگی کا مستحق بنے۔

خداوندِ عالم اپنی دونوں قسم کی صفات کا ظہور چاہتا تھا۔ صفاتِ رحم و کرم کا بھی اور

صفات جلالیہ کا بھی۔

یہ ظہورِ صفات تب ہی ممکن تھا جب کوئی مخلوق آزاد خواہش کے ساتھ، آزاد عقل کے ساتھ شریعت پر چلنے کی ذمہ داری قبول کر لیتی۔ چنانچہ انسان نے اسے قبول کر لیا اور خالقِ حقیقی کے منشارِ تخلیق کو پورا کر دیا۔ کسی شاعر نے کہا ہے

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

شاہ صاحبؒ نے اپنے فائدہ میں بڑا گہرا اشارہ فرمایا کہ امانت کو جان کر ضائع کرنے والا مجرم ہوتا ہے۔ اسے بدلہ دینا پڑتا ہے۔

"پس جو انسان جان بوجھ کر شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ خدا کی ناراضگی کا مستحق ہوگا۔

البتہ جو بھول چوک اور بہکانے سکھانے میں آکر ایسا کرے گا اسے معافی دی جائیگی۔

تمام حضرات نے ظلوماً (ظالم سے مبالغہ کا صیغہ ہے) کا ترجمہ ظالم اور ستمگار ہی کیا ہے۔ البتہ شاہ رفیع الدینؒ نے بے باک لکھا ہے۔ "وہ تھا بے باک نادان"۔

اسی طرح شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے "بے ترس" یعنی بے رحم ترجمہ کر کے آیت کے مفہوم کو واضح کیا ہے۔

پروردگار کا تعارف حضرت موسیٰ کی زبان سے

فرعون نے سوال کیا: قال فمن ربکما یا موسیٰ۔ اے موسیٰ تیرا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: قال ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقه ثم ھدیٰ (طٰہٰ ۵۰)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں ترجمہ کیا: "ہر چیزے را صورتِ خاص"۔

اسے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اردو میں اس طرح کر دیا۔

"صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سوجھائی۔"

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے خلق کا ترجمہ بہت اچھا کیا: "ہر مخلوق کو اس کی خاص طرح کی بناوٹ عطا فرمائی۔"

مولانا تھانویؒ نے ڈپٹی صاحب کے لفظ بناوٹ کو اختیار کیا۔ صرف اتنی تبدیلی کر دی۔ "اس کی مناسب بناوٹ عطا فرمائی۔"

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے "مناسب بناوٹ" کی جگہ "لائق صورت" اختیار کیا۔

مولانا مودودی صاحب نے بناوٹ ہندی لفظ کو "ساخت" میں بدل دیا اور لکھا:

"ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی۔"

ھدیٰ میں جو ہدایت ہے شاہ ولی اللہؒ نے اس کی تشریح میں لکھا:

"بطلب معاش خویش" یعنی اپنی معاش اور روزی حاصل کرنے کی سمجھ عطا کر۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے فوائد میں لکھا:

"یعنی کھانے پینے کو ہوش دیا۔ بچہ کو دودھ پینا وہ نہ سکھاوے تو کوئی نہ سکھا سکے۔"

مولانا آزادؒ نے اس آیت پر بڑا اچھا نوٹ تحریر فرمایا۔ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰؑ نے تین چار لفظوں میں جو کچھ کہہ دیا اس سے زیادہ دنیا کی کوئی زبان خدا کے بارے میں نہیں کہہ سکتی۔

پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کا وجود بخشا اور پھر اس کی زندگی و بقا کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت تھی ان سب کی راہ انھیں دکھا دی

یعنی ایسا وجدان، ایسے حواس، ایسی معنوی قوتیں دے دیں جو ان کی راہنمائی

کرتی ہیں۔

من نطفة خلقه فقدره ثم السبيل يسره (۸۰ ۱۹۔)

الذی خلق فسوی والذی قدر فهدی (۸۷ - ۲)

مطلب یہ ہے کہ اس جگہ ہدایت سے مراد وہ فطری استعداد اور پیدائشی صلاحیت ہے جو ہر مخلوق کو زندہ رہنے اور اپنے وجود کو باقی رکھنے کے راستے دکھاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی اہمیت

نصرتِ رسالت میں

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ	اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں
يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ	تو تجھ کو بس ہے اللہ، اسی نے
اللّٰهُ ۔ هُوَ الَّذِيْٓ	تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں
اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ	کا اور اُن کے دل میں اُلفت ڈالی،
وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۔	اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں
وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ	ہے تمام نہ اُلفت دے سکتا
وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ	دل میں، لیکن اللہ نے اُلفت ڈالی
بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ	ان میں، بے شک وہ زور آور
حَكِيْمٌ ۔	ہے حکمت والا ۔
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ	اے نبی! کفایت ہے تجھ کو اللہ
اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ	اور جتنے تیرے ساتھ ہوتے
الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال: ۶۴)	ہیں مسلمان ۔

اس آیت میں چند باتیں بیان کیں : (۱) خدا تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا کہ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے اور عالمِ اسباب کے لحاظ سے خدائی نصرت اور مسلمانوں کا وجود آپ کے لیے کافی ہیں ۔ یعنی صحابہ کرامؓ کا وجود نصرت

خداوندی کی بڑی اہم صورت ہے اور خاص ذریعہ ہے۔

(۲) صحابہ کرامؓ کا وجود حضورؐ کے حق میں اس لیے نصرتِ حق کا ذریعہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے اندر محبت و اُلفت ڈال دی۔ اور حضور کی مدد اور رفاقت کے راستہ میں سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ اگر صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف ہوتا۔ ایک دوسرے سے جدا ہوتے تو ان کا وجود نصرتِ حق کا ذریعہ نہ بنتا۔

(۳) خدا تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے وجود کو رسولِ پاک کے لیے کافی قرار دیا۔

اس آیت کی دو نحوی ترکیبیں ہو سکتی ہیں (۱) وَمَنِ اتَّبَعَكَ کا جملہ محلِ رفع میں ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے وحسبك من اتبعك، یعنی آپ کے لیے خدا تعالیٰ کی ذات حقیقت میں اور صحابہ کرامؓ کا وجود ظاہری طور پر کافی اور بس ہے۔ ان دو چیزوں کے بعد آپ کو کسی تیسری چیز کی ضرورت نہیں۔ اس تاویل کو صاحب جلالین نے متن میں اختیار کیا ہے اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ تاویل بعض مفسرین کی اختیار کردہ ہے۔ اکثر مفسرین نے لمن اتبعكَ کا عطف (كَ) پر قرار دیا ہے اور معنی یہ کیے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات دونوں کے لیے کافی ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمرِ فاروقؓ کے اسلام لانے پر نازل ہوئی۔ آپ نے (۳۳) مردوں اور عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔

(جلالین ص۱۵۳ مجتبائی)

اس میں اشارہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے پر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردست تقویت حاصل ہوئی۔

عربی میں حَسْبُكَ اَحْسَبَ سے ہے بمعنی مُحسِبٌ بصیغہ فاعل، حَسَبَ مجرد کے معنی شمار کرنا، گننا، گمان کرنا، حَسُبَ شریف الاصل ہونا۔ باب افعال میں کسی کو سیر کرنا۔ بھرپور دینا، پیٹ بھر دینا، اتنا دینا۔ اسی سے محسب اور حسب کے معنی کافی اور کفایت اور بس

کے ہوتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ میں جامعیت برقرار رکھی ہے۔

"اے نبی! کفایت ہے تجھ کو اللہ، اور جتنے تیرے ساتھ ہوتے ہیں مسلمان"۔

اگر اور کے بعد "انکو" مقدر مان لیا جائے تو دوسری تاویل کے مطابق مفہوم بن جائے گا۔ اور اگر "وہ" کا لفظ مقدر مان لیا جائے تو پہلی تاویل کے مطابق مطلب بن جائے گا۔

شاہ صاحبؒ کے ہاں ترجمہ کی جامعیت کا یہی رنگ ہے۔

حسب کا ترجمہ شاہ ولی اللہؒ نے "کفایت کنندہ" کیا ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ نے کفایت کرنے والا اور شاہ صاحبؒ نے "بس" کیا ہے۔

معنی و مفہوم کے لحاظ سے "حَسبُ" کلمہ توحید و اعتماد ہے۔

خدا تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی :

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللهُ	پھر اگر وہ پھر جاویں تو تو کہہ بس
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	ہے مجھ کو اللہ۔ کسی کی بندگی نہیں
(توبہ : ۱۲۹)	سوائے اس کے۔

مخالفین کی یورش کے جواب میں خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے اسی کلمۂ توحید کا اعلان کروایا اور یہی وہ کلمۂ اعتماد ہے جس کا اظہار صحابہ کرامؓ کے منہ سے بے ساختہ ہو گیا۔ اس وقت جب لوگوں نے انہیں دشمنوں کی یلغار سے خوف زدہ کیا۔

سورۂ آلِ عمران کی آیات ہیں :-

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ	جن کو کہا لوگوں نے کہ انہوں نے جمع
النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا	کیا اسباب تمہارے مقابلہ کو سو
لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ	تم ان سے خطرہ کرو۔ پھر ان کو زیادہ
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا	آیا ایمان اور بولے، بس ہے
حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران ۱۷۳)	ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے مُنہ سے اس خوف و خطرہ کی حالت میں جو کلمۂ توحید نکلا، ظاہر ہے کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی توفیق و ہدایت سے نِکلا، لیکن قرآن نے دونوں جگہ الگ الگ اُسلوب اختیار کیے ہیں۔ حضورؐ کے معاملہ میں کہا خدا تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ یوں کہو اور صحابہ کرامؓ کے معاملہ میں کہا کہ ان کی زبان سے بے ساختہ یہ نکلا کہ خدا ہمارے لیے "کافی اور بس" ہے۔ اس اسلوبِ بیان سے صحابہ کرامؓ کی اہمیت و عظمت کا اظہار مقصود ہے۔

شاہ صاحبؒ نے ان آیات میں حَسْب کے ترجمہ میں دو لفظ اختیار کیے۔ ایک عربی کا لفظ "کفایت" دوسرا فارسی کا لفظ "بس"۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندی لُغت کا دامن اس لفظ سے خالی ہے جو اس جامع عربی لفظ کا مفہوم ادا کرے۔

فارسی والوں میں شیخ شریف جرجانی نے فارسی ہی کا ایک دوسرا لفظ لکھا ہے۔ یعنی "بسندہ" جس کے معانی کافی اور بہت کے لکھے ہیں۔

حَسْب کا ہم معنی عربی لفظ کفایت ہے۔ شاہ صاحبؒ اور دوسرے حضرات نے اس کے ترجمہ میں بھی یہی دو لفظ رکھے ہیں۔ کفایت کا ترجمہ کفایت سے کیا ہے یا "بس" سے کیا ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ؛ کیا اللہ بس نہیں اپنے بندے کو

(الزمر: ۳۶)

(س) فعل مضارع کو مستقبل قریب میں لے آتا ہے۔ اس لیے شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ یہ ہے: "سو شتاب کفایت کرے گا"۔ لیکن چونکہ اس آیت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی مقصود ہے اس لیے حضرت شاہ صاحبؒ (س) سے حال کا مفہوم پیدا کر رہے ہیں۔ تسلی اسی میں زیادہ ہے۔ یہ معنی مرادی کہلاتے ہیں۔

البتہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الشوریٰ میں کفایت کے ترجمہ میں ایک ہندی لفظ رکھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ اس جستجو میں تھے کہ کسی نہ کسی جگہ

کفایت کے مفہوم کو کسی ہندی لفظ میں ادا کیا جائے۔ چنانچہ السجدہ میں کفایت فعل منفی کی شکل میں آگیا اور شاہ صاحبؒ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے:

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ — کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ۔

(حم السجدہ: ۵۳)

فعل منفی کا ترجمہ مثبت لفظ میں کیا ہے اور ٹھیٹھ ہندی کا لفظ رکھا ہے۔

شاہ رفیع الدینؒ کے ہاں لفظی ترجمہ اس طرح ہے "آیا کفایت نہیں رب تیرے کو یہ کہ وہ اوپر ہر چیز کے حاضر ہے۔"

مفسرین نے اس فقرہ کی تاویل یہ کی ہے:

ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ ہے۔ برَبّکَ میں ب زائد ہے۔ رَبُّکَ فاعل ہے۔ مفعول (لکَ) خطاب محذوف ہے۔ انّہٗ پورا جملہ فاعل سے بدل کل ہے۔ ای اتحزن علی انکارھم ولم یکفک ربک — یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ان کے انکار اور مخالفت سے آپ غمگین ہوتے ہیں اور کیا کافی نہیں ہے آپ کو آپ کا پروردگار، یعنی یہ بات کہ وہ ہر چیز کا گواہ ہے۔

شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کو حضرت شیخ الہندؒ نے اس طرح واضح کیا ہے: "کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ہونے کے لیے۔" یعنی قرآن کی حقانیت کو فرض کرو۔ کوئی نہ مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا تھوڑی ہے۔ (مولانا عثمانیؒ)

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے رَبُّکَ کو فاعل بنانے کی بجائے بِرَبِّکَ جار مجرور کو یَکْفِ سے متعلق بتایا ہے اور انّہٗ کے جملہ کو فاعل قرار دیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے "آیا کفایت نہیں رب تیرے کو یہ کہ وہ اوپر ہر چیز کے حاضر ہے۔ یعنی تیرے پروردگار کے لیے یہ قدرت اور

اور یہ عظمت کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پہ شاہد ہے۔"

اس جامع فقرۂ قرآنی کے دُوسرے تراجم یہ ہیں :

(۱) لے پیغمبر ! کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد (حال) ہے۔
(ڈپٹی صاحب)

انہوں نے ربك کو فاعل اور (لکَ) خطاب محذوف کو مفعول بنایا ہے۔

(۲) کیا اے پیغمبر ! آپ کے رَب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پہ شاہد ہے۔
یہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ (مولانا احمد سعیدؒ)

(۳) کیا آپ کے رَب کی یہ بات (آپ کی صداقت کی شہادت کے لیے) کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ (مولانا تھانویؒ)

(۴) کیا تمہارے رَب کا ہر چیز پہ گواہ ہونا کافی نہیں۔ (خانصاحب)

(۵) کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے (مودودی صاحب)

ان تمام ترجموں کو سامنے رکھ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی بلاغت پر غور کرو، ایجاز و اختصار کس قدر ہے۔ مفہوم کتنا جامع ہے۔

سورۃ الاحزاب میں کفایت کا ترجمہ کتنا عجیب کیا ہے :

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (۲۵) اور آپ اٹھا لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی۔

لفظی ترجمہ یہ ہے: "اور کفایت کیا اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی سے"۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد کے معاملہ میں خدا تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لیے آپ ہی کافی اور بس ہوتے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (الاحزاب ۳) اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔

اس جگہ وہی عام لفظ استعمال کیا۔

شاہ صاحبؒ کے ہاں

شرح صدر اور ضیق صدر کا مفہوم

خدا تعالیٰ نے الحجر (۹۷) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا : وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

اور ہم ہی جانتے ہیں کہ تیرا جی رُکتا ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی۔

دشمنانِ اسلام پیغمبرِ اسلام کے ساتھ استہزاء کرتے تھے (انا کفیناک المستھزئین) اس پر یہ خطاب فرمایا گیا۔

ضیق صدر (سینہ کی تنگی) کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے "جی رکنا" کیا ہے یعنی ناراض ہونا، طبیعت میں انقباض و تکدر پیدا ہونا۔ اس میں اشارہ ہے کہ سینہ کی تنگی کنایہ ہے خفگی اور ناراضگی سے لفظی معنی مراد نہیں۔ جس طرح شرح صدر (سینہ کی کشادگی) بھی کنایہ ہے حوصلہ اور ہمت کی بلندی سے۔

شاہ صاحبؒ کے علاوہ دوسرے تمام فارسی اور اردو والے صاحبان اس لفظ کا لغوی ترجمہ کر رہے ہیں "تنگ می شود سینہ تو" (شاہ ولی اللہؒ) "تنگ ہو جاتا ہے سینہ تیرا" (شاہ رفیع الدینؒ) "آپ تنگ دل ہوتے ہیں" (مولانا تھانویؒ)۔ یہ ڈپٹی صاحب کا لفظ ہے

جیسے حضرت تھانویؒ نے پسند کیا ہے۔ تم دل تنگ ہوتے ہو (خانصاحب بریلویؒ)

اردو میں تنگ دل ہونے کا مفہوم کنجوس اور تھڑدلا ہونے کے قریب قریب ہے

کہا جاتا ہے کہ یہ شخص بڑا تنگ دل ہے، یعنی بخیل وکنجوس ہے۔ البتہ دل تنگ ہونا دوسرا

مفہوم رکھتا ہے اور اس کے معنی ناراضگی اور خفگی کے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں تنگ کر رکھا ہے یعنی

پریشان کر رکھا ہے۔

معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خانصاحب کا ترجمہ حضرت شاہصاحبؒ کے ترجمہ کے

قریب ہے، لیکن تنگ دل ہونا اردو محاورہ کے لحاظ سے "ضیق صدر" کے مرادی اور مجازی

معنے سے بہت دور ہے۔

شاہصاحبؒ نے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں "تنگ دلی" کا

لفظ اختیار نہیں کیا۔

اور اسی لیے اُردو محاورات میں ڈپٹی صاحب کی پیروی کرنے والے آزاد مرحوم اور

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے شاہصاحبؒ کا مفہوم اختیار کیا ہے، ڈپٹی صاحب کی پیروی سے

احتراز کیا ہے۔

ہم اس سے بے خبر نہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے تمہارا دل رُکنے لگتا ہے۔ (آزادؒ)

اس سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ (مودودی)

مخالفانہ باتوں سے رنجیدہ ہونا ایک فطری امر ہے۔ خدا تعالیٰ اس کا اظہار فرما رہا

ہے اور حضورؐ کو تسلی دے رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں ترجمے بہت عمدہ ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ اور مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے بھی تنگ دل اور

دل تنگ کے باریک فرق کو محسوس کر کے تنگ دل کی جگہ یہ ترجمہ کیا ہے:

"اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔" (مولانا احمد سعیدؒ)

حاشیہ میں لکھتے ہیں: "ان کی باتوں سے آپ دل تنگ ہوتے ہیں۔"

مولانا احمد علی لکھتے ہیں: "تیرا دل ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے۔"
خدا تعالیٰ نے سورۂ انشراح میں حضور علیہ السلام پر اپنے اس عظیم احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ — کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ
وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ — اور اتار رکھا تم سے بوجھ تیرا۔

شرح صدر کا مفہوم فوائد میں خود ہی واضح فرماتے ہیں۔ "یعنی حوصلہ کشادہ دیا، اتنا بڑا کام اٹھانے کو اور ظاہر میں بھی فرشتوں نے حضرت کا سینہ چاک کیا، دل میں سے سیاہی نکال کر دھو ڈالا۔"

یعنی خدا تعالیٰ نے فطری طور پر حضورؐ کو بلند حوصلہ بنایا، تاکہ آپ دعوتِ حق کا اہم کام انجام دے سکیں۔ اور اس راہ میں آنے والی مشکلات، سب وشتم اور تکلیف و ایذا رسانی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے رہیں۔

اس اعلان کے بعد کفار کے استہزا سے آپ کے سینہ کا تنگ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کے اندر کچھ خفگی پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ نہیں کہ آپ اس سے پست ہمت اور کم حوصلہ ہو جاتے تھے۔ سورۂ الانعام نمبر ۱۲۶ میں شاہ صاحب رح نے شرح صدر کے معنی کھول دے اس کا سینہ" اور — یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا — کے معنی "اس کا سینہ کر دے تنگ" کتنا اچھا ہے۔ دوسرے حضرات نے بہت تنگ ترجمہ کیا ہے۔ شاہ صاحب رح نے دوسرے تاکیدی لفظ (حرجا) کا ترجمہ "خفا" کر دیا یہ تنوع ہے۔

خدا تعالیٰ نے سورۂ ہود آیت ۱۲ میں بھی حضورؐ کی طرف (ضیق صدر) کو منسوب کیا ہے۔

فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعْضَ مَا یُوْحٰی — سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو
اِلَیْکَ وَضَائِقٌ بِہٖ صَدْرُکَ — وحی آتی ہے تیری طرف اور خفا ہوگا اس

سے تیراجی۔

وہاں "جی رُکنا" کہا یہاں "جی کا خفا ہونا" کہا دوسرے لفظ سے پہلے لفظ کی تشریح ہو گئی۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس جگہ بھی "تنگ دل" کا لفظ اختیار کیا، لیکن حضرت تھانوی رح نے اس ترکیب کو اس مقام پر چھوڑ دیا ہے اور یہ ترجمہ کیا ہے: "اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے" مولانا آزاد رح نے لکھا: "اس کی وجہ سے دل تنگ رہے گا؟" مولانا مودودی کے ہاں بھی یہی الفاظ ہیں۔ ان لفظوں میں خفگی اور ناراضگی کا مفہوم ہے جو قرآن حکیم کا حقیقی مراد ہے۔

النحل ۱۰۶ میں شرح صدر کا ترجمہ شاہ صاحب نے بڑا عجیب کیا ہے:

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ — لیکن جو دل کھول کر منکر ہوا ہو

صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ — ان پر اللہ کا غضب ہے۔

شاہ ولی اللہ رح نے لکھا: "کشادہ کند بہ کفر یعنی راضی شود" یعنی جو شخص کفر کو راضی خوشی اختیار کرے۔ شاہ عبدالقادر رح نے ایک اُردو محاورہ استعمال کیا "دل کھول کر" — ڈپٹی نذیر صاحب نے اسے "جی کھول کر" کیا۔ اس طرح بھی محاورہ ہے۔ مولانا تھانوی رح نے بھی ڈپٹی صاحب والے محاورے کو پسند کیا۔

مطلب یہ کہ کھلم کھلا اور راضی خوشی سے کفر کا راستہ اپنا لیا۔ کسی کے جبر و تشدد کے سبب نہیں بلکہ اپنی مرضی سے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے شاہ صاحب رح کا لفظ اختیار کیا ہے۔ مولانا احمد سعید صاحب رح نے لکھا: "کشادہ دلی کے ساتھ یعنی کفر کو صحیح سمجھ کر" مولانا مودودی نے لکھا: "مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا" مولانا آزاد رح نے لکھا: "اور اس کا دل اس انکار پر رضامند ہو گیا"

یہ تمام مفہوم شاہ صاحب رح کے ایک سیدھے سادھے لفظ "دل کھول کر" میں موجود

ہیں۔ نہ اس میں کوئی ثقالت ہے اور نہ رکاکت، بلکہ نہایت فصیح اور بلیغ محاورہ ہے۔

شاہ صاحبؒ نے شرح صدر کا مفہوم سورۂ طٰہٰ آیت ۲۵ کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں بھی واضح کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ — اے رب کشادہ کر میرا سینہ

وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ۔ — اور آسان کر میرا کام۔

فوائد میں لکھتے ہیں: "سینہ کشادہ کر یعنی جلد خفا نہ ہوں اور زبان لڑکپن میں جل گئی تھی صاف نہ بول سکتے تھے۔"

مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ بلند حوصلہ اور وسیع الظرف ہونے کی دعا فرما رہے ہیں۔ تاکہ مخالفین کی باتوں کا اثر طبیعت قبول نہ کرے اور ایک نبی و رسول کے اندر جو عالی ہمتی اور کشادہ ظرفی ہوتی ہے وہ پیدا ہوجائے۔

الشعراء ۱۳ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکایت کی

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ — بولا، اے رب! میں ڈرتا ہوں کہ

یُّکَذِّبُوْنِ وَیَضِیْقُ — مجھ کو جھٹلائیں اور رک جاتا ہے میرا

صَدْرِیْ۔ — جی۔

یعنی فرعون اور اس کے ساتھیوں کی مخالفت سے فطری طور پر میرے اندر پریشانی اور خفگی پیدا ہوجاتی ہے، انقباض طاری ہوجاتا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس جگہ ڈپٹی صاحب کا لفظ "تنگ دل" اختیار نہیں کیا، بلکہ "میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے" لکھا ہے۔ اس کا وہی مفہوم ہے جو "جی رکنے" کا ہے۔

والصاحب بالجنب کا ترجمہ

اسلام خدا تعالیٰ کا آخری اور مکمل قانونِ ہدایت ہے اور اس قانونِ ہدایت کی جامعیت اور عالمگیری اس کے ہر حکم اور ہر ہدایت میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

پڑوسی اور ہمسایہ کے ساتھ اچھا برتاؤ، احسان اور اخلاق کا بلند کردار قائم کرنے کا حکم ہر آسمانی تعلیم میں موجود ہے۔

یجروید میں بھگوان نے پورا زور دے کر کہا ہے کہ "اگر تیرا پڑوسی بھوکا رہے گا اور تُو پیٹ بھر کر سو جائے گا تو تجھے کبھی شانتی اور امن نصیب نہ ہوگا"۔

حضرت مسیح علیہ السّلام نے انجیل مقدس کے اندر بھی پڑوسی کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے، لیکن وید مقدس اور انجیل کا پڑوسی صرف گھر کا پڑوسی ہے، کیونکہ اس وقت انسانی زندگی تمدنی طور پر بستی اور محلہ کی آبادی میں محدود تھی اور آپسی ہمدردی اور انسانی خدمت کا تصوّر گھر کے پڑوس تک ہی ہو سکتا تھا۔

قرآن کریم نے بھی پڑوسی کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بڑی تاکید کی۔ یہاں تک کہ حضورِ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"مجھے جبرئیل فرشتہ نے خدا کی طرف سے پڑوسی کے ساتھ احسان کرنے کا اتنی تاکید اور اہتمام سے حکم دیا کہ مجھے یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں خدا تعالیٰ پڑوسی کو ترکہ اور میراث میں شریک

قرار نہ دے دے۔"

قرآن کریم نے پڑوسی کا جو تصوّر پیش کیا وہ بتاتا ہے کہ قرآن کے سامنے انسانی زندگی کا وہ پھیلاؤ موجود تھا جو سائنسی وسائل، ریل، جہاز، ٹیلی فون اور راکٹ کے دور میں نمودار ہونے والا تھا۔

قرآن کے سامنے آج کی وسیع ترین زندگی کا نقشہ تھا۔ آج تمام دنیا کی آبادی ایک خاندان اور ایک گھرانہ کی مانند ہوگئی ہے۔ خدا کے آخری قانون کا فرض تھا کہ وہ ہمسائیگی کا وہ آخری وسیع تصور پیش کرے جو اس دور سائنس کے تقاضوں کے مطابق ہو، چنانچہ قرآن نے اس فرض کو پورا کیا اور کہا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا	لوگو! خدا کی عبادت کرو اور اس
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ	کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک
اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى	نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ	سلوک کرو اور رشتہ داروں، یتیموں،
ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ	غریبوں، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ	پڑوسی برابر کے ساتھی، مسافر اور
وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ	غلاموں کے ساتھ احسان کرو بیشک
اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ	خدا تعالیٰ تکبر کرنے والے اور اترانے
مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا الَّذِيْنَ	والے کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ کنجوسی
يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ	کرتے ہیں اور لوگوں کو کنجوسی کی ترغیب
بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ	دیتے ہیں اور خدا کے دیئے ہوئے
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا	فضل یعنی مال و دولت کو چھپاتے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا	ہیں ان کافروں کے لیے ہم رسواکن

مُّهِيْنًا (النساء ۳۷)   سزا تیار کر رکھی ہے۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کو جو سماجی حقوق ادا نہیں کرتے، لوگوں پر درجہ بدرجہ احسان نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی کنجوسی اور بخل اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں انہیں کافر کہا ہے۔ یہ نہایت سخت لقب ہے جسے قرآن نے تنبیہ کے طور پر بخل اور تنگ دلی اختیار کرنے والوں کے لیے استعمال کیا ہے۔

عام مترجم حضرات نے کافر کا ترجمہ کافر اور منکر ہی کیا ہے، البتہ مولانا تھانویؒ نے کافر کے لفظ کو کفرانِ نعمت سے بنایا ہے اور اس کا ترجمہ ناسپاس (ناشکرا) کیا ہے۔

قرآن کریم نے تین قسم کے پڑوسیوں کا ذکر کیا ہے:

۱: جار ذالقربیٰ ۔ رشتہ دار پڑوسی، خاندان اور برادری کا پڑوسی۔

۲: جار الجنب ۔ اجنبی اور بیگانہ پڑوسی۔

۳: الصاحب الجنب: برابر کا رفیق۔

یہ وقتی اور عارضی پڑوسی ہے۔ پہلی دو قسم مستقل پڑوسیوں کی ہے۔ علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ تیسری قسم کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے ساتھی، ریل و ہوائی جہاز کے ساتھی، بازار میں دو چلنے والے ساتھی، سیر و تفریح کے ساتھی بھی شریفانہ برتاؤ کے مستحق ہیں۔ راہ چلتے اگر کسی سے تکلیف پہنچ جائے یا سفر و بازار میں اگر تم کسی کو تکلیف میں دیکھو تو اپنے برابر والے عارضی ہمسایہ کے ساتھ ہمدردی اور شرافت کا وہی برتاؤ کرو جو گھر کے ہمسایہ کے ساتھ کرتے ہو۔ گھر کے پڑوسی کی اہمیت اس لیے ہے کہ پڑوسی ہر تکلیف میں دوڑ کر آجاتا ہے۔ خونی رشتہ کا بھائی دور رہتا ہے۔ اسے آنے میں دیر لگے گی۔ پڑوسی آدھی آواز پر آجائے گا۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے "الجار قبل الدار" پڑوسی گھر سے پہلے ہے۔

آج سائنس کی بدولت یہ بات اتنی عام ہو گئی ہے کہ ترکی میں زلزلہ آتا ہے اور دنیا کے کونہ کونہ میں اس کی خبر پہونچ جاتی ہے۔ ہندوستان میں سیلاب آتا ہے اس کی آواز امریکہ

اور روس والے بھی سن لیتے ہیں اور ہر طرف سے امداد آنی شروع ہو جاتی ہے۔ سائنس نے ساری دنیا کو پڑوس بنا دیا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر قوم دوسری قوم کی مدد کے لیے کھڑی ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم اپنے اندر موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ قرآن کے نظریہ کی فتح ہے۔ قرآن کے آخری کلام وحی ہونے کا ثبوت ہے۔

اب اس کلام حق کی لفظی بلاغت پر غور کرو۔ اس کے معجزانہ ادب کا کمال دیکھو۔ قرآن کے الفاظ ہیں "الصاحب بالجنب" اس کی تشریح کو سامنے رکھو اور دیکھو قرآن کریم کے مترجم صاحبان اس جملہ کے ترجمہ میں کس قدر قاصر نظر آ رہے ہیں۔

سید عبدالقاہر جرجانی متوفی ۸۱۶ھ عربی صرف و نحو کے امام ہیں۔ ان کا فارسی ترجمہ مطبوعہ موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یار ہم نشین" یعنی پاس بیٹھنے والا دوست۔

شاہ ولی اللہ الدہلوی ترجمہ ۱۱۵۰ھ اسلامی علوم کے بہت بڑے امام اور مجتہد درجہ کے عالم ہیں وہ اپنے ترجمہ فتح الرحمن میں لکھتے ہیں: "ہم نشیں" پاس بیٹھنے والا۔ شاہ صاحبؒ نے سید صاحب کے ترجمہ کو مختصر کر دیا، کیونکہ یار اور دوست کا لفظ شاہ صاحبؒ کے نزدیک زائد تھا اور قرآن کے مفہوم کو محدود کر رہا تھا۔

فارسی کا سب سے پہلا ترجمہ شیر شاہ سوری کے استاد شیخ شہاب الدین دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ نے بحر مواج کے نام سے کیا تھا، لیکن آج وہ ترجمہ موجود نہیں ہے۔

ایران کا فارسی ترجمہ ۱۳۷۷ھ ایران سے شیعہ علماء کی طرف سے جو مستند ترجمہ شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے:

وہمراہ در پہلو ــــ یعنی پہلو کا ساتھی۔

اس قرآن کے حاشیہ میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: سویم ہمسایہ کافر

کہ ہر حق ہمسائیگی دارد (صـ۵۹) یعنی غیر مسلم ہمسایہ کا وہی حق ہے جو مسلمان ہمسایہ کا ہے۔ اور ایک حدیث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمسایہ کے حسبِ ذیل حقوق ہیں :

۱: وہ بلائے تو اس کی آواز پر جائے۔

۲: مفلس ہو تو مدد کرے۔

۳: قرض دار ہو تو اس کا قرض ادا کرے۔

۴: اس کے ہاں خوشی ہو تو اسے مبارک باد دے۔

۵: غمی ہو تو تعزیت کرے۔

۶: موت ہو جائے تو اُسے کندھا دے۔

۷: اس کی دیوار سے اپنی دیوار کو اونچا نہ کرے تاکہ اس کی آواز نہ رُکے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ ترجمہ ۱۲۹۵ھ ، ۱۸۸۰ء ان دونوں بزرگوں نے سب سے پہلے اُردو یا ہندوستانی میں قرآن کا ترجمہ کیا اور ایک ہی وقت میں کیا۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لفظی ترجمہ کیا اور لکھا :۔

"صحبت رکھنے والے کے کروٹ پر" لفظی ترجمہ کی حد تک یہ ترجمہ بالکل صحیح ہے ، لیکن اس سے قرآن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قرآنی مراد کو واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں : "برابر کے رفیق کے ساتھ"

اس ترجمہ سے قرآن کی وہ مراد واضح ہو جاتی ہے جو علمائے تفسیر نے بیان کی ہے۔ برابر کا رفیق ، برابر والا ساتھی ، پاس والا ، سفر کا ہو ، بازار کا ہو ، مجلس کا ہو۔

مدینہ منورہ میں غیر مسلم یہودی آباد تھے۔ مدینہ کے قریب نجران کی بستی میں عیسائی آباد تھے۔ مدینہ میں ایران کے آتش پرست بھی موجود تھے۔ اس لیے یہ ساتھی مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں سب اس میں شامل ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ ۱۳۱۴ھ

شاہصاحبان کے اردو ترجموں کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اُردو کا بامحاورہ ترجمہ کیا۔ ڈپٹی صاحب اپنے دور کے بہت بڑے عربی عالم اور اردو زبان کے ادیب تھے۔ وہ لکھتے ہیں: "پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ" یہ ترجمہ اُردو محاورہ کے مطابق بہت اچھا ترجمہ ہے۔ لیکن اس میں ساتھ چلنے والے راہ گیر شامل نہیں ہوتے۔ پھر اُردو محاورہ میں "بیٹھنے والے" کا جملہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو مستقل طور پر کسی کے پاس آیا جاتا ہو۔ وقتی اور عارضی طور پر ایک سواری کے اندر دو ساتھ بیٹھنے والوں کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔

مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی ترجمہ ۱۳۲۴ھ

مولانا تھانویؒ اُردو ادب کے ادیب نہیں تھے۔ پھر بھی مولانا کا ترجمہ مستند ترجمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا نے لکھا ہے:

"ہم مجلس کے ساتھ" مولانا نے شاہ ولی اللہؒ کے فارسی لفظ "ہم نشیں" کو "ہم مجلس" میں بدل دیا ہے، لیکن اس ترجمہ کے اندر بھی وہ وُسعت نہیں ہے جو قرآن کے وسیع مفہوم کو ادا کرے۔

ڈپٹی صاحب کے اُردو ترجمہ کو مولانا تھانویؒ نے فارسی کا لباس پہنا دیا ہے۔ بات وہی کی وہی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ ۱۹۲۵ء، ۱۳۳۴ھ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موضح فرقان کے مقدمہ میں واضح کیا ہے کہ میں نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے پُرانے لفظ کو بدلنے میں اس کا لحاظ کیا ہے کہ اس کی جگہ ان کے والد شاہ ولی اللہؒ یا شاہ رفیع الدینؒ کا کوئی آسان لفظ رکھ دیا جائے۔ میں ولی اللہی تراجم کے دائرہ سے باہر نہیں گیا، لیکن حضرت شیخؒ نے اس جگہ جو لفظ رکھا ہے وہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ شیخؒ لکھتے ہیں: "پاس

بیٹھنے والے کے ساتھ " البتہ اصل کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ کا ترجمہ (ہم نشین) اس کا ماخذ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ ترجمہ ۱۹۳۱ء

مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے ترجمہ میں ڈپٹی نذیر احمد سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں لیکن جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں مولانا آزادؒ اپنا ادبی کمال دکھا جاتے ہیں اور ڈپٹی صاحب کے ترجمہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یہاں لکھا ہے: "پاس بیٹھنے اٹھنے والوں کے ساتھ۔" یہ محاورہ بھی فصیح اور عام فہم ہے۔ اٹھنے کے لفظ کا اضافہ بہت اچھا رہا، لیکن جو کمی ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کی اوپر بیان کی گئی ہے وہ مولانا آزادؒ کے ترجمہ میں بھی موجود ہے۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ ترجمہ ۱۹۵۷ء

مولانا احمد سعید صاحبؒ بھی دہلی کے صاحب طرز اردو مقرر اور خطیب تھے، مولانا نے بھی یہاں ... اپنے قلم کی جدت اور ندرت دکھائی ہے اور ایک لفظ (کے) بڑھا دیا ہے لکھا ہے "پاس کے بیٹھنے والوں کے ساتھ" اردو کا محاورہ اس طرح بھی ہے، لیکن مولانا مرحوم بھی اس ترجمہ کے معنوی نقص کو دور نہیں کر سکے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی صاحب

خواجہ صاحب کے صاحب طرز ادیب ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے، لیکن خواجہ صاحب بھی اردو زبان کا کوئی نیا لفظ لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ لکھتے ہیں:

"اور رفیق ہم نشین کے ساتھ" خواجہ صاحب نے رفیق کا لفظ شاہ عبدالقادر صاحب سے لیا ہے اور ہم نشین کا لفظ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے لیا ہے اور ترجمہ کو دو لفظوں سے مرکب کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب ہم نشین کے ساتھ رفیق کا لفظ بڑھا کر قرآنی مفہوم کی وسعت کو ادا کرنا چاہتے ہیں اور یقیناً وہ اس میں کامیاب ہیں، لیکن خواجہ کا ترجمہ

ترجمانی اور تشریح میں بدل گیا ہے۔ ترجمہ کا ایجاز و اختصار ختم ہو گیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ترجمہ ۱۹۵۱ء

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی اپنے عہد کے کامیاب اُردو ادیب ہیں اور تفہیم القرآن لکھ کر اُنہوں نے اُردو کے تراجم قرآنی میں اضافہ کیا۔

مولانا کے اُسلوب بیان سے بعض مسائل میں اختلاف کی گنجائش ضرور موجود ہے لیکن موصوف کی محنت سے انکار کیا جائے یہ مشکل ہے۔

مولانا کے جدت پسند قلم نے اس جُملہ کی ترجمانی میں اسلاف سے الگ راہ اپنائی ہے۔ لیکن جدّت پسندی کے شوق میں مولانا نے اس جملہ کی ترجمانی کو محاورہ کے لحاظ سے نہایت بھدّا کر دیا ہے۔ مودودی صاحب نے لکھا ہے "پہلو کے ساتھی کے ساتھ"

مودودی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ تفہیم القرآن میں قرآن کا مطلب واضح کرنے کے لیے ترجمہ کے بجائے ترجمانی کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ لیکن اس مقام پر مودودی صاحب نے بالکل لفظی ترجمہ اختیار کیا ہے اور شاہ رفیع الدّین صاحبؒ کے لفظی اسلوب ترجمہ کی طرف واپس لوٹ گئے ہیں۔

مولانا مودودی نے اس آیت پر جو تفسیری نوٹ لکھا ہے وہ جمہور علماء کے مطابق ہی لکھا ہے، لیکن ترجمانی میں جو لفظ رکھا ہے وہ مفہوم قرآن کو ادا کرنے سے بالکل قاصر نظر آرہا ہے۔

"پہلو کا ساتھی" نہ محاورہ کے مطابق ہے اور نہ ادائیگی مفہوم کے لحاظ سے کافی ہے۔ پھر ایک جدید صاحب قلم کی یہ رجعت پسندی کیا ہے؟ یہ صرف سب سے الگ چلنے کا شوق معلوم ہوتا ہے۔ جو کبھی مصنف کو اونچا کر دیتا ہے اور کبھی نیچے لے آتا ہے۔ تفسیری نوٹ میں مولانا مودودی صاحب نے جمہور علماء کی ترجمانی بڑے دلکش اور مؤثر انداز میں کی ہے، مگر تفہیم کے متن کے اندر نہ وہ دلکشی ہے اور نہ وہ فصاحت ہے جو دوسری جگہ

نظر آتی ہے۔

مولوی احمد رضا خانصاحب ۱۳۴۰ھ

مولوی احمد رضا خانصاحب کا ترجمہ بھی چونکہ بریلوی مکتب خیال کے نزدیک ایک بڑی چیز ہے اس لیے اس کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا۔ خانصاحب نے ترجمہ کیا ہے :

"کروٹ کے ساتھ" اس ترجمہ کو ہم لفظی ترجمہ تو کہہ سکتے ہیں، لیکن با محاورہ ترجموں میں خانصاحب کے ترجمہ کا کوئی خاص مقام نہیں بنتا۔

خانصاحب کا ترجمہ ایک عجیب چیز معلوم ہوتا ہے۔ زبان و بیان کے نہایت معمولی ہونے کے ساتھ ساتھ خانصاحب نے ترجمہ قرآن کو اپنے مبتدعانہ خیالات کے لیے استعمال کیا ہے اور تمام اہلِ سنّت علماء سے بعض مقامات پر الگ راہ اختیار کی ہے اور جہاں خانصاحب نے بریلی شریف کی خاص زبان اور خاص محاورات لکھے ہیں۔ وہاں تو ہندوستان و پاکستان کے عام اُردو خواں لوگ پوچھتے ہی رہ جاتے ہیں کہ یہ کیا لفظ ہے۔ مثلاً الغاشیہ آیت ۲۲ کے لفظ مصیطر کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے (کڑوڑا) کیا ہے جبکہ دوسرے حضرات" داروغہ کر رہے ہیں۔ اگر کوئی صاحب اس لفظ کے معنی ہم لکھ کر بھیجدیں تو ہم شکرگزار ہوں گے۔

بہرحال فارسی اور اُردو تراجم میں مفہوم قرآنی کی جوادائیگی محاورہ کی رعایت کیساتھ اور قرآن کریم کے ایجازِ بلاغت کی شان کو باقی رکھتے ہوئے اگر ہمیں نظر آتی ہے تو وہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ ہے۔ "یعنی برابر کے رفیق کے ساتھ بھی احسان کرو۔"

رہا معاملہ اُردو فارسی تراجم کی کمزوریوں کا تو حقیقت یہ ہے کہ ایسی جُزوی کمزوریاں ہمیں شاہ عبدالقادرؒ جیسے الہامی قلم والے مترجم کے ہاں بھی ملتی ہیں اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کلام انسانی خواہ کتنا ہی بلند مرتبہ ہو وہ کلامِ الٰہی کے برابر نہیں پہونچ سکتا۔

ابلیس کا چیلنج — لَاَحْتَنِکَنَّ کا بہترین ترجمہ

اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس سے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا:

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ
طِیْنًا، قَالَ اَرَءَیْتَکَ هٰذَا
الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ
لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ
لَاَحْتَنِکَنَّ اِلَّا قَلِیْلًا
قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ
مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ
جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً
مَّوْفُوْرًا

بولا! کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں
جس کو تُو نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کہنے
لگا، بھلا بتا تو سہی! یہ ہے وہ شخص
جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی۔ قسم
کھاتا ہوں کہ اگر تو مجھے قیامت تک
ڈھیل دے تو میں اس کی اولاد کو
ڈھاٹی دے لوں گا، مگر تھوڑے سے
سے لوگ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تُو جا
(دفع ہو) جو ان میں سے تیری پیروی
کرے گا، تو ان کی سزا جہنم ہوگی۔ (بنی اسرائیل ۶۳)

اَرَءَیْتَکَ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ہمزہ استفہام مجازاً امر کے معنی میں لایا گیا ہے، کیونکہ دونوں میں طلب ہوتی ہے (ک) خطاب یہاں مفہوم کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ

ضمیر فاعل (تَ) کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

اب اس کا ترجمہ اس طرح ہوگا ــــ بھلا اے خدا تو بتا تو سہی، ہاں تو، تجھ سے کہہ رہا ہوں۔ اس تحکمانہ پیرایہ میں سخت گستاخی پائی جاتی ہے۔ متکلم مخاطب پھر اپنے غصہ اور جوش کا اظہار کر رہا ہے ــــ چنانچہ اس کے جواب میں حضرت حق نے بھی انتہائی غصہ اور جلال کے ساتھ صرف ایک لفظ کہا ــــ اِذْهَبْ ــــ نکل جا، ــــ دفع ہو، اپنی راہ لے ــــ کہاں سے نکل جا، کہاں چلا جا ــــ اس تفصیل میں جانا حضرت حق کی غیرتِ کبریائی کے خلاف تھا۔ ابلیس کو زیادہ خطاب کے قابل ہی نہیں سمجھا۔

لُغت میں حَنَکْ نیچے کے جابڑے کو کہتے ہیں۔ اسی سے احتناک جابڑے کو باندھنا، گھوڑے کو لگام دینا آتا ہے۔

تحنیك (تفعیل) کے معنی کچھ چیز چبا کر تالو سے چپکانا، تحنك (تفعّل) کے معنی پگڑی کے شملہ کو ٹھوڑی کے نیچے سے اُوپر کو باندھنا، استحنک (استفعال) کے معنی جڑ سے اکھاڑنا۔

جمہور مفسرین نے استیصال کا مفہوم باب افتعال کے اندر پیدا کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک تو اصل مادہ کا لحاظ کر کے احتناک کا اصل مفہوم واضح کیا ہے۔ دوسرے ابلیس کے اس چیلنج کا جو حقیقی مطلب ہے اس کو سامنے رکھا ہے۔ ابلیس کا چیلنج آدم کی اولاد کو تباہ کرنا یا ہلاک کرنا نہیں تھا، بلکہ اس کے دل و دماغ پر اس کی خواہشات کو اُبھار کر اپنے قابو میں رکھنا تھا۔

البتہ ہلاکت اور بربادی سے روحانی اور اخلاقی بربادی مراد لی جاسکتی ہے، لیکن بہر حال اس صورت میں ترجمہ تشریح طلب ہوجاتا ہے۔ بخلاف شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے ــــ شاہ صاحب کا ترجمہ بغیر تشریح و تاویل کے مطلب واضح کر دیتا ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمہ کی یہی خوبی ہے جس کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے اسے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

یہ تمام تراجم جسمانی ہلاکت کے لیے زیادہ واضح ہیں اور ابلیس کا یہ مطلب نہیں تھا۔

اُردو مترجمین میں صرف مولانا تھانوی اور ان کی پیروی میں مولانا احمد سعید صاحب نے
شاہ صاحب والے مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ اگرچہ شاہ صاحب کے اصل لفظ کو پُرانا سمجھ کر چھوڑ
دیا ہے۔ حضرت تھانوی نے لکھا ــــ اپنے بس میں کرلوں گا۔ یہی الفاظ مولانا احمد سعید صاحب
کے ہیں۔ مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے بھی یہی مفہوم اختیار کیا، مگر الفاظ بدلا ہے ــــ
اپنے قابو میں کرکے چھوڑوں گا۔

ڈھانٹی دینا دلی میں گھوڑے کے مُنہ پر رسّی باندھنا ــــ اسی طرح سرکش گھوڑے
کو سدھایا جاتا ہے ــــ شاہ صاحب نے حاشیہ پر گھوڑے کو لگام دینا ــــ کے الفاظ لکھ
کر اپنے ترجمہ کی خود ہی تشریح کردی ہے۔ شاہ صاحب کے ابتدائی دَور میں ڈھانٹی دینا لگام
دینے کے معنی میں بولا جاتا ہوگا، لیکن اب گھوڑے تانگے والوں کی زبان میں ڈھانٹی دینا اور ہے
اور لگام دینا اور ہے۔ ڈھانٹی سے گھوڑا زیادہ بے بس ہوجاتا ہے بہ نسبت لگام کے۔
اسی سے ڈھانٹا باندھنا آتا ہے یعنی مردہ کے سَر اور اس کے جبڑے کو کپڑے سے باندھنا۔

معراج میں قدرت کے نمونے دکھائے گئے

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا	پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ	کو راتی رات، ادب والی مسجد سے
الْبَصِيْرُ۔	پرلی مسجد تک جس میں ہم نے خوبیاں
(بنی اسرائیل)	رکھی ہیں کہ دکھاویں اسکو کچھ اپنی قدرت
	کے نمونے، وہی ہے سنتا دیکھتا۔

شاہ ولی اللہؒ "نشانہائے خود" اور شاہ رفیع الدینؒ صاحب نے "نشانیوں اپنی سے" لکھا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے "کچھ عجائبات قدرت لکھا ہے۔

النجم (۱۷-۱۸) میں بھی شاہ صاحبؒ نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔	بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں
لَقَدْ رَاٰى مِنْ	بڑھی۔ بے شک دیکھے اس نے
اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔	اپنے رب کے بڑے نمونے۔

دوسرے حضرات نے اپنے اپنے پہلے الفاظ ہی قائم رکھے ہیں۔

مولانا احمد رضا خانصاحبؒ نے بنی اسرائیل میں ترجمہ کیا "کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔" ترجمہ کیا ہے، لیکن مِنْ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ النجم کا ترجمہ یہ کیا ہے: "بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

احادیث میں آتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو رفرف سواری حاضر کی گئی اور اس میں حضورؐ اپنے مولیٰ کے سامنے حاضر ہوئے۔ اس فقرہ میں اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ (حاشیہ جلد صفحہ ۴۳۸)

مِنْ کی قسمیں: علمائے لغت و بیان نے لکھا ہے عربی میں مِنْ کئی معنی میں استعمال

ہوتا ہے۔ تبعیضیہ، تعلیلہ (مما خطیئاتہم)، بمعنی ب، زائد جیسے ما جاءنی من رجل، ابتدائیہ جیسے مرض من یوم الجمعۃ۔

یہ حروف جار میں سے ہے۔

مفسرین نے اس آیت میں بھی من کو تبعیضیہ قرار دیا ہے، لیکن شاہ صاحبؒ سے زائد قرار دے رہے ہیں۔

شاہ صاحب یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت پاک میں حریم قدس اور تجلی گاہ خاص کے مشاہدہ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور جب وہ بندۂ خاص اپنے مولیٰ کے سامنے تھا تو پھر اس وقت "کچھ اور بعض" کی بات شان کرم کے خلاف تھی۔

اس وقت سب کچھ آپ کے سامنے تھا۔ آپ نے اس موقعہ پر سب کچھ پایا اور سب کچھ دیکھا۔

اس موقعہ پر یہ کہنا کہ کچھ دیا اور کچھ باقی رکھا ادب کے خلاف ہے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے اس موقعہ پر "کبریٰ" بڑی اور عظیم کی صفت لگا دی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اَلْبَصَر کا لفظ یہاں بتا رہا ہے کہ اس موقعہ پر ذات حق کی تجلیات حضورؐ کو ظاہری آنکھوں سے دکھائی گئیں۔ یہاں "بصرِ قلب" دل کی آنکھیں مراد نہیں ہو سکتیں، کیونکہ اس مجازی معنیٰ کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ (حاشیہ جلالین ایضاً)

حضرت ابراہیمؑ اور سیرِ ملکوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی خدا تعالیٰ نے ملکوت کی سیر کرائی

وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ	اور اسی طرح ہم دکھلانے لگے ابراہیمؑ
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کو سلطنت آسمان و زمین کی اور تاکہ
وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ	اسکو یقین آوے۔ (الانعام ۶،۷)

اس سے پہلے حضرت ابراہیم کا یہ دعوتی قول نقل کیا گیا ہے کہ اِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ لِاَبِیْہِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِھَۃً ـــ اس کے بعد کہا وَکَذٰلِکَ، یعنی جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم اور ان کے باپ کی گمراہی کا تماشا دکھایا، اسی طرح ہم نے اپنی سلطنت کے دوسرے نمونے بھی دکھانے شروع کئے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ کی سلطنت میں روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، خیر بھی ہے اور شر بھی ـــ اور اسی رنگارنگی پر یہ نظامِ عالم قائم ہے

مَلَکُوْت، ملک سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بڑی بادشاہی۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد خدا کی قدرت ہے۔ اسی لیے شیخ شریف نے "عجائبات" اور مولانا تھانویؒ نے "مخلوقات" ترجمہ کیا ہے۔

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس جگہ رویت سے مراد عقل و قلب کی رویت ہے، یعنی ہم نے ابراہیم کو اپنی قدرت کے تمام معاملات سمجھائے اور اسے نظامِ قدرت کے اسرار کا فہم عطا کیا۔ جیسے اس اُمت کے متعلق فرمایا: سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (حٰمٓ السجدہ)

"اب ہم دکھاویں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور آپ ان کی جان میں جب تک کہ کھل جاوے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے۔"

قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ آفاق کی آیات (نمونوں) سے مراد، عرب و عجم میں اسلامی فتوحات اور انقلابات کے واقعات ہیں جن سے اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی اور فی الانفس کی آیات سے مراد امام مجاہد کے نزدیک فتح مکہ کا واقعہ ہے۔

دوسرے حضرات نے آیات سے قدرت کے دلائل و نشانات مراد لیے ہیں۔

(جلالین ص ۴۹۱ ۱ء)

شاہ صاحبؒ نے انعام کی آیت میں "دکھانے لگے" کا لفظ رکھا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ کی ابتدائی زندگی کا ہے اور اس وقت دعوت توحید

کا آغاز ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اسی وقت سے ابراہیمؑ کو ملکوتِ عالم کا مشاہدہ کرانا شروع کیا۔

اُوپر والی آیتوں میں نمونہ کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ خداوندِ عالم کی قدرت اور اس کی عظمت کا مکمل مشاہدہ آنکھوں سے یا قلب و دماغ سے انسان کے بس کی بات نہیں۔ خواہ وہ انسان کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو۔ شاہ صاحب کا اشارہ اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو بھی آیات کا مشاہدہ کرایا

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو جب فرعون کے پاس دعوتِ حق کے لیے بھیجا گیا، تو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو چند نشانیاں (معجزات) عطا فرمائے فرمایا،

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ	اور لگا اپنا ہاتھ اپنے بازو سے کہ
تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ	نکلے چٹا ہو کر، نہ کچھ بری طرح، ایک
اٰيَةً اُخْرٰى لِنُرِيَكَ مِنْ	نشانی اور کہ دکھاتے جاویں ہم تجھ
اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى (طٰہٰ ۲۲)	کو اپنی نشانیاں بڑی۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کو پہلی نشانی "عصا" عطا کیا گیا۔ یہ دس گز لمبا تھا۔ اُوپر سے دو شاخہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عصا حضرت شعیبؑ کو حضرت آدمؑ سے ورثہ میں ملا تھا۔ حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کر دیا۔

اس کے بعد دوسرا معجزہ "یدِ بیضا" تھا۔

مولانا تھانویؒ کا تفسیری ترجمہ یہ ہے: "اور تم اپنا داہنا ہاتھ اپنی بائیں بغل میں دے لو پھر نکالو، وہ بلا کسی عیب (برص، وغیرہ) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا۔"

شاہ صاحبؒ نے بھی اس جگہ آیات کا ترجمہ "نشانیاں" کیا ہے، کیونکہ اس سے معجزات مراد ہیں۔

قدرت کی نشانیوں کے لیے ایک لفظ شاہ صاحب کے ہاں بڑا پیارا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ (طٰہٰ ۵۴) — البتہ اس میں پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔

اُردو میں "پتہ نشان" بولا جاتا ہے۔ یہ قدرت کی نشانیاں ہیں جو خداوند عالم اور اپنے خالق کا پتہ بتاتی ہیں۔

آیتوں سے مراد جہاں قرآن کریم کی آیات ہیں وہاں بھی شاہ صاحب کا ترجمہ کتنا اچھا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يُرِيدُ (الحج ۱۶) — اور یوں اتارا ہے ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سوجھ دیتا ہے جس کو چاہے۔

قرآن کریم اللہ کی باتوں کا مجموعہ ہے یہ اللہ کا کلام ہے۔

لغت عربی میں آیت کے معنی علامت اور نشان یعنی جس چیز سے کسی کو پہچانا جائے آیۃ الرجل، انسان کا وجود۔ جس سے وہ انسان سمجھا جاتا ہے۔ پہچانا جاتا ہے۔

اسی لیے شاہ رفیع الدین صاحبؒ ہر جگہ لغوی ترجمہ کرتے ہیں۔ یعنی نشانی اور نشان، لیکن شاہ عبدالقادر صاحب ہر مقام پر مرادی معنی بیان کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس لفظ کو کثرت سے استعمال کیا ہے اور اس سے بڑا کام لیا ہے۔

قرآن کا ہر فقرہ ایک آیت ہے۔ رسول کو دیئے جانے والا معجزہ آیت ہے۔ عالم میں رونما ہونے والے واقعات آیات ہیں۔ عالم کے عجیب و غریب حالات بھی آیات ہی ہیں۔ یہ سب چیزیں سچائی کی علامتیں ہیں۔ خالق عالم کے وجود اور اس کی صفات پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے النجم کی تمام آیات کا تعلق حضرت جبریل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے قائم کیا ہے اور جمہور مفسرین کا یہی مسلک ہے۔

بعض صحابہ اور تابعین سے یہ منقول ہے کہ فاستوٰی سے آخر تک خدا تعالیٰ اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا تذکرہ ہے، لیکن یہ مرجوح ہے۔ ان روایات میں ضعف ہے۔

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی

سورۂ وَالضُّحٰی کے شانِ نزول میں احادیث کے اندر آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ دنوں کے لیے وحی قرآنی کا نزول رک گیا۔ اس وقفہ پر مشرکین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمدؐ کے خدا نے اسے چھوڑ دیا۔ اب نہ جبریل آرہا ہے نہ قرآن اتر رہا ہے۔

اس کے جواب میں یہ سورۃ پاک نازل ہوئی۔ اس میں خدا تعالیٰ نے روشنی اور تاریکی کو بطورِ شہادت پیش کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ جس طرح عالمِ ظاہر میں قدرتِ خداوندی اپنی دو شانیں دکھاتی ہے اسی طرح باطنی عالم میں بھی کبھی کبھار کشادگی ہوتی ہے اور کبھی تنگی ہوتی ہے۔ جسے صوفیاء کی اصطلاح میں قبض و بسط کہا جاتا ہے۔

رسولِ پاک پر علمِ الٰہی کی روشنی کا کچھ وقفہ کے لیے رک جانا یہ خدا کے اسی عالمگیر قانون کے تحت تھا۔ اسے خدا کی ناراضگی سے تعبیر کرنا کیسے درست ہو سکتا تھا؟ اس کے بعد خدا تم نے پھر یقین دلایا کہ "اے نبیؐ، تمہارے خدا نے نہ تمہیں چھوڑا اور نہ وہ تم سے خفا ہوا۔ تم مشرکین کے پروپیگنڈہ سے کیوں کبیدہ خاطر ہوتے ہو؟ اس اعلان کے بعد پھر آئندہ کے لیے ایک خوشخبری دیتے ہیں کہ اے رسولؐ! تمہارے لیے بعد کا آنے والا زمانہ پہلے زمانہ سے بہتر ہوگا۔ تمہیں چھوڑنے کا کیا مطلب؟ تمہارا پروردگار تمہارے حال پر ہمیشہ مہربانی فرماتے گا اور برابر اور مسلسل تمہاری عظمت اور رفعت ترقی ہی کرتی رہے گی۔ اور اس سورۃ کے شانِ نزول کو سامنے رکھ کر اور تمام آیات کے سیاق و سباق کو دیکھ کر وللآخرۃ والے جملہ کا یہی مفہوم واضح ہوتا

ہے جو اُوپر بیان کیا گیا ہے۔

سلف میں جمہور مفسرین نے لفظ آخرت کو اس کے اصطلاحی مفہوم میں لیا ہے۔ اور عالمِ آخرت مُراد لی ہے، لیکن بعض عارفین نے سورۃ کے عمومی اسلوب کو اہمیت دی ہے اور سُورۃ کے موضوع "عظمت رسول" کے اعلان کے مطابق آخرت کے لفظ کو لغوی معنی میں لے کر اس کا مطلب بیان کیا ہے۔

عظمتِ رسول کے لیے صرف عالمِ آخرت کو خاص کر لینا عظمتِ رسول کو محدود کرنا ہے اور سورۃ کا موضوع یہ ہے کہ مشرکین کے پروپیگنڈہ کے جواب میں قیامت سے آگے تک اس کی رفعتِ شان کا اعلان کیا جائے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب تو ہر موقعہ پر قرآنِ کریم کے مطالب کو گہرائی میں جا کر سمجھتے ہیں اور خداداد قوّت اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں کیا ہے، لیکن اس جگہ ان کے بڑے بھائی شاہ رفیع الدّین صاحب بھی انہی کے ساتھ جاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

چنانچہ ان دونوں حضرات نے جمہور کا مسلک چھوڑ کر اربابِ معرفت اور اہلِ اشارۃ کے رُجحان کا ساتھ دیا ہے۔

وضاحت کے لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماودعک الخ کے دونوں جوابی جُملے بطور دعویٰ کے ہیں اور اگلا جُملہ و للآخرۃ بطور دلیل کے ہے۔

دعویٰ کا تعلق آج اور کل دونوں زندگیوں سے ہے۔ یعنی مخالفین کہتے تھے کہ خدا تعالےٰ نے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔ قرآن نے نفی کی کہ نہیں چھوڑا۔ پھر اس کی دلیل دی کہ جس نبی کی زندگی اور اس کا اسوۂ حسنہ نوعِ انسانی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور انسانی فلاح کا واحد ذریعہ ہے اور اس سبب سے رُسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو قیامت تک محفوظ رہنا ہے۔

پھر ایسے رسول سے ناراض ہونے یا اسے چھیڑ دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
اس وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح دعویٰ کا تعلق آج اور کل دونوں زمانوں سے ہے اسی طرح دلیل کا تعلق بھی آج اور کل دونوں زمانوں سے ہونا چاہیئے اور پھر ترقی درجات کے لحاظ سے اس عظمت کو آخرۃ میں جلوہ گر رہنا چاہیئے۔
ایک دلیل یہ بھی دی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم نے جہاں آخرۃ کے لفظ کو عالم آخرۃ کے ساتھ خاص کیا ہے وہاں الدار کا لفظ بڑھا دیا ہے —— وان الدار الاخرۃ —— آخرۃ کا گھر یا آخری گھر یعنی قیامت۔
اس آیت میں صرف آخرت کا لفظ ہے جو عموم چاہتا ہے۔
نہیں کہا جا سکتا کہ جمہور مفسرین نے آخرۃ کو عالم آخرۃ کے مفہوم میں کیوں لیا ہے؟
سورہ الم نشرح کی آیت سے بھی شاہ صاحبؒ کے مطلب کی تائید ہوتی ہے۔
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ —— (الم نشرح) میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے ذکر کو بلندی عطا فرمائی۔ یہ زمانہ ماضی کے متعلق اعلان ہے اور اس آیت میں فرمایا، خدا تعالیٰ تمہارے ذکر اور تمہارے اسوۂ پاک اور تمہاری پوری حیات مقدسہ کو ہر آنے والے زمانہ میں گزرے ہوئے زمانہ کے مقابلہ میں دن دونی اور رات چوگنی مقبولیت عطا فرمائے گا —— اس اعلان کا تعلق مستقبل سے ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت

خداوند عالم نے اپنے کلام کی حفاظت کے لیے فرمایا، اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (النحل) ہم نے اس کلام کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
مطلب یہ ہم تحریف سے اپنے کلام کو محفوظ رکھیں گے۔ ظاہر ہے کہ تحریف کا خطرہ صرف دنیا کی زندگی تک ہے۔ اس لیے کلام اللہ کی حفاظت کا اعلان بھی دنیا کی زندگی تک تسلیم کرنا پڑے گا۔

اسوۂ رسولؐ کی حفاظت

اسی طرح خداوندِ عالم نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ پاک کی حفاظت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا،

وَ لِلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ــــ حضورؐ کا اسوۂ پاک قرآنِ کریم کی علمی تشریح ہے اور اسی علمی تشریح اور علمی شہادت (سیرت و سنّت) نے قرآنِ کریم کو ایک زندہ کتاب کے طور پر بندگانِ الٰہی کے دلوں میں اتارا اور ان کے کردار کو قرآنِ کریم کی تعلیم کے مطابق ڈھال دیا۔

اگر حضورؐ کا علمی اسوہ نہ ہوتا تو قرآنِ کریم قانون کی ایک کتاب ضرور ہوتی، لیکن لاکھوں صحابہ کرامؓ کا فکر و عمل نہ بنتی۔ اور لاکھوں صحابہ کے عقیدہ و عمل کو نہ بدلتی۔

اس سے اسوۂ پاک کی اہمیّت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس اہمیّت کا اعلان خدا تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا،

اسوۂ پاک کی حفاظت کے اعلان کا جو اُسلوب ہے وہ نحل کی آیت کے اُسلوب سے مختلف ہے۔

سیرتِ پاک کی حفاظت کو امرِ واقعہ تسلیم کر کے اب آگے اس کو ترقی دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اور قرآنِ کریم کی صرف حفاظت کرنے کا وعدہ ہے۔

عام مترجمین

مفسرین کی اکثریت کی رائے کے مطابق فارسی اور اُردو مترجمین کی اکثریت نے آخرۃ کا ترجمہ عالمِ آخرت کیا ہے اور اولیٰ کا ترجمہ دُنیا کیا ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے آخرت کا ترجمہ پچھلی حالت اور اولیٰ کا ترجمہ پہلی حالت

کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے "حالت" کے لفظ کا اضافہ بھی پسند نہیں کیا اور صرف پچھلی اور پہلی ترجمہ کیا ہے۔

بعد کے اہلِ تراجم تمام کے تمام شاہ ولی اللہؒ کے ساتھ گئے ہیں۔ صرف مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شاہ عبدالقادرؒ کا ساتھ دیا ہے۔ اور شاہ صاحبؒ کے مفہوم کو جدید اُردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ فرماتے ہیں،

"یقیناً تمہارے لیے بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہے۔"

بعد کا زمانہ، بعد کی حالت ـــــ ان کے مقابلہ میں "بعد کا دَور" نہایت فصیح معلوم ہوتا ہے اور شاہ صاحب کی مراد کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے۔

مولانا احمد رضا خانصاحب نے بھی شاہ صاحب کے ترجمہ کو پسند کیا ہے، مگر خانصاحب شاہ صاحب کے قدیم الفاظ کی جگہ اُردو کے جدید الفاظ لانے سے قاصر رہے ہیں۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے ـــــ "پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے۔"

خانصاحب نے اس طرح کر دیا ہے۔ "بے شک پچھلی تمہارے لیے بہتر ہے پہلی سے۔"

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی

میں اختیارِ فعل کی نفی

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ قرآن میں ادب رسالت کا بہت خیال رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کوئی تعبیر اور پیرایۂ بیان ایسا قلم سے نہ نکلے جس سے مقامِ نبوّت کی معمولی سی سبکی کا بھی احتمال پیدا ہو جائے۔

لیکن اس جذبۂ محبت کے باوجود شاہ صاحبؒ کی طرف سے خدا تعالیٰ کی حقیقی مراد واضح کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوتی یعنی جذبۂ محبتِ رسول احترام کلام اللہ پر غالب نہیں آتا۔

اس کی ایک مثال یہ ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ (النمل: ۸۰)

اس آیت کا لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

"تحقیق تو نہیں سناتا مردوں کو اور نہیں سناتا بہروں کو پکارنا جس وقت پھر جاویں پیٹھ پھیر کر۔"

لا تسمع فعل مضارع منفی ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اسی کا ترجمہ "نہیں سناتا" کیا۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے علاوہ بڑے شاہ صاحبؒ پھر شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور ان کے بعد ان کی پیروی میں تمام قدیم و جدید فارسی اور اردو مترجمین نے فعل مضارع منفی

کا نہیں کیا، بلکہ فعل کی نفی کی جگہ اختیار فعل کی نفی کا ترجمہ کیا ہے۔

غور کیجئے :

ہر آئینہ تو نمی توانی شنوانید مردگاں را (شاہ ولی اللہؒ)

یہی الفاظ سید شریف کے ہیں :

تو نہیں سنا سکتا مردوں کو (شاہ عبدالقادرؒ)

یعنی مردوں کو آواز سنانا تیرے اختیار میں نہیں ہے۔

اُردو کے تمام تراجم میں شاہ صاحب کی پیروی کی گئی ہے۔

رہا یہ سوال کہ بڑے شاہ صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ دونوں بزرگوں نے اختیارِ فعل کی نفی کہاں سے نکالی ؟ اس کا یہ جواب ہے کہ یہ مفہوم بابِ افعال کی خاصیت "ہمزہ سلب" سے نکالا گیا۔ جیسے وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ' میں ہمزہ سلب کا قرار دے کر اس کا ترجمہ لَا يُطِيقُونَهُ' کیا گیا۔

یہاں ہمزہ سلب کا عمل بھی اور لا نے نفی کا عمل بھی ایک ہے۔ ان دونوں کے اجتماع سے آئمہ تراجم شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالقادرؒ نے اختیار فعل کی نفی کا مفہوم نکالا ہے۔ یعنی دوہری نفی سے نفی میں مبالغہ پیدا ہو گیا۔ صرف فعل اسماع کی نفی مراد نہیں ہے، بلکہ قدرت اسماع کی نفی مراد ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ عام طور پر اپنے والد صاحبؒ کی پیروی کرتے ہیں، مگر انہوں نے اس آیت میں اپنا الگ ترجمہ کیا اور جس گہرائی میں بڑے شاہ صاحبؒ گئے وہاں تک شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی نظر نہ پہنچ سکی۔

الگ چلنے والوں میں دوسرے مترجم مولانا احمد رضا خان صاحب ہیں۔ خاں صاحب نے ترجمہ کو قدرت فعل کی نفی سے بچانے کے لیے آیت کی نحوی ترکیب کو اُلٹ دیا اور فعل متعدی کو فعل لازم اور مفعول کو فاعل بنا دیا۔

فرماتے ہیں :

"بے شک تمہارے سناتے نہیں سنتے مردے ۔"

قرآن کریم کی نحوی ترکیب کو بلاضرورت اس طرح پلٹنے کی مثال شاید ہی کہیں ملے ۔ شاید خانصاحب کے ذہن میں یہ آیا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اختیارِ فعل کی نفی آپ کی شایانِ شان نہیں ہے ، کیونکہ بریلوی عقائد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختارِ کل اور مالکِ کائنات جیسے مبالغہ آمیز القابات سے یاد کیا جاتا ہے ، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خانصاحب قرآن کریم کی کس کس آیت میں اس طرح کی تاویل کریں گے اور کہاں کہاں جمہور علماء اُمت کے خلاف چلیں گے ۔

کیا خانصاحب مرحوم اپنے آپ کو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے زیادہ محبِ رسول سمجھتے ہیں ۔ غور کیجئے آلِ عمران کی اس آیت پر :

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ (۱۲۸)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ اُحد میں زخمی ہو گئے اور نہایت صبر آزما حالات میں گھر گئے ۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک سے قریش کے تین سرداروں صفوان ، سہیل اور حارث کے متعلق بد دعائیہ جُملہ نکل گیا ۔ خدا تعالیٰ نے اسے ناپسند فرمایا اور اُوپر والی آیت نازل ہوئی ۔ جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے :

نیست ترا ازیں کار چیزے (شاہ ولی اللہؒ)

شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا لفظی ترجمہ یہ ہے : "نہیں واسطے تیرے اس کام میں سے کچھ ، یا پھر آوے اُوپر ان کے یا عذاب کرے ۔"

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اپنے والد کے فارسی ترجمہ کے بالکل مطابق اردو میں تحت اللفظ ترجمہ کیا ۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس مفہوم کو بالکل واضح کرتے ہوئے بامحاورہ اسلوب اختیار کیا ہے ۔

"تیرا اختیار کچھ نہیں ۔ یا ان کو توبہ دیوے یا ان کو عذاب کرے۔"

ڈپٹی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں :

" اے پیغمبر! تمہارا کچھ بھی اختیار نہیں، چاہے خدا ان پر رحم کرے یا ان کو سزا دے ۔"

مولانا تھانویؒ نے "دخل نہیں" لکھا ۔ مولانا مودودی صاحب نے یہ ترجمہ کیا :

"اے پیغمبر! فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ۔ اللہ کو اختیار ہے ۔ چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزا دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں ۔"

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ہاں بھی "دخل نہیں" کے الفاظ ہیں ۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب یہاں کوئی بعید تاویل نہ کر سکے ۔ قرآنی الفاظ کے سامنے بالکل عاجز ہو گئے ۔ اختیار کے لفظ سے بچے، دخل کا لفظ بھی پسند نہیں آیا ۔ پھر کیا لکھتے، آخر ترجمہ تو کرنا ہی تھا ۔ فرماتے ہیں :

"یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے ۔"

"تمہارے ہاتھ نہیں" ــــ کا مفہوم کیا تمہارے اختیار میں نہیں اور تمہارا دخل نہیں اور تمہارا حصہ نہیں ــــــ سے مختلف نہیں ؟

اردو والے کہتے ہیں تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، ہمارے ہاتھ میں کیا رکھا ہے ۔

اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہمارے قبضہ اور اختیار میں کچھ نہیں ۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے آلِ عمران والی آیت پر جو تفسیری نوٹ لکھا ہے وہ بڑا جامع ہے ۔ فرماتے ہیں :

"حق تعالیٰ نے پیغمبر کو تربیت فرمائی کہ بندہ کو اختیار نہیں ۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے ۔ اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں، لیکن چاہے ان کو ہدایت دے اور چاہے عذاب کرے ۔ اپنی طرف سے بددعا نہ کرو ۔"

القصص (۵۲) میں بھی خانصاحب نے ترجمہ کو تفسیر بنا دیا ہے، لیکن بہرحال اصل ترجمہ میں الٹ پھیر نہیں کی ہے۔

یہ مسئلہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت ابوطالب کے بارے میں قرآن نے کہا،

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ

(القصص: ۵۶)

یا محمدؐ! ہر آئینہ تو راہ نمی نمائی ہر کرا دوست میداری، ولیکن خدا رامی نماید ہر کرا خواہد۔

یہ ترجمہ شاہ ولی اللہؒ کا ہے اور یہی الفاظ میر سید شریف کے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ ہے:۔ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ تم راستہ نہیں دکھاتے جس کو دوست رکھتے ہو، لیکن خدا تعالیٰ راہ دکھا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

قرآن کریم نے حضورؐ کو مخاطب کر کے مَنْ اَحْبَبْتَ کہا مَنْ تَشَآءُ نہیں کہا اور خدا تعالیٰ کے لیے مَنْ یَّشَآءُ کہا۔ شاہ ولی اللہؒ نے ترجمہ میں اس فرق کو نمایاں کر دیا ہے۔

قرآن کریم ہدایت کے معاملہ میں حضورؐ کے ذاتی اختیار کی نفی کرتے ہوئے زور دینا چاہتا ہے کہ آپ جس کو پسند کریں جس سے محبت کریں اور جس کے لیے خواہش کریں، اسے اپنے اختیار سے ہدایت نہیں دے سکتے۔ البتہ یہ اختیار خدا تعالیٰ کو ضرور حاصل ہے کہ وہ جسے پسند کرے اُسے ہدایت پر لے آئے۔

اس آیت میں شاہ ولی اللہؒ کے بعد تمام حضرات نے مَنْ اَحْبَبْتَ اور مَنْ یَّشَآءُ میں کوئی فرق نہیں کیا۔

دونوں فقروں میں جس کو چاہے، جس کو چاہے۔ ترجمہ کیا جا رہا ہے۔

صرف ایک جالندھری صاحب ہیں جو شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ کی پیروی کر کے

آیت کی حقیقی مراد تک پہنچ گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اے محمد! تم جس کو دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔"

مشیت کے مقابلہ میں محبت کے لفظ میں تقاضا اور خواہش ہوتی ہے۔

قرآن کا مطلب اسی لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جس سے وابستہ ہو جائے وہ راہ پر آجاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جس سے متعلق ہو جائے اس کا راہ پر آنا ضروری نہیں۔ جب تک خدا تعالیٰ کی مشیت حرکت میں نہ آئے۔

مولانا احمد رضا خانصاحب نے آیت نمل ۸۰ کی طرح اس آیت کے ترجمہ کو بگاڑنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ایک لفظ کے اضافہ سے قرآنِ کریم کی حقیقی مُراد کو زیادہ واضح اور صاف کر دیا۔

فرماتے ہیں:

"بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔ ہاں، اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔"

شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ سے تو یہ بچے اور "اپنی طرف سے" کے الفاظ نے ترجمہ کو تفسیر بنا دیا اور ترجمہ کا اختصار ختم ہو گیا، لیکن آیت کے مفہوم پر جو اشکال وارد ہو رہا تھا خانصاحب نے اسے ضرور دور کر دیا اور اس حد تک ترجمہ میں اضافہ ناپسندیدہ نہیں۔

سماعِ موتیٰ کا فیصلہ

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے سماعِ موتیٰ کا جو فیصلہ کیا ہے وہ سورہ فاطر کی

آیت ۲۲ کے حاشیہ پر دیکھا جائے۔ آیت یہ ہے :

وَ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔

"اور تو نہیں سنانے والا قبروں میں پڑوں کو۔"

اس کی تفسیر کرتے ہیں :۔

اور فرمایا، تو نہیں سُناتا قبر میں پڑوں کو اور حدیث میں ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو۔ وہ سُنتے ہیں اور بہت جگہ مُردے کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ کہ مُردے کی رُوح سُنتی ہے اور قبر میں پڑ رہے دھڑ۔ وہ نہیں سُن سکتا۔"

دین کے معاملہ میں نبی کا اختیار

دینی احکام کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے با اختیار یا بے اختیار ہونے کا مسئلہ حسب ذیل آیت سے بھی واضح ہو جاتا ہے۔

سردارانِ قریش نے آپ سے خواہش ظاہر کی کہ جب ہم آپ کی مجلس میں دین کا پیغام سُننے اور سمجھنے کے لیے آیا کریں تو آپ اس وقت فقراء مہاجرین (جو قریش کے آزاد شُدہ غلام تھے) کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا کریں، کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری بے عزتی ہوتی ہے۔ حضورؐ تبلیغِ دین کی مصلحت کے تحت راضی ہو گئے اور یہ معاہدہ تحریر میں لایا جانے لگا۔ اتنے میں جبریل آ گئے اور انہوں نے یہ آیت سنائی :۔

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ، فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانعام: ۵۲)

ترجمہ : ان لوگوں کو دُور نہ کرنا جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے

ہیں اور وہ صرف خدا کی رضا چاہتے ہیں نہ وہ آپ پر بوجھ ہیں اور نہ آپ ان پر بوجھ ہیں۔
پھر اگر آپ نے انہیں دُور کیا تو آپ کا شمار بے انصافوں میں ہو گا۔

اس آیت کا خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور دراصل سرزنش اور تنبیہ ان لوگوں کو کی جا رہی ہے جو اپنے خاندانی غرور کے نشہ میں حضور سے غیر شریفانہ مطالبہ کرتے تھے۔

اس آیت کے بعد حضورؐ نے اپنا خیال ترک کر دیا مفسرین نے لکھا ہے کہ۔ ما علیك من حسابهم من شیئ عرب کا محاورہ ہے۔ عربی میں اس کا وہی مفہوم ہے جو ہمارے ہاں اردو میں اس محاورہ کا ہے۔ کہا جاتا ہے۔"ہم غریب ہیں تو اپنے گھر کے ہیں۔ وہ امیر ہیں تو اپنے گھر کے ہیں۔ ہم کسی پر بوجھ نہیں ہیں۔ ہم کسی کے گھر مانگنے نہیں جاتے۔"

یہ محاورہ اس آیت میں لایا گیا ہے اور کہنا یہ ہے کہ اے نبیؐ! تم ان فقراء کو اپنی مجلس سے نہ اٹھانا۔ یہ تم پر بوجھ نہیں ہیں اور نہ تم ان پر بوجھ ہو۔ یہ خدا کے مخلص بندے ہیں اور خدا کا دین سیکھنے کی غرض سے آپ کے پاس آتے ہیں۔

یہ سردارانِ قریش دین کا پیغام سُنیں یا نہ سنیں خدا کو اس کی پرواہ نہیں، لیکن خدا تعالیٰ اپنے مخلص غریب بندوں کی توہین برداشت نہیں کرتا یہ غریب کسی کے گھر کھانے نہیں جاتے۔ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

آخر میں تنبیہ کے اندر زور پیدا کرنے کی غرض سے یہ فقرہ بڑھا دیا۔ اگر آپ نے بالفرض ایسا کیا تو آپ بے انصافوں میں شمار ہونگے۔

تمام فارسی اور اُردو مترجمین نے اس آخری فقرہ کا لفظی ترجمہ کیا ہے:

آں گاہ باشی از ستم گاراں (شاہ ولی اللہؒ)

پس ہو جاوے تو ظالموں سے (شاہ رفیع الدینؒ)

پھر ہو جاوے تو بے انصافوں میں (شاہ عبدالقادرؒ)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے الفاظ کو ہلکا کر دیا، لیکن لفظی مفہوم سے دُور نہیں گئے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بہت ہلکا کر دیا اور لکھا — "اور آپ نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

ادب رسالت کی رعایت کے سبب ترجمہ کو الفاظِ قرآنی سے دُور کر دیا، ظلم کا ترجمہ نامناسب لغوی ترجمہ نہیں۔ تاویلی ترجمہ ہے۔

اسی طرح مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی اس فقرہ کے ترجمہ کو الفاظِ قرآنی سے آزاد رکھنے پر مجبور ہو گئے اور لکھا:

"پھر انہیں تم دُور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔"

حاکمانہ خطاب کی تاویل و توجیہ

بعض آیات میں خدا تعالیٰ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکمانہ انداز سے خطاب کیا ہے اور اس خطاب میں خدا تعالیٰ اپنے جلالِ الوہیت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔

اس کی ایک مثال آیت مذکورہ کا آخری فقرہ ہے:

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

دوسری آیت الزمر ۶۵ ہے

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ،

اور تمہاری طرف اور تم سے پہلوں کی طرف یہ وحی بھیجی گئی تھی کہ تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد کر دیئے جائیں گے۔ اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

الانعام میں تمام پیغمبروں کا تذکرہ کرنے کے بعد غائب کے صیغہ میں کہا گیا :

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اگر وہ رسول شرک کرتے تو ان کے اعمال برباد ہو جاتے ۔

اس قسم کی آیات ایک عام تلاوت کرنے والے کو بڑی الجھن میں ڈال دیتی ہیں۔ ایک طرف قرآن کہتا ہے کہ نبی و رسول معصوم و بے گناہ ہوتے ہیں۔ دوسری طرف قرآن ان رسولوں کو مخاطب کر کے سرزنش کرتا ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہاری نیکیاں برباد کر دی جائیں گی ۔

اسی طرح الانعام ۵۲ میں جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کر دیا گیا کہ آپ ان غربا اسلام کو اپنی مجلس سے نہ اٹھائیں اور آپ نے اس کی تعمیل کر لی تو پھر عمل نہ کرنے پر حضورؐ کو ظالموں میں شمار کرنے کی دھمکی دینے کا کیا مطلب تھا ؛

تفسیر کا ایک عالم تو اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ خطاب بالواسطہ دوسرے لوگوں کے لیے ہیں ۔ رسول و نبی کو خدا تعالیٰ مخاطب بنا کر ان کے ماننے والوں کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے اور نبی و رسول کو براہِ راست مخاطب بنانے کی مصلحت اس خطاب کو زیادہ مؤثر بنانا ہوتا ہے ۔

اس قسم کے خطابات کو "حاکمانہ خطاب" کا نام دیا گیا ہے ۔

ایسی آیات کے ترجمہ کو صرف لفظی ترجمہ کی حد تک رکھنا عام مسلمانوں کے لیے رسولوں کی طرف سے بد اعتقادی کا سبب ہو سکتا ہے ۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے ان آیات کے تراجم تاویلی اور تفسیری انداز پہ ہونے چاہئیں ۔

چنانچہ مولانا تھانویؒ نے ظلم کا ترجمہ "نامناسب کام" کیا ہے اور مولانا احمد رضا خانصاحب نے "انصاف سے بعید کام" کیا ہے اور لئن اشرکت کے ترجمہ میں خان صاحب نے لکھا ہے ـــــ "اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا" اس میں ظاہر کر دیا کہ حقیقی مخاطب رسول نہیں ہے ، بلکہ خطاب عام ہے ۔

واضح رہے کہ اس ضرورت کے علاوہ کوئی ضرورت ایسی نہیں جس کے تحت ترجمہ قرآن کو ترجمہ کے حدود سے نکال کر لے تاویل و تفسیر بنا دیا جائے، جیسا کہ مولانا احمد رضا خانصاحب نے اپنے بعض مبتدعانہ تصورات کو ترجمۂ قرآن کے اندر سمو لنے کی بھدّی کوشش کی۔ مثال کے طور پر نبی کا ترجمہ غیب بتانے والا۔ شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر، بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں ظاہری صورت بشری میں تم جیسا ہوں وغیرہ۔

اس طرح کی کوشش جو جمہور علماء کی روش کے خلاف ہے ہر گمراہ جماعت کو اس بات کا موقعہ دینے کے برابر ہے کہ وہ اپنے تصورات قرآن کریم کے ترجمہ کے ذریعے قرآن کے اندر داخل کر کے اُمّت میں گمراہی پھیلائے۔

آیاتِ متشابہات کی چند مثالیں

اور

شاہ صاحبؒ کی تشریحات

متشابہ آیت کی ایک مثال یہ ہے۔ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلق فرمایا :
اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۔ تحقیق مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا۔ رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف اور رُوح ہے اس کی ماں کی۔ (نساء ۱۷۱)

اس جگہ "رُوحٌ منہ" سے کیا مراد ہے؟ اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، لیکن قرآن کریم کی دوسری واضح آیات سے ملا کر جب اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو بات صاف ہو جاتی ہے اور مطلب یہ نکلتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح خدا تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ایک خاص رُوح ہے۔

سورۃ البقرہ میں اس بات کو اس اُسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (اور ہم نے ایک پاکیزہ رُوح سے عیسیٰؑ کی مدد فرمائی) دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ مسیحؑ کو ایسی پاک رُوح عطا کی جس پر کسی قسم کی برائی کا سایہ تک نہ پڑا تھا۔

خدا تعالیٰ نے مسیحؑ کی رُوح کو اپنی طرف منسُوب کر کے اس کی پاکی اور عظمت کا اظہار کیا ہے۔ یہی مطلب انجیل میں بھی تھا، مگر عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو "عین رُوح اللہ" قرار دے لیا۔ اور رُوح القدس کا مطلب یہ لیا کہ اللہ کی اپنی روح مقدس تھی جو مسیح میں حلول کر گئی۔ حالانکہ آج بھی انجیل متی میں یہ الفاظ ملتے ہیں :

"جو اس (مریم) کے پیٹ میں ہے وہ رُوح القدس کی قدرت سے ہے۔"
(باب ۱ آیت ۲۰)

عین رُوح القدس نہیں کہا گیا، اس کی قدرت کہا گیا۔

ما تشابہ کے معنی

شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں۔ "پس پیروی کرتے ہیں اس چیز کی کہ شُبہ ڈالتی ہے"

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس فقرہ کا ترجمہ سب سے الگ کیا ہے۔" وہ لگتے ہیں ان کے ڈھب والیوں سے "۔ یعنی وہ کج دِل لوگ ان آیتوں کے پیچھے لگتے ہیں جو ان کے ڈھب کی ہیں۔ جن پوشیدہ مطلب والی آیات کو لے کر وہ لوگ فتنہ پھیلا سکتے ہیں انہی کے پیچھے لگتے ہیں۔ حاصل یہ کہ شاہ صاحب نے تشابہ کے معنی کیے کہ وہ آیات جو ان گمراہوں کے مطلب کی ہیں۔ لفظی ترجمہ اس طرح ہوتا۔ جو ان کی مانند ہیں۔ اسی مفہوم کو مجازی لازمی معنی پہنا کر اُوپر والا ترجمہ کر دیا۔

تمام قرآن متشابہ ہے

سورۃ الزمر (۲۳) میں تمام قرآن کو متشابہ کہا گیا ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ — اللہ نے اتاری بہتر بات۔ کتاب

کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ — آپس میں ملتی، دوہرائی ہوئی۔

شاہ صاحب فائدہ میں لکھتے ہیں "کتاب آپس میں ملتی یعنی خوبی میں کوئی آیت کم نہیں، دوہرائی ہوئی یعنی ایک مدعا کئی طرح تقریر کیا۔

شاہ رفیع الدینؒ نے اس جگہ ایک بہترین لفظ رکھا۔ "کتاب ہے یکساں "۔ یہ یکسانیت صحت، صداقت، افادیت، فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہے۔ البتہ محکم اور متشابہ کے درمیان جو فرق ہے وہ ہمارے قصورِ فہم کے اعتبار سے ہے۔ فی نفسہٖ جو خوبیاں محکم کے اندر ہیں وہی متشابہ کے اندر بھی موجود ہیں۔

الزمر میں "متشابہاً" کا لفظ بالاتفاق "شبہ" سے مشتق مانا گیا ہے۔ سورۂ ہود کے شروع میں ساری کتاب کو محکم کہا گیا ہے — کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ۔ یہاں محکم بمعنی پکی، استوار، ثابت و مضبوط — شاہ صاحبؒ نے ایک نیا لفظ رکھا — "جانچ لی ہیں باتیں اس کی "۔ یعنی جچی تلی باون تولے پاؤ رتی کی ہیں۔ کسی آیت میں کسی طرح کی

کمزوری اور کھوٹ نہیں ہے۔

"تَشَابَہ" کا لفظ البقرہ (۷۰) اور الرعد (۱۶) میں بھی آیا ہے۔

اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَہَ عَلَیْنَا — گایوں میں شبہ پڑا ہے ہم کو (شاہ عبدالقادرؒ)

تحقیق وہ بیل مل گئے ہیں اوپر ہمارے۔ (شاہ رفیع الدینؒ)

کیونکہ اس بیل میں ہم کو قدرے اشتباہ ہے۔ (مولانا تھانویؒ)

اَمْ جَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَکَاءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ — یا ٹھہرائے ہیں انھوں نے اللہ کے شریک کہ انھوں نے کچھ بنایا ہے جیسے بنایا اللہ نے۔ پھر مل گئی پیدائش ان کی نظر میں۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے دونوں جگہ ملنا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں دو چیزوں کا قریب ہونا، متصل ہونا، مرکب ہونا، جُڑنا۔ ظاہر ہے کہ جب چند چیزیں ایک دوسرے کی مانند ہوں گی تو وہ آپس میں قریب، متصل اور جڑی ہوئی معلوم ہوں گی۔

سید شریف نے الرعد کی آیت میں تَشَابَہَ کا ترجمہ کیا۔ "پس پوشیدہ شد کارِ آفرینش برایشاں" یعنی کیا ان دیوتاؤں نے ہماری طرح کچھ پیدا کیا ہے۔

اور اس بنا پر خدا تعالیٰ کی تخلیق کا معاملہ ان مشرکین کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے خالق کل ہونے کی طرف سے شبہ میں پڑ گئے ہیں؟ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے یہ صرف ان کی گمراہی ہے۔

البقرہ (۱۱۸) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے متعلق کہا:

تَشَابَہَتْ قُلُوْبُہُمْ — اسی طرح کہہ چکے ہیں ان سے اگلے، ان کی سی بات، ایک سے ہیں دل بھی ان کے۔ (شاہ عبدالقادرؒ) ایک ہو گئے دل ان کے (شاہ رفیع الدینؒ)

دونوں بھائیوں کا ترجمہ بہت اچھا ہے — ایک ہیں — اور — یکساں ہیں دل ان کے۔
شاہ ولی اللہؒ نے کہا، "مشابہت دارند"۔ اس کا مفہوم اُردو میں محاورہ کے اندر رہ کر دونوں طرح بہت اچھا کیا گیا ہے۔

الانعام میں جنّت کے میووں کے بارے میں کہا گیا ہے۔
مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ (۹۹) جنّت کے وہ میوہ جات — "آپس میں ملتے جُلتے اور "(شاہ عبدالقادرؒ) یکساں اور غیر یکساں (شاہ رفیع الدینؒ)

پہلا لفظ افتعال (اشتباہ) سے ہے اور دوسرا تفاعل (تشابہ) سے ہے اور معنی دونوں کے ایک ہی کئے گئے ہیں۔

"تَشَابَهَ وَاشْتَبَهَ — ایک دوسرے کے مانند ہونا اور شک و شُبہ میں پڑنا۔
شِبْهٌ وَ شَبَهٌ جمع اَشْبَاهٌ۔ مانند، شکل و صُورت
شُبْهَةٌ جمع شُبَهٌ وَ شُبُهَاتٌ۔ شک، ذو معنی بات۔

(تسہیل الوہبیہ صہ ۳۵۹)

اِسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ

آیات متشابہات میں ایک وہ آیات ہیں جن میں خدا تعالیٰ کے لیے استویٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ البقرہ (۲۹) میں کہا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا	وہی ہے جس نے بنایا تمہارے
فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ	واسطے جو کچھ زمین میں ہے، سب
إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ	پھر چڑھ گیا آسمان کو، تو ٹھیک
سَمَاوَاتٍ	کیا اس کو سات آسمان۔

استویٰ کے لُغوی معنی ہیں سیدھا ہونا، درست ہونا، مکمل ہونا جیسے فَاسْتَوٰی

علیٰ سُوْقِهٖ (الفتح:۲۹) پھر کھڑا ہوا اپنی نال پر یعنی وہ پودا اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔
یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا گیا۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا
وَّعِلْمًا (القصص ۱۴) اور جب پہنچا اپنے زور پر اور سنبھلا یعنی جب موسیٰؑ اپنی بھرپور
جوانی کو پہنچ گئے اور جسمانی اور عقلی قوتوں میں ٹھیک ٹھاک ہو گئے، تب انہیں نبوّت دی گئی۔
لیکن یہ لفظ جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنیٰ قصد واَرادہ کے آتے ہیں اور جب
علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی غلبہ اور استعلاء کے ہوتے ہیں۔

اوپر والی آیت میں اسی لیے تمام مترجم حضرات نے۔ متوجہ شد۔ شاہ ولی اللہؒ
پھر قصد کیا۔ شاہ رفیع الدّین۔ ترجمہ کیا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس جگہ "چڑھ گیا" لکھا ہے اور حم السجدہ (۱۱) میں "پھر
چڑھا" لکھا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے اس لفظ سے خدا تعالیٰ کے لیے جسم وجسمانیّت کا خیال پیدا ہوتا ہے
لیکن حقیقت میں شاہ صاحبؒ کا یہ لفظ مجازی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

اُردو میں چڑھنا نیچے سے اُوپر کو جانا اور مجازاً "چڑھنا، ترقی کرنا، جیسے بھاؤ چڑھ
گیا، بڑھ گیا۔ شاہ صاحبؒ نے اسی مجازی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ زمین کی تخلیق
فرما کر آسمان کی پیدائش کے لیے آگے بڑھا۔

دُوسری آیات میں عرش کے ساتھ یہ لفظ آیا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى
(طٰہٰ ۵) وہ بڑی مہر والا تخت کے اُوپر قائم ہوا۔ (شاہ عبدالقادرؒ)

الاعراف (۵۴) میں ترجمہ کیا — "پھر بیٹھا تخت پر"۔ دوسرے حضرات نے
شانِ باری کے تقدس و تنزہ کے مطابق تاویلی ترجمہ کیا۔

پس حکم کرد آفریدنِ عرش (سیّد شریف)
باز مستقر شد بر عرش (شاہ ولی اللہؒ)

پھر قرار پکڑا اُوپر عرش کے (شاہ رفیع الدینؒ)

بعد کے اُردو مترجم تمام کے تمام "قائم ہوا" کا لفظ لکھ رہے ہیں۔ مولانا آزادؒ نے تاویلی ترجمہ اس طرح کیا۔" اور پھر وہ (اپنی حکومت و جلال کے) تخت پر متمکن ہوا۔" یعنی خدا کی بادشاہت کائناتِ ہستی میں قائم ہو گئی۔

شاہ عبد القادرؒ نے دراصل عربی محاورہ کو اردو محاورہ کا جامہ پہنایا۔ علمارِ تاویل نے لکھا ہے کہ استوار علی العرش سے مُراد عرفِ عام کے مطابق حکومت کو سنبھالنا اور اقتدارِ سلطنت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ فلاں بادشاہ تخت پر بیٹھ گیا۔ یعنی اس نے حکومت سنبھال لی۔ چونکہ پُرانے زمانہ میں جو شخص حکومت کا مالک بنتا تھا وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔ اس لیے یہ محاورہ ہو گیا۔ یہ آیت کئی جگہ آئی ہے اور ہر جگہ شاہ صاحبؒ نے "قائم" کا لفظ لکھا ہے۔ سوائے اعراف کی آیت کے۔ اس سے شاہ صاحب نے یہ بتایا ہے کہ تمام آیات میں استوار علی العرش ایک محاورہ کے طور پر بولا گیا ہے۔ اور اس کا وہی مطلب ہے جو اُردو کے اس محاورہ کا مطلب ہے کہ "وہ تخت پر بیٹھ گیا۔" ورنہ خدا تعالیٰ کے لیے کھڑا ہونا، بیٹھنا وغیرہ کے الفاظ کی نسبت دُرست نہیں ہے۔

استوار علی العرش کے متعلق سلف و خلف کے درمیان اختلاف ملتا ہے۔ محدثین کے طبقہ نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ عرش پر قائم ہے اور یہ جملہ بغیر تاویل کے تسلیم کیا جانا چاہیئے۔ البتہ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اسے خدا کے علم پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

اصحابِ تاویل کی طرف سے اصحابِ ظاہر کے مسلک پر نقد کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ ظاہری معنی کے اعتبار سے عرش پر قیام کو اگر خدا تعالیٰ کی عظمت کا نشان مان لیا جائے تو پھر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ عرش سے پہلے خدا تعالیٰ کہاں قائم تھا؟ پس جب عرش سے پہلے بھی خداوندِ عالم کی عظمت قائم تھی تو عرش پر اس کا قیام کیوں ضروری سمجھ لیا جائے۔ حاصل یہ کہ قیامِ عرش دراصل عام محاورہ کے مطابق امورِ سلطنت کی تدبیر و انتظام کی طرف

اشارہ ہے۔ جیسا کہ الاعراف میں استوار کے بعد یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کہا گیا ہے۔

کشفِ ساق کا مطلب

متشابہات میں سے ایک آیت سورۃ القلم کے کشفِ ساق کی ہے

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ — جس دن کھولی جائے پنڈلی اور

وَیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ — بلائے جاویں سجدہ کو، پھر نہ کر سکیں

اس آیت سے متعلق میدانِ حشر کا جو واقعہ روایتوں میں منقول ہے۔ اسے حضرت شاہ صاحبؒ نے فوائد میں نقل کر دیا ہے۔ اس میں بھی پنڈلی کھولنے کا ذکر موجود ہے۔

مولانا عثمانیؒ نے اس کی تشریح میں لکھا ہے۔

ساق پنڈلی کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات و حقائقِ الٰہیہ میں سے جس کو کسی خاص مناسبت سے "ساق" فرمایا ہے۔ جیسے قرآن میں یَدُ (ہاتھ) وَجْہ (چہرہ) کا لفظ آیا ہے۔ یہ مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں۔ (حمائل ص۷۴۴)

حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں یہی تاویل بیان کی ہے۔ الفاظ کے معمولی رد و بدل کے ساتھ مولانا عثمانیؒ نے اسے نقل کر دیا ہے، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ نے فتح الرحمٰن میں بعض مفسرین کی اس تاویل کو پسند کیا ہے کہ "کشفِ ساق" کنایہ ہے شِدّتِ حال سے۔ "ایں کلمہ کنایت است شدت حال"۔ یعنی عرب کے لوگ جب کسی مشقت کے کام کا ارادہ کرتے ہیں تو کپڑا اونچا کر لیتے ہیں اور پنڈلیاں کھل جاتی ہیں۔ عرب کے اس دستور سے پنڈلیاں کھولنا ایک محاورہ بن گیا اور اس سے کسی معاملہ کی شدّت کی طرف اشارہ کیا جانے لگا۔

شاعر کا قول ہے۔ کشفت الحرب عن ساق۔ جنگ نے پنڈلیاں کھول دیں۔ یعنی جنگ زور پکڑ گئی۔ یہ تاویل علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔

(ابن کثیر ج ۴ ص۴۰۴)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب صحیحین کی روایت (یکشف ربنا عن ساق) کی وجہ سے کشفِ ساق کو ظاہر معنی پر محمول فرمانا پسند کر رہے ہیں اور اسی لیے فوائد میں اس روایت کو نقل کیا ہے، بخلاف بڑے شاہ صاحبؒ کے جنہوں نے عربوں کے محاورہ کے مطابق آیت کی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

بَل یَدَاہ مبسوطتان

اسی طرح کی ایک آیت المائدہ (۶۴) میں ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جب یہود مدینہ کے معاندانہ رویّہ نے ان پر ہر طرح کی پریشانیاں مسلّط کیں اور وہ معاشی تنگی میں گرفتار ہوئے تو انہوں نے کہا،

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ	اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بندھ گیا
غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا	انہیں کے ہاتھ باندھے جاویں اور
قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ	لعنت ہے ان کو اس کہنے پر، بلکہ
يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ	اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔

اس جگہ حضرت شاہ صاحب نے یَدَان (ہاتھوں) سے خدا تعالیٰ کی دو صفتیں، (صفتِ قہر، صفتِ مہر) مرادلی ہیں۔ فوائد میں لکھتے ہیں —— یہ یہود میں بولنا رواج تھا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہوا یعنی ہم پر روزی تنگ ہوئی۔ یہ کفر کا لفظ ہے۔ فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ کبھی بند نہیں۔ دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ قہر کا اور مہر کا۔ تم پر اب قہر کا ہاتھ کھلا ہے۔ مہر کا اوروں پر۔

مولانا عثمانیؒ لکھتے ہیں: یہود کبھی کہتے اِنَّ اللّٰہَ فقیرٌ و نحن اغنیاء کبھی یہ الفاظ مُنہ سے نکالتے۔ ید اللہ مغلولۃ اس سے مراد یا تو وہی ہوگی جو اِنَّ اللّٰہَ فقیرٌ سے تھی کہ خدا تعالیٰ تنگدست ہوگیا اور اس کے خزانہ میں کچھ نہیں رہا یا غلِّ یَدْ کنایہ بخل و امساک سے ہو یعنی تنگدست تو نہیں، مگر آجکل بخل کرنے لگا ہے۔ بہرحال کوئی معنی لو اس کلمۂ کفر کا منشاء یہ تھا۔ الخ

مطلب یہ کہ ہاتھ کا بند ہونا اور کھلنا عرب میں کنایہ ہے سخاوت اور بُخل سے
اسی محاورہ کے مطابق یہود خدا تعالیٰ کو بخیل کہتے تھے اور اسی محاورہ کے مطابق خدا تعالیٰ
نے انہیں جواب دیا۔ اس تاویل کے مطابق آیت کا مطلب واضح ہے اور اسے متشابہات
میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ۔"

مولانا آگے لکھتے ہیں :

حق تعالیٰ کے لیے جہاں ہاتھ پاؤں، آنکھ وغیرہ نعوت و صفات ذکر کی گئی ہیں
ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہیئے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضاء
جسمانی رکھتا ہے۔ پس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم وغیرہ تمام صفات
کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی۔

؎ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

اسی طرح ان نعوت و صفات کو خیال کرو۔ (حمائل ص۱۵۳)

قرآن کریم میں یہ محاورہ دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب
فرمایا :- وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً | اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن
إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا | کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو،
كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل ۲۹) | نرا کھولنا

عرب کے مشہور محاورہ کے مطابق ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیؐ! نہ تم بالکل بخیل
ہو جاؤ اور نہ ایسے سخی داتا کہ سب کچھ دے دو اور بعد میں پچھتاؤ۔

قرآن میں کسی جگہ بیدہ الخیر ہے اور کسی جگہ بیدہ الملک ہے اور یہاں بھی مراد
وہی محاوراتی مفہوم ہے یعنی اس کے قبضہ و تصرف میں تمام بھلائیاں ہیں اور اسی کے قبضہ،
قدرت میں ساری سلطنت ہے۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ علمار محققین انہی آیات کو متشابہات میں داخل کرتے ہیں جن کا صحیح مفہوم متعین ہونا مشکل نظر آتا ہے، لیکن وہ آیات جن میں خدا تعالے نے محاورۂ عرب کے مطابق کوئی بات کہی ہے ان آیات کا مفہوم محاورات کی روشنی میں آسانی کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان آیات میں بلا سبب باریک تاویلات پیدا کرنا اور انہیں متشابہہ اور خفی المراد قرار دینا ان حضرات محققین کے نزدیک مرجوح معلوم ہوتا ہے۔

مُطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ

سورۂ الزمر میں بھی ایک آیت (۶۷) اسی قسم کی وارد ہے۔ قیامت کے دن کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ	اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اس
یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ	کی، دن قیامت کے اور آسمان
مُطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ	لپٹے ہیں اسکے داہنے ہاتھ میں۔

اس پر فائدہ تحریر فرمایا ہے۔

"اللہ کے فرمانے موافق اللہ کا داہنا ہاتھ کہیئے اور بایاں نہ کہیئے۔" اس جگہ شاہ صاحبؒ نے سلف کی راہ اختیار کی کہ اللہ کے لیے داہنا ہاتھ قرار دیا گیا ہے۔ اسے اس کی شانِ اعلیٰ کے مطابق سمجھا جائے اور کوئی تاویل نہ کی جائے، البتہ اس کے لیے بایاں ہاتھ قرار نہ دیا جائے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے لیے بایاں ہاتھ قرآن میں مذکور نہیں۔

سیدؒ شریف جرجانی نے آیت زمر کا تاویلی ترجمہ کیا ہے۔ "وزمین ہمہ زیرِ قدرت او باشد روزِ قیامت و آسمانہا در پیچیدہ شود بقدرتِ او۔"

ید (ہاتھ) کنایہ قدرت سے ہے۔ عربی میں یہ بولا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق شیخ

نے ترجمہ کیا ہے۔

قَبضَ کے معنی عربی میں ہاتھ سے پکڑنا، کسی چیز کو کھینچنا، سکیڑنا۔ قَبضَۃ، مُٹھی، مُٹھی بھر چیز۔ فَعلَۃ کا وزن مَرّۃ کے لیے آتا ہے۔ یہاں معنی ہوں گے ایک مُٹھی۔ شاہ صاحبؒ نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے اور اردو محاورہ کا رنگ پیدا کر دیا ہے۔ یعنی "زمین ساری ایک مُٹھی ہے اس کی"

دوسرے حضرات نے قبضۃ کو مقبوضۃ کے معنی میں لیا ہے۔ "اور زمین ساری مُٹھی میں ہے اُس کی" (شاہ رفیع الدینؒ) ساری زمین مٹھی میں ہو گی۔ (حضرت تھانویؒ)

اُردو محاورہ میں بھی ہاتھ کا لفظ قدرت اور قبضہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے "یہ کام میرے ہاتھ میں ہے" یعنی میرے اختیار میں ہے۔

کلامِ الٰہی میں فصاحت و بلاغت کی جو یکسانی پائی جاتی ہے وہ کسی انسانی تصنیف میں ممکن نہیں۔

شاہ صاحبؒ کے ہاں

اِطلاق کی رعایت

قرآنِ حکیم جو بات اِطلاق کے ساتھ کہتا ہے اس سے مفہوم اور معنی کی وُسعت اور عموم کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کے لفظی اطلاق کا اپنے ترجمہ میں پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور قرآنِ حکیم کی حقیقی مُراد کو اپنے ترجمہ میں ظاہر کرنے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں شاہ صاحبؒ دُوسرے اکابر مترجمین کے مقابلہ میں منفرد شان کے مالک ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے:

وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ — اور ہم اسی کے ہیں نرے

(البقرہ: ۱۳۹)

خداوند پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان سے یہ اعلان کرایا ہے۔ اس میں اخلاص کو اطلاق اور عموم کے ساتھ رکھا ہے۔ کسی قید کے ساتھ بیان نہیں کیا اور اس اطلاق میں اظہارِ عبدیّت کا کمال پوشیدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نرے اللہ کے ہیں۔

خالص اسی کے ہیں۔ ہمہ تن پوری ہستی کے ساتھ، ظاہر و باطن، ایمان و عبادت کے ساتھ صرف اسی کے ہیں۔ اس عموم میں اتنا مبالغہ اور اتنی وسعت ہے۔

شاہ صاحبؒ نے الفاظ قرآن کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ دوسرے حضرات نے اس فقرہ کے اطلاق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ دوسرے تراجم حسب ذیل ہیں:

اور ہم واسطے اس کے اخلاص کرنے والے ہیں۔ (شاہ رفیع الدینؒ)

اور ہم خالص اسی کو مانتے ہیں۔ (ڈپٹی صاحب)

اور ہم اللہ ہی کے لیے اپنی بندگی کو خالص کر چکے ہیں۔ ( )

صرف اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔ (مولانا آزادؒ)

اور ہم تو خالص اسی کے اطاعت گزار ہیں۔ (مولانا احمد سعید صاحبؒ)

اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کے لیے اپنے دین کو خالص کر رکھا ہے (مولانا تھانویؒ)

اور ہم خاص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (مولانا فتح محمد جالندھری)

شاہ رفیع الدینؒ کے ہاں تو اطلاق موجود ہے۔ اگرچہ تحت اللفظ ترجمہ کی وجہ سے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ والی سلاست اور فصاحت موجود نہیں ہے۔

باقی تمام مترجم صاحبان نے ماننا (ایمان) بندگی عبادت اور اطاعت کے الفاظ کو مقدر مانا ہے اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مفسرین نے مخلصون " کے بعد "الدِّیْنَ وَالْعَمَلَ" کے الفاظ مقدر مانے ہیں۔ (جلالین ص۱۲)

اسی کی پیروی میں سب کا ذہن ان الفاظ کو مقدر ماننے کی طرف چلا گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو خدا تعالیٰ نے مجتہدانہ بصیرتِ قرآنی عطا فرمائی تھی۔ اس لیے شاہ صاحبؒ مفسرین کی پیروی کو ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ اپنی خداداد فہم سے کام لیتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، اے نبی! اس کا اعلان کر دو کہ صرف ایمان و عبادت ہی نہیں بلکہ اپنی پوری ہستی کے ساتھ ہم اسی کے ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری جگہ

اعلان کرایا گیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یہی اسپرٹ اس ایک مختصر جملے میں موجود ہے کہ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۔

بامحاورہ اُردو تراجم میں ایک ترجمہ احمد رضا خانصاحب کا ضرور ایسا نظر آتا ہے جس میں شاہ صاحب کے ترجمہ کا اطلاق شاہ صاحبؒ ہی کے الفاظ میں موجود ہے۔

البتہ خانصاحب نے شاہ صاحب کے پرانے اسلوب کو جدید اُسلوب میں بدل دیا ہے۔

لکھتے ہیں:

"ہم نرے اسی کے ہیں۔"

خانصاحب نے نرے کا لفظ دوسری آیات میں بھی استعمال کیا ہے جبکہ دوسرے تمام اردو مترجمین نے شاہ صاحبؒ کے لفظ کو پرانا سمجھ کر ترک کر دیا ہے۔

تعجب ہوتا ہے ان اردو مترجمین پر جنہوں نے اپنے اردو ترجمہ میں دلی کی زبان استعمال کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔

خاص طور پر ڈپٹی نذیر صاحب، مولانا احمد سعید صاحبؒ کہ ان حضرات نے بھی دلی کے اس عام فہم اور بلیغ لفظ نِرے کو بالکل ہی کیوں ترک کر دیا؟

"خالص" عربی لفظ ہے اور یہ لفظ اُردو میں بھی بکثرت بولا اور لکھا جاتا ہے، لیکن "نِرے" اور "نِرا" کے الفاظ بھی تو عوام کی زبان میں اسی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ پھر اسے کیوں بالاتفاق نظر انداز کر دیا گیا؟

مولانا فتح محمد صاحب جالندھریؒ نے خالص کی جگہ "خاص" لکھا ہے اور دوسرے تراجم کے مقابلے میں نُدرت پیدا کی ہے۔

بہرحال قرآنِ کریم نے اس مقام پر اس جُملہ کو مطلق ہی رکھا تھا۔ اس لیے مترجم حضرات کو بھی اس کی رعایت کرنی چاہیئے تھی۔ دوسری آیات میں اخلاص کو "دین" کے ساتھ مقید کیا

ہے، وہاں تقلید کے ساتھ ترجمے کرنا درست تھا۔

دوسری آیات لیجئے :

وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ (النساء : ۱۴۶)	اور نرے حکم بردار ہوئے اللہ کے
وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (الاعراف : ۲۹)	اور پکارو اس کو نرے اس کے حکم بردار ہوکر۔
اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر)	سنتا ہے! اللہ ہی کو ہے بندگی نری۔

ان آیات میں اخلاص کے ساتھ دین کا لفظ بولا گیا ہے اور شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے ترجمہ میں اس کے مفہوم کا اظہار کیا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے ان تراجم کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ شاہ صاحب نے دین کا ترجمہ "حکم برداری" کیا ہے اور وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ عبادت اور بندگی کے الفاظ عرفِ عام میں نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے ساتھ خاص ہوگئے ہیں۔ عبادت سے ذہن نماز روزہ کی طرف جاتا ہے۔

حکم برداری کا لفظ عام ہے، زندگی کے تمام معاملات میں خداوندِ عالم کے حکم کی تعمیل کرنے کا نام حکم برداری ہے۔ یہ صرف نماز روزہ تک محدود نہیں ہے۔

اور یہی مرادِ خداوندی ہے۔

النبی اولیٰ بالمؤمنین کا غور طلب ترجمہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت اور ایمان والوں کے ساتھ کتنی محبت اور آپؐ کا اُمت پر کتنا حق ہے۔ اسے سورۂ احزاب کی حسب ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ (۶)

مشہور مفسر حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

خدا تعالیٰ کو علم تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت سے کتنی محبت ہے اور آپ ایمان والوں کے کتنے خیر خواہ ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا کہ نبی ایمان والوں سے انکی جانوں کی بہ نسبت زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حکم ان کے معاملات میں ان کے ذاتی اختیار سے مقدم ہے۔ جو اختیار ایمان والوں کو ان کی جانوں کے بارے میں حاصل ہے اس سے زیادہ نبیؐ کو حاصل ہے۔

اس آیت کی تفسیر ایک حدیث میں حضور علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: مامن مومن الا و انا اولی الناس بہ فی الدنیا والآخرۃ اقرءوا ان شئتم النبی اولی الخ ــــ کوئی ایمان والا نہیں، مگر یہ کہ میں تمام لوگوں کے مقابلہ میں ان سے زیادہ قریب ہوں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ــــ فایما مومن ترک مالاً فلیرثہ

ضیعتہ من کالولو ان ترک دنیا او ضیاعاً (عیالاً) فلیاتنی فانا مولاہ۔

پس جو ایمان والا کوئی مال چھوڑے تو اس کا حقدار اس کا شرعی وارث ہوگا۔ اور اگر اس پر کوئی قرض ہو یا وہ بال بچے چھوڑ کر مرا ہے تو وہ میرے پاس آئیں میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور ان کے اہل و عیال کی پرورش کروں گا۔ (ابن کثیر ج ۳ ص۴۶۸)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کے نفع و نقصان سے زیادہ واقف ہیں۔ ان کی جانیں اور ان کے نفس کبھی اپنے فائدہ کی باتوں سے غافل اور بےخبر ہوجاتے ہیں اور خود اپنے نفع و نقصان کی انہیں خبر نہیں ہوتی، لیکن رسول پاک ہر حال میں ان کے نفع و فائدہ سے آگاہ رہتے ہیں اور اسی لیے آپ کے احکام ان کے مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے نبیؐ کی اطاعت ان پر فرض قرار دی گئی۔

من انفسہم میں مفسرین نے ماں باپ کو بھی داخل کیا ہے۔ یعنی آپ مومن کے ماں باپ سے بھی زیادہ مومن پر حق رکھتے ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس آیت کی تشریح میں مولانا نانوتویؒ کی تاویل[1] کو پسند کیا اور ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے حضور کی محبت اور حق تصرف کو اپنے انداز میں بیان کیا اور لکھا کہ ہر مومن کا روحانی اور ایمانی وجود حضور کی روحانیت کبریٰ کا پرتو اور عکس ہے اور ہر مومن کا ایمان آفتاب نبوت کی شعاع اور اس کی کرن ہے۔ حق تصرف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ تفسیری فائدہ نقل کیا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے:

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے تو فرض

---

[1] حضرت نانوتویؒ کی تشریح آگے آرہی ہے۔

ہو جاتے۔"

حضرت تھانوی کی تشریح

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اولیٰ کا ترجمہ تعلق کیا ہے۔
"نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔"
تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نفس انسانی اگر بُرا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ مومن کا بدخواہ ہوگا۔ اور اگر نفس اچھا ہے تب بھی وہ زندگی کی بعض مصلحتوں سے بے خبر رہتا ہے اور نبی کو خدا نے انسانی فلاح و خیر کا ضروری علم عطا فرمایا ہے۔ اس لیے نبی ہر حال میں اُمت کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ (بیان القرآن ج ۹ ص ۳۷)
مولانا نے تصرف اور مالکیت کے الفاظ میں اپنے ترجمہ اور تشریح دونوں کو بچایا ہے شاید اس لیے کہ اس قسم کی تاویلات اور علم کلام کی ایسی بحثوں سے کم علم لوگوں میں حضورؐ کے متعلق غلط تصورات پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس آیت کے ترجمہ اور تشریح میں مولانا تھانویؒ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے:
"بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔"
تشریحی نوٹ کا خلاصہ یہ ہے: "وہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار سکتے ہیں، حماقت کرکے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر سکتے ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے وہی تجویز کریں گے جو فی الواقع ان کے حق میں نافع ہو۔" (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۷)
مودودی صاحب نے ترجمانی میں اولیٰ کا ترجمہ "مقدم" کیا ہے اور تمام اہل تراجم سے الگ راہ اپنائی ہے۔
یہ لفظ مولانا نے اہل تفسیر کی تشریحی عبارت سے اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ

کی عبارت — انّهٗ مقدمًا علیٰ اختیارھم لا نفسھم — سے ظاہر ہوتا ہے۔
تشریحی نوٹ میں بھی مولانا نے حاکم، مالک اور متصرف کے الفاظ سے اجتناب
کیا ہے اور اس تفسیری انداز میں مودودی صاحب اور تھانوی صاحب کا ایک ہی ذوقِ نظر
آتا ہے۔ حالانکہ تھانویؒ بھی مولانا نانوتوی کے حلقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس طرح مولانا شبیر احمد
تعلق رکھتے ہیں۔

حضورؐ کی تفسیر

جہاں تک اس تفسیر کا تعلق ہے جو حضرت ابوہریرہ کے واسطہ سے امام بخاریؒ نے
نقل کی ہے۔ اس میں خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیٰ کو ہمدردی، شفقت اور محبت
کے مفہوم میں لیا ہے اور حاکمیت اور مالکیت کے مفہوم کی طرف کوئی ہلکا سا اشارہ بھی اس
مرفوع تفسیر میں موجود نہیں۔
آپؐ نے فرمایا: "مَیں ہر مومن کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں خیرخواہ اور مشفق
ہوں۔"
دنیا میں شفقت کا نمونہ یہ بیان فرمایا کہ جو ایمان والا مقروض ہو کر مرجائے تو میں اس
کا قرضہ ادا کروں گا اور اس کے بچوں کی پرورش میرے ذمّہ ہوگی۔
آخرت میں شفقت کا اثر کیا ظاہر ہوگا۔ اسے چھوڑ دیا۔ لیکن دُنیوی شفقت
پر قیاس کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آخرت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اپنی گناہ گار اُمت
کو اپنی شفاعت سے بخشوا دیں گے۔
بہرحال اس صحیح حدیث میں جو تفسیر خود رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول
ہے اس کی روشنی میں مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی
کی تفسیر کا انداز مرادِ خداوندی سے قریب معلوم ہوتا ہے۔

اور حضرت نانوتویؒ کے اس اشارہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ عام لوگوں کے لیے حضور کے واسطہ اور وسیلہ ہونے کے اس نازک مفہوم کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے مالک وحاکم کے الفاظ سے اجتناب زیادہ مناسب ہے۔

اب اس آیت کے مختلف تراجم پر نظر ڈالیے:

سید عبدالقاہر جرجانی نے اولیٰ کا ترجمہ — سزاوار تراست — لکھا ہے، یعنی نبی زیادہ حقدار ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ نے سزاوار کے لفظ کو واضح کیا اور لکھا — پیغمبر سزاوار تر است بتصرف در امور مسلمین از ذاتہائے ایشاں — یعنی آپ مسلمانوں کے معاملات میں تصرف کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے — شفقت کرنے والا ہے — ترجمہ کیا ہے

ڈپٹی صاحب نے ترجمہ کیا — نبی زیادہ حق رکھتے ہیں۔

فتح محمد صاحب نے انہی الفاظ کو اختیار کیا ہے۔

مولانا احمد علی صاحبؒ نے یہ لکھا — "نبی مسلمانوں کے معاملہ میں ان سے بھی زیادہ دخل دینے کا حقدار ہے"

مولانا نے حق داری کی تشریح دخل دینے سے کی ہے۔ تصرف اور مالکیت کے الفاظ سے اجتناب کیا، مولانا احمد سعید صاحب نے حضرت تھانوی کے الفاظ کو ترجیح دی۔ مولانا احمد رضا خانصاحب نے شاہ ولی اللہ اور مولانا نانوتوی کی تاویل کے مطابق ترجمہ کیا اور تفسیر و تشریح کا لفظ ترجمہ کے اندر ہی رکھ دیا۔

آخر خانصاحب کو احتیاط کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ لکھتے ہیں:

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"

لغت عربی میں اولیٰ کا صیغہ اسم تفضیل ہے اور اس کا مادہ ولی ہے۔ ولی، ولیا اور

ولایۃ کے معنیٰ قریب ہونا اور حکومت کرنا دونوں آتے ہیں۔ ہر مترجم نے اپنے ذوق کے مطابق اس جگہ ترجمہ اختیار کیا۔

تفسیر میں بعض مفسرین نے عقیدہ توحید کی حفاظت کا خیال رکھا اور قریب اور دوست کے مفہوم کے مطابق تقریر کی۔ جیسا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے لکھا کہ حضور علیہ السلام کی یہ حیثیت (وسیلہ اور واسطہ) بہت نازک اور عام سمجھ سے بالا ہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے شریعت کے عام قوانین کی پابندی میں رسُول اور اُمّت دونوں کو تقریباً برابر رکھا ہے۔

اُردو تفاسیر میں اس کا لحاظ مولانا تھانوی اور مودودی صاحب کے ہاں ملتا ہے۔

قرآنِ کریم نے بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاکم اور مالک جیسے الفاظ سے اجتناب کیا ہے اور حضُور کو مطاع فرمایا ہے۔

وَمَا ارسلنامن رسول الا لیطاع باذن اللہ ــــــ آپ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ لوگ آپ کی پیروی کریں خدا کے حکم سے۔ باذن اللہ کی قید لگا کر واضح کر دیا کہ آپ کے پاس خدا کے احکام آتے ہیں اور آپ انہی احکام کی پیروی کراتے ہیں۔ آپؐ کے احکام ذاتی نہیں ہوتے۔ ہر حکم وحیِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔ جس آیت میں لیحکم بین النّاس فرمایا وہاں بھی بما ارٰکَ اللہ (نساء) کی قید لگائی۔ یعنی آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں۔ انہیں حکم دیتے ہیں اس ہدایت کے مطابق جو اللہ آپ پر اتارتا ہے اور اس روشنی کے مطابق جو اللہ آپ کو دکھاتا ہے۔

قرآن کریم نے یہ قیود اس لیے لگائی ہیں کہ خدا کی حقیقی حکمرانی اور مطلق حاکمیت کا تصوّر ایمان والوں کے ذہن میں واضح رہے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم جس معنی میں اُمّت کے مقتدر اور حاکم ہیں وہ معنی اپنی حدیں رہیں۔ شرک باللہ کی حد تک نہ پہنچیں۔

اس تمام تشریح کو سامنے رکھ کر اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ شاہ عبد القادرؒ نے اس آیت کا ترجمہ کیا فرمایا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں :

"ایمان والوں کو لگاؤ ہے نبی سے ان کی جانوں سے زیادہ۔"

یہ ترجمہ موضح القرآن کے تمام قدیم و جدید نسخوں میں اس طرح ملتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اسی طرح رکھا ہے اور اس میں کوئی لفظی تبدیلی نہیں فرمائی۔

اس ترجمہ سے آیت کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ آیت پاک حضور علیہ السلام کی محبت اور حقِ تصرف کو ظاہر کر رہی ہے۔ اور شاہ صاحبؒ کا ترجمہ ایمان والوں کی حضورؐ کے ساتھ محبت کا اظہار کرتا ہے۔

حالانکہ ایمان والوں میں سب ایسے کہاں ہیں جو حضورؐ سے اپنی جانوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ پھر اس ترجمہ سے وہ مفہوم کہاں پیدا ہوتا ہے جس کے مطابق شاہ صاحبؒ تفسیری فائدہ لکھا ہے۔ جیسے اوپر نقل کیا گیا۔

مولانا عثمانیؒ کا انداز یہ رہتا ہے کہ وہ شاہ صاحب کے ترجمہ کی وضاحت بھی کرتے جاتے ہیں اور اس سے دوسرے مفسرین کو جو اختلاف ہوتا ہے اسے بھی بتا دیتے ہیں۔ لیکن یہاں مولانا نے ترجمہ کے انداز کو بالکل نہیں چھیڑا ہے۔

اب علماء کرام سے گزارش ہے کہ وہ شاہ صاحب کے ترجمہ پر غور کریں اور راقم السطور کی الجھن کو دور فرمائیں۔

حضورؐ کی بشریت شاہ صاحبؒ کے ہاں

قرآنِ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان کر
کے اس سے کئی مسئلے حل کیے ہیں۔

بشریت سے رسالت کا اثبات

بشریت سے رسالت کا اثبات کیا گیا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے تھے۔

لوگو! میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ پھر مجھ میں یہ علمی کمالات اور اخلاقی
فضائل کہاں سے آ گئے؟ ظاہر ہے کہ یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے اور اسی کا نام
رسالت ہے...... ایک امی عالم کیسے بن گیا؟ اور ایک سراپا اخلاق وکرم کسی فوجی
ٹریننگ کے بغیر ۱۲ سال کے بعد میدان بدر میں ایک کامیاب سپہ سالار بن کر کھڑا ہو گیا۔؟

بشریت سے اطاعت کی ترغیب

اس اعلان سے آپ کا یہ بھی مقصد تھا کہ لوگوں میں احکام رسالت اور اسوۂ
نبوت کی اطاعت کا شوق پیدا ہو۔

عام ذہن آپ کے کمالات اور آپ کے اندر قوت قدسیہ کے اثرات
دیکھ کر مرعوب ہو سکتا تھا اور یہ سوچ سکتا تھا کہ آپ جیسے بے مثال انسان کی
پیروی کرنا ایک عام آدمی کے بس کی بات کیسے ہو سکتی ہے۔

اس کا علاج یہ تھا کہ آپؐ اپنی بشریت کا اظہار کریں اور یہ فرمائیں کہ میں تو
تم جیسا بشر ہوں پھر میری اتباع کرنا اور میری طرح نیکیاں کرنا تمہارے لیے کیا

مشکل ہے۔

فرشتے کی اتباع تو مشکل ہو سکتی ہے مگر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنا اولادِ آدم کے لیے مشکل نہ ہونی چاہیئے۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

انما انا بشر مثلکم

کے ترجمہ میں عجیب رعایت کی ہے اور اسے سوءِ ادب کے شائبہ سے بچایا ہے اس پر غور کریں۔ فرماتے ہیں:۔

تو کہہ میں ایک آدمی ہوں جیسے تم .... (الکہف)

عام طور پر مانند شما (شاہ ولی اللہ) تم ہی جیسا بشر (تھانوی) اور (ڈپٹی صاحب) تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (جالندھری صاحب) ایک انسان ہوں تم ہی جیسا (مودودی صاحب) تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں (آزادؒ)۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ترجمہ کو تفسیر بنا دیا

"تم فرماؤ، ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں (خانصاحب)

استاد محترم شیخ التفسیر مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا آزادؒ کے ترجمہ کو پسند کیا ..... میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہی ہوں ص۴۸۶۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کو ترجمہ رکھتے ہوئے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کی نزاکت یہ ہے کہ شاہ صاحب صرف آدمیت میں مثلیت اور تشبیہ ظاہر فرما رہے ہیں۔

میں ایک آدمی ہوں جیسے تم .... ایک آدمی ہو ..... اس اسلوب میں صرف آدمی ہونے میں تشبیہ ہے۔

"بخلاف "تم جیسا آدمی" کہ اس میں مکمل تشبیہ اور پوری مثلیت کا مفہوم نکلتا ہے
ظاہر ہے کہ آیات بشریت کا خطاب خاص طور پر مشرکین عرب کی طرف تھا۔ تو
معاذ اللہ ...... کیا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخاطب مشرکین کے ساتھ مکمل
تشبیہ رکھتے تھے؟

پھر جن حضرات نے (ہی) لفظ حصر بڑھایا انہوں نے مثلیت پر اور زیادہ
زور پیدا کر دیا ...... جس سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق معلوم نہیں ہوتا
مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا آزاد کے الفاظ کو پسند
تو فرمایا مگر (ہی لفظ حصر) کا اضافہ لفظ تمہارے کے بعد نہیں کیا۔ بلکہ لفظ آدمی کے
بعد کیا ...... اور اس اسلوب میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالقادر صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کی معنوی نزاکت کو پیش نظر رکھا۔
یہ بات حقیقت کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر ایک عام
بشر جیسے ہیں۔
ایسا سمجھنا نبوت کی حقیقت سے بے خبری کا ثبوت دینا ہے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری اور جسمانی قوتوں میں اور روحانی اور ذہنی
قوتوں میں ...... بالکل ممتاز اور مثالی شان کے مالک تھے۔
خداوند عالم نے ایک صاحبِ جمال و کمال صورتِ بشری میں جو جسمانی اور
ذہنی، علمی اور عملی قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں ان میں رسولِ محترم صلی
اللہ علیہ وسلم پوری نوعِ انسانی میں یکتا اور منفرد تھے۔
صومِ وصال رکھنے والے صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا...

ایکم مثلی؟ یطعمنی ربی — تم میں کوئی مجھ جیسا ہے۔ میرا پروردگار
ویسقینی۔ — مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے

یہی امتیازی نشان....... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوالیہ جملے میں ظاہر فرمایا ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ہاں بشریت کا مفہوم

کہا جاتا ہے کہ علماء دیوبند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا آدمی کہتے ہیں۔

اس الزام کا جواب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "آب حیات" میں ملتا ہے۔ حضرت قاسم العلوم بشریت اور مثلیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح پاک اور امت کی ارواح کے درمیان اتحاد اور اشتراک نوعی قائم نہیں ہے دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے اگرچہ ظاہری شکل وصورت میں اور احکام جسمانی (کھانے پینے) میں مماثل اور ایک جیسا کہا جائے اور یوں کہا جائے۔

قل انما انا بشر مثلکم

لیکن حضور علیہ السلام اور ایمان والوں کے درمیان مساوات اور برابری کا عقیدہ قائم کرنا منجملہ اضغاث احلام اور خیالات واہیات سے ہے

جس طرح آفتاب اور اس کی شعاؤں میں مثلیت ذاتی نہیں، لاکھوں عکس بھی مثل آفتاب نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ صورت اور رنگ میں نور آفتاب اور اصلی آفتاب سے

مشابہت ہے لیکن برابری کا خیال ایک باطل خیال ہے
(آب حیات تصنیف ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۴۴)

بشریت کا مفہوم مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ہاں

بریلوی جماعت کے امیر و امام مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا کیا مفہوم ہے؟..... اسے بھی پیش نظر رکھیے..

خانصاحب کے سوانح نگار مولانا مفتی غلام سرور صاحب قادری رضوی "شاہ احمد رضا" (۱۳۹۱ھ) کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھتے ہیں.....

یہ افتراء بھی گھڑا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے قائل نہیں......

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اس کا جواب:-

لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ایسا الزام لگانے والے اعلحضرت کی مصدقہ کتاب بہار شریعت (تالیف مفتی امجد علیخاں) جلد اول میں نبی کی تعریف پڑھ کر آنکھیں کھولیں۔

البتہ بشریت مطہرہ کے ساتھ ساتھ ہم اہلسنت نورانیت کے بھی قائل ہیں قول باری تعالیٰ قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین... اس پر شاہد ہے

مولانا غلام سرور صاحب کی یہ لعنت ان بریلوی واعظین کی طرف لوٹتی ہے جو خانصاحب بریلوی کا کلمہ پڑھ پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مطہرہ کا اقرار کرنے والے علمائے حق کی تکفیر کرتے ہیں۔

وحدتِ دین کی تشریح

شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالقادرؒ، مولانا آزادؒ اور مولانا مودودیؒ کے ہاں

وحدت دین کے تصور کو امام ولی اللہ الدہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں مستقل ایک باب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا اور ان ھٰذہ امتکم امۃ واحدۃ (انبیاء ۹۲)

سے استدلال فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اصولِ دین تمام رسولوں کے ہاں ایک ہی رہے ہیں اور یہ اصول عقائد، توحید، نبوت اور آخرت پر یقین اور تقدیر کا تصور ہیں۔

اسی طرح شاہ صاحب نے یہ بھی بتایا کہ بنیادی نیکیاں، عبادت، پاکی، دعا، تلاوت اور انفاق اور صدق و دیانت بھی تمام دینوں میں مشترک رہی ہیں، البتہ اعمالِ صالحہ اور عبادات کی شکلیں اور طریقے ہر دور میں مختلف رہے ہیں اور یہ اختلاف ضروری بھی تھا کیونکہ ہر دور میں انسانی طبائع اور انسانی معاشرہ کے بدلتے ہوئے حالات اس اختلاف کا تقاضا کرتے تھے۔ جیسے جیسے انسانی معاشرہ ترقی کرتا

رہا، عبادت کے طریقے میں تکمیلی رنگ پیدا ہوتا رہا۔

اس اختلاف کا اشارہ ان آیات میں کیا گیا ہے

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا۔ (المائدہ ۴۸)

یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم میں سے ہر قوم کے لیے شریعت اور منہاج (طریقہ) مقرر کیا ہے۔

اختلاف شریعت کا سبب شاہ صاحبؒ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبوت کا تعلق ملت سے رہا ہے اور خدا تعالیٰ نے جس ملت میں جو نبی بھیجا ہے اور جو شریعت آئی ہے اس میں اس قابلِ اصلاح عبادات کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور جو نیکیاں قابلِ قبول ہوتی ہیں انہیں قبول کر لیا جاتا ہے اور جن نیکیوں کے اضافہ کی ضرورت ہوتی ہے ان کا اضافہ کر دیا جاتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۵، ۱۴۲)۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں متعدد مقامات میں اس بات کو بھی صاف کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین بھیجا ہے وہ آخری اور مکمل دین ہے اور اس دینِ کامل کا نام "الاسلام" ہے۔

اب نجات آخرت اور فلاحِ دارین حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ "الاسلام" کی پیروی کی جائے۔ اس کے بغیر نجات کی کوئی سبیل نہیں۔

شاہ صاحبؒ نے وحدت دین کی بحث میں اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں کیا کہ اس عالمگیر دین حق کا نام کیا رہا ہے۔؟ ظاہر ہے کہ ہر آسمانی کتاب مقامی زبان میں نازل ہوئی کوئی کتاب عبرانی میں کوئی سریانی میں اور کوئی یونانی وغیرہ میں، پھر دین واحد (اصول دین) کا ایک ہی نام کیسے ہو سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں انبیاء سابقین کے حالات میں جہاں کہیں

اسلام اور مسلم کے الفاظ آئے ہیں شاہ صاحبؒ نے وہاں کبھی اسلام کا لغوی ترجمہ انقیاد و اطاعت کیا ہے اور کبھی اسلام کا ترجمہ لفظ اسلام اور مسلم ہی سے کر دیا ہے آیت البقرہ

اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین

میں "اسلم" منقاد شو اور اسلمت میں منقاد شدم کیا ہے اور آیت کے آخری فقرہ

فلا تموتن الا وانتم مسلمون

میں نمیرد مگر مسلمان شدہ۔ ترجمہ کیا ہے۔ حاصل یہ کہ شاہ صاحبؒ نے اس عالمگیر اصولی صداقت کا کوئی نام تجویز نہیں کیا۔ اور نہ اسے ضروری سمجھا۔

متقدمین علماء میں جلال الدین سیوطیؒ نے ایک رسالہ اس مسئلہ کی تحقیق میں لکھا اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام اور مسلم کے عربی الفاظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے آئے ہوئے دین کامل کے ساتھ خاص ہیں اور مسلم امت محمدیہ کے افراد کا خاص لقب ہے۔

شاہ صاحب کے سامنے یقیناً سیوطیؒ کی یہ تحقیق ہوگی اسی لیے شاہ ولی اللہؒ صاحب نے دین واحد کے نام سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے سب سے پہلے وحدت دین کے سلسلہ میں اس دین واحد کے نام کی بحث چھیڑی اور اس کا نام "اسلام" تجویز کیا۔

شاہ عبدالقادر صاحب کی تشریح

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے آیت البقرہ نمبر ۱۲۸ کے حاشیہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"دین اسلام ہمیشہ ایک ہے۔ سب پیغمبر اور سب امتیں اسی پر گزریں۔
وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ سو قبول کرنا۔ آپ مسلمان ہیں اس راہ پر اور تم
(اے یہود و نصاریٰ) اس سے پھرے ہوئے ہو" شاہ صاحب کے اس تشریحی
نوٹ سے اور شاہ صاحب نے موضح القرآن میں جو مختلف آیات کا ترجمہ کیا ہے،
اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاہ صاحب نے دین واحد کو مفہوم اور معنوی
حقیقت کے لحاظ سے اسلام کہا ہے۔

یعنی عربی میں لفظ اسلام کا جو مفہوم ہے..... حکمبرداری ..... یہی حقیقت
ہر دور میں مذہب حق کی رہی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے ترجمہ میں تقریباً اس کا التزام کیا ہے کہ
جن آیات میں انبیاء سابقین کے لیے اسلام اور مسلم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں
وہاں اسلام کا لغوی ترجمہ حکمبرداری اور اطاعت گزاری کیا ہے اور جن آیات میں
اسلام اور مسلم کے الفاظ دین کامل (دین محمدی) کے لیے بولے گئے ہیں وہاں اسلام
کا ترجمہ اسلام ہی کیا ہے

غور کیجئے وہ بعض آیات جنہیں اسلام بطور علم بولا گیا ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام — دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی۔ حکمبرداری۔

(آل عمران ۱۹)

ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ — اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی

(المائدہ ۴)

جن آیات میں اسلام لغوی مفہوم میں بولا گیا ہے ان کی چند مثالیں۔

اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین — اے رب اور کر ہم کو حکمبردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی ایک امت حکمبردار اپنی۔

(البقرہ ۱۲۸)

اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین — اس کو کہا اس کے رب نے حکمبردار ہو بولا میں حکم میں آیا جہان کے صاحب کے

(البقرہ ۱۳۱)

واذا یتلی علیھم قالوا امنا بہ انہ الحق من ربنا انا کنا من قبلہ مسلمین — اور جب ان کو سنائیے کہیں ہم ایمان لائے اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہم ہیں اس سے پہلے کے حکمبردار

(القصص ۵۳)

شاہ صاحب کے ہاں بالعموم اس کا التزام ملتا ہے بالکلیہ کا دعویٰ راقم الحروف نہیں کر سکتا۔

مولانا آزاد کے ہاں وحدت دین

اردو مفسرین میں مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مسئلہ پر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ مولانا آزاد نے الفاتحہ کی تفسیر میں لکھا ہے

ابتداء میں لوگ قدرتی زندگی بسر کرتے تھے اور سب اپنی قدرتی سادگی پر

قانع تھے۔ پھر نسلِ انسانی کی کثرت اور معاشی ضروریات کے پھیلاؤ کے سبب اختلافات پیدا ہو گئے اور اختلافات نے ظلم و فساد کی صورت اختیار کر لی۔ اب ضروری ہوا کہ عدل و صداقت کے لیے وحی الٰہی کی روشنی نمودار ہو۔ چنانچہ یہ روشنی نمودار ہوئی۔

پھر فطرت الٰہی کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں ایک ہی ہے اس لیے ضروری تھا کہ یہ ہدایت آسمانی بھی ایک ہی ہو۔ چنانچہ وہ عالمگیر قانون سعادت "ایمان و عمل صالح" کا قانون ہے۔ یعنی توحید الٰہی اور نیک عملی کی زندگی جو ہر دور میں ایک ہی رہا ہے۔ اختلاف اگر ہے تو وہ "اصل دین" میں نہیں، دین کے فروغ و ظہور ہی میں ہے۔ یہ فروع و ظہور ہر ہر قدم کے معاشرتی حالات اور ذہنی استعداد کے مطابق مقرر کیے گئے

یہ مولانا آزادؒ کی تشریح کا خلاصہ ہے۔ مولانا آزاد نے "عبادات" کے لیے رسوم و ظواہر کے الفاظ استعمال کیے جو عبادات ضروریہ کی نہایت ہلکی تعبیر ہے اور ان لفظوں سے اسلامی عبادات نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی حیثیت محض رسم اور ایک ظاہری چیز کی معلوم ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بنیادی نیکیوں کو شکلوں اور طریقوں کا اختلاف کہا ہے جو بالکل صحیح تعبیر و توجیہ ہے۔

مولانا آزادؒ نے بھی شاہ عبد القادر صاحب کی پیروی کی ہے اور دین واحد کے لیے اسلام کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ایک حاشیہ پر لکھتے ہیں.......

دین الٰہی کو اس لیے "الاسلام" کے نام سے تعبیر کیا گیا جس کے معنی اطاعت کرنے کے ہیں۔ (البقرہ ص ۲۱۳)

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

سعادت اور نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا

کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی اختیار کرلی جائے بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے"۔

اس جگہ بھی مولانا نے عبادات کے لیے ظاہری علوم و احکام کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے اسلامی عبادات اور حلال و حرام کے احکام وواجبات کی اہمیت کم ہوتی محسوس ہوتی ہے۔

مولانا آزادؒ نے ترجمان القرآن میں اس بات پر اصرار نہیں کیا کہ جہاں کہیں اسلام اور مسلم کے الفاظ آئے ہیں وہاں ان کا ترجمہ اسلام اور مسلم ہی ہے بلکہ مولانا نے انبیاءِ سابقین کے حالات میں بولے گئے ان الفاظ کا ترجمہ لغوی اختیار کیا ہے اور کسی جگہ "مسلم" بھی کیا ہے تو بریکٹ میں حکمبردار ضرور لکھ دیا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تشریحات

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے "وحدت دین" کے نظریہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ مولانا کا اندازِ بحث یہ ہے کہ دین حق ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور وہ اسلام ہے۔ فرماتے ہیں:۔

مسلم وہ جو خدا کے آگے سر اطاعت خم کر دے اور اس کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرے، اس عقیدے اور اس طرزِ عمل کا نام اسلام ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین تھا (حاشیہ البقرہ آیت ۱۳۰)۔

مودودی صاحب نے وحدت دین کے الفاظ استعمال نہیں کیے لیکن مطلب وہی ظاہر ہوتا ہے جو مولانا آزاد کے ہاں وحدتِ دین کی تشریح میں ملتا ہے۔

مولانا نے اس نظریہ کی وکالت میں اس قدر جوش دکھایا ہے کہ قرآنِ کریم میں

سابق رسولوں اور سابق اہل حق کے بارے میں جہاں کہیں اسلام اور مسلم کا لفظ آیا ہے وہاں اس کا ترجمہ انہی الفاظ سے کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر عہد میں دین اور اہل دین کے لیے عربی کا یہی لفظ مستعمل تھا۔ اس پر جوش ترجمانی میں جناب مودودی صاحب کو اس بات کا بھی خیال نہیں رہا کہ ان کی عبارت سلاست اور فصاحت سے گر گئی ہے اور ترجمانی کی عبارت میں جو معیار سلاست انہوں نے قائم کیا ہے، وہ مجروح ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مودودی صاحب کو حسب ذیل آیات میں کسی جگہ مجبور ہو کر قوسین بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور کسی جگہ اطاعت گزار اور کسی جگہ مطیع اور فرمانبردار کے الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا ہے۔ مثلاً

حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد گرامی!

ان اکون من المسلمین (یونس ۷۲) ؂ — مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مسلموں میں شامل ہو کر رہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی:

فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ (البقرہ ۱۳۱) — تم کو موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو

ونحن لہ مسلمون (البقرہ ۱۳۳ ؂) — اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی

ما کان ابرٰھیم یہودیا — وہ یکسو مسلم تھا
ولا نصرانیا ولکن کان ؂
حنیفا مسلما ؂

(آل عمران ۶۷)

حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے دعا فرمائی۔

ربنا واجعلنا مسلمین لك — اے رب ہمارے ہم کو اپنا مسلم بنا

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ — اور ہماری نسل سے ایک امت پیدا کر

لك (البقرہ ۱۲۸) — جو تیری مسلم ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا گیا:۔

فما وجدنا فیہا غیر — ہم نے قوم لوط کی بستی میں ایک گھر

بیت من المسلمین — کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہیں پایا۔

(الذاریات ۳۶)

حضرت یوسف علیہ السلام دعا کرتے ہیں:۔

توفنی مسلما والحقنی — مجھ کو مسلم ہونے کی حالت میں موت

بالصلحین (یوسف ۱۰۱) — دے

اسی طرح آیت سورہ یونس ۸۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول اور ملکہ بلقیس کا قول آیت النمل ۴۴ میں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول المائدہ ۱۱۱ میں ......

ان تمام آیات میں بھی مودودی صاحب نے مسلم کا ترجمہ تفہیم ج ۳ ص ۶۴۶ میں مسلم ہی کیا ہے اور اپنے دعوی کو مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مودودی صاحب نے اس تحقیق کو پیش کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی پر نہایت سطحی قسم کی تنقید کی ہے۔ مودودی صاحب علامہ سیوطی کے دلائل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی رح کے سامنے جب آیت القصص ۵۳ آئی

انا کنا من قبلہ مسلمین — اہل کتاب کے صالح افراد رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لانے
ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی سے مسلم
ہیں۔

تو بقول مودودی صاحب کے ...... وہ خود فرماتے ہیں۔

"کہ میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور میں نے خدا تعالیٰ سے شرح صدر کی دعا کی"

علامہ نے اس کے بعد آیت مذکورہ میں تاویلات کیں۔ ان تاویلات کے بارے میں مودودی صاحب کے خیال میں ان تاویلوں میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ شرح صدر کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا۔

مودودی صاحب نے آیت مذکورہ کا جو مطلب حاشیہ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے "یعنی اس سے پہلے بھی ہم انبیاء اور کتب آسمانی کے ماننے والے تھے" یعنی مودودی صاحب نے حاشیہ میں مسلمین کا لغوی ترجمہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ سیوطی جو بات کہنا چاہتے ہیں اسے مودودی صاحب نے اس تشریحی فقرہ میں تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن صاحب تفہیم کا ایک تحریری مزاج ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے زور میں لکھتے چلے جاتے ہیں اور اس جوش و خروش کے عالم میں کسی مقام پر ٹھہر کر یہ نہیں سوچتے کہ میں نے کسی جگہ اپنے دعویٰ کو خود ہی کمزور تو نہیں کر دیا۔

سیوطیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ "الاسلام اور المسلم" اصطلاحی طور پر اسی امت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ سابق انبیاء کے لیے یہ لفظ قرآن کریم میں اپنے لغوی مفہوم "فرمانبرداری" میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے بلاشبہ ہر دور میں دین

حق کا نام الاسلام ہی قرار پاتا ہے اور ہر دین حق کا پیروکار مسلمان ہی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے۔

مودودی صاحبؒ کی یہ ساری بحث بڑی دلچسپ ہے۔ مرحوم اپنا پورا زور استدلال صرف کرنے کے بعد خود ہی ایک شبہ نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔

اس موقع پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام اور مسلمان عربی زبان کے الفاظ ہیں، یہ الفاظ سابق آسمانی کتابوں میں کیسے استعمال ہو سکتے تھے۔ وہ کتابیں عبرانی، سریانی اور یونانی وغیرہ میں نازل ہوئی ہیں۔" چنانچہ آج بھی یہ کتابیں موجود ہیں کیا ان میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں؟ مودودی صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

" یہ محض ایک نادانی کی بات ہوگی کیونکہ دراصل اعتبار عربی کے ان الفاظ کا نہیں بلکہ اس معنی کا ہے کہ جس کے لیے یہ الفاظ عربی میں مستعمل ہوتے ہیں۔
آگے فرماتے ہیں۔

دراصل جو بات ان آیات مذکورہ میں بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے آیا ہوا حقیقی دین مسیحیت ہو یا موسویت یا محمدیت نہیں ہے بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعہ آئے ہوئے فرمان خداوندی کے آگے سر اطاعت جھکا دینا ہے۔

مودودی صاحب نے اس جواب میں علامہ سیوطی کی تحقیق کو تسلیم کر لیا ہے مگر اس اعتراف کے ساتھ نہیں کہ میرے قلم سے پہلے لغزش ہوئی ہے۔۔۔۔
کیونکہ اس بحث کے آغاز میں مودودی صاحب کا علمی انا یہ بلند بانگ دعویٰ کر چکا ہے

تعجب ہے کہ بعض بڑے بڑے اہل علم بھی اس حقیقت کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں۔ (حالانکہ فکر ولی اللہی سے تعلق رکھنے والے اہل علم برابر اپنی کتابوں میں اس کی وضاحت کرتے چلے آرہے ہیں)

اس ادعا کے بعد کیسے اس حقیقت کو تسلیم کیا جاسکتا تھا کہ قرآن کریم نے سابق انبیاء کرام اور ان کے متبعین کے بارے میں "مسلم" کا لفظ جہاں کہیں استعمال کیا ہے وہاں اس کا ترجمہ لغوی لحاظ سے ہی درست ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے کیا ہے۔ اور یہ الفاظ "الاسلام"، "المسلمین" بطورِ اصطلاحی ناموں کے قرآنِ مجید میں صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کیلئے بولے گئے ہیں۔

مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ بقول علامہ سیوطی کے ..."ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ جب وہ آیت ۵۳ القصص پر پہنچے ..... اور راقم کہتا ہے کہ مودودی صاحب کا قلم بھی سیٹ پٹا گیا۔ جب وہ الصافات آیت ۱۰۳ پر پہنچے۔

فلما اسلما وتله للجبین۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اس کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جس کے بعد باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے پچھاڑا اور بیٹے نے برضا و رغبت اپنا سر چھری کے نیچے رکھ دیا۔ اس کیفیت تسلیم و رضا کو قرآن نے "اسلما" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

مودودی صاحب نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول "اسلمت" البقرہ ۱۳۱) میں یہ ترجمہ کیا ہے "میں مالک کائنات کا مسلم ہوگیا۔"

اسی طرح الصافات میں بھی یہ ترجمہ کرنا چاہیے تھا" پھر جب وہ دونوں مسلم ہو گئے؟" لیکن مودودی صاحب ایسا ترجمہ کیسے کر سکتے تھے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ قربانی کرنے سے پہلے مسلم نہیں تھے۔ پھر مودودی صاحب نے اس آیت کا کیا ترجمہ کیا؟ غور کیجئے "آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا" یہ "اسلما" کا لغوی ترجمہ ہے۔

حاصل یہ کہ ہمیں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی قرآن فہمی کو خداداد صلاحیت اور الہامی بصیرت کہنے میں ادنیٰ تامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ شاہ صاحب نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کا برمحل اور موقع کے لحاظ سے مفہوم ادا کیا ہے اور کہیں اپنے ترجمہ کو تضاد کا شکار نہیں ہونے دیا ہے۔

جب کہ مولانا مودودی صاحب جیسا وسیع النظر مترجم و مفسر بھی اپنے ترجمہ یا ترجمانی میں یکسانیت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور کہیں کہیں وسیع النظر مترجم و مفسر بھی اپنے ترجمہ یا ترجمانی میں یکسانیت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور کہیں کہیں مرحوم کی ترجمانی میں تضاد پیدا ہو گیا ہے۔

مکتوب پر تبصرہ

مولٰنا ابوالکلامؒ آزاد کے مکتوب پر تبصرہ

خواجہ عبدالوحید صاحب لاہوری کے نام ایک مکتوب ۴۳-۱۰-۱۲ میں مولانا آزاد نے تحریر فرمایا ہے[1]

آپ نے قرآن کا جو اعلان مطبوعہ بھیجا ہے اس میں چند باتیں تصحیح طلب معلوم ہوئی ہیں۔ خیال ہوا کہ آپ لوگوں کو لکھ دوں، ممکن ہے کام آئیں۔

(۱) یہ واقعہ کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ قدسی کے مصرعہ...

ع من نیز حاضر مے شوم تصویر جاناں در بغل

میں تصرف کر کے کہا کرتے تھے۔

من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآں در بغل

محل نظر ہے اور ممکن ہے کہ التباس ہوا ہو..... دراصل واقعہ جو منقول ہے وہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ان کے ملفوظات میں ہے کہ انتقال سے پہلے ربیع الاول کی مجلس وعظ میں قدسی کا مندرجہ صدر شعر بہ تصرف پڑھا تھا اور اپنی تفسیر کی طرف

---

[1] مکاتیب ابوالکلام آزاد صفحہ ۱۹۷ اردو اکیڈمی سندھ کراچی

اشارہ کیا تھا۔

یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ چالیس برس میں کیا تھا بھلا چالیس برس کی اس میں کیا بات تھی ؟ جو واقعہ صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے :۔

کہ شاہ صاحب نے یہ ترجمہ احمد شاہ بریلوی کی فرمائش سے کیا۔

(۱) مولانا آزاد کی یہ تصحیح درست ہے کہ قدسی کا فارسی مصرعہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھا کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے ملفوظات سے یہی ثابت ہوتا ہے کچھ لوگوں کو التباس ہوا ہے اور اسے شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

(۲) مولانا کا یہ فرمانا کہ چالیس برس والا قول بھی صحیح نہیں ہے ۔ مولانا کے قیاس پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

مولانا نے اس قول کی تردید میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان جملوں میں موصوف کا علمی انا بول رہا ہے ...... بھلا چالیس برس کی اس میں کونسی بات تھی ۔ ؟

یعنی شاہ صاحبؒ کا ترجمہ ایک معمولی تصنیف ہے جس کی تکمیل کے لیے چالیس برس کی مدت مبالغہ انگیز ہے۔

میں نے مولانا آزادؒ کے استعجاب کو ان کے علمی انا کا مظاہرہ اس لیے کہا کہ چند سطروں کے بعد جب مولاناؒ کے قلم کا جوش ٹھنڈا ہوا اور مولانا نے شاہ صاحب کے اردو ترجمہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی تو انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ ۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی خدمت جس میں اردو زبان ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت قرآن مجید کا ترجمہ کیا جب زبان بالکل طفولیت کی حالت میں تھی اور نثر نویسی بھی پوری طرح شروع نہیں ہوئی تھی۔ ایسا کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو زبان کے ڈھالنے والے ہوتے ہیں۔

مولانا کے اس اعتراف واقرار میں پہلے استعجاب کا جواب موجود ہے اگر موصوف اس عبارت پر دوبارہ نظر ڈال لیتے تو یقیناً استعجاب والا جملہ حذف کر دیتے۔

چالیس سال والا قول علماء دیوبند کے ہاں مشہور ہے۔ جس کا ماخذ امیر الروایات ہے مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے معارف القرآن میں اس قول کا تذکرہ کیا ہے۔

اگرچہ اہل علم کے ہاں کوئی مستند اور مضبوط ماخذ نہیں قرار دیا گیا لیکن امیر الروایات کے کسی قول کو مسترد کرنے کے لیے محض قیاس و اندازہ بھی کافی نہیں۔ بلکہ صورت حال یہ ہے کہ قیاس اس قول کی تائید کرتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موضح قرآن اور تفسیری فوائد کی تصنیف کے لیے اپنے آپ کو تمام تعلیمی اور روحانی مشاغل سے یکسو اور علیحدہ نہیں کر لیا تھا۔ شاہ صاحبؒ اپنی مسجد میں قرآن وحدیث کا درس بھی دیتے تھے۔ باطنی تزکیہ کے طالبین کے لیے تربیت کا وقت بھی نکالتے تھے۔

ان مشاغل سے فارغ وقت میں ترجمہ وتفسیر کا کام مکمل فرماتے تھے۔ ایسی صورت میں اگر ترجمہ وتفسیر کی تکمیل میں چالیس سال لگ گئے ہوں

تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے ۔؟

(۳) سید احمد بریلوی کی فرمائش والی بات تاریخی طور پر ثابت نہیں ہوتی ۔ چنانچہ مکتوب کے حاشیہ نگار جو مکتوب الیہ خواجہ عبدالوحید صاحب خود ہی ہیں اس پر حسب ذیل تردیدی حاشیہ لکھتے ہیں ۔

"حالانکہ صحیح نہیں، سید احمد صاحب کی پیدائش ۶ر صفر ۱۲۰۱ھ کو ہوئی اور شاہ صاحبؒ کا ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہو چکا تھا ۔ جب سید صاحب زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار برس کے ہوں گے .... پھر ان کی فرمائش کا کیا موقعہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں سید صاحب پہلی بار اس وقت پہنچے جب ان کی عمر کم و بیش اٹھارہ سال تھی .... بیان مولانا کی سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے خود انہوں نے تاریخوں کی تحقیق نہیں فرمائی تھی ۔

(۴) مولانا آزادؒ کے خیال میں شاہ عبدالقادر صاحب زینت المساجد کے حجرہ میں رہا کرتے تھے ۔

حالانکہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ شاہ صاحب جس مسجد میں رہا کرتے تھے اس کا نام مسجد اکبر آبادی تھا ۔ یہ مسجد ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں شہید کر دی گئی ۔ اس مسجد کا محل وقوع اور اس کی تعمیری عظمت محاسن موضح قرآن کے شروع میں بیان کر دی گئی ہے ۔ سید احمد صاحب بریلوی بھی تعلیم و تربیت کے لیے شاہ صاحب کے پاس اسی مسجد کے ایک حجرہ میں مقیم تھے ۔

(۵) مولانا آزادؒ نے اس مکتوب میں شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کے متعلق جو اظہار رائے کیا ہے وہ بھی مولانا کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے جن محققین علماء نے موضح قرآن اور تفسیری حواشی پر غور و فکر کیا ہے ان کے تاثرات

کی ترجمانی مولانا انور شاہ صاحبؒ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ان لفظوں میں فرمائی ہے۔

"ترجمہ کی طرح شاہ صاحب کے تفسیری اجتہادات میں بھی الہامی بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ بڑی بڑی تفسیریں ان علمی نکات ولطائف سے خالی ہیں۔ جنہیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر مختصر جلدوں میں بیان کیا ہے۔" (تقریر ترمذی)

مولانا آزادؒ کی رائے اس مکتوب میں حسب ذیل ہے۔

"باقی رہا مطالب قرآن اور اس کی دہمات کا معاملہ تو اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس باب میں ان کے سامنے عام سطح سے کوئی بلند تر مقام موجود نہ تھا۔ انہوں نے کہیں بھی "جلالین اور بیضاوی" سے آگے قدم نہیں بڑھایا۔ اس لیے وہ کمزوریاں ان کے تفسیری اختیارات میں موجود ہیں جو عام طور پر متداول تفاسیر میں پائی جاتی ہیں۔"

یہی حال حواشی موضح قرآن کا ہے کہ ضعیف قصوں اور اسرائیلی روایتوں سے بھی انہوں نے احتراز نہیں کیا۔ مثلاً ہاروت و ماروت کی کہانی اور طالوت کا اس طرح منتخب ہونا کہ ایک لکڑی کے گز کے پیمانے سے ٹھیک اترے۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ

بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وغیر ذالک

جہاں تک ہاروت و ماروت اور دوسرے بعض کمزور واقعات کا تعلق ہے یہ بات صحیح ہے کہ شاہ صاحبؒ نے شہرت کی بناء پر ان قصوں کو حواشی میں نقل کر دیا ہے اور اس معاملہ میں شاہ صاحبؒ کے سامنے اپنے بڑے بھائی اور

استاد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر عزیزی کی پیروی ہے ....
لیکن مولانا آزاد کا یہ فرمانا کہ .... ان کے سامنے عام سطح سے کوئی بلند تر مقام نہ تھا۔ . .

شاہ صاحبؒ کے تفسیری حواشی کے سرسری مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی کے متعلق لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے محققانہ علوم عوام کی گرفت سے باہر تھے، اس لیے شاہ صاحبؒ کے عہد تک ولی اللّٰہی تحریکِ اصلاح عوام تک نہیں پہنچ سکی۔ ان کے جانشین صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب نے عوام تک اپنے والد کا پیغام پہنچانے کے لیے مشہور روایات سے کام لیا اور تحقیق و تنقید کی راہ اختیار نہیں کی

شاہ عبدالقادرؒ صاحب کے تفسیری اختیارات میں دونوں رنگ نظر آتے ہیں ..... اپنے والد کا تحقیقی اور اجتہادی رنگ بھی اور اپنے بڑے بھائی اور استاد کا عوامی رنگ بھی۔

محاسن موضح قرآن کے آخری صفحات پر تفصیلی تذکرہ ملاحظہ کیا جائے۔

(۶) مولانا آزادؒ نے اس مکتوب میں جس سطحی تنقید نگاری کا مظاہرہ کیا ہے، اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ مکتوب مولانا جیسے محقق اور محتاط عالم کا تحریر کردہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب راقم السطور نے مکتوبات کے جامع مولانا ابوسلمان شاہ جہاں پوری صاحب سے پاکستان جاکر براہِ راست اطمینان حاصل نہیں کر لیا اس وقت تک اس پر قلم نہیں اٹھائی۔ ابوسلمان صاحب کا بیان ہے کہ ان خطوط کی اصل کاپیاں میرے پاس ہیں اور مکتوب الیہ نے جس صورت میں مکتوب بھیجا ہے

میں نے اسے اسی طرح شائع کر دیا ہے۔

مولٰنا نے شاہ صاحب کے تفسیری حواشی پہ نقد کرتے ہوئے ایک

نہایت ہی بے بنیاد بات یہ لکھی ہے۔

ان کے بعض حواشی نے منکرینِ اسلام کو اعتراض کا فری موقعہ دیا مثلاً

سورۃ الم نشرح میں

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ

کا یہ ترجمہ کرنا کہ .... ہم نے گناہوں کا بوجھ دور کر دیا ہے .....

پادری فنڈر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس سے تثبیت (استدلال)

کیا تھا۔

مطلب یہ کہ پادری فنڈر (مشہور مسیحی مناظر) نے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی

سے استدلال کیا۔

حاشیہ نگار خواجہ عبدالوحید صاحب سے توقع تھی کہ وہ پہلے حاشیہ کی

اس پر بھی ایک حاشیہ تحریر کرتے اور مولانا آزاد کی طرح غلط فہمی کو دور

کرتے۔

مگر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ خواجہ عبدالوحید صاحب نے مولانا کے اس

خیال کی تحسین فرمائی اور لکھا۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ وتفسیر کے بارے میں یہ پہلی بے لاگ

رائے ہے جو علم میں آئی ورنہ ہر کسی نے اس کی مدح وستائش ہی کی ہے۔"

پادری فنڈر ۵۷ء کے بعد مسیحیت کی اشاعت کرنے والوں میں

بڑا مشہور مناظرہ باز مسیحی واعظ تھا۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اور مولانا شرف الحق صاحب دہلوی جیسے فاضل علماء کا اس سے مقابلہ رہا ہے۔

مولانا آزادؒ نے .... غبار خاطر میں ...... (ابابرتیاں ( ) کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص بڑا چالاک صلیبی واعظ تھا۔ لوگوں کے ذوق واستعجاب حاصل کرنے کے لیے یہ شخص من گھڑت باتیں چھوڑا کرتا تھا۔ (صفحہ ۱۱۵)۔

ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ساتھ ہی یہاں بڑے بڑے یورپین پادری اور ہندوستان کے نوساختہ پادری کھڑے ہوگئے تھے جو وقتی طور پر اپنے مدمقابل کو لاجواب کرنے کے لیے فرضی باتیں بیان کرنے میں ماہر تھے۔

فنڈر بھی اسی عہد کا واعظ ومناظر تھا .... ہوسکتا ہے کہ اس نے یہ من گھڑت ترجمہ پیش کیا ہو اور عوام کے ذہنوں میں اس کی بات محفوظ رہی ہو اور مقابل علماء کی طرف سے جو تردید کی گئی وہ لوگوں نے یاد نہ رکھی ہو۔

اور مولانا آزاد کے کانوں میں بھی فنڈر کا یہ من گھڑت ترجمہ پہنچا ہو...... لیکن ولی اللہی خاندان کے ایک عقیدت مند کی حیثیت سے بھی مولانا کے لیے یہ مناسب تھا کہ پہلے براہ راست شاہ صاحب کا ترجمہ دیکھ کر اس کی تصدیق کرتے، پھر اسے نقل کرتے۔

یہ تکلیف خواجہ عبدالوحید صاحب جیسے صاحب علم نے بھی اٹھانی گوارا نہیں کی، پچھلے دو سو برس کے اندر شاہ صاحب کے ترجمہ موضح قرآن میں جتنے ایڈیشن (مطبوعہ اور خطاطی) شائع ہوئے ان میں سے اہم ایڈیشن راقم کے پاس موجود ہیں جن کا تذکرہ محاسن موضح قرآن کے تعارف کے ساتھ کیا گیا ہے۔

مولانا آزادؒ نے الم نشرح کی آیت ووضعنا عنک کا جو

ترجمہ نقل ہے وہ ترجمہ کسی ایڈیشن میں موجود نہیں ہے .... اور نہ حاشیہ ہی میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔ تفسیر جلالین کے حاشیہ پر بعض تاویلی اقوال اس مفہوم کے ضرور موجود ہیں مگر نہ صرف شاہ صاحب نے بلکہ کسی دوسرے اردو مترجم نے بھی وہ مفہوم اختیار نہیں کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا عقیدہ اسلامی عقائد میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور تمام مترجمین قرآن نے اس کی مکمل رعایت کی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مندرجہ کا جو ترجمہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

"اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے کڑکائی پیٹھ تیری۔"

اس پر تفسیری حاشیہ یہ ہے۔

وحی کا اترنا اول مشکل تھا۔ پھر آسان ہو گیا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مزمل کی اس آیت کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا — ہم آگے ڈال دیں گے تجھ پر ایک بھاری بات۔

اسی قولِ ثقیل کو "الم نشرح" میں وزر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ رسالت سے متعلق آیات کے ترجمہ میں ادب رسالت کی پوری پوری رعایت فرماتے ہیں۔

مثال کے طور پر اسی آیت میں .... کڑکائی پیٹھ تیری ....

اُلْقُفُ کا کتنا با محاورہ اور لطیف ترجمہ کیا ہے جبکہ دوسرے حضرات ......
توڑی کمر تیری اور توڑی پیٹھ تیری ...... ترجمہ کر رہے ہیں ...... کمر کاٹی اور
توڑسی دونوں لفظوں کے درمیان نزاکت اور لطافت کے اعتبار سے جو فرق ہے
وہ اہلِ زبان پر مخفی نہیں۔

خواجہ عبدالوحید صاحب جو اس مکتوب کے مکتوب الیہ ہیں، انجمن
خدام الدین سے خاص تعلق رکھتے تھے جیسا کہ مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے اور اس
انجمن کے امیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ تھے اور علماء ہند
میں شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالقادرؒ صاحب کے قرآنی علوم کا سب سے بڑا
شارح اور ترجمان اگر کوئی تھا تو وہ مولانا کی ذاتِ گرامی تھی۔

پھر اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ مولانا آزادؒ کا یہ مکتوب مولانا لاہوری رحمۃ اللہ
علیہ کے علم میں آیا یا نہیں۔؟

اگر علم میں آیا تو مولانا مرحوم نے مولانا آزادؒ کے اعتراضات کے متعلق
کیا فرمایا۔؟

واللہ اعلم وعلمہ اتم

اخلاق حسین قاسمی دہلوی مقیم اچھرہ
سلطان احمد روڈ نمبر ۲۳ - لاہور
۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق
۲۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موضح قرآن کے مشکل الفاظ کی فہرست
مع ضروری تشریح

حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، (ولادت [illegible] وفات [illegible] عمر شریف ۶۳ سال) کے ترجمۂ قرآن (موضح قرآن) اور تفسیری فوائد کو پونے دو سو سال کا عرصہ ہوا ہے۔

شاہ صاحب نے اردو کا یہ سب سے پہلا ترجمہ [illegible] مطابق [illegible] میں مکمل کیا۔

شاہ صاحب اپنے والد حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ولادت [illegible] وفات [illegible]) اور اپنے بڑے بھائی شاہ عبد العزیز صاحب (وفات [illegible]) اور بڑے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب (وفات [illegible]) کی طرح تفسیر قرآن، حدیث، فقہ، علم کلام اور معانی و بلاغت میں کامل دست گاہ رکھتے تھے اور مسجد اکبر آبادی (موجودہ ایڈورڈ پارک دہلی) میں آپ کا حلقۂ درس و تربیت قائم تھا۔

اسی مسجد میں شاہ صاحب نے تعلیم و تربیت کے علاوہ اپنی تمام علمی، روحانی اور کشفی صلاحیت قرآن پاک کی خدمت میں مرکوز و متوجہ کر کے چالیس سال میں موضح قرآن ترتیب دیا۔

اکابر علماء نے لکھا ہے کہ شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن نہ صرف قدیم اردوئے معلیٰ کا بہترین نمونہ ہے بلکہ مراد خداوندی کو صحیح صحیح ادا کرنے کے لحاظ سے بھی یہ ترجمہ اپنے مصنف کی الہامی بصیرت کا شاہکار ہے۔

اسی سبب سے اس اردو ترجمہ کو خدا کی بارگاہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہے اور اسے غور و فکر کے ساتھ پڑھنے والا اپنے قلب میں بڑی نورانیت محسوس کرتا ہے۔

یہی حال شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کا بھی ہے۔

اس ترجمہ و فوائد کی گوناگوں خصوصیات کا تقاضا تھا کہ اہل مطابع اور ناشرین اس ترجمہ کو پوری توجہ کے ساتھ شائع کرتے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ولی اللہی علوم کے اس بیش قیمت تفسیری ذخیرہ کو اہل مطابع کی روایتی غفلت سے بہت نقصان پہنچا۔

اور ترجمہ و فوائد میں زبان کے ایجاز و اختصار، بعض ہندی اور سنسکرت الفاظ کی قدامت اور اسلوب زبان کی تبدیلی کے پیش نظر نقل و کتابت میں جس شدید احتیاط کی ضرورت تھی اس کے بجائے نہایت لاپروائی برتی گئی، اور اس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے یہ ہے کہ اس ترجمہ میں کتابت کی معمولی غلطیوں کے علاوہ نقلی تحریف اور اضافہ و الحاق تک نظر آرہا ہے۔

جہاں تک اس فقیر کی تحقیق و جستجو کا تعلق ہے، یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے کہ پونے دو سو سال کے عرصہ میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت شاہ صاحب کے روحانی تصرف سے پہلی مرتبہ اس ناچیز طالب علم کو اس ترجمہ کی مکمل تصحیح و تشریح کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

چنانچہ اس فقیر نے موضح قرآن کے پہلے ایڈیشن [illegible] مطبوعہ مطبع احمدی کلکتہ سے لیکر آخری ایڈیشن [illegible] مطبوعہ تاج کمپنی لاہور تک مختلف سالوں میں چھپنے والے (۲۵) کے قریب قلمی نسخوں اور اردو اور رومن ایڈیشنوں کو سامنے رکھ کر نقل و کتابت کی غلطیوں کو جمع کیا اور انہیں کتابی شکل میں شائع کر کے علماء کرام کی خدمت میں پیش کیا۔

تاکہ علماء کرام کی آراء حاصل کر کے انہیں آخری شکل دی جائے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ اب آپ کے سامنے موضح قرآن کے صحیح الفاظ و محاورات کی مکمل فہرست مع ضروری تشریح کے ساتھ پیش ہے۔

امید ہے کہ موضح قرآن کے قاری صاحبان کو جس لفظ کے سمجھنے میں دشواری پیش آئے گی، اس فہرست کے مطالعہ سے وہ دور ہو جائے گی۔

اور آئندہ اردو زبان پر تبدیلی کے کتنے ہی دور آئیں، یہ فہرست ہر دور میں موضح قرآن کو سمجھانے میں پڑھنے والوں کی بھرپور مدد کرے گی۔

تفصیل کیلئے فقیر کی تالیف ،،محاسن موضح قرآن،، کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

فہرست قدیم اور مشکل الفاظ، موضح قرآن

● اَلْفَاتِحَۃ (۱) اَلرَّبُّ کے معنی صاحب کیے۔

عربی میں صاحب بمعنی حاکم، مالک اور رفیق، یہی مفہوم اس کا فارسی میں ہے رَبّ کے وسیع ترین مفہوم کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسرا لفظ نہیں، شاہ صاحب تمام قرآن میں رَبّ کا ترجمہ یا صاحب کرتے ہیں یا پھر رَبّ ہی کرتے ہیں۔

● اَلدِّیْنُ (۲) لغوی معنی بدلہ، شاہ صاحب نے

انصاف کیا، یہ مرادی معنی ہیں کیونکہ خدا کی طرف سے دانا بدلہ انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔

• اِھْدِنَا (۵) چلا ہم کو۔ ہدایت کو ایصال الی المطلوب کے معنی میں لیا۔

جن پر انعام ہوا، وہ کون لوگ ہیں۔ ؟

• آلنِّسَآء آیت ۶۹ کا فائدہ ۱۲۳ پر دیکھو۔

(تفصیل کیلئے محاسنِ موضح قرآن دیکھو)

• اَلْبَقَرَة (۲) ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی السَّمَآءِ (۲۹) پھر چڑھ گیا آسمان پر۔ استواء جب علیٰ کے صلہ کیساتھ آتا ہے تو اس کے معنی قصد وارادہ کے آتے ہیں شاہ صاحب نے چڑھنے کا لفظ استعمال کیا ہے، اردو میں چڑھنا نیچے سے اوپر کو جانا، اور مجازی معنی بڑھنا اور ترقی کرنا، زمین کی نسبت سے آسمان کو بلندی پر کہا جاتا ہے، اس کی رعایت سے شاہ صاحب نے چڑھنے کا لفظ لکھا ہے، اور اس سے مراد ہے آگے بڑھنا، مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ زمین بنا کر آسمان بنانے کے لئے آگے بڑھا، اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

بہر حال یہاں جسمانی چڑھنا مراد نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ جسمانیت سے پاک ہے۔

• رَغَدًا (۳۵) محظوظ ہو کر، فراغت واطمینان کے ساتھ، رچا پچا • فَاَزَلَّهُمَا (۳۶) ڈگایا، ڈگمگا دیا، ڈگمگا دیا۔ • وَاَغْرَقْنَا (۵۰) ڈبایا، ڈبویا، غرق کیا • اَلْفُرْقَانَ (۵۳) چُنوتی، چکوتا، فیصلہ چکانے سے ہے۔ فائدہ نمبر ۲ دیکھو۔ • فَاَخَذَتْكُمُ (۵۵) پھر لیا تم کو، یعنی پکڑ لیا تم کو، • هُزُوًا (۶۷) ٹھٹھے میں ہنسی مذاق میں۔ • فَاقِعٌ لَّوْنُهَا (۶۹) زرد ہار رنگت خوب گہرا رنگ، نکھرا ہوا • تُثِيْرُ (۷۱) باہتی ہو، یعنی جو تی ہو زمین، کھیتی کرتی ہو • مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ (۷۵) بوجھ لیکر، پرانی زبان ہے، یعنی سمجھ بوجھ لینے کے بعد، مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمانُ القرآن میں یہ پرانا اسلوب بکثرت استعمال کیا ہے۔

• وَاُشْرِبُوْا (۹۳) رچ رہا، سرایت کرگیا، موافق اور سازگار ہوگیا۔ • يَّدْخُلُوْهَا (۱۱۴) پیٹھیں، داخل ہوں، پیٹھنا، اچھی طرح جم جانا۔ • مُخْلِصُوْنَ (۱۳۹) اسی کے ہیں نرے، خالص اسی کے ہیں • اُمَّةً وَّسَطًا (۱۴۳) امت معتدل، درمیانی راہ چلنے والی، اعتدال پسند۔ • صَلَوٰتٌ (۱۵۷) شاباشیں، شاباش کا مخفف ہے اردو میں بھی یہ لفظ حوصلہ افزائی اور تحسین کیلئے بولا جاتا ہے،

• الرِّيٰحِ (۱۶۴) باؤں، ہوائیں، باؤ، پرانی زبان ہے

• اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ (۱۷۸) صاحب کے بدلے صاحب، غلام کے مقابلہ میں بولا گیا ہے، یعنی آزاد اور صاحب اختیار، غلام بے اختیار • وَصِيَّةً (۱۸۰) دلوا مرے دینے کی ہدایت کر دے • اَلْفِتْنَةُ (۱۹۱) دین سے بچلانا، دین سے ہٹانا، گمراہ کرنا • لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ (۱۸۷) نہ لگو ان سے، ان کے ساتھ اختلاط نہ کرو، اعتکاف کی حالت میں بیوی کے ساتھ صحبت کرنا اور بوس وکنار کرنا سب حرام ہے، البتہ بلا شہوت کے ایک دوسرے کو ہاتھ لگا سکتا ہے، اس لئے مباشرت سے مباشرت فاحشہ مراد ہوگی، شاہ صاحب نے مباشرت کا ترجمہ لغوی کیا ہے، المباشرت الزاق البشرہ بالبشرہ، لگو، لگانے اور چھونے کے معنی دیتا ہے • فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ (۱۸۷) سو اب ملو ان سے، رمضان کی راتوں میں بیویوں کے ساتھ صحبت کرنا جائز قرار دیا جاتا ہے، مباشرت "جماع" سے کنایہ ہے، شاہ صاحب نے بھی اردو میں "ملو" کا لفظ لکھا ہے، جو جماع سے کنایہ ہے۔

• كُرْهٌ (۲۱۶) کرہٹ، کٹھن، کڑی پرانی زبان ہے، عوام میں اب بھی یہ لفظ مستعمل ہے • اَلْعَفْوَ (۲۱۹) افزود، فارسی لفظ ہے، زائد کے معنی ہیں

• عُرْضَةً (۲۲۴) ہتھکنڈا، چال، آڑ، • اخْتَلَفُوْا (۲۵۳) پھٹ گئے، الگ الگ ہوگئے، اختلاف ہوگیا، دلی کے عوام اب بھی بولتے ہیں، پھوٹو، یعنی جاؤ، چلو • عُرْوَةِ الْوُثْقٰى (۲۵۶) گرہ مضبوط، گہہ گرہ کا مخفف معلوم ہوتا ہے، گرہ گرہن سے ہے، یعنی پکڑنا، حاصل کرنا • فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (۲۸۳)

آل عمران (۳)

• مَا تَشَابَهَ (دلادین ۷)

ان کی ڈھب والیوں سے، شاہ صاحب نے تَشَابَهَ کو شِبْهٌ (مانند) سے لیا ہے، دوسرے حضرات شُبْهَة یعنی شک والتباس سے لے رہے ہیں، شاہ صاحب کے ترجمہ کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ پرور لوگ اپنے ڈھب اور اپنے مطلب کی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ ان مخفی المراد آیات کے ذریعہ لوگوں میں گمراہی پھیلا سکیں • وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (۷۹) لیکن تم ربی ہو جاؤ، ربی کے معنی اللہ والے، یہ لقب ہے علماء یہود کا، بعض نسخوں میں مُربی لکھا ہوا ہے، یہ کتابت کی تحریف ہے، • تَاْوِيْلَهٗ (۷) کل بٹھانی، معاملہ کی تہہ تک پہنچنا، صحیح مراد کا پتہ چلانا، • اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ (۵۵) بھر لوں گا، بالاتفاق یہاں توفی سے روح اور بدن دونوں کو اٹھانا مراد ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، "برگیرندہ توام"

یعنی میں تجھ کو چن لوں گا، منتخب کر لوں گا، "شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا" لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں، شاہ صاحبؒ نے "بھر لوں گا" لکھا ہے، اردو میں بھرنا، برتن کا پُر ہونا جسم یا کپڑے کا آلودہ ہونا، پورا اور کامل ہونا، کے معنی میں آتا ہے، شاہ صاحب نے اس جگہ پورا پورا لے لوں گا یعنی روح اور جسم دونوں کو اٹھا لوں گا کے معنی میں لیا ہے، آیت المائدہ (۱۱۷) میں بھی توفّی کو "بھر لیا" اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

بعض دوسری آیات جہاں توفّی کے معنی مجازی موت متعین ہیں وہاں شاہ صاحب نے بھرنے کا لفظ لینے اور اٹھانے کے مفہوم میں لیا ہے۔

تفصیل دیکھیں ہو محاسن موضح قرآن میں دیکھو

• وَأَصْلَحُوا (۸۹) سنوار پکڑی "پرانی زبان ہے" یعنی اپنے آپ کو سنوارا۔ اپنی اصلاح کی۔

• لَمْ يُصِرُّوا (۱۳۵) اڑے نہ رہیں "اڑ نہ جائیں، ضد نہ کریں، اصرار نہ کریں • فِي أُخْرَاكُمْ (۱۵۳) پچھاڑی "پیچھے، آخر • مُتَجَانِفٍ (المائدہ ۳) ڈھلتا۔

النساء (۴) • تَرْغَبُونَ (۹) تم کو نہ بھاویں؟ بھانا، پسند آنا • اَلْمُحْصَنَاتُ (۲۴) نکاح بندھی "شدنت، پن آئی، منکوحات۔

• يُحَرِّفُونَ (۴۶) بے ڈھب کرتے ہیں "بگاڑتے ہیں، بدلتے ہیں، اصل مفہوم سے ہٹاتے ہیں یا الفاظ بدل دیتے ہیں، یعنی لفظی اور معنوی دونوں طرح کی تحریف کرتے ہیں، • وَصَدَّ عَنْهُ (۵۵) اس سے اٹک رہا، اس سے دور رہا، رکا رہا • كُسَالَىٰ (۱۴۲) جی ہارے "بددلی کے ساتھ منافق کی حالت ہے • يَسْتَنْكِفُ (۱۷۲) کنیائے "کنی کاٹنا، کترانا، اعراض کرنا، ہٹ کے چلنا

• يَحْسُدُونَ (۵۴) لوگوں کا حسد کرتے ہیں یہ پہلے بولتے تھے اب بولتے ہیں، "لوگوں سے حسد کرتے ہیں" آیت (۱۰۸) اور نہ ان کو ملائے راہ، داؤ سے پڑھا جاتے، دال سے نہیں،

آیت نمبر (۱۰۸) اس لفظ کو چلاویں "داؤ سے پڑھا جائے، دال سے نہیں۔

المائدہ (۵) • مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ (۳) ڈھلتا۔ مائل اور راغب ہوتا • أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ (۶) لگے ہو عورتوں سے "اختلاط کیا ہو، اس جگہ لمس سے مراد صحبت کرنا ہے، یعنی اگر تم عورتوں سے صحبت کر کے فارغ ہوئے ہو اور اس سے تم پر غسل واجب ہو گیا ہو

اور پانی نہ مل رہا ہو تو تیمم کر لیا کرو، لمس عربی میں چھونے اور ہاتھ لگانے کو کہتے ہیں، اور یہ جماع سے کنایہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے بھی اس کا ترجمہ لغوی لگے ہو "کیا ہے جس سے اشارہ جماع کی طرف معلوم ہوتا ہے،

کیرلہ دلی کے عوام کی بولی میں "لگنا" جماع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

• عَلَىٰ فَتْرَةٍ (۱۹) توڑا پڑے پیچھے "رسولوں کا تسلسل ملتوی ہونے کے بعد دو رسولوں کے درمیان کا وقفہ مراد ہے۔

• مُوَقَّفِيْنَا (۴۶) پچھاڑی میں بھیجا۔ بعد میں اور پیچھے بھیجا • رَاكِعُونَ (۵۵) اور وہ جھکے ہیں، "جھکے ہوئے ہیں، عاجزی کر رہے ہیں۔

• يَنْتَقِمُ اللَّهُ (۹۵) بیر لے گا، بیر کے معنی عداوت اور بدلہ، شاہ صاحبؒ نے دوسرے معنی اختیار کئے ہیں۔

• فَتَنْفُخُ فِيهَا (۱۱۰) دم مارتا اس میں، "دم مارنا، پھونک مارنا۔

آیت نمبر (۱۳) "قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً"، قاسیۃ کے معنی کسی چیز کا سخت ہونا اور رات کا سیاہ ہونا، دونوں معنی آتے ہیں، دوسرے حضرات "سخت" ترجمہ کر رہے ہیں اور شاہ صاحبؒ نے سیاہ ترجمہ کیا ہے، اردو محاورہ میں دونوں طرح بولا جاتا ہے۔

الانعام (۶)

• قَرْنٍ (انعام ۶) سنگتیں، "قومیں، ایک زمانہ کے لوگ۔ • وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ (۵۲) گرد ہاتھ میں، "رہان جمع رہن کی ہے۔ یہ صفت موصوف مل کر ایک تاویل کے مطابق مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی فالمشروع رہان مقبوضہ، شرعی حکم کے مطابق گروی رکھنے کی چیزیں قبضہ میں دیدی جائیں شاہ صاحب نے بھی اپنے ترجمہ میں اسے خبر بنایا ہے

اور نہ ہانک ان کو "ہانکنا، دور کرنا، دھکے دینا، دھتکارنا، جانوروں کے لئے بولتے ہیں، یہاں تحقیر کی طرف اشارہ ہے

• بَازِغَةً (۷۸) جھلکی دکھاتا، چمک دکھاتا، جگمگاتا، آیت (۹۱) وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ، اور انہوں نے نہ جانچا اللہ کو"

یعنی اللہ کی بڑائی کا اندازہ بھی نہیں لگا سکے، حقیقت تک تو کیا پہنچ سکتے تھے۔

یہاں جانچنا بمعنی اندازہ لگانا ہے اور صفحہ نمبر (۱۰۰)

آیت (س) میں جانچ نہ لیں گے ۔ اس جگہ جانچنا بمعنی آزمانا ہے۔
اُردو میں جانچنا کے دونوں معنی آتے ہیں۔
○ زُخْرُفَ الْقَوْلِ (۱۱۲) ملمع باتیں، چکنی چپڑی باتیں، ملمع شدہ باتیں۔

سورۂ اعراف (۷)

○ بَيَاتًا (۴) راتی رات ۔ رات ہی رات، راتوں رات۔
○ مَدْحُورًا (۱۸) نصیر ترا، دھکا ہوا، دھکے دے کر باہر کیا ہوا
○ فَدَلّٰهُمَا (۲۲) ڈھلایا، اپنی طرف جھکالیا ڈھلنا، جھکنا، مائل ہونا۔
○ قَطَعْنَا دَابِرَ (۷۲) پچھاڑی کاٹی ۔ جڑ اور بنیاد اکھاڑ دی، نسل ختم کر دی۔
○ تُوعِدُونَ (۸۶) ڈرکے دیتے ۔ دھمکیاں دیتے، ہندی لغت میں یہ لفظ ڈرکا لکھا ہوا ہے، بمعنی دہشت، باعث دہشت، ہوا،
○ فِي الْمَدَآئِنِ (۱۱۱) پرگنوں میں، شہروں اور قصبوں میں۔
○ مَا يَأْفِكُونَ (۱۱۷) سانگ، سوانگ، شعبدہ ڈھکوسلا۔
○ طٰٓئِرُهُمْ (۱۳۱) شومی ان کی، نحوست اور برائی ان کی۔
○ تَجَلّٰى رَبُّهٗ (۱۴۳) نمود ہوا، نمودار اور ظاہر ہوا۔
○ فَلَمَّآ اَفَاقَ ۔ چونکا، ہوش میں آیا۔
○ اِسْتَضْعَفُوْنِيْ (۱۵۰) بودا سمجھا، کمزور سمجھا
○ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (۱۷۶) گر آپڑے زمین پر۔ گرنے اور آپڑنے سے مرکب لفظ ہے شاہ صاحبؒ اس طرح کے مرکب الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔
○ اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (۱۸۰) سب نام ہیں خاصے۔ خاص سے ہے، عربی میں اس لفظ کے معنی عمدہ اور اچھی چیز کے آتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے وقت میں اُردو کے اندر یہ لفظ اس مفہوم میں بولا جاتا تھا [illegible] میں
○ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا (۱۴۲) لدنے والے اور دبے ۔ لدو جانور اور دبے ہوئے یعنی چھوٹے جانور
○ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (۱۵۳) پھٹا دیں گے ۔ بکھیر دیں گے، متفرق کر دیں گے اللہ کے راستے سے پھٹانا، پھٹا دینا، پھوٹ سے ہے، پھوٹ ڈالنا، اختلاف پیدا کرنا۔
○ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (۱۶۳) اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں شاہ صاحبؒ نے ۔ پہلا حکم بردار ۔ ترجمہ نہیں کیا، پہلے ۔ کیا، اس میں اشارہ اوّلیت رتبی کی طرف ہے، یعنی میں کائنات ہستی کے تمام حکم برداروں سے زیادہ آپ کا حکم بردار ہوں، اور ایمان، عمل میں میرا درجہ سب سے بلند ہے

سورۃ الانفال (۸)

لِيُثْبِتُوْكَ (۳۰) تجھ کو بٹھا دیں ۔ نظر بند کر دیں
○ عُدْوَةُ الدُّنْيَا ورے کے ناکے ۔
○ عُدْوَةُ الْقُصْوٰى پرے کے ناکے، یعنی ورلے کنارے اور پرلے کنارے،
○ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ (۷۳) دھوم مچے گی ملک میں ملک میں بدامنی پھیلے گی، ہنگامہ برپا ہو جائے گا

سُوْرَةُ التَّوْبَة (۹)

○ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ (التوبہ ۸) وہ تم پر ہاتھ پاویں ۔ یعنی وہ تم پر قابو پاویں، ہاتھ پاویں، اب متروک ہے، ہاتھ پڑنا بولا جاتا ہے، بعض نسخوں میں ۔ قابو پاویں لکھا ہوا ہے یہ تحریف ہے۔
○ اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (۳۸) ڈھے جاتے ہو زمین پر، گرے جاتے ہو زمین پر، بوجھل ہوئے جاتے ہو،
○ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ (۵۲) کیا چیتو گے، کیا آرزو کرو گے، چیتنا، ہندی کا مشہور لفظ ہے اور اس کے کئی معنی آتے ہیں، خوش حال ہونا ہوشیار ہونا، سمجھ میں آنا، آرزو کرنا، انتظار کرنا وغیرہ
○ مَغْرَمًا (۹۸) چٹی، چٹی کے کئی معنی آتے ہیں ڈنڈ، نقصان، دھونس، کرز،
صاحب فرہنگ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اب عورتوں میں زیادہ بولا جاتا ہے۔ (ج ۲ ص ۱۰۳)
○ اِرْصَادًا (۱۰۷) تھانگ ۔ کمین گاہ، گھات لگانے کی جگہ۔
فائدہ (۳۴) میں تقدیر کا مسئلہ چھڑا ہے، اس کی مکمل وضاحت حسب ذیل مواقع پر دیکھو،
○ الکہف (۲۹) کا فائدہ
○ الرعد (۳۹) کا فائدہ
○ كَسَادَهَا، لفظی ترجمہ یہ ہے ۔ جس میں مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو، شاہ صاحبؒ نے ۔ بند ہونے

ترجمہ کیا. کیونکہ تاجر کیلئے یہ بات زیادہ پریشان کن ہوتی ہے، مندا اور چلتی تو آتی جاتی ہی رہتی ہے، لغت میں کسد میں ناکارہ ہونے کا مفہوم بھی ہے اس لئے بڑے شاہ صاحب نے "بے رواجی" ترجمہ کیا ہے۔

○ ثَانِیَ اثْنَیْنِ (۴۰) دو جان سے،، اس کا لفظی ترجمہ ہے، جب نکالا اسے کافروں نے اس حال میں کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم نے اس پیرایہ میں ہجرت کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا اظہار کیا ہے۔ (حاشیہ جلالین (۱۵۹))

لیکن حضرت شاہ صاحب نے "دو جان سے" ترجمہ کرکے یہ اشارہ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا نہیں تھے، بلکہ نبیؐ اور صدیقؓ دو جانیں ساتھ تھیں البتہ مقصود بالذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اس لئے "ثانی" کو مقدم کرکے بیان کیا۔

(محاسن موضح قرآن میں تفصیل دیکھو)

○ فَرِحَتْ بِہٖ (۱۰۹) چلتی گئی اس سے چلتی پھرتی رہی اس کے ساتھ۔

○ صَالِحًا ○ چنگا بھلا سب بھلا چنگا بولتے ہیں، چنگا صحت مند اور بھلا ہونہار، صلاحیت رکھنے والا۔

○ وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ (۱۵۴) اور جب چپ ہوا موسیٰ سے غصہ "شاہ ولی اللہ رحہ نے لکھا" ساکن شد "شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لکھا، چپکا ہوا" یہ تمام ترجمے سَکَتَ کے لغوی مفہوم کے مطابق ہیں، غصہ کیلئے "تھم گیا" اور "ٹھنڈا ہو گیا" کے محاورے بعد میں ایجاد ہوئے ہیں، پہلا محاورہ حضرت شیخ الہندؒ نے اور دوسرا مولانا مودودی نے استعمال کیا۔

○ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ (۱۳۷) اور خراب کیا ہم نے جو بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور ان کو جو چڑھاتے تھے چھتریوں پر۔ انگور وغیرہ کی بیلیں چھتریوں اور ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں وہی مراد ہیں۔ بعض نسخوں میں انگور کا لفظ بگڑ کر (انگوں) ہو گیا ہے

○ وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (۱۷۶) لیکن وہ گر آپڑے زمین پر، گرنے اور آپڑنے دونوں لفظوں کو مرکب کرکے استعمال کیا ہے شاہ صاحبؒ کے ہاں اس طرح مرکب الفاظ اکثر ملتے ہیں "مار گری" "اٹھا کھڑے کئے" "سجدہ کر پڑے" "بڑھ چڑا"

○ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ (۵۸) خطہ ستھرا، بعض نسخوں میں "موضع" لکھا ہوا ہے

○ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْ اَیْدِیْھِمْ (۱۴۹) اور جب پچتائے، سقط فی ایدیھم عربی کا محاورہ ہے اور اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں

شاہ صاحبؒ نے اصول محاورہ کے مطابق ترجمہ کیا جس میں لفظوں کی رعایت نہیں ہے لیکن ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ہاں الفاظ قرآنی اور محاورہ دونوں کی رعایت نظر آتی ہے "اور جب ان کا کیا ان کے آگے آیا"

○ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا (۱۲۶) اے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے۔

اَفْرِغْ ۔ کے معنی عربی لغت میں برتن کو خالی کرنا۔ جو کچھ اس میں ہے وہ سب ڈال دینا۔ آیت میں استعارہ ہے اور صبر کو پانی سے تشبیہ دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ اے خدا! تیرے پاس جتنا صبر ہے وہ سب ہمیں عطا فرما دے، یہ آیت دو جگہ آئی ہے، ایک طالوت کے ساتھیوں کی زبانی ○ البقرۃ (۲۵۰) میں اور ایک اس جگہ، یہاں شاہ صاحبؒ نے اردو محاورہ اور لغت عربی دونوں کی رعایت کرکے بہترین ترجمہ کیا ہے۔

محاسن میں تفصیل دیکھو

○ وَلَاَاَوْضَعُوْا (۴۷) لغت میں ایضاع کے معنی اونٹ کا تیز دوڑنا۔ پھر بطور استعارہ فتنہ و فساد کیلئے بھاگ دوڑ کرنے کے معنی میں بولا جانے لگا فتح الرحمان۔ یعنی "مسرعت کردند"

سورہ یونس (۱۰)

○ قَدَمَ صِدْقٍ (۲) پایہ سچا۔ بلند رتبہ، کہا جاتا ہے، یہ بڑے پائے کا آدمی ہے، پایہ، مقام اثر و رسوخ، پہنچ،

○ زُیِّنَ (۱۰) بن آیا ہے، یعنی بن کر آیا ہے۔ آراستہ ہوا ہے، بننا، سنورنا، آراستہ ہونا۔ بعض نسخوں میں یہ لفظ غلط لکھا ہوا ہے۔

○ فَاخْتَلَطَ بِہٖ (۲۴) ایک مل نکلا۔ یعنی سبزہ ایک ہو کر، مل مل کر گھنا ہو کر نکلا۔ مراد ہے خوب کثرت سے سبزہ اگا۔ بعض نسخوں میں "میل" لکھا ہوا ہے یہ غلط ہے۔

○ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ (۱۲۸) تلاش رکھتا ہے تمھاری حرص کے مجازی (لازم) معنی کئے، آدمی میں جس چیز کی حرص ہوتی ہے وہ اس کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے اردو میں حرص یا لالچ کا لفظ اچھے مفہوم میں نہیں بولا جاتا اس لئے شاہ صاحبؒ نے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اسے استعمال نہیں کیا
(محاسن موضح قرآن میں وضاحت دیکھو)

سورہ ہود (۱۱)

• اُحْکِمَتْ (۱) جانچ لی ہیں، مرادی معنی کئے ہیں، جانچی ہوئی چیز پکی اور مضبوط ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے کتاب حکیم کے معنی، پکی کتاب، کئے ہیں۔

• اُولُوا بَقِیَّۃٍ (۱۱۶) ان میں اثر رہا ہو یعنی اثر خیر رہا ہو۔ (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

• اَنُلْزِمُکُمُوْھَا (۲۸) کیا ہم لگا دیں گے وہ تم کو یعنی کیا مجبور کر دیں گے ہم کیا تمھارے سر منڈھ دیں گے وہ رحمت "لگانا" ملانا، چپکانا۔

حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ (۸۲) کھنگر، آگ میں پکی ہوئی مٹی، جو اینٹیں آگ میں جل کر خراب ہو جاتی ہیں انہیں کھنگر کہتے ہیں، یہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں، لوہے کی مانند سمجھو،

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے "کھنگر کے پتھر" ترجمہ کیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

سورہ یوسف ۱۲

یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ (۱۲) کچھ چرے اور کھیلے، بعض نسخوں میں چرلے لکھا ہوا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، عربی میں رتع کے معنی خوب آزادی اور بے فکری سے کھانا پینا، عربی کا محاورہ ہے۔ خرجنا نرتع ونلعب ای ننعم ونلھو۔ شاہ صاحب نے یرتع کے لغوی معنی اور عربی محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ "چرے" کیا ہے، چرنا جانوروں کے کھانے پینے کو کہتے ہیں اور بے فکری اور آزادی کے ساتھ کھانا پینا دراصل جانوروں ہی کا کام ہے یا پھر بچوں کا، حضرت یوسف بچے تھے، اسکی رعایت سے شاہ صاحب نے، چرے اور کھیلے ترجمہ کیا ہے۔

• فَاَرْسَلُوْا وَارِدَھُمْ (۱۹) پھر بھیجا اپنا پنہیارا، یعنی پانی والا، شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے (سقائے خود) گھاٹ پر آنے والے کو عربی میں وارد کہتے ہیں۔

• دَرَاھِمَ (۲۰) پاولیاں، روپے کی چار پاولیاں ہوتی تھیں، ایک درہم چونی کے برابر ہوا۔

• اَخْرِجْ (۳۱) نکل آ، پرانا لفظ ہے یعنی نکل

• اَلسِّجْنُ (۳۳) بندی خانہ، قید خانہ۔

• مَتَاعٌ (۶۵) چیز بست، سامان، فارسی لفظ ہے، اردو میں آج بھی مستعمل ہے۔

• یَخْصِفَانِ عَلَیْھِمَا (۲۲) لگے گانٹھنے اپنے اوپر، عربی میں خصف کے معنی تہ برتہ جما کر چسپاں کرنا آتے ہیں، بڑے شاہ صاحب نے "چسپانیدند" ترجمہ کیا ہے، شاہ صاحب نے گانٹھنا لکھا ہے، اردو میں اس کے معنی جوتی گانٹھنے اور جوڑنے مرتب کرنے کے آتے ہیں، کہا جاتا ہے، دوستی گانٹھ لی، یعنی جوڑ لی، شاہ صاحب اس جگہ اسی معنی میں گانٹھنے کو استعمال کیا ہے۔ سینے کے معنی میں نہیں۔

• لَکَانَ لِزَامًا (۱۲۹) تو مقرر ہوتی بھینٹ" ہندی لغت میں بھینٹ کے معنی ملاقات اور مڈبھیڑ (لڑائی) دونوں آتے ہیں، شاہ صاحب نے بھینٹا لکھا ہے یعنی لڑائی، لیکن یہ دوسرا لفظ فرہنگ آصفیہ میں درج نہیں ہے۔

• اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (۹۵) تو ہے اپنی اس غلطی میں قدیم کی "یہاں قدیم کا لفظ زمانہ کے معنی میں ہے، پہلے موصوف کو حذف کر کے صفت کو استعمال کیا کرتے تھے۔ یعنی تو ہے اپنی اسی غلطی میں زمانہ قدیم کی۔

• یَخْلُ لَکُمْ وَجْہُ اَبِیْکُمْ (۹) اکیلی رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی "یعنی صرف تمہیں پر تمہارے باپ کی توجہ رہے، بعض نسخوں میں اکیلا "اور بعض اکیلے" لکھا ہوا ہے، جو تحریف لفظی ہے۔

• یٰاَبَانَا مَا نَبْغِیْ (۶۵) اے باپ! ہم کیا مانگتے ہیں۔

شاہ صاحب نے مَا کو موصولہ قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔

سید عبداللہ صاحب اپنے اصلاحی نسخہ میں "ف نے جو ہم مانگتے ہیں" کر دیا ہے، "وے" ہندی میں جمع غائب کی ضمیر ہے۔

یہی "وے" آگے چل کر "وے" ہو گیا ہے اور شاہ صاحب کا اصلی ترجمہ تحریف کی نذر ہو گیا

آیت (۲۳) شاہ صاحب نے ھَمَّ کا ترجمہ فکر کیا، یعنی عورت نے پھانسنے کی فکر کی اور

یوسف علیہ السلام نے اس عورت کے ناموس کی حفاظت کی فکر کی۔

فکر کا لفظ قصد اور ارادہ کے مقابلہ میں بہت موزوں ہے۔

اس کا اصولی جواب شاہ صاحب نے حاشیہ میں دیا ہے۔

• أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ (۴۴)، ضغث جھاڑ واور تنکوں کا مٹھا۔

سورۃ ص (۴۴) میں بھی یہ لفظ آیا ہے یہاں پریشان اور اڑتے خواب کہا گیا ہے، جو غلط سلط خیالات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔

• وَأَوْحَيْنَا (۱۵)، اور ہم نے اشارت کی اس کی، تمام حضرات "وحی کی" ترجمہ کر رہے ہیں شاہ صاحب نے لغوی ترجمہ کیا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت تک پیغمبر نہیں تھے۔

سورۃ الرعد (۱۳)

• قَارِعَةٌ (۳۱) کھڑکا، کھڑکا نا مصدر ہے، دھمکانا، جھڑکنا، کھڑکا بمعنی دھمکی۔

• لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ (۱۱) اس کے پہرے والے ہیں، بندے کے آگے اور پیچھے۔ معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں شاہ صاحب نے "آخر آنے والا" کہا ہے، بعض نسخوں میں "پہرے والے" ہو گیا ہے کتابت کی غلطی ہے

آیت (۳) قَدْ خَلَتْ، ہو آئی ہے معنی ہوتی چلی آرہی ہے

• سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا (۱۵)، ہماری نگاہ کی بندش کی گئی ہے سُکّر کے معنی لغت میں دروازہ بند کرنا، ندی پر بند باندھنا اور مدہوش ہونا۔

شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا مست ہو گئی ہیں آنکھیں ہماری، دوسرے حضرات نے نظر بندی کا مفہوم لیا ہے

یہی حقیقت ہے جادو کی، بل نحن قوم مسحورون یعنی بلکہ جادو کا اثر ہماری آنکھوں سے گذر کر دل تک پہنچ گیا ہے

(بیضاوی ص [illegible])

سورۃ ابراہیم (۱۴)

• وَعِيدِ (۱۴)، ڈرنا، پہلے گزر چکا ہے۔

• لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ (۸۸) مت پسار اپنی آنکھیں، پسارنا، پھیلانا، ہاتھ پسارنا، مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلانا، آنکھیں پسارنا طلب و خواہش کے ساتھ کسی کے مال و متاع کی طرف دیکھنا۔

اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا جارہا ہے

سورۃ النحل (۱۶)

• دِفْءٌ (۵)، جڑاول، جاڑے اور سردی سے بچاؤ کیلئے پہننے اوڑھنے کا سامان۔

• مَا تُحِبُّ ۔۔۔ مجرد ثلاثی مصدر شریف فقہ پڑھ ۔ اس معنی میں باب نہیں ہو جاتا۔

• سَائِغٌ (۶۶) سہل جانچنا، موافق آنے والا

• بِرِقَابِ ۔۔۔ (۸۰) روزی تنگی، خامی اور خامی کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے۔

• قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ (۳۹) بولا ایک دیو جنوں میں سے، یہ سنسکرت کا لفظ ہے، اس کے معنی ایک جن کے ہیں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھتے ہے لکھا ہے یعنی اجنبی جسم والا۔

• وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۔۔۔ اور نہ ان سے توبہ لی جائے، الفت عتب میں عتاب کے معنی ناراضگی اور غصہ، باب افعال میں لا کر ہمزہ سلب لگایا اور اعتب کے معنی خوش کرنا ہو گئے، اسی سے اِسْتِعْتَاب کے معنی طلب کے معنی پیدا ہو گئے قرآن میں اسی باب سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ شاہ صاحب نے قبول توبہ کا ترجمہ کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ منکرین سے توبہ کرنے اور اپنے آپ کو راضی کرنے کی فرمائش نہیں کرے گا، کیونکہ آخرت میں کسی کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

وہ میثاق کرنے والے، باندھنے والے

• الْقَاءَ (۸۷) کسی کی بندگی۔

شاہ صاحب القاء کے معنی کسی جگہ سپرد کیں حکم اور کہیں شاکر کرتے ہیں اور کسی جگہ خاص صور کے معنی بندگی کرتے ہیں۔

(۹۹) الْيَقِينُ پہنچے تجھ کو یقین، تمام حضرات یقین کے معنی موت کر رہے ہیں، کیونکہ مراد موت ہی ہے شاہ صاحب نے یقین کا ترجمہ یقین ہی کیا۔ مگر پہنچنا کا ترجمہ پہنچے کر دیا، جس سے اشارہ ہو گیا کہ یقین سے مراد موت ہے۔

• كَلَمْحِ الْبَصَرِ (۷۷) ایک نظر کی۔ آنکھ کی جھپک

• وَبَرِ. أَوْبَارِ (۸۰) بیری، اونٹ کی اون۔

• تِبْيَانًا (۸۹) بیورا، اس کے معنی پیغام، خوش خبری، حساب کو چکانا، تفصیل، راجستان میں یہ لفظ بکثرت مستعمل ہے، شاہ صاحب نے تفصیل کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

اور شاہ ولی اللہ نے "آواز نرم" ترجمہ کیا ہے۔ یہ اشارہ سانس کی آواز کی طرف معلوم ہوتا ہے اور میدان محشر کی ہیبت و دہشت کے بیان میں یہ ترجمہ زیادہ موزوں ہے کہ وہاں سانس کی آواز بھی سنائی نہیں دے گی۔

• تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ (۴) اتارا ہے اس شخص کا جس نے بنائی زمین۔ شاہ صاحب کے وقت میں لفظ شخص کا اطلاق خدا تعالیٰ کی ذات پر کیا جا سکتا تھا اب نہیں کیا جاتا۔ اس لئے اس کی جگہ "ہستی" کا لفظ لکھنا چاہئے۔ شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ میں بھی یہ لفظ بکثرت بولا گیا ہے۔ جس سے آج کے پڑھنے والوں کو الجھن پیش آتی ہے۔

اس مقام کے علاوہ (الرعد ۳۳) میں بھی شاہ صاحب نے "شخص" کا استعمال کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند نے دونوں جگہ اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے۔ راقم نے بھی حضرت شیخ کی

• وَعَنَتِ الۡوُجُوۡہُ (۱۱۱) اور گرتے ہیں منہ آگے اس جیتے رہتے کے۔ عربی میں عَنَا یَعۡنُوۡ عُنُوًّا کے معنی تابعدار ہونا۔ ذلیل ہونا جھکنا۔ شاہ صاحب نے ذلیل ہونے کو "گرتے ہیں" سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نسخوں میں "گرتے ہیں" لکھا ہوا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے عَنَتۡ کے لغوی معنی سے "گرتے ہیں" قریب معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ الانبیاء (۲۱)

• قُلۡ مَنۡ یَّکۡلَؤُکُمۡ (۴۲) تو کہہ کون چوکی دیتا ہے تمہاری۔ چوکی دینا۔ چوکیداری کرنا۔ نگرانی کرنا۔

(فرہنگ تصفیہ صفحہ ...)

سید عبداللہ صاحب نے اس لفظ کو بدل کر "کون بچا دیتا ہے" لکھ دیا ہے۔

• اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا یَرۡکُضُوۡنَ (۱۲) تبھی لگے وہاں ایڑ کرنے۔ یعنی بھاگنے لگے۔ ایڑ کرنا اور ایڑ مارنا۔ گھوڑے کو بھگانے کے معنی میں بولا جاتا ہے یہاں مطلق بھاگنا مراد ہے

• فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (۱۸) پھر تب وہ سٹک جاتا ہے۔ عربی میں زَهُوۡق کے معنی تیزی سے نکل جانا اور برباد ہونا دونوں آتے ہیں۔ بڑے شاہ صاحب نے "باطل نابود شود" لکھا ہے شاہ رفیع الدین نے "وہ فنا ہو جاتا ہے" لکھا ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے پہلے معنی "جلدی سے نکل جاتا ہے (سٹک جاتا ہے)" لکھا ہے یعنی میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ حق کو دیکھ کر باطل کھسک جاتا ہے، فنا اور نابود نہیں ہوتا۔

• حَتّٰی طَالَ عَلَیۡهِمُ الۡعُمُرُ (۴۴) یہاں تک کہ بڑھ پڑا ان پر جینا۔ بڑھ گیا۔ لمبا ہو گیا۔

• نَفۡحَةٌ مِّنۡ عَذَابِ (۴۶) ایک بھاپ تیرے رب کی آفت کی۔ نفحہ لغت میں ہوا کا جھونکا اور تیز خوشبو، بھاپ گرم ہوا۔ شاہ صاحب نے عذاب کی رعایت سے بھاپ ترجمہ کیا ہے

• بَرۡدًا وَّسَلٰمًا (۶۹) ٹھنڈک ہو جا اور آرام۔ ٹھنڈک اور ٹھنڈ مجازاً آرام و راحت کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ اس لئے شاہ صاحب نے سلاما کی رعایت سے یہ لفظ استعمال کیا ہے

• لَبُوۡسٍ (۸۰) پہراوا۔ پہننے کی چیز، کپڑے وغیرہ دلی میں اب پہناوا بولتے ہیں دیہات میں پہراوے کا استعمال عام ہے

• وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ عَاصِفَةً (۸۱) اور سلیمان کے تابع کی باد جھکے کی چلتی۔ یعنی تیزی اور جلدی سے کہ یہی تیز اور شدید ہوا مراد ہے۔

• وَنَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ (۸۸) اور بچا دیا اس گھٹنے سے۔ عربی میں غم کے معنی چھپانے اور گھیر لینے کے ہیں کیونکہ غم خوشی اور قوت برداشت کو چھپا دیتا ہے۔ شاہ صاحب نے لغوی ترجمہ کیا ہے گھٹنا یعنی گھٹن۔

• کَطَیِّ السِّجِلِّ (۱۰۴) جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ۔ طومار کاغذ کا گڈا۔

سورۃ الحج (۲۲)

• مُّخَلَّقَةٍ (۵) نقشہ بنی ہوئی۔ بیونتے ہیں کپڑے۔ کاٹنے ہیں کپڑے۔ بیونتنا کے دو معنی آتے ہیں۔ جسم کے مطابق کپڑے کا کاٹنا اور اندازہ لگانا کہ کتنے کپڑے میں لباس تیار ہو گا۔ شاہ صاحب نے پہلے معنی لئے ہیں۔

• وَقَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ (۴۵) اور کتنے محل گچ گیری کے یعنی گچ کاری کے، چونے سے بنے ہوئے۔ یعنی مضبوط۔

• شَادَ تَشۡیِیۡدًا۔ دیوار پر پلستر کرنا اور بلند کرنا۔ دونوں معنی آتے ہیں۔

• وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِ (۷۸) پکڑو اللہ کو۔ یعنی اللہ کو مضبوط پکڑو۔ پکڑ، پکڑن سے ہے۔

• وَالَّذِیۡنَ سَعَوۡا فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ (۵۱) اور جو دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو۔ ہرانا۔ شکست دینا۔ بعض نسخوں میں "ہراتے" لکھا ہوا ہے۔ مفہوم اس سے بھی بن جاتا ہے لیکن اکثر نسخوں میں پہلا ترجمہ ہے۔

سورۃ المؤمنون (۲۳)

• خَاشِعُونَ (۲) نوے ہیں، جھکنے والے ہیں
• وَمِن وَرَائِهِم بَرزَخٌ (۱۰) اوران کے پیچھے اٹکاؤ ہے، برزخ عربی میں پردہ کو کہتے ہیں
شاہ صاحب اس کو اٹکاؤ فرما رہے ہیں یعنی آخرت کے آنے تک آدمی یہاں اٹکا رہتا ہے
الفرقان ۵۳ میں اسی لفظ کا ترجمہ شاہ صاحب نے "پردہ" کیا ہے
• سُلَالَة (۱۲) چن لی مٹی سے، یعنی "از خلاصہ از گل"
• مَاءً بِقَدَر (۱۸) پانی ماپ کر، یعنی "آب را باندازہ (فتح الرحمان)
"لقادرون" توسکتے ہیں، یعنی اس پر قادر ہیں
(۴۴) پھر چلاتے گئے ہم، یعنی ایک کے بعد ایک امت کو ہلاک کرتے گئے، اور انہیں ماضی کا افسانہ بنادیا،
(وساختیم ایشاں را افسانہ)
(فتح)
• فَأَنَّى تُسحَرُونَ (۸۹) پھر کہاں سے تم پر جادو پڑجاتا ہے
"پس از کجا فریب دادہ مے شوید" شاہ ولی اللہ رح کے نزدیک سحر بمعنی فریب و مکر ہے، اور عموماً سحر کے نام سے جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مکر و فریب سے زیادہ کچھ نہیں، شاہ عبدالقادر صاحب نے عام تصور کے مطابق ترجمہ کیا ہے،
• قَد عَلِمَ صَلَاتَهُ (۴۱) اپنی طرح کی بندگی اور یاد، یعنی ہر مخلوق نے فطری طور پر یہ بات جان رکھی ہے کہ اسے اپنے مالک حقیقی کی یاد کس طرح اور کس انداز سے کرنی ہے، اسی انداز سے وہ یاد حق میں مشغول ہے،
• فَمَن ثَقُلَت مَوَازِينُهُ (۱۰۲) سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں، میزان کے معنی عربی میں ترازو، اور جو چیز ترازو میں تولی جائے یعنی مقدار، تول کے معنی بھی مقدار کے آتے ہیں،

سورۃ النور (۲۴)

• أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ (۲۶) وہ لوگ بے لگاؤ ہیں بے تعلق ہیں،
• يَغضُضنَ مِن أَبصَارِهِنَّ (۳۰) نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں، پلک کے معنی ذرا، مِن تبعیضیہ کا ترجمہ کیا ہے یعنی غیر محرم پر نگاہ پڑجائے تو ذرا نیچی کرلو،

• أَجعَل بَينَكُم وَبَينَهُم رَدمًا (۹۵) بنادوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دھابا، ہندی لغت میں دھابا کے کئی معنی لکھے ہیں، کچی دیوار، پردہ، اوٹ، شاہ صاحب نے اوٹ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے، شاہ ولی اللہ رح نے "حجابے محکم" لکھا ہے اور شاہ رفیع الدین نے "موٹی دیوار" لکھا ہے مولانا تھانوی نے "خوب مضبوط دیوار" کردیا ہے
• يَتَسَلَّلُونَ (۶۳) سٹک جاتے ہیں آنکھ بچاکر
عربی میں سَلّ، تلوار سونتنا اور تَسَلُّل چپکے سے کھسک جانا،
اردو میں سٹک جانا، سانپ کی طرح جلدی سے نکل جانا سلک چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں "آنکھ بچاکر" محاورہ کے مطابق ترجمہ ہے،
لِوَاذًا، پناہ پکڑنا، شاہ ولی اللہ رح نے اس لفظ کی رعایت کی اور ترجمہ کیا "پناہ جویاں"
ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے لکھا "چھپ کر سٹک جاتے ہیں" مولانا تھانوی نے لکھا "دوسروں کی آڑ میں ہوکر کھسک جاتے ہیں"
منافقین کے مجلس رسول سے نکلنے کی صحیح صورت حال یہی تھا،

سورۃ الفرقان (۲۵)

• فَمَا تَستَطِيعُونَ (۱۹) اللہ اب تم نہ پھیر سکتے ہو، یعنی نہ تم طاقت رکھتے ہو عذاب کو پھیرنے اور ٹالنے کی اور نہ تم اپنی مدد کرسکتے ہو،
• حِجرًا مَّحجُورًا (۲۲) کہیں روکی جائے کوئی اوٹ، عربوں کا یہ قدیم محاورہ تھا، اس سے مراد استعاذہ (پناہ مانگنا) ہوتا تھا،
ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس کا ترجمہ کیا "جس دن لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گناہ گاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی اور فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ دور، دفان، مولانا تھانوی رح نے ترجمہ کیا "پناہ ہے، پناہ ہے"،
شاہ صاحب نے اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے،
شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں یہ محاورہ اب مستعمل نہیں (حاشیہ جلالین بحوالہ ابو علی فارسی) ص ۳۰۴
• وَجَاهِدهُم بِهِ (۵۲) اور مقابلہ کر ان کا اس کے بڑے زور سے،

• جہاد کن بالیشاں بحکم قرآن جہاد بزرگ (فتح)
شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بہٖ کی ضمیر کا مرجع حکم قرآن
کو قرار دیا ہے۔

• فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (۵۴) پھر ٹھہرایا اس کا
جد اور سسرال یعنی جدی رشتہ اور سسرالی رشتہ۔
جدی رشتہ اور نسبی رشتہ، بیٹا بیٹی اور سسرالی رشتہ
داماد بہو۔

• كَانَ غَرَامًا (۶۵) اس کا عذاب بڑی چٹی ہے
یعنی بہت بڑا جرمانہ اور ڈنڈ ہے۔ التوبہ (۶۰) میں
اس کی تشریح دیکھو۔

• وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا (۱۶) وعدہ مانگا پہنچتا۔ یعنی
جو وعدہ بندوں کی طرف سے مانگا جائے گا اور
اس کا سوال کیا جائے گا اور خدا کی طرف سے
اسے پورا کیا جائے گا۔

• وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا (۲۵) اور جس دن
اتارے فرشتے اتار لگا کر۔ لگا کر، مسلسل اور
لگاتار کے معنی میں ہے، بولا جاتا ہے، یہ کام
لگ کر کرو، پہلے لگا کر بولا جاتا تھا۔

• مَهْجُوْرًا (۳۰) ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک
عربی میں ہجر کے معنی چھوڑنا اور بکواس کرنا دونوں
آتے ہیں، شاہ صاحب نے دوسرے معنی اختیار
کئے ہیں، یعنی منکرین نے قرآن کریم کو (توبہ توبہ)
بکواس سمجھ رکھا ہے۔

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ (۲۶)

• بَيْضَآءُ (۳۳) چٹا۔ یعنی گورا چٹا، سفید اور چمکدار
• لَغَآئِظُوْنَ (۵۵) جی جلے ہیں۔ یعنی ان کے
دلوں میں ہماری طرف سے غصہ ہے۔

• عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۱۹۷) پڑھے لوگ"
پڑھے لکھے لوگ بنی اسرائیل کے۔

سُوْرَةُ النَّمْلِ (۲۷)

• فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (۱۷) پھر ان کی مثلیں بنیں"
یعنی انسانوں، جنات اور پرندوں کی الگ الگ
ٹولیاں بنائی گئیں، عربی میں مثل کے معنی مانند
اور فارسی میں مثل مقدمات کے کاغذات کو کہتے
ہیں، صاحب فرہنگ نے لکھا ہے، اس لفظ کو
(س) سے مسل غلط لکھا جاتا ہے یہ اپنی اصل
کے لحاظ سے (ث) سے لکھنا چاہئے
یہ لفظ اسی سورت میں آیت (۸۳) میں بھی آرہا
ہے، وہاں شاہ صاحبؒ فائدہ میں مثل بننے کا
مطلب خود ہی تحریر فرما دیا ہے۔
شاہ رفیع الدین صاحب نے لکھا ہے "پس وہ
مثل مثل کھڑے کئے جائیں گے" یہی مفہوم شاہ
عبدالقادر صاحب ہاں بھی ہے۔
(۱۲) سو پیغام دے ہارون کو، یعنی اسے پیغمبری
عطا فرما "پس پیغامبری فرست بسوئے ہارون"
(فتح)

• حَسِبَتْهُ لُجَّةً (۴۴) خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا۔
بعض نسخوں میں کھڑا لکھا ہے، یہ تحریف ہے، اہل لغت
نے لجہ کے معنی معظم الماء (زیادہ پانی) لکھے ہیں
• بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ (۶۶) بلکہ ہار گری ان کی
دریافت۔ ہار کر گری۔ ناکام ہو گئی، شاہ صاحبؒ
ہارنے اور گرنے سے مرکب کیا ہے۔

• صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (۸۸) کاریگری ...
سادھی ہے ہر چیز۔ عربی میں اتقان کے معنی محکم
اور مضبوط کرنے کے ہیں، شاہ ولی اللہؒ نے
ترجمہ کیا۔ "استوار ساخت" شاہ رفیع الدینؒ "محکم کیا"
مولانا تھانویؒ "مضبوط بنا رکھا ہے" حضرت
شاہ صاحبؒ اردو کا نہایت جامع لفظ اختیار کیا ہے
اردو میں سادھنا، موزونیت پیدا کرنا، قابو میں
رکھنا، مرتب کرنا، سنوارنا، توازن قائم رکھنا، مطلب
یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر چیز کو نہایت مضبوط، نہایت
موزوں، ... اور اپنے حکم کا تابع پیدا کیا ہے۔
• وَاَمْطَرْنَا (۵۸) اور برسایا ہم نے ان پر برساؤ۔
برساؤ (واؤ معروف) برسنے والا۔ یعنی بارش اور
برسایا ہم نے اوپر ان کے ایک مینہ۔ (شاہ رفیع الدینؒ)

سُوْرَةُ الْقَصَصِ (۲۸)

آیت (۸) کڑھانے والا، کڑھانا، غمگین کرنا، دل دکھانا
آیت (۱۲) اور روک رکھی تھیں ہم نے اس سے دائیاں
شاہ صاحبؒ تحریم کا ترجمہ مجازی (لازمی) معنی "روک رکھنا"
کیا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت بچے تھے
اور بچہ حرام و حلال کا مکلف نہیں ہوتا۔
دوسرے حضرات نے "حرام کردیم، حرام ساختیم،
اور حرام کیا" ترجمہ کیا ہے،
یہ شاہ صاحب کی نزاکت خیال ہے،
آیت (۳۱) سانپ کی سٹک ہے پتلا اور چھوٹا سا سانپ
ہے،
آیت (۳۴) اَفْصَحُ کا ترجمہ کیا، زبان چلتی ہے
مجھ سے زیادہ۔

"بہت فصیح ہے"، (شاہ رفیع الدینؒ)
شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان بچپن میں جل گئی تھی اس کی وجہ سے بولنے میں تکلف ہوتا تھا، صرف اتنی بات تھی، ورنہ جہاں تک کلام کی فصاحت و بلاغت کا تعلق ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک صاحب وحی ہونے کی حیثیت سے حضرت ہارون سے زیادہ تھی،

آیت (۷۸) وَأَكْثَرُ جَمْعًا، اور زیادہ مال کی جمع۔
مفسرین نے جَمْعًا لِلْمَالِ لکھا ہے، اسی کے مطابق شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کیا ہے، لیکن دوسرے حضرات نے تعداد کی کثرت مراد لی ہے،

• وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ (۸۲) اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام مناتے تھے اس کا سا درجہ۔ منا کے مختلف معنی لکھے ہیں، راضی کرنا غم یا خوشی کا اظہار کرنا، چاہنا، وعدہ کرنا۔ شاہ صاحب نے چاہنے اور خواہش کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہ مفہوم اب مستعمل نہیں،
یعنی جو کل شام اس کے درجہ و مقام کی خواہش اور آرزو کرتے تھے"

۵ — آیت (۱۰۷)
رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ. "مہر کر کر جہان کے لوگوں پر"
شاہ صاحبؒ نے رحمۃ کو مفعول لہٗ بنایا ہے۔ یعنی جہاں والوں پر مہربانی کرنے کیلئے آپ کو رسول بنا کر بھیجا،
شاہ ولی اللہؒ اور مولانا تھانویؒ نے بھی یہی معنی لئے ہیں،
شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے رحمۃ کو ذات سے حال بنایا ہے۔ یعنی نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت واسطے عالموں کے" مطلب یہ کہ آپ کا وجود گرامی رحمت ہے،
حدیث میں آتا ہے،
انما انا رحمة مهداة ۔
میں وہ رحمت ہوں جسے خدا تعالیٰ نے دنیا کو بطور ہدیہ عنایت فرمایا ہے،

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ (۲۹) ————

• وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ (۸) اور ہم نے تقید کر دیا تاکید سے کہدیا،
(۲۵) مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ۔ "دوستی کر کر آپس میں"
مطلب یہ ہے کہ شرک و بت پرستی کوئی علم و عقل کا کام نہیں مگر چونکہ شرک تمہارا قومی مذہب بن چکا ہے اور تمہارا قومی اور معاشرتی اتحاد انہی مشرکانہ رسموں کے ذریعہ قائم ہے، خاص طور پر تمہارے سرداروں کی آقائیت اسی شرک کی بدولت قائم ہے اس لئے تم اسے سینے سے لگائے بیٹھے ہو،
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم سے یہ فرمایا اور یہی بات ہر مشرک قوم پر صادق آتی ہے
آیت (۶۷) وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ، اور لوگ اچکے جاتے ہیں،
یعنی رات دن کے جھگڑے انہیں اپنی جگہ سے اکھاڑتے اور برباد کرتے رہتے ہیں
آیت (۸) بالحق، کا ترجمہ
موقع و محل کے لحاظ سے کتنا اچھا کیا، "ٹھیک سادھ کر"
فائدہ (۵) میں تشریح فرمادی

سورۃ الروم (۳۰) ————

• فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ (۱۶)
سو سنتاپ میں پکڑے آتے ہیں۔ سنتاپ سنسکرت کا لفظ ہے اس کے معنی دکھ۔ عذاب، تپش (فرہنگ ج ۳ ص ۱۰۳)،
بعض نسخوں میں یہ لفظ غلط لکھا ہوا ہے۔
فِي أَدْنَى الْأَرْضِ (۳) لگتے ملک میں، برابر والے ملک میں،
آیت (۵۶) اُتر کے لکھے میں، یعنی نوشتۂ الٰہی کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے۔
• وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ (۵۷)
یہ لفظ تین جگہ آیا ہے، اور شاہ صاحبؒ نے تینوں جگہ الگ الگ ترجمہ کیا ہے
(۱) اور ان سے توبہ نہ مانگیں (النحل ۸۴)
(۲) اور نہ ان سے چاہیں توبہ (الجاثیہ ۳۵)
(۳) اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے (الروم ۵۷)
لغت میں عتاب کے معنی غصہ،
باب افعال میں لا کر ہمزہ سلب لگایا اور اعتب کے معنی خوش کرنا ہو گئے، اسی سے استعتب ہے، یعنی خوش کرنے اور منانے کی خواہش کرنا،
(تعارف سبحۃ القرآن میں تفصیل دیکھیں)
• آیت (۶۰) يَسْتَخِفَّنَّكَ،
———— اچھال نہ دیں تجھ کو، یعنی خفیف اور ہلکا نہ کر دیں،
ہلکی چیز اچھل جاتی ہے، یہ مجازی لازمی معنی ہوئے مطلب یہ کہ مخالف آپ کو بے برداشت اور بے صبر نہ کر دیں،

سُورَةُ لُقْمَانَ (۳۱) ————

• وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا (۷) پیٹھ دے چلا جائے غرور سے
یعنی پیٹھ پھیر کر چلا جائے،

• وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ (۱۴) تھک تھک کر، وھن کے معنی کمزوری اور ضعف، چونکہ کمزوری کے ساتھ تھکن لازمی ہے اس لئے شاہ صاحب نے لازمی معنی کئے اور آیت کے مفہوم کو اردو محاورہ میں ڈھالا۔

• لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ (۱۸) گال نہ پھلا، عربی میں صَعَّرَ تَصْعِیْرًا کے معنی رخسارے کو پھیرنا، رُخ پھیرنا،
گال پھلانے / منہ پھلانے کے معنی اردو میں ناراض ہونے کے آتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے وقت میں یہ محاورہ تکبر کے معنی میں استعمال ہوتا ہو لیکن ہمیں کسی لغت میں یہ معنی نہیں ملے،
بڑے شاہ صاحب نے ترجمہ کیا "وتاب رخسارہ خود را از طرف مردماں یعنی تکبر" مولانا تھانویؒ نے لکھا "اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر"۔

• فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی (۲۲) سو اس نے گہا محکم کڑا، گہا، گرہن سے ہے، یعنی پکڑا مضبوط کڑا،
بعض نسخوں میں "گہا" کو پکڑا سے بدل دیا گیا ہے، یہ لفظی تحریف ہے،

سُورَۃُ السجدہ (۳۲)

• أَءِذَا ضَلَلْنَا فِی الْأَرْضِ (۱۰) کہتے ہیں، کیا جب ہم رَل گئے زمین میں؟
رَل، بفتح را کے معنی ملنا، آمیز ہونا، گڈمڈ ہونا کے آتے ہیں،
بعض نسخوں میں رُل گئے لکھا ہے، یہ غلط ہے،
اردو میں رُلنا کے معنی بھٹکنا، چھانٹنا کے آتے ہیں
داغ کہتے ہیں ؎

گرتے ہیں جو اے داغ زمیں پر گہر اشک
اِن موتیوں کو خاک میں رُولا نہیں جاتا

سورۃ الاحزاب (۳۳)

• زَاغَتِ الْأَبْصَارُ (۱۰) ڈگنے لگیں آنکھیں،
آنکھیں پھر گئیں، خوف کی وجہ سے،

أَشِحَّةً عَلَیْكُمْ (۱۹) دریغ رکھتے ہیں، کنجوسی اور بخل کرتے ہیں، گریز کرتے ہیں،

• تَدُوْرُ أَعْیُنُهُمْ (۱۹) ڈگرالی ہیں آنکھیں، آنکھیں ڈگر ڈگر کر رہی ہیں، یہ محاورہ ہے، خوف و دہشت کی حالت بیان کی جا رہی ہے جو موت کے وقت طاری ہوتی ہے،

• أَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ (۱۹) ڈھکے پڑتے ہیں۔ گرے پڑتے ہیں، ڈھکنا کے ہندی لغت میں کئی معنی ہیں، داخل ہونا، حملہ کرنا، ٹوٹ پڑنا، گھات میں رہنا چھپ کر کوئی بات سننا، شاہ صاحب نے جھکنے اور ٹوٹے پڑنے کے مفہوم میں استعمال کیا ہے، اسی کو حرص اور لالچ کہتے ہیں، (آدرش ہندی شبد کوش)
یہ لفظ سورۃ تطفیف میں بھی آیا ہے — فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (۲۶) چاہیے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے یعنی جنت کی نعمتوں پر جھکیں اور شوق و رغبت سے اس پر ٹوٹیں،
بعض نسخوں میں یہ لفظ غلط لکھا ہوا ہے،

• وَتَظُنُّوْنَ (۱۰) اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر کئی اٹکلیں
ظن یعنی گمان، اٹکل کے معنی بھی گمان، قیاس شاہ صاحب نے اس سے مصدر بنایا، اٹکلنا یعنی گمان کرنا،

• وَزُلْزِلُوْا (۱۱) اور جھڑ جھڑائے گئے یعنی ہلائے گئے، (شاہ رفیع الدینؒ) جھاڑنا، درخت اور کسی چیز کا، یعنی اسے ہلا کر جھاڑنا، اس سے شاہ صاحب نے جھڑ جھڑانا بنا لیا ہے، لغت کی کتابوں میں ان دونوں لفظوں کا ذکر نہیں ملتا۔

• فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (۳۲) پس تم دب کر نہ کہو بات
خضوع کے معنی عاجزی اور فروتنی کرنا ہے، مراد ہے مت نرمی کرو بات میں، (شاہ رفیع الدینؒ) دبی زبان سے بات نہ کیا کرو (ڈپٹی صاحب) بولنے میں نزاکت مت کرو۔ (مولانا تھانویؒ)

اَلسَّبَا (۳۴)

• اَلْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ (۲۶) نیاؤ چکانے والا، سب جاننے والا، انصاف کرنے والا، فیصلہ چکانے والا، شاہ صاحب نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں، نیاؤ کے معنی انصاف اور فیصلہ دونوں آتے ہیں۔

• فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ (۴۵) تو کیسا ہوا بگاڑ میرا، بگاڑ، ناراضگی، بگڑنا، ناراض ہونا،
شاہ صاحب نے لغوی معنی کئے ہیں اور دوسرے حضرات (عقوبت اور سزا) مجازی معنی اختیار کئے ہیں

سورۃ فاطر (۳۵)

• فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ (۸) سو تیرا جی نہ جاتا رہے۔ مطلب یہ کہ آپ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان منکروں کی سرکشی کو دیکھ کر غصہ اور افسوس سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرلیں،

• عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (۴۵) زمین کی پیٹھ پر ایک ہلتے چلنے والا، یعنی زمین پر حرکت کرنے والا اور چلنے والا، شاہ صاحب کے اس مرکب لفظ میں انسان چرند پرند اور حشرات الارض سب شامل ہو گئے اردو کا مشہور محاورہ ہے "ہل چل" یعنی سرگرمی؛

حرکت، پہلے ہلنا کو ہا کے زبر سے بولتے تھے،

● فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ (۸) پھر ان کے سر اُٹھ رہے ہیں

یعنی سر اوپر کو اٹھ رہے ہیں بولا جاتا ہے، مجازی الٹو ہو گئی، یعنی آگے سے اوپر کو اٹھ گئی، صاحب فرہنگ نے اسے الاڑ ہوتا لکھا ہے، "اُل رہے ہیں" کا محاورہ اب یوپی میں بولا جاتا ہے، مولانا تھانوی نے استعمال کیا ہے۔

آیت (۲۷)

کالے بھجنگ، گہرے سیاہ، بعض بزرگوں نے اس لفظ کو بدل کر بھجنگے کر دیا ہے، یہ یوپی میں بولا جاتا ہے دلّی میں اس کا وہی تلفظ ہے جو شاہ صاحب نے لکھا ہے

آیت (۱۸)

اگر پکارے کوئی بوجھوں مرتا اپنا بوجھ بٹانے کو، شاہ صاحب نے اردو کا بہترین محاورہ استعمال کیا ہے دوسرے اردو تراجم سے موازنہ کر کے اس محاورے کی لطافت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

(محاسن ترجمۂ قرآن میں اردو محاورہ کی بحث دیکھو)

سورۃ یٰسین (۳۶)

● فَاِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ (۲۹) پھر تبھی وہ بجھ رہے، بجھ کر رہ گئے، ختم ہو گئے، فنا ہو گئے

● وَهِیَ رَمِیْمٌ (۷۸) ہڈیاں جب کھو کھری ہو گئیں،، یعنی بوسیدہ ہو گئیں، گل گئیں، بھربھری ہو گئیں

سورہ الصّافات (۳۷)

● اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ (۱۰) مگر جو اچک لایا جھپٹ کے یعنی جلدی سے فوراً اچک لایا، موقعہ پا کر اچک لایا۔

● بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (۸۴) جو ل نروگا، بے روگ اور صحت مند دل،

سورۃ صٓ (۳۸)

● لَا مَرْحَبًا بِهِمْ "لَا مَرْحَبًا بِكُمْ" (۶۰) جگہ نہ ملیو ان کو،، جگہ نہ ملیو تم کو، یعنی ان کیلئے جگہ کشادہ نہ ہو، یہ کلمہ استقبال ہے، دعا مقصود ہوتی ہے، لا سے نفی سے بد دعا ہو گئی، یعنی تنگ ہو ان کیلئے جگہ،، مولانا تھانوی نے ترجمہ کیا،، ان پر خدا کی مار،،

آیت (۶)

چل کھڑے ہوئے کہتے پنچ: مَلَاُ کا ترجمہ پنچ کیا، یعنی سردار مراد قریش کے بڑے لوگ ہیں جو دار الندوہ میں بیٹھ کر قوم کی قسمت کے فیصلے کرتے تھے،

آیت (۷)

اُمّۃ اور مِلّۃ کے دو معنی آتے ہیں، جماعت اور مذہب۔ شاہ صاحب کبھی جگہ امت اور ملت کا ترجمہ دین کرتے ہیں اور کہیں جماعت اور قوم ——— اب پچھلا ہی بولا جاتا ہے، جھوٹی کے معنی خلق کے آتے ہیں۔

آیت (۲۲)

وَلَا تُشْطِطْ، اور دور نہ ڈال بات کو، شَطَّ کے معنی دور کرنا، اور زیادتی کرنا، دونوں معنی آتے ہیں۔ شاہ صاحب نے پہلے معنی اختیار کئے، یعنی آپ ہمیں ٹالتے گا نہیں، جلدی فیصلہ کر دیجئے، شاہ ولی اللہؒ نے،، جور مکن،، شاہ رفیع الدینؒ نے مت زیادتی کر، مولانا تھانویؒ نے بے انصافی نہ کیجئے، لکھا ہے، مگر حضرت شاہ صاحبؒ کے ذوقِ لطیف نے ایک رسول معصوم کی طرف ظلم وجور کی نسبت کو بھی مناسب نہیں سمجھا۔

آیت (۲۷)

● بَاطِلًا، نکما، یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو نکما، بے مقصد اور بے نتیجہ پیدا نہیں کیا،

آیت (۲۸)

● فُجَّار، ڈھیٹھ، بے غیرت، جس پر کسی بات کا اثر نہ ہو، متقی،، ڈرنے والے کے مقابلہ میں، فجار کا ترجمہ ڈھیٹھ بڑا موزوں ہے،

سورۃ الزمر (۳۹)

آیت (۴۲)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی قبض کرتا ہے ان جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کو موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو دنیا میں واپس بھیج دیتا ہے، ایک مقررہ وقت تک کیلئے

● وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ (۶۹) اور حاضر آئے پیغمبر، یعنی پیغمبران علیہم السلام خدا کے حضور میں حاضر کئے گئے اور پیش کئے گئے،، کسی بڑے کے سامنے آنے کیلئے یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے،

سورۃ المومن (۴۰)

● اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ (۳۲) میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آوے دن ہانک پکار کا،، یہ اردو محاورہ ہے، ہانک پکار کا دن، غل شور کا دن، ہانکنا چلانے اور چلانے دونوں معنی دیتا ہے، ہانک دے لو، آواز دے لو، ہانک دو، چلا دو، مفسرین نے لکھا ہے اس میں یای متکلم محذوف ہے ای یوم التنادی، یعنی مجھے پکارنے کا دن، اہل محشر اس دن مجھے پکاریں گے اور مجھ سے فریاد کریں گے

سورہ حٰمٓ السجدہ (۴۱)

● اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (۸) ان کو نیگ ملتا ہے جو بس نہ

یعنی دونوں سے مل کر جو تمہارے ہوگا،

• ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (۱۲) یہ سادھا ہے زبردست خبردار کا۔ شاہ صاحب نے تقدیر کا ترجمہ سادھنا کیا ہے، یہ سادھنا کا حاصل مصدر بنایا ہے، اس جامع لفظ کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے اس عجیب و غریب نظام میں بڑا توازن، بڑا حسن اور بڑی ترتیب ہے،

بڑے شاہ صاحب نے تقدیر کا ترجمہ "تدبیر" کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے "اندازہ" کیا ہے مولانا تھانوی نے "تجویز" کیا ہے، شاہ عبدالقادر صاحب کے لفظ کی جامعیت ظاہر ہے،

• وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ (۳۶) اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے، چوک کے معنی غلطی، شاہ رفیع الدین صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے "اور اگر چوک دے تجھ کو شیطان کی طرف سے کوئی چوکنے والا تو پناہ پکڑ اللہ کی۔"

چونکہ شاہ صاحب کے وقت میں لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہوگا، اب صرف لازم استعمال ہوتا ہے

آیت (۴۷)

اس آیت کے ترجمہ میں "گابھہ" کا لفظ زائد ہے گابھہ عربی کے لفظ "طلع" کا ترجمہ ہے، سورۃ ق (۱۰) میں ہے لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ان کا گابھہ ہے تہ بہ تہ، یہاں "گابھہ" کا لفظ کتابت و نقل کا سہو معلوم ہوتا ہے،

سورۃ الشوریٰ (۴۲)

(۱۳) اس آیت کے فائدے نمبر ا کے ساتھ سورۃ محمد آیت (۳) کا فائدہ سامنے رکھو اور سورۃ الانبیاء آیت (۹۲) کی تشریح فتح الرحمان حسب ذیل سامنے رہنی چاہئے

آیت کا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے یہ کیا ہے،

| این آست ملت شما ملت یکتا، فتح الرحمان (حاشیہ) میں لکھتے ہیں، یعنی اصل دین واحد است و اختلاف در فروعات باشد، وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ -

یعنی در اصل دین، (فتح)

• حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ (۱۶) ان کا جھگڑا ڈگ رہا ہے حجت کے معنی دلیل جھگڑا اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے ڈگ رہا ہے، لڑکھڑا رہا ہے، ڈانواڈول ہے

• فَلَيْسَ كَانَ نَكِيرِ (۴۷) اور نہ ہے گا الوپ ہو جانا چھپ جانا، اجنبی ہو جانا، خدا کے حضور میں انسان نہ اجنبی اور غیر معروف ہو سکتا ہے اور نہ غائب اور لاپتہ ہو سکتا ہے، یہ سنسکرت کا لفظ ہے، لوپ، وجود ذاتی اور الوپ، اس کی نفی،

سورۃ الزخرف (۴۳)

• وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ (۱۳) اور ہم نہ تھے اس کے مقابل ہونے والے۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا "نبودیم بر آں توانا"، یعنی ہم ان سواریوں پر قابو پانے والے نہ تھے، خدا ہی نے ہمارے لئے انہیں مسخر کیا ہے،

شاہ صاحب نے مقابل ہونے والے بمعنی طاقت پانے والے، استعمال کیا ہے،

سورۃ محمد (۴۷)

• إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ (۴) جب خوب ڈال چکے یعنی اچھی طرح دشمن کو کاٹ چکے، قتل کر چکے، عربی میں ثخن کے معنی کسی کام میں شدت پیدا کرنا ہیں،

• حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (۴) جب تک کہ رکھ دیوے لڑائی اپنا راچھ، راچھ کے معنی اوزار، سامان جنگ، یہ لفظ پنجاب میں اب بھی بولا جاتا ہے، بعض نسخوں میں "بوجھ" لکھا ہے، یہ تحریف کی گئی ہے شاہ رفیع الدین صاحب کا لفظ کسی نے لکھ دیا ہو

• فَتَعْسًا لَّهُمْ (۸) ان کو لگے ٹھوکر۔ تعس کے معنی ٹھوکر کھانا، گرنا، ہلاک ہونا، شاہ صاحب نے اصل لغوی معنی اختیار کئے، دوسرے حضرات نے مجازی معنی "ہلاک باد ایشاں را" (شاہ ولی اللہ) ان کیلئے تباہی ہے (مولانا تھانوی) اختیار کئے ہیں، بعض نسخوں میں "لگے" لکھا ہے، یہ غلط ہے۔

سورۃ الفتح (۴۸)

• إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ (۱۰) جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے، بیعت کرنے کے مرادی معنی بیان کئے ہیں، بیعت میں مرید ہونے والا اپنے مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے، دوسرے حضرات نے بیعت کا ترجمہ بیعت ہی کیا ہے کیونکہ یہ اصطلاحی لفظ ہے، عربی میں بیع کے معنی بیچنا آتے ہیں، بایعہ مبایعۃ کے معنی عہد کرنا آتے ہیں،

اس سے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کا مطلب یہ ہوگا، اگر تجھے چوک لگے شیطان کے چوک میں ڈالنے سے یعنی اگر شیطان تجھے گناہ میں ڈالنے شاہ رفیع الدین صاحب نے نَزْغٌ کو اسم فاعل کے معنی میں لیا ہے، صاحب جلالین نے بھی یہی لکھا ہے (ص ۳۹۹) اور بڑے شاہ صاحب نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے،

• وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ (۲۵) اور لگا دیئے ہم نے ان پر تعیناتی۔ اردو میں تعیناتی کے دو معنی ہیں، ایک وہ عملہ جو مقرر کیا جاتا ہے اور مصدری معنی یعنی مقرر کرنا۔ عربی میں قرناء کے معنی شاہ ولی اللہ نے ہم نشینان

کہتے ہیں اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بھی یہی لفظ رکھا ہے،

اس لحاظ سے یہاں تیناتی "مقرر شدہ عملہ" کے معنی میں ہے،

بعض نسخوں میں "لگادی" کا لفظ ہے، یہ تحریف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس صورت میں تیناتی مصدری معنی میں ہوگا،

• أُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ (۱۶) سخت لڑوَیے، بڑے جنگ جو اور اچھے لڑنے والے۔

• وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ (۲۶) اور لگا رکھا ان کو ادب کی بات پر، یعنی لگائے رکھا تو ترجمہ کیا

• أَخْرَجَ شَطْأَهُ (۲۹) نکالا اپنا پٹھا، شاہ رفیع الدینؒ اور تھانوی صاحبان نے "سوئی" ترجمہ کیا ہے، اسے کونپل بھی کہتے ہیں،

• فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ (۲۹) پس کھڑا ہوا اپنی نال پر، شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے "اپنی جڑ پر" اور تھانوی صاحبؒ "اپنے تنے پر" ترجمہ کیا ہے،

سُورَۃُ الْحُجُرَاتِ (۴۹)

• لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ (۲) نہ بولو تڑک کر یعنی چہک کر، بے تکلفی کے ساتھ، بلکہ ادب سے بولو،

• فَكَرِهْتُمُوهُ (۱۲) سو گھن آوے تم کو اس سے، گھن آنا: نفرت ہونا، مردار گوشت کی مناسبت سے گھن کا لفظ کتنا موزوں ہے،

سُورَۃُ قٓ (۵۰)

• طَلْعٌ نَضِيدٌ (۱۰) ان کا گابھا تہ برتہ "خوشہ اور گچھا"، مولانا تھانویؒ نے لکھا: گپھے خوب گندھے ہوئے۔

• حَبْلِ الْوَرِيدِ (۱۶) دھڑکتی رگ، یعنی رگِ جاں، (شاہ ولی اللہؒ) یہ دو رگیں گردن میں ہوتی ہیں اور دونوں دھڑکتی رہتی ہیں،

• وَنُفِخَ فِي الصُّورِ (۲۰) اور پھونکا گیا نرسنگا، یہ بگل ہے جو سینگ کی شکل کا ہوتا ہے،

سُورَۃُ الذَّارِيَاتِ (۵۱)

• وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (۷) قسم ہے آسمان جالی دار کی، شاہ صاحب نے فائدہ میں خود اس کی تشریح فرمائی "آسمان جالی دار یعنی تارے ہیں اس میں جال سا"، عربی میں حبک بمعنی راستے، جبکہ اس کا واحد ہے، یہ سیاروں کے رستے ہیں،

• فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً (۲۸) پھر جی میں ہڑبڑایا ان کے ڈر سے، ہڑبڑانا: گھبرا جانا، بدحواس ہونا، ہاتھ پاؤں پھول جانا، کہاوت ہے، ہاتھ نہ مٹھی، ہڑبڑا کر اٹھی،

• حِجَارَةً مِنْ طِينٍ (۳۳) پتھر مٹی کے، مراد کھنگر ہے، پکی ہوئی اینٹوں کے ٹکڑے جو پتھر کی مانند ہوتے ہیں،

• الرِّيحَ الْعَقِيمَ (۴۱) باؤ بے خیر، عقیم عربی میں بانجھ عورت کو کہتے ہیں، ہوا کا بانجھ ہونا، اس کا خیر و برکت سے خالی ہونا، مہلک ہونا،

• فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا (۵۹) سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر لیا ہے، عربی میں ذنوب اس بڑے ڈول کے معنی میں آتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور مجازی طور پر حصہ کے معنی میں مستعمل ہے۔

اسی کے مطابق شاہ ولی اللہؒ نے ترجمہ کیا "آنانرا کہ ستم کردہ اند نصیبہ است از عقوبت مانند نصیبہ یاران" شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبد القادر صاحب دونوں نے لغوی ترجمہ کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان ظالموں کا ڈول بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبنے ہی والا ہے، اردو کا محاورہ اسی معنی میں "ان کی ناؤ بھر چکی ہے" آتا ہے، وہ عربی کا محاورہ ہے،

سُورَۃُ الطُّورِ (۵۲)

• وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ (۲۲) اور ریل لگا دیے ہم نے ان کو میوے اور گوشت "ریل لگانا" کسی چیز کی ریل پیل کرنا، کثرت سے دینا، شاہ صاحب لکھتے ہیں "پے در پے عطا کنیم ایشاں را"

• وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (۲۵) اور منہ کیا ایکوں نے دوسروں کی طرف "ایکوں" جمع بنائی ہے ایک کی،

• فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ (۲۹) تو اپنے رب کے فضل سے پریوں والا نہیں اور نہ دیوانہ، کاہن عرب میں بقول ان کے جنات سے خبریں حاصل کر کے عوام کو بتلانے والے تھے، شاہ رفیع الدین صاحب نے ترجمہ کیا "جنوں سے خبریں لینے والا" شاہ عبد القادر صاحب نے "پریوں والا" ترجمہ کیا،

سُورَۃُ النَّجْمِ (۵۳)

• نَزْلَةً أُخْرَىٰ (۱۳) اس نے دیکھا ہے ایک دوسرے اتارے میں، یعنی یک بار دیگر۔

ہو۔ شاہ ولی اللہؒ) اور ایک بار اور "شاہ رفیع الدینؒ" شاہ صاحبؒ نے "اتارے" کو اتارتے کے حاصل مصدر کے طور پر استعمال کیا ہے، اب اسے یوں کہیں گے "دوسری اترائی میں"

(۹) دو کمان کا میانہ، یعنی دو کمان یا دو ہاتھ کے برابر یا اس سے بھی نزدیک،

(اَوْ) کا لفظ شک کے طور پر نہیں لایا گیا، عام محاورہ کے مطابق تاکید و مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے، (فتح الرحمٰنؒ)

• يَغْشَى السِّدْرَةَ، یعنی وقتیکہ کہ انوارِ الٰہی از ہر جانب سدرہ را احاطہ کردہ،

سُورَةُ الْقَمَرِ (۵۴)

• أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ (۴۳) یا تم کو فارغ خطی لکھی گئی ورقوں میں، "نجات نامہ" شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے "چٹھی خلاصی کی" ترجمہ کیا،

• سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ (۴۵) شکست کھاوے گا میل "میل بمعنی جتھہ بندی اور اتحاد،

• رِيحًا صَرْصَرًا (۱۹ سورۂ حم السجدہ ۱۶) پھر بھی ہم نے ان پر باد تُھری زور کی سے باؤ تُھری سنانے کی،

شہرے سردی، اس سے شاہ صاحب نے تُھری صفت کا صیغہ بنایا ہے، صاحب فرہنگ نے اس کا ذکر نہیں کیا، صرف "ص" کا ذکر کیا ہے (فرہنگ ۱ ص ۱۶)

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ (۵۵)

• وَالرَّيْحَانُ (۱۲) اور پھول خوشبو، اچھی بو والا پھول، اردو میں خوشبودار بولتے ہیں، حالانکہ فارسی ترکیب کے لحاظ سے دار بڑھانے کی ضرورت نہیں، یہ صفت کا صیغہ ہے

• مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ (۱۹) چلاتے دو دریا بھڑ چلتے "مل کر چلنے والے،"

• كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (۲۹) عربی میں شان کے دو معنی آتے ہیں، ایک کام اور حالت دوسرے "اہم کام اور بڑا معاملہ، الشان ما عظم من الامور والاحوال، صاحب جلالین نے اس آیت کے تحت لکھا ہے، "امر یظہرہ فی العالم" یعنی خدا تعالیٰ ہر آن اور ہر لمحہ ایک بڑی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے، یَوْم کے معنی مطلق وقت کے ہیں، دن مراد نہیں ہے۔

شاہ صاحب نے شان کا ترجمہ کیا ہے "ہر دن اس کو دھندا ہے" دھندا بمعنی کام "شاہ ولی اللہ"

نے "حالت" "صورت" لیکن شاہ رفیع الدینؒ نے شان کا ترجمہ شان ہی کیا ہے، کیونکہ عربی کے اس لفظ کا صحیح قرآنی مفہوم کسی دوسری زبان میں ادا نہیں ہو سکتا،

مولانا ابو الاعلیٰ صاحب کے ہاں بھی اچھا ترجمہ ہے "ہر آن وہ نئی شان میں ہے"

ان کے علاوہ تمام اردو مترجمین کے ہاں "کام" ہی لفظ ملتا ہے،

• أَيُّهَ الثَّقَلَانِ (۳۱) اے دو بوجھ جتا لو! یعنی اے بھاری بھر کم قافلو، جنات اور انسانوں کی جماعتیں مراد ہیں، انہیں ثقل (بوجھ) کہا یہ زمین پر اپنی اہمیت اور اپنے شرف کی وجہ سے دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں بھاری ہیں،

• بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ (۵۴) جن کے استر تلمے کے، تافتہ موٹا ریشم،

• لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ (۵۶) نہیں بیاہا ان کو کسی آدمی نے "بیاہنا" نکاح میں لینا، شادی بیاہ کرنا بولا جاتا ہے،

بعض نسخوں میں "نہیں ساتھ سلایا" لکھا ہوا ہے یہ تحریف ہے طَمْث کے معنی چھونا، شاہ ولی اللہؒ نے اس کا ترجمہ کیا، "جماع نکردہ است" شاہ رفیع الدینؒ نے "نہیں نزدیک ہوا" لکھا ہے شاہ عبد القادر صاحبؒ نے نہایت شائستہ انداز میں یہ بتایا ہے کہ حورانِ بہشتی اس قدر محفوظ ہیں کہ انہیں ہاتھ لگانا تو کجا کسی نے ان سے جائز طور پر بیاہ بھی نہیں کیا ہے۔

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ (۵۶)

• بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ (۱۸) آبخورے اور ٹنٹیاں "کُوب کی جمع اکواب، بمعنی گلاس، ابریق کی جمع اباریق، وہ لوٹا جس میں پکڑنے کا دستہ بھی ہو، اردو میں اسے "آفتابہ" کہتے ہیں۔ شاہ رفیع الدینؒ نے یہی لفظ لکھا ہے، شاہ عبد القادر صاحبؒ نے ہندی کا یہ لفظ آفتابہ کے معنی میں استعمال کیا ہے، لغت میں ٹنٹی چھوٹے لوٹے (لٹیا) کے معنی ہیں،

• شُرْبَ الْهِيمِ (۵۵) جیسے پیویں اونٹ تونسے تونس پیاس کی شدت "تونسے بہت پیاسے"

• حُطَامًا (۶۵) اگر ہم چاہیں کر ڈالیں اس کو روندن "روندنا پاؤں سے مسلنا روندن روندی ہوئی چیز" عربی میں حَطْم کے معنی توڑنا، حُطام سوکھی چیز کے ٹکڑے، مراد ہے وہ سوکھی گھانس

جو پیروں میں روندی ہوئی ہو۔

• عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ (۱۵) بیٹھے ہیں پلنگوں پر سونے سے بنے۔ یعنی سونے کے تاروں سے بنے ہوئے پلنگ جنت میں ہوں گے۔ بعض نسخوں میں "جڑاؤں تختوں پر" لکھا ہوا ہے، یہ سید عبداللہ کے اصلاح شدہ نسخے سے نقل ہوا ہے۔ شاہ صاحب کا اصل ترجمہ اوپر والا ہے۔

سُوْرَۃُ الْحَدِیْد (۵۷)

(۲۰) کُفَّار بمعانی کَفَر مع کُفُوْر۔ زمین میں اسی سے کافر بمعنی زراعت کرنے والا۔ اس کی جمع کفار۔

سُوْرَۃُ الْمُجَادِلَۃ (۵۸)

• تَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (۱) جھینکتی ہے اللہ کے آگے۔ شکایت کرتی ہے، جھینکنا عورتوں کیلئے بولا جاتا ہے، اس لئے شاہ صاحب نے محاورہ کا بہترین لفظ لکھا ہے،

(۱۹) اِسْتَحْوَذَ، حَوْذًا، جانور کو جلدی ہانکنا، اسی سے اِسْتَحْوَذَ ہے، اس کے معنی (بصلہ علیٰ) کسی پر غالب ہونا، قابو پانا

سُوْرَۃُ الْحَشْر (۵۹)

• یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ (۶) اللہ جتا دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ جتانا۔ فتح مند کرنا، شاہ صاحب نے تسلط کا اردو میں بہترین ترجمہ کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے "غالب مے گرداند" لکھا ہے، یہ بھی اچھا لفظ ہے،

• اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (۱۴) مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں، یہ پرانی مقفیٰ اردو نثر کا نمونہ ہے، شاہ صاحب نے اس قسم کی نثر کو چھوڑ کر سادہ اور پرکار نثر کا سلسلہ اپنایا تھا،

آیت (۲)

اول الحشر، پہلے ہی بھیڑ ہوتے یعنی پہلی ہی مڈبھیڑ میں اپنے گھر اور قلعہ چھوڑ کر بھاگنے کیلئے تیار ہوگئے مفسرین نے اس لفظ کے اور معنی بھی کئے ہیں، جو تفسیروں میں دیکھے جائیں۔

سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃ (۶۰)

• وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ (۹) اور میل باندھا تمہارے نکالنے پر۔ میل باندھا یعنی دوسرے قبائل اور دشمنان رسولؐ نے نکالنے پر تعاون کیا میل باندھا، معاہدہ کیا،

• فَعَاقَبْتُمْ (۱۱) پھر تم کھپا مارو۔ یعنی ان پر حملہ کرد اور انہیں کھپاڈالو، شکست دو، بعض نسخوں میں "کبا مارو" لکھا ہے، یہ کتابت کی غلطی ہے،

سُوْرَۃُ الصَّفّ (۶۱)

• اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ، یعنی باخدا عہد کنید و بوفا نکنید۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے قول سے دعویٰ مراد لیا ہے اور اس پر بڑا عمدہ فائدہ تحریر فرمایا ہے،

سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ (۶۲)

• حُمِّلُوا التَّوْرٰىۃَ (۵) جن پر لادی تورات۔ لفظی ترجمہ یہ ہے۔ جو اٹھوائے گئے توراۃ۔

مراد یہ ہے کہ جنہیں توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ چونکہ آگے ان یہود کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے اس لئے شاہ صاحبؒ نے اس کی مناسبت سے حُمِّلُوْا کا ترجمہ لادی کیا ہے،

• لادنا۔ جانور پر بوجھ رکھنا۔ کے معنی میں آتا ہے

(۶) تو مناؤ مرنے کو، یعنی مرنے کی خواہش کرو، منانا، بمعنی چاہنا خواہش کرنا، اب نہیں بولا جاتا،

• اِنْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا (۱۱) کھنڈ جاویں اس کی طرف۔ پھیل جائیں، بکھر جائیں،

اَلْمُنٰفِقُوْنَ (۶۳)

• تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ (۴) خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل، ڈیل بمعنی جسم،

یعنی ان کے جسم آپ کو اچھے معلوم ہوں،

تشریح (فتح الرحمان) ص۹۲۰

اَلْاُمِّیّٖنَ، یعنی عرب

وَّاٰخَرِیْنَ۔ یعنی فارس وسائر عجم

تشریح۔ فتح الرحمان ص۹۲۱

"یخرجن الاعز" یعنی توانگران اہل نفاق،

فقرا مسلمین۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ترجمہ کیا "البتہ نکال دیں گے عزت والے ان میں سے ذلت والوں کو"

لیکن شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ لفظ (اَعَزُّ) کے لغوی معنی اور قولِ منافقین کی صحیح مراد کو زیادہ واضح کر رہا ہے،

سُوْرَۃُ التَّغَابُن (۶۴)

آیت (۹)

• یَوْمُ التَّغَابُنِ، وہ دن ہے ہار جیت کا، لغت میں غَبْن کے معنی نقصان پہنچانا اور دھوکا دینا،

شاہ ولی اللہ رہ نے ترجمہ کیا "ظہور غبن" —
شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے "غبن دینے کا دن" لکھا۔ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے تغابن کے مجازی؍لازم؍معنی کئے، کیونکہ جب دو آدمی ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے تو ان میں سے ایک جیتے گا اور ایک ہارے گا۔
شاہ صاحب کے بعد اردو والوں کو اس سے بہتر لفظ نہیں مل سکا،

سورۃ الطلاق (۶۵)

• عَتَتْ (۸) اچھل چلیں، یعنی سرکش ہو گئیں اور خدا کے حکم کے سامنے غرور و تجبر کرنے لگیں،
• ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ (۷) کشائش والا اپنی کشائش سے "کشائش کے معنی فراخی، خوشحالی۔ سید عبداللہ نے اسے "وسعت والا اپنی وسعت سے" کر دیا ہے، یہ ان کی اصلاح ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں تھی،

سُورۃ التحریم (۶۶)

فتح الرحمان،
• فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا، یعنی روح حضرت عیسیٰ در رحم مادر در آمد، وفرج کنایتست از رحم۔
مطلب یہ ہے کہ خدا کے حکم سے حضرت عیسیٰ کی روح رحم مادر میں داخل ہو گئی۔

اس نسبت کا بس اتنا ہی مطلب ہے
بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پھونک مارنے والے حضرت جبریل تھے، چونکہ خدا تعالیٰ خالق کل ہے اس لئے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔

سُورۃ الملک (۶۷)

• صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ (۱۹) اور کیا نہیں دیکھے اڑتے جانور اپنے اوپر؟ پر کھولے اور جھپکتے "پرندہ اڑتے وقت پر کھولتا ہے اور اترتے وقت سمیٹتا ہے، شاہ صاحب نے اسے جھپکنا لکھا ہے،

سُورۃ القلم (۶۸)

• اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۴) اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر "خلق کے معنی کردار، یعنی آپ فطری طور پر بلند کردار ہیں،
• لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (۹) کسی طرح تو ڈھیلا ہو، تو وہ بھی ڈھیلے ہوں، "فائدہ میں لکھتے ہیں "یعنی تو ان کے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دے تو تیری باتوں کو پسند کریں"
• عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ (۱۳) اجڈ، اس سب کے پیچھے بدنام "اجڈ، جاہل، اکھڑ، بدتمیز، بدمزاج،

بعض نسخوں میں "اجڑ" لکھا ہے یہ غلط ہے
• سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ (۱۶) اب داغ دیں گے ہم اس کی سونڈ پر "درندے کی ناک خاص طور پر ہاتھی اور خنزیر کی ناک کو خرطوم کہتے ہیں، تذلیل کے طور پر ولید سردار قریش کی ناک کی طرف اشارہ ہے
• وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ (۲۵) اور سویرے چلے لپکے زور پر "لپکنا، جلدی چلنا،

تشریح، فتح الرحمان

(۴۲) کشف ساق "این کلمہ کنایت است از شدت حال"

مفسرین نے لکھا ہے "يقال کشفت الحرب عن ساق اذا اشتد الامر فيها (جلالین ص۴۷۱)
یعنی پنڈلی کھولنے کی بات ایک عربی محاورہ ہے جس سے حالات کی سختی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے
شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی قول کو ترجیح دی ہے،
شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں صحیحین کی روایت کو سامنے رکھا ہے اور کشف ساق کے واقعہ کو (جو اوپر فائدہ میں مذکور ہے)
تسلیم کر کے اسے متشابہات میں داخل کیا ہے اور اس پر مجملاً ایمان لانے کی ہدایت کی ہے،
شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے والد محترم کی رائے کی بجائے بڑے بھائی کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

سُورۃ الحاقۃ (۶۹)

• ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا (۷)، آٹھ دن کٹتے "یعنی لگاتار دن کٹتے گئے گزرتے گئے کٹ جانا، گزر جانا، جس میں توقف نہ ہو۔
یہ لفظ مختلف نسخوں میں غلط لکھا ہوا ہے، کہیں کٹتے، کہیں کٹے،
کسی نسخے میں اسے ہٹا کر اس جگہ "لگے تار" اور تاج کمپنی کے نسخہ میں "جڑ کاٹنے والے" لکھا ہوا ہے۔ یہ تحریف نقل ہے،
• كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۷) جیسے وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھرے "بوسیدہ اور بے وزن تنے ڈھنڈ یعنی تنے، ڈھنڈ پرانا لفظ ہے،
• فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (۱۰) پھر پکڑی ان کو پکڑ دم چڑھتی "رابیۃ" رَبا، رَبْواً سے ہے، ربوا کے دو معنی آتے ہیں، زیادہ ہونا، گھوڑے کا سانس چڑھنا،
شاہ صاحبؒ نے دوسرا مفہوم لیا ہے، دوسرے حضرات "سخت گرفت" ترجمہ کر رہے ہیں،
یعنی ان کو سانس چڑھانے والی پکڑنے پکڑ لیا، سانس پھولنا، سخت پریشانی اور گھبراہٹ کی علامت ہے،

بعض نسخوں میں «بڑی پکڑ» لکھا ہوا ہے، یہ تحریف ہے

• وَتَعِيَهَا (١٢) اور سنتے اس کو کان سننے والا «
یتنا» حفاظت کرنا اور سنبھال کر رکھنا،

• وَاهِيَةٌ (١٦) پھسپھسا، اس دن بکس رہا ہے، گوشت اور
کھانا جب سڑ جاتا ہے تو بکھرنے لگتا ہے، اسے بکسنا
کہتے ہیں، مراد ہے کہ آسمان کمزور پڑ جائے گا،
اس کی مضبوطی ختم ہو جائے گی، اس کے اجزا بکھرنے
لگیں گے،

• وَتِينَ (٤٦) ناڑ، گردن، دیہات میں اب بھی یہ لفظ
بولا جاتا ہے،

سُورَةُ الْمَعَارِجِ (٧٠)

• إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا (٢٠) جب لگے اس کو
برائی تو گھبرا، گھبرانے والا، بے صبرا،
لغت میں یہ لفظ نہیں ملا، بعض نسخوں میں (ڑ) سے
لکھا ہوا ہے، یہ غلط ہے

• مَنُوعًا (٢١) اَن دیوا، بخیل، ہاتھ روکنے والا

• أَمَانَاتِهِمْ (٣٢) دھرو ہریں، دھری ہوئی اور رکھی
ہوئی چیزیں،

• وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ (٤١) اور ہم سے چپڑ نہ جاویں گے
چپڑ جانا، آگے بڑھ جانا، غالب ہو جانا، یہ لفظ شاہ
صاحبؒ نے کئی جگہ استعمال کیا ہے اور پرانے ہونے
کی وجہ سے کاتبوں نے اسے بہت نسخوں میں غلط
لکھا ہے،
عنکبوت ۴، ۲۲، ۲۹ میں یہ لفظ موجود ہے،

الْمُزَّمِّلِ (٧٣)

• يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (١) اے جھرمٹ مارنے والے
حضور علیہ السلام تہجد کے وقت ایک بڑا کمبل اوڑھ
لیا کرتے تھے تاکہ سردی سے محفوظ رہیں، اور قیام و
قعود میں دشواری نہ ہو، جھرمٹ مارنا اسی حالت
کی طرف اشارہ ہے، چادر اوڑھنے والے یا کپڑے لپیٹنے
والے، الفاظ میں وہ کیف کہاں، ــ جھرمٹ مارنا،
چادر کو اپنے پورے بدن پر لپیٹنا،

• وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (٥) اور کتھری کو چھوڑ دے،
کتھری کا لفظ ناگ پھنی یا پرانے چیتھڑوں کو
جوڑ کر بنائے ہوئے بچھونے یعنی گدڑی کے
معنی میں استعمال ہوتا ہے، لغت میں کتاب
آدرش ہندی شبد کوش میں یہی لکھا ہوا ہے،

شاہ صاحبؒ نے اس لفظ کو بت کے معنی میں
استعمال کیا ہے اور فائدہ میں لکھا ہے کہ «
کتھری کہا بت کو، وہ اکثر دودھ اور تیل میں آلودہ

رہتا ہے،

• فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (٨) پھر جب کھڑکھڑاتے
وہ کھڑکھڑا، فائدہ میں لکھا ہے
یعنی پھونکے صور،
صور سے مراد بگل ہے جو اعلان کے وقت بجایا
جاتا ہے، وہ اندر سے خالی ہوتا ہے اس لئے اسے
کھڑکھڑا (کھوکھلا) کہا،

• خَلَقْتُ وَحِيدًا (١١) میں نے بنایا اکلا، یعنی
ماں باپ کا اکلوتا یا تنہا بن کیا،
یہ ولید ابن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے،

• ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (٢٢) پھر تیوری چڑھائی اور
منہ تھتھایا، منہ بگاڑا، تھتھنی بگاڑی، تحقیر کے
طور پر منہ کو تھوتھنی کہا،

• إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ (٢٤) نہیں، یہ جادو ہے چلا
آتا، اثر کے معنی نقل کرنا،
شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ترجمہ کیا، جادو
کہ نقل کیا جاتا ہے، شاہ صاحب کا مطلب
یہ ہے کہ یہ جادو ہے جو اوپر سے نقل ہوتا
چلا آ رہا ہے،

• لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ (٢٩) نظر آتی ہے پنڈے
پر، لاح یلوح ظاہر ہونا، لَوَّحَ بدل
ڈالنا، لَوَّحَ بِالنَّارِ، جھلس دینا،
اس لئے اردو تراجم مختلف ہیں، جھلس دینے
والی ہے چمڑے کو، شاہ رفیع الدینؒ
سوزندہ است آدمیاں را (شاہ ولی اللہ) بشر
یعنی آدمی لیا، دونوں بھائیوں نے بَشَر جمع
بَشَرَہ یعنی چہرہ لیا، پنڈے پر نظر آنے کا مطلب
بھی یہی ہے کہ وہ پنڈے کو شدت سے جھلس
دے گی اور اس کا اثر دور سے نظر آئے گا،

• كُنَّا نَخُوضُ (٤٥) اور ہم تھے بات میں دھنستے
بات کی گہرائی میں جاتے، بال کی کھال نکالتے

• حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ (٥٠) گدھے ہیں بدکے،
وحشی گدھے ہیں جو شیر کو دیکھ کر بھاگے جا رہے
ہیں (تھانوی) قَسْوَرَة کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے
غل کرنے، کیا ہے جبکہ لغت میں اس کے معنی
شیر اور بہادر انسان کے لکھے ہوتے ہیں،
قسمہ مجبوری، تمام مترجم حضرات نے بھی اس کا
ترجمہ شیر ہی کیا ہے،
شاہ صاحبؒ نے یہ معنی کہاں سے لئے ہیں ؟
کچھ کہا نہیں جا سکتا،

الْقِيَامَة (٧٥)

• وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (۲۸) اور وہ اٹکلا کراب آیا چھوٹنا۔ چھوٹنا۔ جدا ہونا، رخصت ہونا، چھٹنا بھی اسی معنی میں بولا جاتا ہے، چھٹی اسی سے بنا ہے،

• لِيَفْجُرَ اَمَامَهُ (۵) ڈھٹائی کرے اس کے سامنے۔ فجور کے معنی میں ظہور ہے۔ اس لئے شاہ صاحب ڈھٹائی ترجمہ کر رہے ہیں یعنی وہ کھل کر علی الاعلان گناہ کے کام کرنا چاہتا ہے۔ اگر قیامت کو مان لے گا تو اس میں خوف و اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے سامنے، یعنی خدا کے سامنے، جو ہر وقت دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے، شاہ رفیع الدین صاحب نے لکھا، گناہ کرتا رہے آگے اپنے، یعنی آئندہ زندگی میں (مولانا تھانویؒ)

تشریح (۹۶۷)

(۲۱) دنیا اور اس کی منفعت کو "شتاب ملتی" کہا اور آخرت اور اس کے فائدوں کو "دیر آتی" لکھا، کتنی اچھی تعبیر ہے،

سورۃ الدھر (۷۶)

ایک بوند کے لچھے سے، یعنی مخلوط بوند سے، نطفہ بھی وہ مختلف غذاؤں کا مجموعہ اور خلاصہ ہوتا ہے اور پھر عورت کے بوند سے ملتی ہے۔ یہی مطلب ہے "لچھے" کا۔ لچھا، مرکب، ملا ہوا۔

"پلٹتے رہے" "ابتلاء" کا ترجمہ کیا، یعنی پھر اس بوند کو رحم مادر میں الٹتے پلٹتے رہے اور مختلف منزلوں سے گذار کر انسان کامل بنا دیا۔

دوسرے مفسرین نے آزمائش ترجمہ کیا یعنی پیدائش کا مقصد انسان کو آزمانا اور امتحان میں ڈالنا ہے۔

• بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ (۱۵) ان پاس باسن روپے کے یعنی چاندی کے برتن،

• سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا (۲۲) اور کمائی تمہاری نیک لگی، یعنی ٹھکانے لگی اور قبول ہو گئی، وہست سعی شما قبول کردہ شدہ (شاہ ولی اللہؒ)

• وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ (۲۸) اور ہم نے ان کو بنایا اور مضبوط باندھی ان کی گرہ بندی، اَسْرٌ عربی میں وہ تسمہ جس سے کسی کو باندھا جاتا ہے یعنی بندھن، انسانی جوڑوں کو خدا تعالیٰ نے رگوں اور پٹھوں سے باندھ رکھا ہے، اس لئے شاہ ولی اللہؒ نے ترجمہ کیا۔

محکم کردیم رگ ایشاں را، شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے "بندھن" ترجمہ کیا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے گرہ بندی یعنی جوڑ بندی ترجمہ کیا،

اَسَرَ کے معنی باندھنا آتے ہیں، شاہ صاحبؒ نے حاصل مصدر بنا کر "گرہ بندی" کر دیا ہے، ڈپٹی صاحبؒ "جوڑ بند مضبوط کئے" لکھا ہے اور اسی کو مولانا تھانویؒ نے اختیار کیا ہے

سورۃ المرسلات (۷۷)

• نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (۹) نیند تمہاری دفع ماندگی لغت میں سَبَتَ کے معنی قَطَعَ، توڑنا کاٹنا، سُبَات گہری نیند، کیونکہ اس میں حواس سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے، پھر مجازاً راحت و آرام کے معنی میں بولا جانے لگا،

شاہ صاحبؒ نے لغوی معنی (قطع) کی رعایت "دفع ماندگی" یعنی آرام و راحت ترجمہ کیا، فارسی والوں نے "راحتے"،

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے "سبب آرام کا" اور مولانا تھانویؒ نے "راحت کی چیز" ترجمہ کیا۔

لیکن شاہ صاحب نے لفظ کی حقیقت کو بیان کیا اور ہندی میں کوئی لفظ نہیں ملا تو فارسی کی ترکیب استعمال فرمائی،

• اِرْكَعُوْا (۴۸) جب کہئے ان کو نوو۔ نہیں نوتے، یعنی جھکو، نہیں جھکتے،

• مَآءً ثَجَّاجًا (۱۴) پانی کا ریلا، ثَجَّ، ثَجًّا پانی کا بہنا، ثَجَّاجًا، کثرت سے پانی بہنے والا پانی، مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کا محاورہ میں بہترین ترجمہ "پانی کا ریلا" ہو سکتا ہے۔

مُعْصِرَات، کا لفظی ترجمہ نچوڑنے والی بدلیاں اور محاورہ میں پنچڑتی بدلیاں، مولانا تھانویؒ نے لکھا، پانی بھرے بادل۔

• مِرْصَادًا (۲۱) تاک میں۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے انتظار کرنے والی (رَاصِدَۃ)،

اس کا بہترین ترجمہ محاورہ میں "تاک میں" ہی ہو سکتا ہے، شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے "گھات میں" ترجمہ کیا بعض حضرات نے اسم ظرف کا ترجمہ کیا، گھات کی جگہ۔ (تھانویؒ)

آیت (۲۳) رہتے ہیں اس میں قرنوں، دوسرے حضرات نے لکھا، رہیں گے "شاہ صاحب" نے تمام صیغوں کا ترجمہ مستقبل کے بجائے فعل حال کا کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کے تمام احوال اس قدر یقینی ہیں کہ گویا اس وقت پیش آ رہے ہیں

(۲۴) برد۔ ٹھنڈک، شاہ صاحبؒ نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے قصہ (الانبیاء) میں بھی برد کا ترجمہ ٹھنڈک کیا ہے، وہاں تفصیل دیکھو۔

سورۃ النبأ (۷۸)

• عَطَآءً حِسَابًا (۳۶) رب کا دیا حساب سے۔ عام مفسرین نے حساب کو بمعنی کافی اور کثرت لیا ہے، جیسے حَسْبِیَ اللّٰہُ، اللہ میرے لئے کافی ہے، مولانا تھانویؒ نے قول جمہور کے مطابق ترجمہ کیا۔

صلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا۔

مترجمین میں شاہ ولی اللہؒ اور ان کے دونوں صاحبزادوں نے یہ مفہوم اختیار کیا کہ خدا تعالیٰ رتی رتی کا حساب کرکے بدلہ عطا فرمائے گا،

• لِبَاسًا (۱۰) اور بنائی رات اوڑھنا۔

شاہ ولی اللہؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے "پردہ" ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے اوڑھنا، یہ مصدر بھی ہے بمعنی کوئی کپڑا اپنے اوپر ڈالنا، اور بمعنی اوڑھنے کی چیز بھی آتا ہے، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو اوڑھنے کی چیز بنایا ہے،

• وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ (۱۲) اور چنی تم سے اوپر سات چنائی مضبوط۔ شاہ رفیع الدینؒ لکھتے ہیں "اور بنائے ہم نے اوپر تمہارے سات آسمان سخت"۔ شاہ صاحبؒ نے چننے کا لفظ رکھا، اردو میں چنا، تعمیر کرنا، دیوار چنا ترتیب دے کر لگانا، دستر خوان چننا، چنائی حاصل مصدر ہے بمعنی تعمیر، عمارت کی ساخت،

• مِنَ الْمُعْصِرٰتِ (۱۴) نچوڑتی بدلیوں سے۔ یعنی نچوڑنے والی بدلیوں سے (شاہ رفیع الدینؒ)

یعنی وہ بدلیاں جو پانی برسانے والی تھیں بعض نسخوں میں "نچڑتی" لکھا ہوا ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

سورۃ النازعات (۷۹)

• فِی الْحَافِرَۃِ (۱۰) کیا ہم پھر آویں گے الٹے پاؤں۔

حافرہ کے لغوی معنی ہیں پہلی حالت "اول امر" تمام حضرات نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے، شاہ صاحبؒ نے محاورہ کی رعایت سے اردو محاورہ استعمال کیا ہے،

سورۃ عبس (۸۰)

• وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا (۳۱) اور میوہ اور دوب۔ دوب گھاس، چارہ،

سورۃ التکویر (۸۱)

• حُشِرَتْ (۵) جب جنگل کے جانوروں میں رَول پڑے۔ یعنی گڈمڈ رل جاتے،

• زُوِّجَتْ (۷) اور جب جیوں کے جوڑ بندھیں۔ فائدہ میں لکھا ہے۔ یعنی قسم قسم کے گناہ گار اکٹھے ہوں۔

سورۃ المطففین (۸۳)

تشریح ۹۰۰

(۹۱) سجین کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ سجین دوزخیوں کا قید خانہ ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے،

دوسرا قول یہ ہے کہ سجین اس دفتر اعمال کا نام ہے جسمیں دوزخیوں کے نام درج کئے جاتے ہیں،

شاہ صاحبؒ نے پہلا قول اختیار کیا ہے اور فائدہ میں ایسی تشریح کی ہے جس سے تمام آیات کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے،

کتاب مرقوم "بیان ہے" کتاب الفجار "کا"، سجین کی تفسیر نہیں ہے۔ (جلالین ص۴۹۲)

(۵) آج کی زبان میں یوں کہیں گے۔ بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان کے اعمال بد کا۔

• عِلِّيُّوْنَ (۱۹) اوپر والے۔ علیین اوپر والوں میں، یعنی نیکوں کی جگہ اوپر ہے، ان کا اعمال نامہ بھی اوپر رہے گا،

شاہ صاحبؒ نے اشارہ کیا کہ علیین کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کے تقرب اور اس کے فضل و انعام کی جگہ ہے۔

• يَتَغَامَزُوْنَ (۳۰) آپس میں سین کرتے آنکھوں سے اشارہ کرتے،

سورۃ الانشقاق (۸۴)

• اِنَّكَ كَادِحٌ (۶) تجھ کو پچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں کھینچ کر، پھر اس سے ملنا۔ کدح کے معنی ہیں، محنت محنت کرنا بمشقت ہونا یہاں پہلے معنی مراد ہیں،

• طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۱۹) تم کو چڑھنا ہے گھڑ پر گھڑ۔ یعنی درجہ بدرجہ، یعنی زندگی کی تمام منزلوں سے درجہ بدرجہ گذرنا ہے،

سورۃ الطارق (۸۶)

• وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (۱۲) قسم ہے.....

زمین وڑا کھانے والی کی ۔۔ وہ زمین جو پودا
نکلتے وقت پھٹتی ہے۔ صَدْعٌ بمعنی پھٹنا،
شق ہونا۔ لے شاہ صاحب نے دراڑ کیا ہے،

سُورَۃُ الاعلیٰ (۸۷)

• وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى (۱۱) اور سرک رہے گا
اس سے بڑا بدبخت ۔۔ سرکنا، دور رہنا بچنا،
یعنی اس نصیحت سے گریز کرے گا،

سُورَۃُ الغاشیہ (۸۸)

• نَمَارِقُ ـــ وَزَرَابِيُّ ـــ تکیے
اور بچھونے، بعض نسخوں میں غلطی ہے،

یہاں میں (ق) کو (غ) سے بدل دیتے ہیں،
بنا لیے گدے،

سُورَۃُ البلد (۹۰)

• فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۱۱) سو دھمک سکا
گھاٹی پر ۔ دھمکنا۔ بچہ کا اٹھنے کیلئے ہاتھ پیر
مارنا اور دوسرے معنی حملہ کرنا، دھاوا کرنا، مراد
ہے پوری کوشش کرنا۔
یعنی اس انسان نے ان اعمال خیر پر چلنے
کی پوری کوشش کیوں نہ کی ـــ
• أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (۱۶) یا محتاج کو
جو خاک میں رلتا ہے۔ خاک میں آلودہ رہتا ہے،
خاک میں پڑا رہتا ہے، بعض نسخوں میں را پر
پیش لگا ہوا ہے، وہ غلط ہے،

سُورَۃُ اللیل (۹۲)

• إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى (۴) تمہاری کمائی بھانت
بھانت ہے۔ یعنی طرح طرح کی ہے۔ تمہاری
کوششیں مختلف ہیں (تھانوی)

سُورَۃُ الضحیٰ (۹۳)

تشریح ۔۔۔ (۷) پایا تجھ کو بھٹکتا
یعنی تلاش حق میں سرگرداں
اور حیران، یہاں ۔ ضلال ۔ گمراہی کے مفہوم
میں نہیں ہے،
پوری وضاحت اس مسئلہ کی حاشیہ موضح قرآن
میں دیکھو،

سورۃ الانشراح (۹۴)

• الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ (۳) جس نے کڑکائی
پیٹھ تیری۔ کڑکنا بمعنی آواز دینا، بجلی کی کڑک مراد
ہے، کڑکا آواز دینا، زیادہ بوجھ کی وجہ سے،

سُورَۃُ العادیات (۱۰۰)

• فَالْمُغِيرَاتِ (۳) پھر دھاوا دیتے صبح کو
دھاوا کرنا، حملہ کرنا، پہلے دھاوا دینا لیے چھپ کے

سُورَۃُ القارعۃ (۱۰۱)

• كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ (۴) جیسے پتنگے بکھرے
پروانے جو شمع کے اوپر گرتے اور بکھرتے ہیں،

سُورَۃُ الفیل (۱۰۵)

• طَيْرًا أَبَابِيلَ (۳) اڑتے جانور ٹنگ ٹنگ
ٹنگ چھوٹا۔ بیان کرنے والے نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اصل
میں فارسی ہے جھنگ ت اور ن دونوں کا
پیش ہے بمعنی چھوٹا جانور۔ فارسی سے یہ لفظ
ہندی میں آیا ہے، ہندی میں اس کا تلفظ تنگ
ت اور ن دونوں کا زبر ہے

سورۃ القریش (۱۰۶)

• لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ (۱) اس واسطے کہ ہلا رکھا
قریش کو۔ ہلانا، مانوس کرنا،

سورۃ الاخلاص (۱۱۲)

• الصَّمَدُ نرادھار۔ جو کسی آدھار اور
کسی سہارے کے بغیر زندہ و قائم ہو، واجب الوجود
بے نیاز اور قیوم، سب کے تھامنے والا ـــ کیلئے

نرادھار بہترین جامع لفظ ہے،

سورۃ الناس (۱۱۴)

• شَرِّ الْوَسْوَاسِ (۴) بدی سے اس کی
جو سنکارے ۔۔ سنکارنا۔ اکسانا، بہکانا،

تصحیح الاغلاط

تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ترجمہ (۱)
کچھ اتارا ہے بڑے مہربان، رحم والے سے۔
تاج کمپنی لاہور۔
مطبع نعمانی دلی۔ مطبوعہ آگرہ کے نسخوں
میں (کچھ) لفظ تحریف و اضافہ ہے۔ قدیم
نسخوں میں یہ لفظ نہیں ہے۔
(۲) وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا توبہ (۴)
اور مدد کو اس کی بھیجیں وہ فوجیں کہ تم نے
نہیں دیکھیں،
بعض نسخوں میں بھیجیں۔ لکھا ہوا ہے،
یہ غلط ہے، کیونکہ ایّدہ فعل متعدی ہے اور
خدا تعالیٰ اس کا فاعل ہے۔
،، وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ (بقرہ ۱۰۲)
اور اس علم کے جو اترا دو فرشتوں پر،

تمام قدیم و جدید نسخوں میں ما انزل کا عطف
تتلوا پر کیا گیا اور اس صورت میں ترجمہ
وہ ہوگا جو اوپر ذکر ہے،
بعض نسخوں میں (کے) کی جگہ (کو) لکھا ہوا ہے

یہ غلط ہے اس صورت میں اس کا عطف البحر پر ہو جاتا ہے،

(۴) تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ (الانعام ۹۲)
جس کو تم نے ورق ورق کر کر دکھایا۔ ورق ورق کر کر دکھانا یعنی الگ الگ کاغذوں میں لکھ کر دکھانا، یہودنے توراۃ کے ساتھ یہی کر رکھا تھا،
بعض نسخوں میں ایک (کر) رہ گیا ہے اور ورق ورق کرنا بن گیا ہے،
اس کے معنی ضائع کر دینے کے ہیں، قرآن کی یہ مراد نہیں، یہ کتابت کا سہو ہے،

(۵) وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا (النساء ۱۲۶)
اور اللہ کے ڈب میں ہے ہر چیز، یعنی اللہ کے قابو اور اس کے قبضہ میں ہے ہر چیز،
بعض نسخوں میں (ڈھب) لکھا ہوا ہے،
ڈھب کے معنی طریقہ اور طرز کے ہیں، غلطی سے ڈب کا ڈھب بن گیا ہے،

(۶) إِنِّي أَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ ۱۲) میں ہوں، میں، تیرا رب
بعض نسخوں میں دوسرا (میں) نہیں ہے،
یہ "میں" تاکید کیلئے ہے، یہ شاہ صاحب رح کا اسلوب خاص ہے،

(۷) فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا (الشعراء ۱۸۷)
سو ڈال ہم پر کوئی ٹکڑا،
بعض نسخوں میں (پتھر) لکھا ہوا ہے یہ غلط ہے

(۸) بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ (الاعراف ۸۶)
اور مت بیٹھو ہر راہ پر ڈر کے دیتے۔
بعض نسخوں میں (ہر راہ پر ڈر کے) لکھا ہوا ہے،
یہ کتابت کی غلطی ہے،

(۹) فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ (التوبہ ۸۱)
خوش ہوئے پیچھے ڈالے گئے بیٹھ رہ کر۔
بعض نسخوں میں (بیٹھ کر) لکھا ہوا ہے یہ غلط ہے

(۱۰) وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ (ہود ۸۸)
اور بن جاتا ہے اللہ سے۔
توفیق کا ترجمہ بن آنا صحیح ہے، بعض نسخوں میں اس کو بگاڑ دیا گیا ہے،

(۱۱) يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ (الدخان)
جس دن پکڑیں گے ہم بڑی گرفت یعنی بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے۔ بعض نسخوں میں (گرفت) کے لفظ کی جگہ بڑی بُر لکھ دیا گیا ہے،
یہ تحریف ہے،

(۱۲) وَلْيَعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ (الحج ۷۸)
اور پکڑو اللہ کو یعنی مضبوط پکڑو اللہ کو،

بعض نسخوں میں (گرفت) کے لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرے الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں، یہ تحریف ہے،

(۱۳) بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ (الانفال ۹)
ہزار فرشتے لگاتار آنے والے، بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی نے اسے یوں کر دیا ہے۔
ہزار فرشتے جن کے پیچھے لگے آویں۔ ایک نسخے میں واقع (جن کے) لفظ نے بگڑ کر (جنّ) کی شکل اختیار کر لی ہے، یہ تحریف کی بڑی دلچسپ مثال ہے،

(۱۴) فَالصَّالِحَاتُ (النساء ۳۴)
نیک بختیں ہیں۔ بعض نسخوں میں (نیک کار) لکھا ہوا ہے،
یہ تحریف ہے،

(۱۵) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (النساء ۷۷)
اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو۔ بعض نسخوں (کا) زائد ہے، جس سے آیت کا مفہوم بدل جاتا ہے،

(۱۶) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ (النساء ۱۱۶)
اللہ نہیں بخشتا اس کا شریک ٹھہرانے۔ بعض نسخوں میں (یہ) کا لفظ حذف ہو گیا ہے،

(۱۷) الشورىٰ (۴۷) اس طرح ہے
وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا
اور کوئی میوے نہیں جو نکلتے ہیں اپنے غلافوں سے اور گابھہ سے
اس ترجمہ میں "اور گابھہ" کا لفظ زائد معلوم ہوتا ہے، متن کے اندر ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، جسکا اسے ترجمہ کہا جاسکے۔ یہ نقل کتابت کی غلطی ہے۔

(۱۸) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (العلق ۱۸)
ہم بلاتے ہیں پیادے، سیاست کرنے کو۔ آخری الفاظ تفسیر کے طور پر بڑھائے گئے ہیں، ورنہ متن میں ایسا کوئی لفظ نہیں۔

فوائد میں کتابت کی غلطی کی مثال

کتابت کی غلطی نے جس طرح اصل ترجمہ میں غضب ڈھایا ہے اسی طرح، فوائد کو بھی بگاڑا ہے،
اس کی صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے،
الانعام آیت ۷۰ پر شاہ صاحب نے فائدہ تحریر فرمایا،
"حق تعالیٰ کے کلام میں (کل) کے ساتھ (اور)

آتا ہے ۔۔ پورا نوٹ طویل ہے، اور علم کلام کے ایک اہم مسئلہ کی تشریح سے متعلق ہے، اس میں اشارہ اس فقرہ کی طرف ہے،

وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ (ترجمہ، اور تا اس کو یقین آوے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو،

اس عبارت (آتا ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب بطور کلیہ کے یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ جہاں تا (لام کے) ہوتا ہے وہاں اور (واو عاطفہ) بھی ہوتا ہے،

حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ شاہ صاحبؒ کی عبارت مرتب کے سہو کا شکار ہو گئی ہے، اصل عبارت میں (آیا ہے) تھا یعنی اس جگہ ایسا آیا ہے۔

دوسری مثال سورۃ الطارق نمبر ۸ میں فرمایا ۔۔ وَاِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ (ترجمہ) بے شک وہ اس کو پھیر لا سکتا ہے ۔۔ اس آیت پر فائدہ نمبر ۲ بعض نسخوں میں اس طرح ہے "یعنی اللہ دنیا میں پھیر لاوے گا مرنے کے بعد"

ظاہر ہے کہ یہ غلطی سید عبد اللہ صاحب والے نسخہ میں موجود ہے جو قدیم ترین نسخہ ہے اسی سے دوسرے نسخوں نے نقل کیا ہے،

دنیا میں دوبارہ زندہ ہو کر آنا، قرآن کریم کی عام تصریحات کے خلاف ہے اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فحش غلطی کس طرح شاہ صاحبؒ کے حواشی میں داخل ہوئی، اس غلطی سے ہندو تصورات کے مطابق آواگون ثابت کیا جا سکتا ہے،

حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے المؤمنون (۱۰۰) کے تحت جو فائدہ لکھا ہے، اس میں وضاحت کے ساتھ آواگون کے تصور کو باطل قرار دیا ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

"معلوم ہوا یہ جو لوگ کہتے ہیں، آدمی مر کر پھر آتا ہے، سب غلط ہے، قیامت کو اٹھیں گے، اس سے پہلے ہرگز نہیں"

مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی نے اپنے تشریحی نوٹ میں شاہ صاحبؒ کا یہ فائدہ پورا تحریر کیا ہے اس میں یہ اضافہ درج نہیں ہے ۔۔ مولانا لکھتے ہیں، یعنی اللہ پھیر لاوے گا مرنے کے بعد، (موضح قرآن) ۔۔ اب یا تو مولانا کے سامنے موضح کا جو نسخہ تھا اس میں یہ اضافہ نہیں تھا یا مولانا نے غلط سمجھ کر اسے حذف کر دیا۔ موجودہ نسخوں میں تاج کمپنی لاہور اور مطبوعہ ۱۳۱۵ھ بمبئی اور سید احمد حسن ڈپٹی کلکٹر حیدر آباد کے نسخوں میں یہ اضافہ نہیں ہے البتہ دلی کے کتب خانوں کے مطبوعہ نسخوں میں یہ غلطی نظر آتی ہے،

رسم الخط کی تبدیلی کا مسئلہ

موضح قرآن کے قدیم نسخوں کو چھوڑیئے ان میں تو اردو کا قدیم رسم الخط ہی استعمال کیا گیا ہے، لیکن جدید نسخوں میں بھی بعض مقامات پر وہی پرانا رسم الخط نظر آتا ہے اور اس کی وجہ سے ترجمہ کا مفہوم بدل گیا ہے،

حالانکہ ناشرین کو اس مسئلہ پر بھی توجہ دینی چاہئے تھی، خاص طور پر تاج کمپنی کے مرتب صاحبان کو دیکھنا چاہیئے کہ آج کا پڑھنے والا ان لفظوں کو کیا پڑھے گا، اور آج کے رسم الخط کے مطابق ان لفظوں کے معانی کیا بن جائیں گے۔

ہم نے ترجمہ کی تصحیح میں اس تبدیلی کا بھی پورا پورا لحاظ کیا ہے، ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں، تاکہ آئندہ دوسرے ناشرین بھی اس کا خیال رکھیں،

(۱) المائدہ (۳۳) کے ترجمہ میں تین لفظ ہیں ۔۔ قتل کیے، سولی چڑھائے، دور کیے ۔۔ یہ تینوں لفظ پرانے نسخوں میں اسی طرح ملتے ہیں۔ آج کے رسم الخط کے لحاظ سے ان لفظوں کو اس طرح لکھنا چاہیئے تھا، قتل کیجئے، سولی چڑھایئے، دور کیجئے یعنی اصل میں یہ امر حاضر کے صیغے ہیں یہ امر غائب کے صیغے نہیں ہیں، سید عبد اللہ کے ایڈیشن میں پہلا لفظ اس طرح لکھا ہوا ہے ۔۔

قتل کیجئے ۔۔ چونکہ نزول آیت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے اس لئے سید عبد اللہ صاحب نے اسے احترام کے لفظ میں تبدیل کر دیا ہے اور اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ امر حاضر کا صیغہ ہے۔

(۲) ۔۔ مریم (۵۸) کے ترجمہ میں ایک لفظ ہے "جب ان کو سنائے" ۔۔ یہ بھی آج کے رسم الخط میں "سنایئے" لکھا جانا چاہیئے، موجودہ شکل میں یہ مضارع کا مفہوم دے رہا ہے، حالانکہ لفظ امر حاضر ہے،

(۳) ۔۔ مریم (۷۳) میں بھی یہ لفظ آیا ہے اور تاج کمپنی کے نسخہ میں اس طرح لکھا ہوا ہے "اور جب سنائے ان کو" ۔۔ یہاں بھی واضح طور پر "سنایئے" ہونا چاہیئے، یہی لفظ بنی اسرائیل

(۱۰۷) میں آیا ہے اور وہاں تاج کمپنی نے اسے صحیح شکل میں لکھا ہے یعنی "جب ان کے پاس اسے پڑھے"،

(۳) سورۂ طٰہٰ (۸۷) میں ہے "وہ پھینک دے"۔

بعض اہم تفسیری مسائل

• ختم قلوب اور ضلالت کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ قانون قدرت یہ ہے کہ جب انسان اپنی فکری، ذہنی اور دماغی صلاحیتوں کو حق وصداقت کی باتوں کو سننے اور سمجھنے میں نہیں لگاتا تو وہ قوتیں اس معاملہ میں معطل اور بے کار ہو جاتی ہیں، قرآن اسی فطری قانون کو اس اسلوب سے بیان کرتا ہے۔

• مکر، کید، خدع، استہزاء اور نسیان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر کے بیان کیا ہے، یہ عرب کے عام محاورہ کے مطابق ہے، خدا تعالیٰ عربوں کو انہی کے محاورات میں مخاطب کرتا ہے علم معانی میں اسے صنعت مشاکلت کہتے ہیں اس سے کلام میں زور پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، ورنہ درحقیقت خدا تعالیٰ مکر وفریب اور دھوکہ دہی سے بالکل پاک ومنزہ ہے،

تینوں بزرگوں نے اپنے ترجمہ میں اصل کلام عربی کے اسلوب کو قائم رکھتے ہوئے ان لفظوں

کا لغوی ترجمہ کیا ہے، دوسرے حضرات نے مرادی معنی کئے ہیں، یعنی خدا تعالیٰ مکر وفریب کی سزا دیتا ہے، بدلہ دیتا ہے۔ اس کا تو ذکر کیا ہے

• قرآن کریم میں سب کچھ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا جو موضوع ومقصد ہے یعنی کامیاب نظام زندگی کے اصول وکلیات بیان کرنا، اس کے متعلق قرآن میں سب کچھ ہے

یہ مطلب نہیں کہ اس کتاب ہدایت میں زمین و آسمان اور چاند، سورج کی طبعی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ الانعام (۵۹) میں کتاب مبین سے شاہ صاحبؒ نے "لوح محفوظ" مراد لی ہے،

• قرآن حکیم زمین وآسمان اور چاند تاروں کے متعلق جو کچھ کہتا ہے وہ عام آدمی کے ظاہری احساس کے مطابق کہتا ہے، حقیقت حال بیان نہیں کرتا، یہ اس کے موضوع سے خارج ہے، حقائق کائنات کو انسانی تحقیق وجستجو کے حوالہ کرتا ہے یہ کہہ کر کہ ہم نے کل کائنات

کو انسان کیلئے مسخر اور تابعدار بنا دیا ہے۔

• قرآن میں جسے قلب کہا گیا ہے وہ طبی اصطلاح والا دل یعنی گوشت کا ٹکڑا مراد نہیں ہے بلکہ وہ باطنی قوت مراد ہے جو احساس، عقل اور ارادہ کا مرکز ہے۔

• انبیاء علیہم السلام اتمام حجت کی حد تک تبلیغ حق کا فرض انجام دیتے ہیں اس لئے آخرت میں دوزخیوں کے بارے میں ان سے بازپرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ ودعوت کے جو ذمہ دار لوگ ابلاغ مبین کی حد تک اپنا فرض انجام نہیں دیں گے ان سے آخرت میں جواب طلبی ہو گی،

مشہور پیغمبروں کے واقعات

بڑے بڑے پیغمبروں کے واقعات جن جن سورتوں میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں ان کے حوالہ جات مع قید صفحہ کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

• حضرت آدم علیہ السلام، البقرہ ص۸ الاعراف ص۲۴۶، الاسراء ص۴۷۵ طٰہٰ ص۵۳۰ ص ص۷۵۰

• ہابیل وقابیل، المائدہ ص۱۴۳

حضرت نوح علیہ السلام، الاعراف ص۲۵۹ یونس ص۳۳۵، ہود ص۳۶۰ المومنون ص۵۶۰، الشعراء ص۶۱۶، العنکبوت ص۶۵۹ نوح ص۹۵۳

• حضرت ہود علیہ السلام، الاعراف ص۲۵۹ ہود ص۳۶۳، الشعراء ص۶۱۷،

حضرت صالح علیہ السلام، الاعراف ص۲۶۱ ہود ص۳۶۴، الشعراء ص۶۱۸،

• حضرت ابراہیم علیہ السلام، البقرہ ص۲۹ الانعام ص۲۲۳ ہود ص۳۶۹، ابراہیم ص۴۲۷، الحجر ص۴۳۶، مریم ص۵۰۹ الحج ص۵۴۳ العنکبوت ص۶۶۰ الصافات ص۷۴۳، الذاریات ص۸۶۳، الانبیاء ص۵۲۲ الشعراء ص۶۱۳، الزخرف ص۸۱۱ الممتحنہ ص۹۱۳،

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ سوائے سورۂ مریم کے، وہاں علیحدہ ذکر

رنجیت سنگھ کے عہد کا ایک قلمی قرآن حکیم

قرآن مجید۔ مطبوعہ ایران بخط نستعلیق

چند اہم کتب

نور البصر فی سیرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم:

از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (مؤلف قصص القرآن)

سیّد کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی سیرت طیبہ کے مختلف عنوانات پر سیر حاصل بحث و تذکرہ کے بعد خلاصہ اور سوالات کے دلچسپ عنوانات کتاب کے آخری باب میں شمائل و اخلاق اور جوامع الکلم کا نادر مجموعہ: علماء و طلباء کے لئے یکساں مفید۔ قیمت ۲۴ روپے صرف

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ:

—— اسلام کے بطلِ جلیل کی سوانح عمری ——

جس میں آپ کے علمی، عملی کارناموں کے ساتھ آپکے مجاہدانہ کارناموں کو برّصغیر کے مایہ ناز دانشور ڈاکٹر محمد یوسف کوکن عمری نے دلچسپ اور خوبصورت انداز میں سپرد قلم کیا ہے۔ خوبصورت ڈائی دار دو رنگہ جلد۔

قیمت ۸۰/- روپے